# ملفوظات

حضرت مرزا غلام احمد قادیانی

مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام

جلد ۷

# دیباچہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بابرکت تصانیف اس سے قبل رُوحانی خزائن کے نام سے ایک سیٹ کی صورت میں طبع ہو چکی ہیں لیکن ایک عرصہ سے نایاب ہونے کی وجہ سے اس بات کی شدت سے ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ اس رُوحانی مائدہ کو دوبارہ شائع کر کے تشنہ روحوں کی سیرابی کا سامان کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا بیحد احسان ہے کہ اسکی دی ہوئی توفیق سے خلافت رابعہ کے بابرکت دور میں اب ان کتب کو دوبارہ سیٹ کی صورت میں شائع کیا جارہا ہے۔ یہ کتب اکثر چونکہ اُردو زبان میں ہیں اور اُردو دان طبقہ کی اکثریت پاکستان میں ہے اس لئے مناسب تو یہ تھا کہ ان کتب کی اشاعت بھی پاکستان میں ہوتی۔ لیکن ناگزیر مشکلات کی وجہ سے مجبوراً بیرون پاکستان سے ہی ان کی اشاعت کا فیصلہ کرنا پڑا۔

اس ایڈیشن کے سلسلہ میں چند امور قابل ذکر ہیں۔

ا۔ قرآنی آیات کے حوالے موجودہ طرز پر (نام سورۃ : نمبر آیت) نیچے حاشیہ میں دیئے گئے ہیں۔

ب۔ سابقہ ایڈیشن سے محض کتابت کی غلطیوں کی تصیح کی گئی ہے۔

ج۔ ہاتھ سے لکھی ہوئی انگریزی عبارات کو صاف TYPE میں پیش کیا گیا ہے۔

خدا تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ سعید روحوں کو ان رُوحانی خزائن کے ذریعہ راہِ ہدایت نصیب فرمائے اور ہماری حقیر کوششوں کو قبولیت بخشے۔ آمین

خاکسار

الناشر

۲۰ نومبر ۱۹۸۴ء

مبارک احمد ساقی ایڈیشنل ناظر اشاعت

# ملفوظات حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام

## جلد ھفتم

---

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ملفوظات طیبہ کی یہ ساتویں جلد ہے جو ۲ مئی ۱۹۰۵ء سے لیکر ۳۱ اگست ۱۹۰۵ء تک کے ملفوظات مبارکہ پر مشتمل ہے۔ اس جلد کی ترتیب و تدوین بھی میری اصولی ہدایات کے مطابق مکرم **مولانا محمد اسماعیل** صاحب **دیالگڑھی** کی مساعی کی رہین منت ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں دنیا و آخرت میں اس کار خیر کی بہترین جزا عطا فرمائے۔ آمین

جب سے کہ نوع انسانی دنیا کے مختلف بلاد و امصار اور اطراف و اقطار میں پھیلنی شروع ہوئی اس وقت سے لیکر آجتک صرف دو مبارک وجود ہیں جو دنیا کی تمام قوموں اور تمام مذاہب اور تمام ملکوں کے باشندوں کی ہدایت کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث کئے گئے۔ ان میں سے ایک تو حضرت خاتم الانبیاء سید الرسل والاصفیاء سیدنا و مولانا **محمد مصطفیٰ** صلے اللہ علیہ وسلم ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص وحی سے یہ اعلان کرنے کا ارشاد فرمایا۔ قل یایھا النّاس انّی رسول اللّٰہ الیکم جمیعًا

کہ اے انسانو میں تم سب کی طرف خدا تعالیٰ کی طرف سے رسول ہو کر آیا ہوں اور دوسرا وجود آپ کے خادم و مطیع حضرت **میرزا غلام احمد** مسیح موعود و مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے ان پیشگوئیوں کے مطابق جو قرآن مجید اور احادیث نبویہ اور انجیل وغیرہ میں پائی جاتی ہیں اس زمانہ میں مبعوث فرمایا اور آپ نے حسب وحی الٰہی اپنی بعثت کی غرض بیان کرتے ہوئے یہ اعلان فرمایا۔

"اے تمام وہ لوگو جو زمین پر رہتے ہو اور اے تمام وہ انسانی روحو جو مشرق و مغرب میں آباد ہو میں پورے زور کے ساتھ آپ کو دعوت دیتا ہوں کہ اب زمین پر سچا مذہب صرف اسلام ہے اور سچا خدا بھی وہی خدا ہے جو قرآن نے بیان کیا ہے اور ہمیشہ کی روحانی زندگی والا نبی اور جلال اور تقدس کے تخت پر بیٹھنے والا حضرت **محمد مصطفیٰ** صلے اللہ علیہ وسلم ہے" (تریاق القلوب)

یہ دو عظیم الشان وجود جو آپس میں آقا و غلام اور مخدوم و خادم اور استاد و شاگرد اور محبوب و محب اور مطاع و مطیع

کی نسبت رکھتے ہیں، عالم ہدایت کے شمس و قمر کے بمنزلہ ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی وحی اور ان کے ملفوظات کی حفاظت کا سامان فرمایا۔ یہ وہ فضیلت ہے جو مرسلین الٰہی میں سے صرف انہی دو پاک وجودوں کو حاصل ہوئی۔ پس ہمیں خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیئے کہ اس نے اپنے فضل و کرم سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ملفوظات طیبہ کو ہمارے لئے اور ہماری قیامت تک آنیوالی نسلوں کیلئے محفوظ کر دیا۔ پس کیا ہی بدنصیب ہیں وہ دوست جو ان عطائیات رُوحانی سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش نہیں کرتے اور بے پرواہی سے کام لیتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس نعمت خداوندی کی قدر کرنے کی توفیق بخشے۔

ملفوظات طیبہ کی پہلی جلدوں کی طرح یہ جلد بھی مختلف رُوحانی غذاؤں پر مشتمل ہے۔ زندگی کا کوئی ایسا پہلو نہیں جس سے متعلق اس میں کوئی ہدایت موجود نہ ہو۔ اس جلد میں کہیں تو جماعت کو دعا کیلئے ترغیب دی گئی ہے اور کہیں وجودی اور شہودی فرقہ کی حقیقت بیان ہوئی ہے اور کہیں نمازوں کے بعد دُعا اور تسبیح وغیرہ مسائل پر بحث ہے اور کہیں تزکیہ نفس کا طریق بتایا ہے۔ کہیں اخلاق کے فلسفہ پر اور کہیں عبادات پر اور کہیں عورتوں کی اصلاح کے ضمن میں پردہ کی اہمیت بیان کی گئی ہے وغیرہ۔

الغرض ایک مُرشد کامل اور مُصلح حقیقی کی طرح آپ نے جب کبھی اپنی جماعت کے افراد میں کوئی کمزوری دیکھی تو اس کے مناسب حال نصیحت کی اور کبھی رُوحانی مدارج کے حصول کے لئے جن اعمال کی ضرورت تھی اُن کی طرف پورے زور سے توجہ دلائی۔ مثلاً دعا کے لئے ترغیب دیتے ہوئے فرمایا۔

"یقیناً سمجھو کہ دُعا بڑی دولت ہے۔ جو شخص دُعا کو نہیں چھوڑتا۔ اس کے دین و دنیا پر آفت نہ آئیگی وہ ایک ایسے قلعے میں محفوظ ہے جس کے ارد گرد مسلح سپاہی ہر وقت حفاظت کرتے ہیں" (صفحہ ۱۹۲ جلد ہذا)

اور فرمایا:-

"دُعا کی مثال ایک چشمۂ شیریں کی طرح ہے جس پر مومن بیٹھا ہوا ہے۔ وہ جب چاہے اس چشمہ سے اپنے آپ کو سیراب کر سکتا ہے جس طرح ایک مچھلی بغیر پانی کے زندہ نہیں رہ سکتی اسی طرح مومن کا پانی دُعا ہے کہ جس کے بغیر وہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ اس دعا کا ٹھیک محل نماز ہے۔ . . . . . یہ میری نصیحت ہے جس کو میں ساری نصائح قرآنی کا مغز سمجھتا ہوں" (صفحہ ۱۹۳ جلد ہذا)

پس اے ہمارے پیارے خدا۔ تو ان دوستوں کے گھروں کو اپنی برکات اور انوار سے بھر دے جو تیرے مُرسل کی باتوں کی قدر کرتے اور ان ملفوظات کا اس پاک نیت سے ان میں درس جاری کرتے ہیں کہ ان کی اولادیں اور ان کے رشتہ دار سب کے سب اس رنگ سے رنگین ہوں جسے تو نے پسند کیا ہے یعنی ان میں سے ہر ایک کی رُوح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح بہ آواز بلند پکار اُٹھے کہ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ آمین

ربوہ ۹ نومبر ۱۹۶۲ء خاکسار جلال الدین شمس

# اِنڈیکس مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

# انڈیکس ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

## جلد ہفتم

(مرتبہ مولوی عبد اللطیف صاحب بہاولپوری)

## (الف)

### اللہ تعالیٰ

## ابتلاء



## ابوبکرؓ

## اجتہاد



## اجماع



## احمدیت (نیز دیکھئے جماعت احمدیہ اور سلسلہ احمدیہ)



## اخبار



## ارتداد



## اسباب



## استخارہ



## استغفار

+

۸۔ حضور کو اپنے الہامات کے متعلق کامل یقین دفرمایا۔
"مکہ معظمہ میں داخل ہو کر اگر خدا تعالےٰ کی قسم دی
جاوے تو میں کہوں گا کہ میرے الہام خدا تعالےٰ
کی طرف سے ہیں۔ ص۲۶

# الہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

## عربی الہامات

۱۔ اِنّی احافظ کل من فی الدار ص۲
۲۔ یامسیح الخلق عدوانا ص۳
۳۔ یاتون من کل فج عمیق ص۳۶-۵۰-۱۲۴
۴۔ یاتیک من کل فج عمیق ص۵۰-۱۲۴
۵۔ ولا تصعر لخلق الله ولا تسئم من الناس
ص۳۶-۵۰-۹۱-۱۲۴
۶۔ اذا جاء نصر الله والفتح وانتهی امر الزمان
الیس ھٰذا بالحق ص۳۹-۵۰
۷۔ انّی مهین من اراد اهانتك ص۳۷-۲۱۵
۸۔ وانّی معین من اراد اعانتك ص۳۷
۹۔ انّه اوی القریة ص۴۷
۱۰۔ انّ الله لا یغیّر ما بقوم حتی یغیّروا
ما بانفسهم ص۴۸
۱۱۔ لولا الاکرام لهلك المقام ص۴۹
۱۲۔ ینصرك رجالٌ نوحی الیهم من السماء
ص۵۰-۳۲۵
۱۳۔ واذا مرضت فهو یشفی ص۵۱-۴۲۱
۱۴۔ انت منی بمنزلة عرشی ص۸۴

۱۵۔ انت منی بمنزلة توحیدی وتفریدی ص۸۴
۱۶۔ انت منی بمنزلة اولادی ص۸۴
۱۷۔ انت منی وانا منك ص۸۴
۱۸۔ حان ان تعان وتعرف بین الناس ص۱۹۴
۱۹۔ ربّ لا تذرنی فردًا وانت خیر الوارثین ص۲۱۵
۲۰۔ عفت الدیار محلها ومقامها
ص۲۴۹-۲۹۲-۳۴۵-۳۷۰-۳۸۰
۲۱۔ ان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا
فاتوا بشفاء من مثله ص۲۹۵
۲۲۔ انّی لاجد ریح یوسف لولا ان تفندون ص۲۹۶
۲۳۔ انّی مع الروح معك ومع اهلك ص۲۹۶
۲۴۔ انّما امرك اذا اردت شیئًا ان تقول له
کن فیکون ص۳۱۱
۲۵۔ ینصرك الله من عنده ص۳۲۵
۲۶۔ نجّونا نار جهنم ص۳۳۰
۲۷۔ یاتی علی جهنم زمان لیس فیها احد ص۳۳۰
۲۸۔ وتجلّٰی ربه للجبل فجعله دکًّا وخرّ موسٰی
صعقًا ص۳۳۸
۲۹۔ قرب اجلك المقدر۔ ولا نبقی من
المخزیات ذکرًا ص۳۳۹
۳۰۔ جاء الحق وزهق الباطل ص۳۴۲
۳۱۔ کففت عن بنی اسرائیل ص۳۴۳
۳۲۔ انك تری ایاتٍ ص۳۴۳
۳۳۔ قوة الرحمٰن لعبید الله الصمد ص۳۴۳
۳۴۔ ام حسبتم ان اصحاب الکهف والرقیم

*

## تسبیح



## تصویر



## تعبیر



## تعدد ازدواج

## تفسیر

+

## تہذیب

۱۔ تہذیب کے اصول اخلاص۔ صدق اور توحید ہیں وہ سوائے اسلام کے کسی دوسرے مذہب میں نہیں مل سکتے ص۷۱

۲۔ سچی تہذیب وہ ہے جو قرآن نے سکھلائی ہے جس کے ذریعہ سے روحانی زندگی حاصل ہوتی ہے ص۴۳۷

۳۔ خدا تعالیٰ نے جس تہذیب کے پھیلنے کا ارادہ فرمایا ہے اسے اب کوئی نہیں روک سکتا ص۴۲۹

۴۔ جس قوم میں راستی کا پیار نہیں۔ اعمال میں للّٰہیت نہیں اور ریاکاری اور خود پسندی ان کا شیوہ ہے ہم اسے مہذب نہیں کہہ سکتے ص۷۱

۵۔ ان لوگوں کے نزدیک تہذیب اس کا نام ہے کہ انسان دنیا کا کیڑا بن جائے۔ خدا تعالےٰ کو بھول جاوے اور ظاہری اسباب کی پرستش میں لگ جاوے ص۴۲۸

## تہمت

جو شخص کسی پر تہمت لگاتا ہے وہ مرتا نہیں جب تک اس میں گرفتار نہ ہو جائے ص۲۶۵-۲۶۶

# ث

## ثبات۔ ثابت قدمی

جب تک دنیا کی طرف سے انقطاع اور اس کی محبت دلوں سے ٹھنڈی ہو کر اللہ تعالیٰ کیلئے فطرتوں میں طبعی جوش اور محویت پیدا نہیں ہوتی اس وقت تک ثبات میسّر نہیں آ سکتا ص۴۲

## ثناء اللہ

مولوی ثناء اللہ امرتسری کے ایک دفعہ مجمع عام میں جھوٹ بولنے پر ایک انصاف پسند مخالف کی طرف سے چیلنج کہ اگر یہ کلمہ مرزا صاحب کی تصنیف سے نکال دیں۔ تو میں پانچسو روپیہ ابھی آپ کو نقد انعام دیتا ہوں ص۱۰۰

## ثواب

ثواب اس کو ملا کرتا ہے جو خدا تعالیٰ سے ڈر کر گناہ کو چھوڑتا ہے یا اس کو راضی کرنے کے لئے نیکی کرتا ہے۔ جب تک یہ نیت نہیں ہوتی تب تک ثواب ہرگز نہیں ملتا اگرچہ وہ کام بذات خود نیک ہی ہو ص۷۲

# ج

## جاپان

۱۔ جاپان میں جب عیسائیوں اور آریوں نے اپنے آدمی بھجوائے اور حضور اقدس کی خدمت میں اس ملک میں سلسلہ حقہ کی اشاعت کی تجویز پیش کی گئی تو حضور نے فرمایا۔ اگر خدا تعالےٰ جاپانی قوم میں کسی تحریک کی ضرورت سمجھے گا تو خود ہم کو اطلاع دے گا ص۳۸۵

۲۔ جاپانیوں کو عمدہ مذہب کی تلاش ہے چاہیئے کہ اس جماعت میں سے چند آدمی اس کام کے واسطے تیار کئے جائیں جو لیاقت اور جرأت والے ہوں اور تقریر کرنے کا مادہ رکھتے ہوں ص۴۵۲

۹۔ نماز میں تضرع اور ابتہال سے بھری ہوئی دعا ہی نماز کا معراج ہے ص ۱۲۵

۱۰۔ بہترین دعا فاتحہ ہے ص ۲۲۶

۱۱۔ بڑی بات جو دعا میں حاصل ہوتی ہے وہ قرب الٰہی ہے ص ۵۹

۱۲۔ دعاؤں کی قبولیت کے لئے یہ ضروری ہے کہ انسان اپنے اندر تبدیلی پیدا کرے۔ اگر بدیوں سے نہیں بچ سکتا تو دعاؤں میں کوئی اثر نہیں رہتا ص ۲۷

۱۳۔ جب انسان دعا کر کے تھک جاتا ہے تو خدا تعالےٰ پر بدظنی کر کے بے ایمان ہو جاتا ہے آخر دہریہ ہو کر مرتا ہے ص ۲۳

۱۴۔ نماز میں دعائیں اپنی زبان میں مانگو۔ جو طبعی جوش کسی کی مادری زبان میں ہوتا ہے وہ ہرگز غیر زبان میں پیدا نہیں ہو سکتا ص ۳۸ - ۲۲۶

۱۵۔ قرآنی اور ماثورہ دعاؤں کے بعد اپنی زبان میں دعائیں کرو ص ۳۹ - ۲۱۶

۱۶۔ سب سے عمدہ دعا یہ ہے کہ خدا تعالےٰ کی رضامندی اور گناہوں سے نجات حاصل ہو ص ۳۹

۱۷۔ خدا تعالےٰ ایک تعلق چاہتا ہے بغیر تعلق کے دعا نہیں ہو سکتی ص ۴۲

۱۸۔ نماز کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگنے کے متعلق حضور کا ارشاد :۔

"آجکل لوگ جس طرح نماز پڑھتے ہیں۔ ان کی نماز میں اس قدر بھی رقت اور لذت نہیں ہوتی جس قدر نماز کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دعائیں ظاہر کرتے ہیں اس لئے میں حکماً کہتا ہوں کہ سردست آپ نماز کے بعد دعا نہ کریں۔ اور وہ لذت اور حضور جو دعا کے لئے رکھا ہے نماز میں دعائیں کرنے سے پیدا کریں۔ مطلب یہ نہیں کہ نماز کے بعد دعا کرنی منع ہے۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ جبتک نماز میں کافی لذت اور حضور پیدا نہ ہو۔ نماز کے بعد دعا کرنے میں نماز کی لذت کو مت گنواؤ" ص ۳۸

۱۹۔ جب مومن کی دعا میں پورا اخلاص اور انقطاع پیدا ہو جاتا ہے تو خدا تعالےٰ اس کا متولی ہو جاتا ہے ص ۵۹

۲۰۔ اہل اللہ مصائب و شدائد کے وقت اپنی دعاؤں کے ذریعہ خدا تعالےٰ کی تولی میں پھر رہے ہوتے ہیں ص ۱۰۶

۲۱۔ جب اللہ تعالےٰ کا فضل قریب آتا ہے تو وہ دعا کی قبولیت کے اسباب پہنچا دیتا ہے۔ لیکن جب دعا کی قبولیت کا وقت نہیں ہوتا تو دل میں اطمینان اور رجوع پیدا نہیں ہوتا ص ۱۰۳ - ۱۰۴

۲۲۔ دعا میں جس قدر بے ہودگی ہوتی ہے اسی قدر اثر کم ہوتا ہے ص ۱۰۱

۲۳۔ دعا کے لئے انسان کو اپنا دل ٹٹولنا چاہیئے کہ آیا اس کا میلان دنیا کی طرف ہے یا دین کی طرف۔ یعنی کثرت سے دعائیں دنیاوی آسائش کے لئے ہیں یا دین کی خدمت کے

۶۔ طاعون کے عذاب سے کوئی بستی خالی نہیں رہے گی۔ بعض ایسی ہوں گی جن کو اللہ تعالےٰ بالکل ہلاک کر دے گا اور بعض کو کم وبیش عذاب کر کے چھوڑ دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے قادیان کو اس دوسری قسم میں شامل کیا ہے ص۴۷

۷۔ مولوی محمد علی صاحب اور طاعون ص۲

۸۔ احمدی طاعون سے کیوں مرتے ہیں
ص۵ - ۸۱ - ۱۴۱ - ۱۵۸ - ۲۲۹

۹۔ طاعون کے ایام میں جو لوگ بیعت کرتے ہیں وہ سخت خطرناک حالت میں ہیں ص۵

۱۰۔ طاعون سے جماعت کی ترقی ص۶

۱۱۔ مجھے وعدہ دیا گیا تھا کہ طاعون تیری ترقی کا موجب ہوگی۔ سو اس وعدہ کے موافق یہ جماعت دو لاکھ تک بڑھی ہے بلکہ اور بڑھ رہی ہے ص۱۶۱

۱۲۔ طاعون مسیح موعودؑ کی صداقت کا نشان ہے۔
ص۷ - ۱۶۰

۱۳۔ خدا تعالیٰ نے مسیح موعود کی سچائی کے لئے دو نشان زمینی اور آسمانی مقرر کئے تھے۔ آسمانی نشان تو کسوف وخسوف تھا اور زمینی نشان طاعون ص۷

۱۴۔ طاعون کا پنجاب میں ابھی نام و نشان بھی نہ تھا جبکہ حضور نے اس کی خبر دی تھی ص۷

۱۵۔ طاعون اس زمانہ کے لئے ایک عظیم الشان نشان ہے جس کا ذکر سارے نبی کرتے چلے آئے ہیں ص۸

۱۶۔ طاعون سے اس قدر جلدی لوگ حق کی طرف آ رہے ہیں کہ پہلے نہیں آئے تھے ص۸

۱۷۔ طاعون کے متعلق حضور نے جس قدر کھول کھول کر بیان کیا ہے کسی نے نہیں کیا۔ ص۷

۱۸۔ جس مومن کے وجود میں خلق اللہ کا نفع ہو۔ اور اس کی موت شماتت کا باعث ہو۔ وہ کبھی طاعون سے نہیں مرے گا ص۹ - ۱۶۱

۱۹۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ابھی تک کوئی ایسا آدمی طاعون سے نہیں مرا جس کو میں پہچانتا ہوں یا وہ مجھے پہچانتا ہو جو شناخت کا حق ہے ص۹

۲۰۔ خدا تعالیٰ طاعون کے اس عذاب کو اس وقت تک نہیں اُٹھائے گا جب تک اہل دنیا اپنی اصلاح اور تبدیلی نہیں کریں گے ص۱۲

۲۱۔ اگر کچھ بھی حصہ لوگوں کا درست ہو جاویگا تو اللہ تعالےٰ رحم کرے گا ص۱۳

۲۲۔ طاعون کا صحیح علاج یہی ہے کہ انسان خدا تعالیٰ کے حضور اپنے گناہوں سے توبہ کرے ص۱۳-۱۴

۲۳۔ جہاں طاعون ہو فوراً اس گھر کو خالی کر کے باہر کھیتوں یا کھلے میدانوں میں چلے جانا چاہیئے ص۱۴

۲۴۔ خدا تعالیٰ منع کرتا ہے کہ انسان عذاب کی جگہ پر رہے لیکن جب بیماری شدت کے ساتھ پھیل جائے تو یہ مناسب نہیں کہ انسان اس گاؤں یا شہر سے نکل کر کسی دوسرے گاؤں یا شہر میں جاوے ص۱۴

۲۵۔ دفع طاعون کے لئے ایک شخص کی درخواست

دعا پر حضور کا ارشاد فرمانا کہ یہ عذاب جو خدا تعالیٰ نے نازل کیا ہے حکمت سے خالی نہیں۔ ہم اس کی قضا و قدر پر راضی ہیں جب وہ خود ہمارے دل میں یہ بات ڈالے گا تو ہم اس پر یقین رکھتے ہیں کہ ہماری دعاؤں کو سُن لیگا۔ ص۱۵

۲۶۔ طاعون سے محفوظ رہنے کے لئے زیارتیں لے کر نکلنے والوں کے بارہ میں حضور کا ارشاد ص۱۶

۲۷۔ طاعون کے دورے ستر ستر سال تک ہوتے ہیں ص۱۷

۲۸۔ اُن دنوں جب قادیان میں طاعون پڑی ہوئی تھی۔ ہم خدا تعالےٰ کی عجیب قدرت کا نظارہ دیکھ رہے تھے۔ ہمارے گھر کے ادھر اُدھر سے چیخیں آتی تھیں اور ہمارا گھر درمیان میں اس طرح تھا جیسے سمندر میں کشتی ہوتی ہے ص۱۷

۲۹۔ مومن کے لئے طاعون شہادت ہے ص۱۶۰

۳۰۔ سردی کی شدت میں یہ کم ہو جایا کرتی تھی۔ مگر اب سردی کی شدت کے ساتھ اس کی شدت بھی ترقی کر رہی ہے ص۲۹۸

۳۱۔ طاعون کا عبرتناک نظارہ۔ ایک گاؤں میں جس کی آبادی ۴۰۰ باشندوں کی تھی طاعون پڑی اور سب کے سب ہلاک ہو گئے صرف ۱۴ شخص بچے جن میں صرف ۹ کس تندرست تھے۔ باقی مریض ص۳۰۸

۳۲۔ ایسا عبرتناک نظارہ دیکھتے ہوئے جب اس گاؤں کے ایک شخص کو تبلیغ کی گئی تو جواب دیا کہ اگر یہ طاعون مرزے کی مخالفت کی وجہ سے ہے تو بیشک مجھے طاعون ہو۔ آخر وہ اور اس کا تمام کنبہ ہلاک ہو گیا ص۳۰۸

## طب

۱۔ علم طب ظنی ہے۔ جو ڈاکٹر کہتا ہے کہ یہ علاج یقینی ہے وہ اپنے مرتبہ سے بڑھ کر قدم رکھتا ہے ص۳۸۳

۲۔ مسلمان اطباء میں یہ عمدہ بات ہے کہ نسخہ لکھنے سے پہلے یہ پڑھتے ہیں۔ سبحانک لا علم لنا الّا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم ص۳۶۵

۳۔ اور نسخہ لکھتے وقت ہو الشافی لکھنا شروع کیا ص۳۸۳

## طب روحانی

۱۔ طب تو ظاہری محکمہ ہے ایک اس کے ورا محکمہ پردہ میں ہے جب تک وہاں دستخط نہ ہو۔ کچھ نہیں ہوتا ص۴۵۵

۲۔ مشہور صوفی منشی احمد جان صاحب لدھیانوی نے طب روحانی کے سلسلہ میں اور بھی دو تین جلدیں لکھنے کا ارادہ کیا تھا لیکن حضور کے دعویٰ کو سُنکر انہوں نے اس طریق کو چھوڑ دیا ص۴۲۰

## طعام اہل کتاب

طعام اہل کتاب پر فیصلہ کُن تقریر۔

۱۔ ہمارے نزدیک نصاریٰ کا وہ طعام حلال ہے جس میں شبہ نہ ہو اور از روئے قرآن مجید وہ حرام نہ ہو ص۸۶

## عیسائی ۔ عیسائیت



# غ

## غرباء ۔ غربت

## قضاء و قدر



# ک

## کاتب



## کانگڑہ



## کرشن



## کشف

سرکش منکرین کے لئے تو عذاب ہوتا ہے مگر متبعین کے لئے باعث شہادت ص ۶

۲۔ جو لوگ مامور ہو کر آتے ہیں ان میں طبعاً مخفی رہنے کی خواہش ہوتی ہے مگر اللہ تعالٰے خود ان کو باہر نکالتا ہے ص ۱۰

۳۔ مامور اور پیروں میں فرق:۔
پیر اور گدی نشین آرزو رکھتے ہیں کہ لوگ ان کے مرید ہوں مگر مامور اس شہرت کے خواہش مند نہیں ہوتے ص ۱۰

۴۔ شناخت مامور کے تین طریق ہیں۔ نقل، عقل اور تائیدات سماوی ص ۱۴۲-۳۲

۵۔ جب اللہ تعالٰی کی طرف سے کوئی مامور آتا ہے تو لوگ عموماً اس کی طرف سے بے پرواہی کرتے ہیں اور اکابر اور علماء تو خصوصیت سے اس کی طرف توجہ کرنا عیب سمجھتے ہیں ص ۴۹

۶۔ مامور و مرسل جیسے ذات الٰہی کا مظہر ہوتے ہیں ویسے ہی اس ذات سے فنا کا حصہ بھی لیتے ہیں ص ۴۹ - ۵۰

۷۔ اُن کو ایک خاص قسم کی ہمت اور حوصلہ عطا کیا جاتا ہے اور عزم و جزم اور استقلال عطا کیا جاتا ہے ص ۵۰

۸۔ مامور کی مخالفت کرنے سے ایمان سلب ہو جاتا ہے ص ۲۴۸

## مباح

اسلام نے جن چیزوں کو مباح کہا ہے۔ اس سے یہ غرض ہرگز نہیں ہے کہ رات دن اس میں مستغرق رہے بلکہ صرف یہ ہے کہ بقدر ضرورت وقت پر ان سے فائدہ اُٹھایا جائے ص ۶۵

## مبارک دن

عید اور جمعہ سے بڑھ کر مبارک دن یوم توبہ ہے ص ۱۴۸

## مبلغ

مبلغین کا یہ کام نہیں ہوتا کہ ہر ایک بات پر چڑ کر لوگوں سے متنفر ہوتے رہیں ص ۷۷

## متقی

۱۔ متقی کی تعریف۔ اللہ تعالٰی کے خوف سے اور اس کو راضی کرنے کے لئے جو شخص ہر ایک بدی سے بچتا ہے اس کو متقی کہتے ہیں ص ۵۴

۲۔ اللہ تعالٰے کا متقی کے لئے وعدہ ہے کہ اس کو ہر مشکل سے رہائی دیدیتا ہے ص ۵۴

۳۔ قرآن شریف میں جو متقیوں کے لئے وعدے ہیں وہاں ایسے متقیوں کا ذکر ہے جنہوں نے تقوی کو اس حد تک نبھایا جہاں تک ان کی طاقت تھی ص ۷۵

۴۔ کسی آدمی کو یقیناً متقی نہیں کہا جا سکتا ص ۷۳

۵۔ مامور من اللہ کے متقی ہونے کے نشانات بیّن ہوتے ہیں اوروں کے نہیں ص ۷۴

۶۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت میں بھی لوگوں کی نظروں میں بہت سے یہودی عالم متقی اور پرہیزگار مشہور تھے لیکن خدا تعالٰی کے نزدیک

## مکھن لال



## مثالیں

## مجاہدہ



## مجدد



## محبت



## محدث



## محمد صلے اللہ علیہ وسلم

## محمد اسحاق



## محمد حسین



## محمد صادق

۲۔ حضور کا اپنے الہاموں پر یقین۔
"مکہ معظمہ میں داخل ہو کر اگر خدا تعالےٰ کی قسم دی جاوے تو میں کہوں گا کہ میرے الہام خدا تعالےٰ کی طرف سے ہیں" ص۲۶

۳۔ بخاری اور مسلم کا یہی مذہب ہے کہ آنیوالا مسیح اسی امت میں سے ہوگا۔ ص۳۲

۴۔ مجھے تو اللہ تعالیٰ نے ایسی محویت دی تھی کہ تمام دنیا سے الگ ہو بیٹھا تھا۔ خدا تعالیٰ نے جبر کرکے مجھے باہر نکالا ص۴۳

۵۔ میں نے بار بار دعائیں کیں کہ مجھے گوشہ میں ہی رہنے دیا جائے لیکن بار بار حکم ہوا کہ اس سے نکلو اور دین کا کام جو اس وقت سخت مصیبت کی حالت میں تھا اس کو سنوارو ص۴۴

۶۔ میری طبیعت اس طرح واقع ہوئی ہے کہ شہرت اور جماعت سے کوسوں بھاگتی ہے ص۴۴

۷۔ حضور کو ایک دفعہ ناخن میں پنسل لگ گئی اور ہاتھ میں ورم ہونا شروع ہوگیا۔ آپ نے دعا کرنی شروع کی۔ گھر پہنچنے پر ورم کا نام و نشان تک نہ تھا۔ ص۵۱

۸۔ ایک دفعہ حضور کے دانت میں سخت درد شروع ہوگیا اور دعا کی تو الہام ہوا۔ واذا مرضت فھو یشفی۔ اس کے ساتھ مرض سے بالکل آرام ہو گیا ص۵۱

۹۔ مخلوق کی ہمدردی اور بھلائی کے لئے خدا تعالےٰ نے میرے دل میں جوش ڈالا ہے۔ ص۶۸

۱۰۔ میری یہ حالت ہے کہ اگر کسی کو درد ہوتا ہو اور میں نماز میں مصروف ہوں۔ میرے کان میں اس کی آواز پہنچ جائے تو میں یہ چاہتا ہوں کہ نماز توڑ کر بھی اگر اس کو فائدہ پہنچا سکتا ہوں تو فائدہ پہنچاؤں ص۱۰۵

۱۱۔ دوران سیر حضور کا ایک بڑھیا کو خط پڑھکر سنانا ص۱۰۶

۱۲۔ جب حضور کو کسی کی مصیبت کا خط آتا اور اس میں دعا کی درخواست ہوتی تو خوب دل لگا کر دعا فرماتے ص۱۰۷

۱۳۔ میں وہ مسیح ہوں جس کا ذکر اور وعدہ اجمالاً قرآن میں اور تفصیلاً احادیث میں پایا جاتا ہے ص۱۳۵

۱۴۔ احادیث سے واضح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو اس مسیح کو نہیں مانتا وہ گویا مجھے نہیں مانتا ص۱۳۸

۱۵۔ ہمارا کام یہ ہے کہ اس دین کی خدمت کریں اور اس کو کل مذاہب پر غالب کرکے دکھا دیں ص۱۳۹

۱۶۔ میں رات دن وحی کے نیچے کام کرتا ہوں ص

۱۷۔ مسیح موعود کے متعلق آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد۔ "اس امت کی دو دیواریں ہیں۔ ایک میں دوسری مسیح اور اس کے درمیان فیج اعوج ہے کہ نہ وہ مجھ سے ہیں اور نہ میں ان سے ہوں" ص۱۳۹۔۱۴۰

۱۸۔ مسیح موعود کے آنے کا وقت وہ ہے جبکہ چھ ہزار سال کا دور ختم ہوتا تھا۔ عیسائیوں اور یہودیوں کے نزدیک وہ وقت آگیا ہے ص۱۴۳۔۱۴۴

## نجات

مرتبہ صلیب پر نہیں چڑھے گا ص ۱۸۲

۴۔ نجات ابدی خدا تعالیٰ کی معرفت، محبت اور صدق و وفاداری کا تعلق پیدا کرنے سے ملتی ہے ص ۲۴۸

## نجومی

ایک انگریز جس نے علم نجوم کی بناء پر زلزلہ کے متعلق مقررہ تاریخ کی پیشگوئی کی تھی۔ تاریخ مقررہ گذر جانے پر جب لوگوں کو تشفی ہوگئی تو حضور علیہ السلام نے فرمایا "لوگ منجم پرست ہیں خدا پرست نہیں" ص ۲۶۴

## نزول بلا

۱۔ نزول بلا کی فلاسفی۔ جو بلائیں انسان پر آتی ہیں ان کی اصل جڑ گناہ ہی ہے ص ۱۵۰

۲۔ نزول بلا پر استغفار کرنا چاہیئے ص ۲۲۳

## نزول مسیح

۱۔ عیسائی محققین نے آخر کار مسیح کے آسمان سے آنے سے تنگ آکر فیصلہ کر دیا ہے کہ کلیسا کو مسیح مان لو یہی مسیح کا نزول ہے ص ۳۴-۳۵-۱۴۴

۲۔ کتاب نزول المسیح میں ڈیڑھ سو کے قریب نشان درج ہیں ص ۱۴۲

## نشان

۱۔ ایک دفعہ حضور کی بغل میں گلٹی نکل آئی حضور نے اسے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تو کون ہے جو مجھے ضرر دے۔ جس پر وہ تھوڑے عرصہ میں خود بخود بیٹھ گئی ص ۳

۲۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ کے نشانات

(الف) کسوف و خسوف کا نشان ص ۳۳-۱۴۴-۱۵۷-۱۴۳

(ب) طاعون کا نشان ص ۳۲-۱۴۳-۱۵۷-۱۴۳

(ج) آتشی سواری کا نشان ص ۳۳-۱۴۴-۱۴۳

(د) حج کا روکا جانا ص ۳۴-۱۴۳

(ھ) نہروں کا نکالا جانا ص ۱۴۳

(و) چھاپے خانے کی کثرت اور ذرائع اشاعت کتب کا عام ہونا ص ۱۴۳

۳۔ خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے ہزارہا نشان میرے ہاتھ پر ظاہر کئے۔ اگر میں ان تمام نشانوں کو جمع کروں تو ان کی تعداد لاکھ کے قریب ہو جاتی ہے ص ۳۶

۴۔ جس قدر نشانات خدا تعالیٰ نے میری تائید میں ظاہر کئے وہ اپنی تعداد اور شوکت میں ایسے ہیں کہ بجز حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کل انبیاء و مرسلین سے ایسے ثابت نہیں ہوئے ص ۳۷

۵۔ آجکل کے پیرزادوں اور سجادہ نشینوں کو آزمالو۔ کسی پادری یا کسی مذہب کے سرگروہ کو میرے مقابل میں لاؤ۔ خدا تعالیٰ نشان نمائی میں بالضرور اس کو میرے مقابل شرمندہ اور ذلیل کرے گا ص ۳۷

۶۔ اب تو اس قدر نشانات ظاہر ہو رہے ہیں کہ گویا خدا تعالیٰ اپنے آپ کو کھلم کھلا دکھانا چاہتا ہے ص ۲۳۶

۷۔ اب خدا تعالیٰ سلسلہ کی تائید کے لئے ایسے نشان ظاہر کر رہا ہے جو دنیا بھر پر اثر ڈال رہے ہیں ص ۲

۸۔ اگر کوئی نشان نہ دکھایا جائے تو قریب ہے کہ ساری دنیا دہریہ بن جائے۔ ص ۲۳۸

۹۔ بھاگسو میں کئی سو آدمی مر گئے اور سجان پور میں بڑی تباہی آئی لیکن احمدی جماعت کا جو صرف ایک ہی آدمی تھا وہ بچ گیا ص ۲۴۳

## ہدایت



## ہندو



## ہندوستان



## ہیضہ



# ی

## یہودی



*

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

وَعَلٰی عَبْدِہِ الْمَسِیْحِ الْمَوْعُوْدِ

# ملفوظات

## حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

### جلد ہفتم

---

۲ مئی ۱۹۰۴ء

## دُعا ہی خُداشناسی کا ذریعہ ہے

ایک رئیس کا یہ خیال سُنکر کہ مسلمانوں کا یہ عقیدہ کہ دعا سے مشکل حل ہوتی ہے اُن کو بہت ہی کمزور کرنے والا ہے، آپ نے فرمایا کہ

جو دُعا سے مُنکر ہے وہ خدا سے مُنکر ہے۔ صرف ایک دُعا ہی ذریعہ خداشناسی کا ہے۔ اور اب وقت آگیا ہے کہ اُس کی ذات کو طوعًا وکرہًا مانا جاوے۔ اصل میں سب جگہ دہریت ہے۔ آجکل کی محفلوں کا یہ حال ہے کہ دُعا، توکّل اور انشاء اللہ کہنے پر تمسخر کرتے ہیں۔ ان باتوں کو بے وقوفی کہا جاتا ہے ورنہ اگر خدا تعالیٰ سے اُن کو ذرا بھی اُنس ہوتا۔ تو اس کے نام سے کیوں چڑتے؟ جس کو جس سے محبت ہوتی ہے وہ ہیر پھیر سے کسی نہ کسی

طرح سے محبوب کا نام لے ہی لیتا ہے۔ اگر اُن کے نزدیک خدا کوئی شئے نہیں ہے۔ تو اب موت کا دروازہ کھلا ہے اُسے ذرا بند کر کے تو دکھلاویں۔ تعجب ہے کہ ہمیں جس قدر اُس کے وجود پر امیدیں ہیں۔ اسی قدر وہ دوسرا گروہ اس سے ناامید ہے۔ اصل میں خدا تعالیٰ کے فضل کی ضرورت ہے۔ اگر وہ دل کے قُفل نہ کھولے تو اَور کون کھول سکتا ہے۔ اگر وہ چاہے تو ایک کُتّے کو عقل دے سکتا ہے کہ اس کی باتوں کو سمجھ لیوے اور انسان کو محروم رکھ سکتا ہے۔

## طاعون کو گالی دینا منع ہے

طاعُون کو سب و شتم کرنا منع ہے کیونکہ وہ تو مامور ہے۔ ہاں خدا تعالیٰ سے صلح کرنی چاہیے کہ وہ اُسے ہٹا لیوے۔

(البدر جلد ۳ نمبر ۱۸/۱۹ صفحہ ۴ مورخہ ۸ و ۱۶ مئی ۱۹۰۴ء)

۱۴ مئی ۱۹۰۴ء

## مولوی محمد علی صاحب اور طاعون

آج مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے مینجر و ایڈیٹر رسالہ ریویو آف ریلیجنز کی طبیعت علیل ہو گئی اور درد سر اور بخار کے عوارض دیکھ کر مولوی صاحب کو شبہ گذرا کہ شاید طاعون کے آثار ہیں۔ جب اس بات کی خبر حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہوئی تو آپ فوراً مولوی صاحب کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ

میرے دار میں ہو کر اگر آپ کو طاعون ہو تو پھر اِنِّی اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّار الہام اور یہ سب کاروبار گویا عبث ٹھہرا۔ آپ نے نبض دیکھ کر اُن کو یقین دلایا کہ ہرگز بخار نہیں ہے۔ پھر تھرمامیٹر لگا کر دکھایا کہ پارہ اس حد تک نہیں ہے جس سے بخار کا شبہ ہو اور فرمایا کہ

میرا تو خدا تعالےٰ کی وحی پر ایسا ہی ایمان ہے جیسے اس کی کتابوں پر ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ

ان دنوں لوگوں کو اور بعض جماعت کے آدمیوں کو بھی طرح طرح کے شکوک و شبہات پیش آرہے ہیں۔ اس لئے میرا ارادہ ہے کہ ایک رسالہ لکھ کر اصل حقیقت بیعت اور الہامات سے اطلاع دی جاوے۔ جس سے لوگوں کو معلوم ہو کہ بعض لوگ بیعت میں داخل ہو کر کیوں طاعون سے مرتے ہیں؟

# ایک نشان

فرمایا کہ

ان دنوں ایک دفعہ میری بغل میں ایک گلٹی نکل آئی۔ میں نے اسے مخاطب ہو کر کہا کہ تو کون ہے جو مجھے ضرر دے سکے اور خدا تعالیٰ کے وعدہ کو ٹال سکے۔ تھوڑے عرصہ میں وہ خود بخود ہی بیٹھ گئی۔

---

# آگ ہماری غلام ہے۔

فرمایا۔

مدت کا یہ میرا الہام ہے کہ **آگ سے ہمیں مت ڈراؤ آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے**۔ یہ ویسے ہی ہے جیسے حدیث شریف میں ہے کہ بعض بہشتی بطور سیر دوزخ کو دیکھنا چاہیں گے اور اس میں اپنا قدم رکھیں گے تو دوزخ کہیگی کہ تُو نے تو مجھے سرد کر دیا۔ یعنی بجائے اس کے کہ دوزخ کی آگ اُسے جلاتی۔ خادموں کی طرح آرام دِہ ہو جائے گی۔

# دو ناریں محبت الٰہی اور طاعون جمع نہیں ہوسکتیں

عادت اللہ یہی ہے کہ دو ناریں ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتیں۔ محبت الٰہی بھی ایک نار ہے اور طاعون کو بھی نار لکھا ہے۔ لیکن ان میں سے ایک تو عذاب ہے اور دوسری انعام ہے اسی لئے طاعون کی نار کی ایک خاص خصوصیت خدا تعالیٰ نے رکھی ہے۔ اس میں آگ کو جو غلام کہا گیا ہے۔ میرا مذہب اس کے متعلق یہ ہے کہ اسمار اور اعلام کو ان کے اشتقاق سے لینا چاہیئے۔ غلام غلمہ سے نکلا ہے۔ جس کے معنے ہیں۔ کسی شیئے کی خواہش کے واسطے نہایت درجہ مضطرب ہونا یا ایسی خواہش جو کہ حد سے تجاوز کر جاتی ہے اور انسان پھر اس سے بیقرار ہو جاتا ہے۔ اور اسی لئے غلام کا لفظ اس وقت صادق آتا ہے جب انسان کے اندر نکاح کی خواہش جوش مارتی ہے۔ پس طاعون کا غلام اور غلاموں کی غلام کے بھی یہی معنے ہیں کہ جو شخص ہم سے ایک ایسا تعلق اور جوڑ پیدا کرتا ہے جو کہ صدق و وفا کے تعلقات کے ساتھ حد سے تجاوز ہوا ہوا اور کسی قسم کی جدائی اور دوئی اس کے رگ و ریشہ میں نہ پائی جاتی ہو اُسے وہ ہرگز کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ اور جو ہمارا مُرید الٰہی محبت کی آگ سے جلتا ہوگا اور خدا تعالیٰ کو حقیقی طور پر پا لینے کی خواہش کمال درجہ پر اس کے سینہ میں شعلہ زن ہوگی اسی پر بیعت کا لفظ حقیقی طور پر صادق آوے گا۔ یہانتک کہ کسی قسم کے ابتلا کے نیچے آکر وہ ہرگز متزلزل نہ ہو بلکہ اور قدم آگے بڑھاوے۔ لیکن جبکہ لوگ ابھی تک اس حقیقت سے واقف نہیں ہیں اور ذرا ذرا سی بات پر وہ ابتلا میں آجاتے ہیں اور اعتراض کرنے لگتے ہیں تو پھر وہ اس آگ سے کس طرح محفوظ رہ سکتے ہیں۔

## حقیقتِ بیعت

بیعت کا لفظ ایک وسیع معنے رکھتا ہے اور اس کا مقام ایک انتہائی تعلق کا مقام

ہے کہ جس سے بڑھ کر اور کسی قسم کا تعلق ہو ہی نہیں سکتا۔

بعض لوگ ایسے ہیں کہ وہ ہمارے نور کی پُوری روشنی میں نہیں ہیں۔ جب تک انسان کو ابتلا کی برداشت نہ ہو اور ہر طرح سے وہ اس میں ثابت قدمی نہ دکھا سکتا ہو۔ تب تک وہ بیعت میں نہیں ہے۔ پس جو لوگ صدق و صفا میں انتہائی درجہ تعلق پر پہنچے ہوئے ہیں۔ خدا تعالےٰ اُن کو امتیاز میں رکھتا ہے۔ طاعون کے ایام میں جو لوگ بیعت کرتے ہیں۔ وہ سخت خطرناک حالت میں ہیں کیونکہ صرف طاعون کا خوف اُن کو بیعت میں داخل کرتا ہے۔ جب یہ خوف جاتا رہا تو پھر وہ اپنی پہلی حالت پر عود کر آویں گے۔ پس اس حالت میں اُن کی بیعت کیا ہوئی؟

(البدر جلد ۳۔ نمبر ۱۸/۱۹ صفحہ ۴ مورخہ ۸ و ۱۶ امئی ۱۹۰۴ء)

---

## ۸ مئی ۱۹۰۴ء

حضرت حجۃ اللہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام گورداسپور تھے۔ ہمارے مکرم خلیفہ رجب الدین صاحب تاجر برنج لاہور بھی شرف نیاز کے لئے آئے ہوئے تھے۔ خلیفہ صاحب ایک روشن خیال اور ذی فہم آدمی ہیں وہ لاہور کے حالات کا ذکر کرتے رہے کہ وہاں کے مسلمانوں کی عجیب حالت ہو رہی ہے۔ ہر اتوار کو زیارتیں نکال کر باہر لے جاتے ہیں۔ اور اس فعل کو دفعیہ طاعون کے لئے کافی سمجھتے ہیں۔ مسلمانوں کی اس حالت پر خلیفہ صاحب افسوس کر رہے تھے اور اپنے مختلف حالات سناتے رہے۔ آخر آپ نے عرض کیا۔

## احمدی طاعون سے کیوں مرتے ہیں؟

**خلیفہ صاحب** ۔ طاعون میں بعض مقامات پر جو ہمارے احباب مرتے ہیں اور لوگ اعتراض کرتے ہیں۔ اس کا کیا جواب دیا جاوے؟

**حضرت اقدس**۔ اصل بات یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی مامور کو دنیا میں بھیجتا ہے تو سنت اللہ یہی ہے کہ تنبیہہ کے لئے کوئی نہ کوئی عذاب بھی بھیجتا ہے۔ اور یہ اس وقت ہوتا ہے۔ جب اس کی مخالفت حد سے بڑھ جاتی ہے اور شوخی اور شرارت میں اہلِ دنیا بہت ترقی کر جاتے ہیں اور خدا تعالیٰ سے بکلّی دُور جا پڑتے ہیں۔ وہ عذاب اگرچہ سرکش منکرین کے لئے ہوتا ہے مگر سنت اللہ یہی ہے کہ مامور کے بعض متبعین بھی شہید ہو جاتے ہیں وہ عذاب اوروں کے لئے عذاب ہوتا ہے۔ مگر ان کے لئے باعث شہادت چنانچہ قرآن شریف صاف طور پر بتاتا ہے کہ کفار جو بار بار عذاب مانگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بتایا تھا کہ تم پر عذاب بصورت جنگ نازل ہوگا۔ آخر جب وہ سلسلہ عذاب کا شروع ہوا۔ اور کفار کے ساتھ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی لڑائیاں ہونے لگیں تو کون کہہ سکتا ہے کہ ان جنگوں میں صحابہؓ شہید نہیں ہوئے۔ حالانکہ یہ مسلّم بات ہے کہ وہ تو کفار پر عذاب تھا اور خاص ان کے ہی لئے آیا تھا۔ مگر صحابہؓ کو بھی چشم زخم پہنچا اور بعض جو علم الٰہی میں مقدر تھے، شہید ہو گئے۔ جن کی بابت خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ لَا تقولوا لِمَن یُقتل فی سبیل اللّٰہ اموات بَل احیاءٌ عند ربّھم یُرزقون[1][2]۔ یعنی جو لوگ اللہ تعالےٰ کی راہ میں قتل کئے جاویں اُن کو مُردے مت کہو بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک زندہ ہیں۔ اور اسی جگہ ان کی نسبت فرمایا۔ فرحین بما اٰتٰھم اللّٰہ[3]۔ اب بتاؤ کہ وہ جنگ ایک ہی قسم کا تھا لیکن وہ کفار کے لئے عذاب تھا مگر صحابہؓ کے لئے باعثِ شہادت۔ اسی طرح پر اب بھی حالت ہے۔ لیکن انجام کار دیکھنا چاہیئے کہ طاعون سے فائدہ کس کو رہتا ہے۔ ہم کو یا ہمارے مخالفین کو۔ اس وقت معلوم ہوگا کہ کون کم ہوئے اور کون بڑھے۔

## طاعون سے جماعت کی ترقی

میں دیکھتا ہوں کہ ہماری جماعت خدا تعالیٰ کے فضل سے غیر معمولی طور پر بڑھ رہی ہے۔

[1] البقرۃ: ۱۵۵ [2] اٰل عمران ۱۷۰ [3] اٰل عمران: ۱۷۱

اوراس کی وجہ طاعون ہی ہے بعض ایسے لوگوں کی درخواستیں بیعت کے واسطے آئی ہیں۔ جو طاعون میں مبتلا ہو کر لکھتے ہیں کہ اس وقت مجھے طاعون ہوا ہوا ہے۔ اگر زندہ رہا تو پھر آکر بھی بیعت کر لوں گا۔ فی الحال تحریری کرتا ہوں۔ طاعون کے ذریعہ کئی ہزار آدمی اس سلسلہ میں داخل ہوئے ہیں

**خلیفہ صاحب**۔ وہ جنگ تو اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لئے تھا۔

## طاعون صداقت مسیح موعود کا نشان ہے

**حضرت اقدس**۔ یہ طاعون بھی اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لئے ہی ہے۔ خدا تعالیٰ نے دو نشان مسیح موعود کی سچائی کے لئے زمینی اور آسمانی اور بہت سے نشانوں کے سوا مقرر کئے تھے۔ آسمانی نشان تو کسوف وخسوف کا تھا جو رمضان کے مہینہ میں واقع ہو گیا۔ جس طرح پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ دوسرا زمینی نشان طاعون کا تھا۔ وہ بھی پورا ہو گیا ابھی طاعون کا پنجاب میں نام ونشان بھی نہ تھا۔ جب میں نے اس کی خبر دی تھی۔ اس وقت شتاب کار لوگوں نے جلدبازی کی اور خدا تعالیٰ کے اس بزرگ نشان کو ہنسی میں اُڑانا چاہا مگر اب گو وہ زبان سے اقرار نہ کریں مگر ان کے دلوں نے تسلیم کر لیا ہے کہ وہ پیشگوئی جو طاعون کے متعلق تھی پوری ہو گئی۔

اس نشان سے اعلاء کلمۃ اللہ اس طرح پر ہوگا کہ لوگ آخر جب اس کو عذاب الٰہی سمجھ کر اس کے موجبات پر غور کریں گے اور فسق وفجور اور شرارت واستہزاء چھوڑ کر خدا تعالےٰ کی طرف آئیں گے اور سمجھ لیں گے کہ خدا حق ہے تو اس سے اعلاء کلمۃ اللہ ہوگا یا نہیں؟

جیسا کہ میں نے ابھی کہا ہے یہ طاعون ہمارے لئے کام کر رہی ہے۔ اگر اس گروہ میں ایک شہید ہو جاتا ہے تو اس کے قائمقام ہزار آتے ہیں۔ یہ نادانوں کا شبہ فضول ہے کہ کیوں مرتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں صحابہؓ جنگ میں کیوں شہید ہوتے تھے؟ کسی مولوی سے پوچھو۔

کہ وہ جنگ عذاب تھی یا نہیں؟ ہر ایک کو کہنا پڑے گا کہ عذاب تھی۔ پھر ایسا اعتراض کیوں کرتے ہیں جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر جا پڑتا ہے۔ لیکن اگر کوئی کہے کہ پھر نشان مشتبہ ہو جاتا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ نہیں نشان مشتبہ نہیں ہوتا۔ اس واسطے کہ انجام کار کفار کا ستیاناس ہو گیا۔ اور ان میں سے کوئی بھی باقی نہ رہا اور اسلام ہی اسلام نظر آتا تھا چنانچہ آخر اذا جاء نصر اللہ والفتح ورأیت النّاس یدخلون فی دین اللہ افواجًا[1] کا نظارہ نظر آ گیا۔ اسی طرح پر طاعون کا حال ہے۔ اس وقت لوگوں کو تعجب معلوم ہوتا ہے اور وہ اعتراض کرتے ہیں۔ لیکن ایک وقت آتا ہے جب طاعون اپنا کام کر کے چلی جائیگی۔ اس وقت معلوم ہو گا کہ اس نے کس کو نفع پہنچایا اور کون خسارہ میں رہے گا۔ یہ اس زمانہ کے لئے ایک عظیم الشان نشان ہے جس کا ذکر سارے نبی کرتے چلے آئے ہیں اور طاعون سے اس قدر جلدی لوگ حق کی طرف آ رہے ہیں کہ پہلے نہیں آئے تھے۔

**خلیفہ صاحب۔** حضور! کیا ایسے لوگ مامون ہو جائیں گے؟

**حضرت اقدس۔** اس میں کیا شک ہے کہ وہ امن میں تو ہو گئے۔ اگر اس سلسلہ میں ہو کر ان میں سے کوئی مر بھی جاوے تو وہ شہادت ہو گی اور خدا تعالیٰ کے مامور پر ایمان لانے کا یہ فائدہ تو حاصل ہو گیا۔

میں نے جس قدر طاعون کے متعلق کھول کھول کر بیان کیا ہے کسی نے نہیں کیا۔ متواتر میں اس پیشگوئی کو شائع کرتا رہا اور خدا تعالیٰ نے مختلف رنگوں میں مختلف اوقات میں اس کے متعلق مجھ پر کھولا اور میں نے لوگوں کو سُنایا۔ یا مسیح الخلق عدوانا بہت پُرانا الہام ہے جو چھپ کر شائع ہو چکا ہے۔ پھر وہ سیاہ پودوں والی رؤیا اور ہاتھی والی رؤیا۔ غرض یہ طاعون خدا تعالےٰ کی طرف سے مامور ہو کر آئی ہے اور اپنا کام کر رہی ہے بعض لوگ شرارت سے کہتے ہیں کہ یہ طاعون اُن کی شامتِ اعمال سے آئی ہے۔ یہ تو وہی بات ہے جیسے حضرت موسیٰؑ کو الزام دیا تھا۔ مگر کوئی ان سے پُوچھے کہ یہ عجیب بات ہے کہ

[1] النصر: ۲، ۳

شامتِ اعمال تو ہماری سے آئی ہے اور ہماری حفاظت کو خدا تعالیٰ ایک نشان قرار دیتا ہے اور مَر رہے ہیں دوسرے۔

اس وقت ایک خاص تبدیلی کی ضرورت ہے۔ خدا تعالیٰ کا غضب بھڑکا ہوا ہے۔ جو اب بھی تبدیلی نہیں کرتے خدا تعالےٰ ان کی پروا نہیں کرے گا۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ[1]۔ اسی طاعون کے متعلق میرا الہام ہے ٭

بخاری میں ہے کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ مجھے مومن کی جان لینے میں تردّد ہوتا ہے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ خدا تعالیٰ مومن کو یکدفعہ نہیں پکڑتا۔ پکڑتا ہے پھر اس کے ساتھ نرمی کرتا ہے۔ پھر پکڑتا ہے اور چھوڑ دیتا ہے۔ یہ حالت گویا تردّد سے مشابہ ہے۔

## کونسا احمدی طاعون سے نہیں مریگا

پہلی کتابوں میں بھی اس قسم کے الفاظ آئے ہیں کہ خدا پچھتایا۔ میرے الہام میں بھی افطر و اصوم اسی رنگ کے الفاظ ہیں۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ جس مومن کے وجود میں خلق اللہ کا نفع ہو اور اس کی موت شماتت کا باعث ہو وہ کبھی طاعون سے نہیں مرے گا۔ میں جانتا ہوں اور قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ابھی تک کوئی ایسا آدمی طاعون سے نہیں مرا جس کو میں پہچانتا ہوں یا وہ مجھے پہچانتا ہو جو شناخت کا حق ہے۔

---

## امام کون ہوتا ہے

امام اور پیشوا وہی ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے اذن اور حکم سے مامور ہو کر آوے۔ اس میں اللہ تعالیٰ ایک جذب کی قوت رکھ دیتا ہے۔ جس کی وجہ سے سعادتمند رُوحیں خواہ وہ کہیں ہوں اس کی طرف کھچی چلی آتی ہیں۔ جذب کا پیدا ہونا اپنے اختیار میں نہیں ہے۔ بناوٹ سے یہ بات پیدا نہیں ہو سکتی۔

٭ الحکم جلد ۸ نمبر ۱۸ صفحہ ۳ مورخہ ۳۱ رمئی ۱۹۰۴ء

[1] الرعد : ۱۲

یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ جو لوگ خدا تعالےٰ کی طرف سے مامور ہو کر آتے ہیں وہ اس بات کے حریص اور آرزومند نہیں ہوتے کہ لوگ ان کے گرد جمع ہوں اور اس کی تعریفیں کریں بلکہ ان لوگوں میں طبعاً مخفی رہنے کی خواہش ہوتی ہے اور وہ دنیا سے الگ رہنے میں راحت سمجھتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مامور ہونے لگے تو انہوں نے بھی عذر کیا۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غار میں رہا کرتے تھے۔ وہ اس کو پسند کرتے تھے۔ مگر اللہ تعالےٰ خود اُن کو باہر نکالتا ہے۔ اور مخلوق کے سامنے لاتا ہے۔ ان میں ایک حیا ہوتی ہے۔ اور ایک انقطاع ان میں پایا جاتا ہے۔ چونکہ وہ انقطاع تعلقات صافی کو چاہتا ہے اس لئے وہ خدا تعالیٰ کے ساتھ ایک لذّت اور سرور پاتے ہیں۔ لیکن وہی انقطاع اور صفائی قلب اللہ تعالےٰ کی نظر میں ان کو پسندیدہ بنا دیتی ہے اور وہ اُن کو اصلاح خلق کے لئے برگزیدہ کر لیتا ہے۔ جیسے حاکم چاہتا ہے کہ اُسے کارکن آدمی مل جاوے اور جب وہ کسی کارکن کو پا لیتا ہے تو خواہ وہ انکار بھی کر دے مگر وہ اسے منتخب کر ہی لیتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالےٰ جن لوگوں کو مامور کرتا ہے وہ اُن کے تعلقات صافیہ اور صدق و صفا کی وجہ سے انہیں اس قابل پاتا ہے کہ انہیں اپنی رسالت کا منصب سپرد کرے۔

## ماموُر اور پیروں میں فرق

یہ بالکل سچی بات ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر ایک قسم کا جبر کیا جاتا ہے۔ وہ کوٹھڑیوں میں بیٹھ کر عبادت کرتے ہیں اور اسی میں لذّت پاتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ کسی کو اُن کے حال پر اطلاع نہ ہو مگر اللہ تعالےٰ جبراً ان کو کوٹھڑی سے باہر نکالتا ہے۔ پھر ان میں ایک جذب رکھتا ہے اور ہزارہا مخلوق طبعاً ان کی طرف چلی آتی ہے۔ اگر فریب ہی کا کام ہو تو پھر وہ سرسبز کیوں ہو۔ پیر اور گدی نشین آرزو رکھتے ہیں کہ لوگ اُن کے مُرید ہوں اور ان کی طرف آویں مگر مامور اس شہرت کے خواہشمند نہیں ہوتے۔ ہاں وہ یہ ضرور چاہتے ہیں کہ مخلوق الٰہی اپنے خالق کو پہچانے اور خدا تعالیٰ سے سچا تعلق پیدا کرلے۔ وہ اپنے دل میں بخوبی سمجھتے ہیں کہ ہم

کچھ چیز ہی نہیں ہیں۔خدا تعالےٰ بھی اُن کو ہی پسند کرتا ہے کیونکہ جب تک ایسا مخلص نہ ہو کام نہیں کر سکتا۔ ریاکار جو خدا کی جگہ اپنے آپ کو چاہتے ہیں وہ کیا کر سکتے ہیں۔اس لئے خدا ان کو پسند کرتا ہے کیونکہ وہ دنیا کے آسائش و آرام کے آرزو مند نہیں ہوتے

ریاکاری ایک بہت بڑا گند ہے جو انسان کو ہلاک کر دیتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ریاکار انسان فرعون سے بھی بڑھ کر شقی اور بدبخت ہوتا ہے۔ وہ خدا تعالےٰ کی عظمت اور جبروت کو نہیں چاہتے بلکہ اپنی عزت اور عظمت منوانا چاہتے ہیں۔لیکن جن کو خدا پسند کرتا ہے وہ طبعاً اس سے متنفر ہوتے ہیں۔ ان کی ہمت اور کوشش اسی ایک امر میں صرف ہوتی ہے کہ اللہ تعالےٰ کی عظمت اور اس کا جلال ظاہر ہو اور دنیا اس سے واقف ہو۔ وہ ایسی حالت میں ہوتے ہیں اور پسند کرتے ہیں کہ دنیا اُن کو نہ پہچان سکے مگر ممکن نہیں ہوتا کہ دنیا اُن کو چھوڑ سکے کیونکہ وہ دنیا کے فائدہ کے لئے آتے ہیں۔ان لوگوں کے جو دشمن اور مخالف ہوتے ہیں ان سے بھی ایک فائدہ پہنچتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نشانات اُن کے سبب سے ظاہر ہوتے ہیں اور حقائق و معارف کھُلتے ہیں۔اُن کی چھیڑ چھاڑ سے عجیب عجیب انوار ظاہر ہوتے ہیں۔اگر ابوجہل وغیرہ نہ ہوتے تو قرآن شریف کے تیس سیپارے کیونکر ہوتے؟ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی سی فطرت والے ہی اگر سب ہوتے تو ایک دم میں وہ مسلمان ہو جاتے۔اُن کو کسی نشان اور معجزہ کی حاجت ہی نہ ہوتی۔پس ہم ان مخالفوں کے وجود کو بھی بے مطلب نہیں سمجھتے۔اُن کی چھیڑ چھاڑ اللہ تعالےٰ کو غیرت دلاتی ہے اور اس کی نصرت اور تائیدات کے نشانات ظاہر ہوتے ہیں۔غرض خدا تعالیٰ کے ماموروں کا یہ خاص نشان ہوتا ہے کہ وہ اپنی پرستش کرانا نہیں چاہتے۔جس طرح پر وہ لوگ جو پیر بننے کے خواہشمند ہیں چاہتے ہیں۔اگر کوئی شخص اپنی پُوجا کرائے تو کیا وجہ ہے کہ دوسرے انسان کے نیچے اس پُوجا کے مستحق نہ ہوں۔میں سچ کہتا ہوں کہ ایک مُرید اس مُرشد سے ہزار درجہ اچھا ہے جو مکر کی گدی پر بیٹھا ہوا ہو کیونکہ مُرید کے اپنے دل میں کھوٹ اور دغا نہیں ہے۔خدا تعالیٰ اخلاص کو چاہتا ہے۔ ریاکاری پسند نہیں کرتا ہے۔

(الحکم جلد ۸ نمبر ۱۹/۲۰ صفحہ ۱ و ۲ مورخہ ۱۰ و ۱۷ جون ۱۹۰۴ء)

۹ مئی ۱۹۰۴ء۔ بمقام گورداسپور

## ایک ہندو رئیس کے طاعون سے متعلق استفسارات کے جوابات

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام درختوں کے سایہ میں حسب معمول تشریف فرما تھے کہ دینا نگر کے دو ہندو رئیس آپ کی زیارت کو تشریف لائے۔ ان کے ساتھ اور بھی چند آدمی تھے۔ انہوں نے نہایت ادب اور احترام کے ساتھ سلام عرض کیا اور پھر طاعون کی مصیبت کا رونا رونا شروع کیا اور کہا کہ بڑا اختلاف مذاہب کا ہو گیا ہے۔ اس پر حضرت اقدس نے فرمایا۔

اس زمانہ میں نرا اختلاف مذاہب ہی نہیں رہا۔ اختلاف مذاہب کے سوا لوگوں نے خدا تعالےٰ کو بالکل چھوڑ دیا ہے اس لئے خدا تعالیٰ نے اپنی سنت کے موافق یہ عذاب نازل کیا ہے۔ کیونکہ دنیا میں فسق و فجور بہت بڑھ گیا ہے۔ شرارتوں اور چالاکیوں کی کوئی حد نہیں رہی ہے۔ طاعون کو اللہ تعالیٰ نے مامور کر کے بھیجا ہے جو اس کے نوکر کی طرح ہے۔ خدا تعالیٰ کے حکم کے بغیر تو ایک پتہ اور ذرہ بھی حرکت نہیں کر سکتا یہ اَور بدبختی ہے کہ باوجودیکہ طاعون ایک خطرناک ڈرانے والا ہے مگر اس پر بھی خدا تعالےٰ کی طرف توجہ نہیں کرتے اور خدا تعالےٰ کی باتوں کو ہنسی اور ٹھٹھے میں اُڑاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ سے نہیں ڈرتے اور دِل پاک و صاف نہیں کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے مجھے خبر دی ہے کہ جب تک اہلِ دنیا اپنی اصلاح اور تبدیلی نہیں کریں گے اس وقت تک اس عذاب کو نہیں اُٹھائے گا۔ میں دیکھتا ہوں کہ لوگوں کو اس طرف بھی بالکل توجہ نہیں ہے۔ جب کسی گاؤں یا شہر میں بیماری پڑتی ہے تو چند روز کے لئے ایک خوف پیدا ہوتا ہے۔ مگر وہ خوف بھی اللہ تعالیٰ کے واسطے نہیں اور نہ ایسا کہ اس کے ذریعہ کوئی اصلاح کریں بلکہ موت کا ڈر ہوتا ہے کہ کہیں ہم بھی مَر نہ جاویں اور یہ جائداد اور اسباب کسی دوسرے کے قبضہ میں نہ چلا جاوے۔ یونہی ذرا سا

وقفہ ہوتا ہے۔ پھر وہی شرارت اور شوخی۔ اور نہیں ڈرتے کہ اس کے دورے بہت لمبے ہوتے ہیں
رئیس۔ جناب۔ بظاہر زمانہ اچھا بھی معلوم ہوتا ہے۔ اکثر لوگوں کو دیکھا ہے کہ بھگتی وغیرہ بھی کرتے ہیں۔
حضرت اقدس۔ دل نہیں ہیں۔ جو کچھ ہے پوست ہی پوست ہے۔ ظاہرداری کے طور پر اگر کچھ کیا جاتا ہے تو کیا جاتا ہے۔ دل والے رُوح ہی اَور ہوتے ہیں۔ اُن کی آنکھیں صاف ہوتی ہیں۔ اُن کی زبان صاف ہوتی ہے۔ ان کے چال چلن میں ایک خاص امتیاز ہوتا ہے۔ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے لرزاں ترساں رہتے ہیں۔ نری زبان درازی سے کوئی اللہ تعالےٰ کو خوش نہیں کر سکتا۔ مجازی حکام کو جو اصل حالات سے ناواقف ہیں کوئی خوش کر لیوے مگر اللہ تعالےٰ کی نظر تو دل پر ہے اور وہ دل کے مخفی در مخفی خیالات تک کو جانتا ہے۔ پس جب تک انسان سچے دل سے خدا تعالےٰ کی طرف نہیں آتا۔ ریاکاری اور ظاہرداری سے کچھ نہیں بنتا۔ خدا تعالیٰ سچی تبدیلی چاہتا ہے اور میں دیکھتا ہوں کہ ابھی وہ پیدا نہیں ہوئی جب لوگ تبدیلی کریں گے تو میں یقین رکھتا ہوں کہ اگر کچھ بھی حصہ لوگوں کا درست ہو جاوےگا تو اللہ تعالیٰ رحم کرے گا۔ یہ تو اَور بھی چالاکی ہے کہ لوگوں کے سامنے نیک بنتے ہیں اور اپنے آپ کو بڑا متقی اور خداترس ظاہر کرتے ہیں اور اندرونی طور پر بڑی خرابیاں ان میں موجود ہوتی ہیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ دنیا کے ظاہری بحث و مباحثہ میں ہزاروں مذہب پیدا ہو گئے ہیں۔ مگر خدا تعالیٰ دیکھتا ہے کہ اس کے ساتھ معاملہ کیسا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ سے معاملہ صاف نہ ہو تو یہ چالاکیاں اَور بھی خدا تعالیٰ کے غضب کو بھڑکاتی ہیں۔ چاہیئے تو یہ کہ انسان خدا کے ساتھ معاملہ صاف کرے اور پُوری فرمانبرداری اور اخلاص کے ساتھ اس کی طرف رجُوع کرے اور اس کے بندوں کو بھی کسی قسم کی اذیت نہ دے۔ ایک شخص گیروی کپڑے پہن کر یا سبز لباس کر کے فقیر بن سکتا ہے اور دُنیادار اس کو فقیر بھی سمجھ لیتے ہیں مگر خدا تعالےٰ تو اس کو خوب جانتا ہے کہ وہ کس قسم کا آدمی ہے اور وہ کیا کر رہا ہے۔ پس طاعُون کا اصل اور صحیح علاج یہی ہے کہ انسان خدا تعالیٰ کے حضور اپنے گناہوں

سے توبہ کرے اور اس کی حد بندیوں کو نہ توڑے اور اس کی مخلوق کے ساتھ رحم کرے بد معاملگی نہ کرے۔ یہ سب کام اخلاص کے ساتھ کرے دکھانے کی نیت سے نہ کرے اگر اس قسم کی تبدیلی کرے گا تو میں یقین رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ رحم کے ساتھ اس پر نظر کریگا۔

رئیس۔ جناب لوگ باہر جاتے ہیں اور اس کو بھی مفید سمجھتے ہیں۔ مگر مولوی لوگ مخالفت کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ تم گھروں سے نکلنے میں خدا کے ساتھ شرک کرتے ہو۔ مولویوں کے ایسے فتوے دینے سے بھی بہت سے لوگ ہلاک ہوئے ہیں۔

حضرت اقدس۔ اللہ تعالےٰ تو علاج سے منع نہیں کرتا ہے۔ علاج بھی اسی نے رکھے ہیں۔ لوگ دنیا کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے واسطے قسم قسم کے منصوبے کرتے ہیں۔ اور ریاکاری سے کام لیتے ہیں۔ مگر جب تک خدا تعالےٰ کسی کو منتخب اور برگزیدہ نہ کرے کچھ نہیں ہو سکتا۔ دیکھو کسی کو بھوک پیاس لگتی ہے تو وہ روٹی کھاتا ہے یا پانی پیتا ہے اسی طرح پر بیماریوں کے علاج بھی ہیں اور اشیاء میں خواص بھی اسی کے رکھے ہوئے ہیں مولویوں کی غلطی ہے جو ایسا کرتے ہیں اور لوگوں کو تباہ کرتے ہیں۔ خدا تعالےٰ تو منع کرتا ہے کہ انسان عذاب کی جگہ پر رہے۔ لیکن ہاں جب بیماری شدت کے ساتھ پھیل جاوے تو یہ مناسب نہیں کہ انسان اس گاؤں یا شہر سے نکل کر کسی دوسرے گاؤں یا شہر میں جاوے اور یہ اس لئے منع ہے کہ جو لوگ وبا زدہ گاؤں سے نکلتے ہیں وہ متاثر ہُوا سے نکل کر دوسری جگہ کو متاثر کرتے ہیں اور پھر بیمار ہو کر مر جاتے ہیں۔ ایسا ہی یہ بھی منع ہے کہ جہاں وبا پڑی ہوئی ہو وہاں بھی کوئی آدمی تندرست جگہ سے نہ جاوے۔ لیکن یہ کبھی منع نہیں ہے کہ لوگ اپنے گھروں سے نکل کر باہر کُھلے میدانوں میں اور کھیتوں میں نہ جاویں بلکہ یہ ضروری ہے اور اس سے عموماً فائدہ پہنچتا ہے۔ جہاں طاعون ہو فوراً اس گھر کو خالی کر دینا چاہئیے۔ اور باہر کھیتوں یا کُھلے میدانوں میں بیشک چلے جاؤ۔ بلکہ ایسا کرنا ضروری ہے۔

رئیس۔ جناب تعجب ہی ہے کہ خدا کے ہوتے ہوئے یہ غضب ہو رہا ہے۔

حضرت اقدس۔ یہ خدا تعالیٰ کی باتیں ہیں ان میں دخل نہیں دینا چاہیئے۔ خدا تعالیٰ نے تو خود دنیا پر یہ غضب نازل کیا ہے۔ اگر لوگ خدا تعالیٰ کے وجود پر ایمان لاتے تو اس قدر شرارتیں جو زمین پر ہو رہی ہیں۔ نہ کرتے اور خدا تعالیٰ کے غضب سے ڈر جاتے مگر آپ دیکھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کا اقرار کر کے پھر دنیا پر ظلم اور فساد ہو رہا ہے اور خدا تعالیٰ کے حکموں کی ہرگز پابندی نہیں کی جاتی۔ تو یہ تو ایک قسم کی خدا تعالیٰ کے ساتھ بھی ہنسی ہے پھر خدا تعالیٰ اس کو کب پسند کر سکتا ہے۔ اب یہ غضب آیا ہے جو دُنیا کو سیدھا کریگا خود اسی نے بھیجا ہے۔ وہ اپنے اسرار کو آپ ہی جانتا ہے۔ ہم لوگوں کو اس کی قدرتوں میں دخل دینے کا کیا حق ہے۔ جب وقت آجائے گا وہ خود رحم فرمائے گا اور اس عذاب کو اُٹھالے گا۔ وہ ظالم نہیں ہے وہ تو ارحم الراحمین ہے۔

رئیس۔ حضور اب تو رحم ہونا چاہیئے۔ آپ ہی کچھ کریں۔

حضرت اقدس۔ میں دیکھتا ہوں کہ ابھی دنیا کی اصلاح ہونی ضروری ہے۔ ہم تو خدا تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں اور اس کے ہر ایک فعل کو سراسر حکمت سمجھتے ہیں۔ یہ عذاب جو اس نے نازل کیا ہے یہ بھی حکمت سے خالی نہیں ہے۔ لوگوں کے اعمال سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی اُن کو تکلیف نہیں ہے۔ اگر وہ تکلیف کو محسوس کر لیتے تو میں دیکھتا کہ ان میں تبدیلی شروع ہو جاتی مگر ایسا نہیں ہے۔ رہا ہمارا رحم۔ یہ ہمارے اختیار میں نہیں ہے۔ ہم اس کی قضا و قدر پر ہر طرح راضی ہیں اور اسے دیکھتے ہیں۔ البتہ جب وہ خود ہمارے دل میں یہ بات ڈالے گا تو ہم اس پر یقین رکھتے ہیں کہ ہماری دعاؤں کو سُن لیگا اور سب کچھ کر دیگا۔ فی الحال تو جو ہو رہا ہے اس کی عین مرضی کے موافق ہے۔ جب تک وہ پسند کرے گا ہوتا رہے گا۔ اصل علاج یہی ہے کہ خدا تعالیٰ سے صلح کی جاوے۔

اس تقریر کے بعد رئیس مذکور اپنے احباب کو لے کر نیازمندی سے سلام کر کے رخصت ہوا۔

# طاعون سے محفوظ رہنے کیلئے زیارتیں لیکر نکلنا

لاہور میں جو لوگ طاعون سے محفوظ رہنے کے لئے نماز پڑھنے کے واسطے زیارتیں لے کر نکلتے ہیں۔ اُن کا ذکر ہو رہا تھا۔ اس پر فرمایا۔

جو لوگ اب باہر جا کر نمازیں پڑھتے ہیں اور زیارتیں نکالتے ہیں وہ خدا تعالیٰ کے ساتھ پوری صفائی نہیں کرتے۔ سچی تبدیلی کا ارادہ نہیں معلوم ہوتا۔ ورنہ پھر وہی شوخی، بیباکی کیوں نظر آ رہی ہے۔ اگر سچی تبدیلی ہو تو ممکن نہیں کہ طاعون نہ ہٹ جائے۔ تعجب کی بات ہے کہ ایک طرف جب میں کہتا ہوں کہ سچی تبدیلی کرو اور استغفار کرو۔ خدا تعالیٰ سے صلح کرو تو میری ان باتوں پر ہنسی کرتے ہیں اور ٹھٹھے اُڑاتے ہیں اور اب خود بھی دُعا ہی اس کا علاج بتاتے ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ طاعون ان کے ہی سبب سے آیا ہے کیونکہ انہوں نے جھوٹے دعوے کئے تھے۔ مجھے اُن کی اس بات پر بھی تعجب اور افسوس آتا ہے کہ میں تو جھوٹے دعوے کر کے سلامت بیٹھا ہوں حالانکہ بقول ان کے طاعون میرے ہی سبب سے آیا ہے اور مجھے ہی حفاظت کا وعدہ دیا جاتا ہے۔ یہ عجیب معاملہ ہے۔ یہ بات تو اُن عدالتوں میں بھی نہیں ہوتی کہ صریح ایک مجرم ہو وہ چھوڑ دیا جاوے اور بے گناہ کو پھانسی دے دی جاوے۔ پھر کیا خدا تعالیٰ کی خدائی ہی میں یہ اندھیر اور ظُلم ہے کہ جس کے لئے طاعون بھیجا جاوے وہ تو محفوظ رہے اور اس کو سلامتی کا وعدہ دیا جاوے اور وہ ایک نشان ہو اور دوسرے لوگ مرتے رہیں؟ میں کہتا ہوں اسی ایک بات کو لیکر کوئی شخص انصاف کرے اور بتاوے کہ کیا ہو سکتا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ پر افترا کرے وہ سلامت رہے اور اس کو یہ وعدہ دیا جاوے کہ تیرے گھر میں جو ہوگا وہ بھی بچایا جاوے گا اور دوسروں پر چھُری چلتی رہے؟ یہ تو وہی شیعوں کی سی بات ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ نبوت دراصل حضرت علیؓ کو ملنی تھی اور انہیں کے واسطے جبریل لائے تھے مگر غلطی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دی اور تئیس سال تک برابر یہ غلطی چلی گئی اور اس کی اصلاح نہ ہوئی۔ ایسا ہی اب بھی غلطی لگ گئی۔ جن کی حفاظت کرنی تھی وہ تو مر رہے ہیں اور جو حفاظت کے لائق نہ تھے۔ اُن کی حفاظت کا وعدہ ہو گیا۔ بھلا اس قسم کی باتوں پر کوئی تسلی پا سکتا ہے؟

# مولوی صاحبان اور طاعون

ایک امرتسری مُلّا کا ذکر آیا کہ وہ کہتا ہے کہ ایک سال گذر گیا تو کیا ہوا۔ ابھی آگے دیکھنا چاہئے فرمایا۔

وہ تو ایک سال کہتا ہے۔ ہم تو یقین رکھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے جو وعدہ کیا ہے وہ بالکل سچا ہے اور اس کے دَورے تو ستر ستر سال تک ہوتے ہیں۔ وہ منتظر رہیں اور دیکھیں کیا ہوتا ہے۔ ہم بھی ان کے ساتھ انتظار کرتے ہیں۔ وہ ہماری نسبت اگر کوئی خبر خدا تعالیٰ سے پا چکے ہیں تو شائع کر دیں۔ ہم کو تو جو کچھ خدا تعالیٰ نے بتایا ہے ہم نے تو اس کو شائع کر دیا ہے اور دنیا کو معلوم ہو گیا ہے۔ وہ صبر کے ساتھ اب انجام تک دیکھیں کہ کیا ہوتا ہے۔

یہ لوگ ہماری نسبت طرح طرح کی گردشیں چاہتے ہیں۔ وہ آخر اُن پر ہی لوٹ کر پڑتی ہیں۔ ایک بٹالوی مولوی نے ایک مرتبہ کہا کہ قادیان میں طاعون پڑی ہوئی ہے اور خود ان کو بھی گلٹی نکلی ہوئی ہے۔ یہ اُن کی امانی ہیں کیا گلٹی اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر نکل سکتی ہے جب تک آسمان پر تغیر نہ ہو زمین پر کچھ نہیں ہو سکتا۔ ان دنوں جب قادیان میں طاعون پڑی ہوئی تھی۔ ہم خدا تعالیٰ کی قدرت کا عجیب نظارہ دیکھ رہے تھے۔ ہمارے گھر کے اِدھر اُدھر سے چیخیں آتی تھیں۔ اور ہمارا گھر درمیان میں اس طرح تھا جیسے سمندر میں کشتی ہوتی ہے۔ اُس نے محض اپنے فضل و کرم سے اُسے محفوظ رکھا جیسا اُس نے فرمایا تھا۔ اور آئندہ بھی ہم اس کے فضل و کرم سے یقین رکھتے ہیں کہ وہ ہماری حفاظت فرمائے گا۔

# ہندوؤں کے ہاتھ سے پکا ہوا کھانا

اس کے بعد ایک شخص نے سوال کیا کہ کیا ہندوؤں کے ہاتھ کا کھانا درست ہے؟ فرمایا

شریعت نے اس کو مباح رکھا ہے۔ ایسی پابندیوں پر شریعت نے زور نہیں دیا بلکہ شریعت نے تو قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا[1] پر زور دیا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم آرمینیوں کے ہاتھ کی بنی

[1] الشمس: ١٠

ہوئی چیزیں کھالیتے تھے اور بغیر اس کے گذارہ بھی تو نہیں ہوتا ہے۔

## تسبیح کا ذکر

ایک شخص نے تسبیح کے متعلق پوچھا کہ تسبیح کرنے کے متعلق حضور کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا

تسبیح کرنے والے کا اصل مقصود گنتی ہوتا ہے اور وہ اس گنتی کو پورا کرنا چاہتا ہے۔ اب تم خود سمجھ سکتے ہو کہ یا تو وہ گنتی پوری کرے اور یا توجہ کرے۔ اور یہ صاف بات ہے کہ گنتی کو پوری کرنے کی فکر کرنے والا سچی توبہ کر ہی نہیں سکتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام اور کاملین لوگ جن کو اللہ تعالےٰ کی محبت کا ذوق ہوتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے عشق میں فنا شدہ ہوتے ہیں انہوں نے گنتی نہیں کی اور نہ اس کی ضرورت سمجھی۔ اہلِ حق تو ہر وقت خدا تعالیٰ کو یاد کرتے رہتے ہیں اُن کے لئے گنتی کا سوال اور خیال ہی بیہودہ ہے۔ کیا کوئی اپنے محبوب کا نام گِن کر لیا کرتا ہے؟ اگر سچی محبت اللہ تعالیٰ سے ہو اور پوری توجہ الی اللہ ہو تو میں نہیں سمجھ سکتا کہ پھر گنتی کا خیال پیدا ہی کیوں ہوگا۔ وہ تو اسی ذکر کو اپنی رُوح کی غذا سمجھے گا اور جس قدر کثرت سے کرے گا۔ زیادہ لُطف اور ذوق محسوس کرے گا اور اس میں اَور ترقی کرے گا۔ لیکن اگر محض گنتی مقصود ہوگی۔ تو وہ اُسے ایک بیگار سمجھ کر پورا کرنا چاہے گا۔[۱]

ایک صاحب نے پوچھا کہ بعد نماز تسبیح لے کر ۳۳ مرتبہ اللہ اکبر وغیرہ جو پڑھا جاتا ہے اس کے متعلق کیا فرماتے ہیں؛ فرمایا

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا وعظ حسب مراتب ہوا کرتا تھا اور اسی حفظ مراتب نہ کرنے کی وجہ سے بعض لوگوں کو مشکلات پیش آئی ہیں اور انہوں نے اعتراض کر دیا ہے کہ فلاں دو احادیث میں باہم اختلاف ہے حالانکہ اختلاف نہیں ہوتا بلکہ وہ تعلیم بلحاظ محل اور موقعہ کے ہوتی تھی۔ مثلاً ایک شخص آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اُس نے پوچھا کہ نیکی کیا ہے۔

---

[۱] الحکم جلد ۸ نمبر ۱۹-۲۰ صفحہ ۲، ۳ بابت ۱۰/۱۷ جون ۱۹۰۴ء

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہے کہ اس میں یہ کمزوری ہے کہ ماں باپ کی عزت نہیں کرتا۔آپ نے فرمایا کہ نیکی یہ ہے کہ تو ماں باپ کی عزت کر۔ اب کوئی خوش فہم اس سے یہ نتیجہ نکال لے کہ بس اور تمام نیکیوں کو ترک کر دیا جاوے۔یہی نیکی ہے۔ایسا نہیں۔اسی طرح پر تسبیح کے متعلق بات ہے۔قرآن شریف میں تو آیا ہے۔ واذکروا اللہ کثیراً لعلکم تفلحون[1] اللہ تعالےٰ کا بہت ذکر کرو تا کہ فلاح پاؤ۔اب یہ واذکروا اللہ کثیراً نماز کے بعد ہی ہے تو ۳۳ مرتبہ تو کثیر کے اندر نہیں آتا۔پس یاد رکھو کہ ۳۳ مرتبہ والی بات حسب مراتب ہے ورنہ جو شخص اللہ تعالےٰ کو سچے ذوق اور لذّت سے یاد کرتا ہے اُسے شمار سے کیا کام۔وہ تو بیرون از شمار یاد کرے گا۔

ایک عورت کا قصہ مشہور ہے کہ وہ کسی پر عاشق تھی۔اُس نے ایک فقیر کو دیکھا کہ وہ تسبیح ہاتھ میں لئے ہوئے پھیر رہا ہے اس عورت نے اُس سے پوچھا کہ تو کیا کر رہا ہے اُس نے کہا کہ میں اپنے یار کو یاد کرتا ہوں۔عورت نے کہا کہ یار کو یاد کرنا اور پھر گن گن کر؟

درحقیقت یہ بات بالکل سچی ہے کہ یار کو یاد کرنا ہو تو پھر گن گن کر کیا یاد کرنا ہے اور اصل بات یہی ہے کہ جب تک ذکر الٰہی کثرت سے نہ ہو وہ لذت اور ذوق جو اس ذکر میں رکھا گیا ہے حاصل نہیں ہوتا۔آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جو ۳۳ مرتبہ فرمایا ہے وہ آنی اور شخصی بات ہو گی کہ کوئی شخص ذکر نہ کرتا ہو گا تو آپ نے اُسے فرما دیا کہ ۳۳ مرتبہ کر لیا کر۔ اور یہ تو تسبیح ہاتھ میں لے کر بیٹھتے ہیں۔یہ مسئلہ بالکل غلط ہے۔اگر کوئی شخص آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حالات سے آشنا ہو تو اُسے معلوم ہو جائے گا کہ آپ نے کبھی ایسی باتوں کا التزام نہیں کیا وہ تو اللہ تعالےٰ کی راہ میں فنا تھے۔انسان کو تعجب آتا ہے کہ کس مقام اور درجہ پر آپ پہنچے تھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ایک رات آپ صلے اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں تھے۔ رات کو جب میری آنکھ کھُلی تو میں نے آپؐ کو اپنے بستر نہ پایا۔ مجھے خیال گذرا کہ کسی دوسری بیوی کے گھر میں ہوں گے۔چنانچہ میں نے سب گھروں میں دیکھا مگر آپؐ کو نہ پایا۔ پھر میں باہر نکلی تو قبرستان

[1] الانفال: ۴۶

ہیں دیکھا کہ آپ سفید چادر کی طرح پر زمین پر پڑے ہوئے ہیں اور سجدہ میں گرے ہوئے کہہ رہے ہیں سجدت لك روحی وجنانی۔ اب بتاؤ کہ یہ مقام اور مرتبہ ۳۳ مرتبہ کی دانہ شماری سے پیدا ہو جاتا ہے۔ ہرگز نہیں۔

جب انسان میں اللہ تعالیٰ کی محبت جوش زن ہوتی ہے تو اس کا دل سمندر کی طرح موجیں مارتا ہے۔ وہ ذکر الٰہی کرنے میں بے انتہا جوش اپنے اندر پاتا ہے اور پھر گن کر ذکر کرنا تو کفر سمجھتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ عارف کے دل میں جو بات ہوتی ہے اور جو تعلق اپنے محبوب و مولا سے اُسے ہوتا ہے وہ کبھی روا رکھ سکتا ہی نہیں کہ تسبیح لے کر دانہ شماری کرے۔ کسی نے کہا ہے۔ ؎ مَن کا منکا صاف کر۔

انسان کو چاہیئے کہ اپنے دل کو صاف کرے اور خدا تعالیٰ سے سچا تعلق پیدا کرے تب وہ کیفیت پیدا ہوگی اور ان دانہ شماریوں کو ہیچ سمجھے گا

## تعداد رکعت

پوچھا گیا کہ نمازوں میں تعداد رکعات کیوں رکھی ہے؟ فرمایا

اس میں اللہ تعالیٰ نے اور اسرار رکھے ہیں۔ جو شخص نماز پڑھے گا وہ کسی نہ کسی حد پر تو آخر رہے گا ہی۔ اور اسی طرح پر ذکر میں بھی ایک حد تو ہوتی ہے۔ لیکن وہ حد وہی کیفیت اور ذوق و شوق ہوتا ہے جس کا میں نے ذکر کیا ہے۔ جب وہ پیدا ہو جاتا ہے تو وہ بس کر جاتا ہے دوسرے یہ بات حال والی ہے قال والی نہیں۔ جو شخص اس میں پڑتا ہے وہی سمجھ سکتا ہے۔ اصل غرض ذکر الٰہی سے یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کو فراموش نہ کرے اور اسے اپنے سامنے دیکھتا رہے۔ اس طریق پر وہ گناہوں سے بچا رہے گا۔ تذکرۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ ایک تاجر نے ستر ہزار کا سودا لیا اور ستر ہزار کا دیا مگر وہ ایک آن میں بھی خدا سے جدا نہیں ہوا۔ پس یاد رکھو کہ کامل بندے اللہ تعالیٰ کے وہی ہوتے ہیں جن کی نسبت فرمایا ہے لاتلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله۔[1] جب دل خدا تعالیٰ کے ساتھ سچا تعلق اور عشق پیدا کر لیتا ہے تو وہ اس سے

[1] النور : ۳۸

الگ ہوتا ہی نہیں۔ اس کی ایک کیفیت اس طریق پر سمجھ میں آسکتی ہے کہ جیسے کسی کا بچہ بیمار ہو تو خواہ وہ کہیں جاوے، کسی کام میں مصروف ہو مگر اس کا دل اور دھیان اسی بچہ میں رہے گا۔ اسی طرح پر جو لوگ خدا تعالیٰ کے ساتھ سچا تعلق اور محبت پیدا کرتے ہیں وہ کسی حال میں بھی خدا تعالیٰ کو فراموش نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ صوفی کہتے ہیں کہ عام لوگوں کے رونے میں اتنا ثواب نہیں جتنا عارف کے ہنسنے میں ہے۔ وہ بھی تسبیحات ہی ہوتی ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے عشق اور محبت میں رنگین ہوتا ہے۔ یہی مفہوم اور غرض اسلام کی ہے کہ وہ آستانہ الوہیت پر اپنا سر رکھ دیتا ہے۔

(الحکم جلد ۸ نمبر ۲۱ صفحہ ۱ مورخہ ۲۴ جون ۱۹۰۴ء)

---

**۱۶ مئی ۱۹۰۴ء بمقام گورداسپور**

اعلیٰ حضرت حجۃ اللہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام احاطہ کچہری میں رونق افروز تھے۔ وقتاً فوقتاً جو کچھ آپ نے فرمایا۔ ہدیۂ ناظرین ہے (ایڈیٹر الحکم)

دُنیا کی تلخیوں اور ناکامیوں پر فرمایا کہ

مثنوی میں لکھا ہے ؎

دشتِ دنیا جُز دَدو جُز دام نیست
جُز بخلوت گاہِ حق آرام نیست

## مشکلات ومصائب اور انسان

فرمایا:-

دنیا کے مشکلات اور تلخیاں بہت ہیں۔ ہر ایک دشت پُر خار ہے۔ اس میں سے گذرنا ہر شخص کا کام نہیں ہے۔ گذرنا تو سب کو پڑتا ہے لیکن راحت اور اطمینان کے ساتھ گذر جانا یہ ہر ایک شخص کو میسر نہیں آسکتا۔ یہ صرف ان لوگوں کا حصہ ہے جو اپنی زندگی کو ایک فانی اور لاشئ

سمجھ کر اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کے لئے اسے وقف کر دیتے ہیں اور اس سے سچا تعلق پیدا کر لیتے ہیں۔ ورنہ انسان کے تعلقات ہی اس قسم کے ہوتے ہیں کہ کوئی نہ کوئی تلخی اس کو دیکھنی پڑتی ہے۔ بیوی اور بچے ہوں تو کبھی کوئی بچہ مرجاتا ہے تو صدمہ برداشت کرتا ہے لیکن اگر خدا تعالیٰ سے سچا تعلق ہو تو ایسے ایسے صدمات پر ایک خاص صبر عطا ہوتا ہے جس سے وہ گھبراہٹ اور سوزش پیدا نہیں ہوتی جو اُن لوگوں کو ہوتی ہے جن کا خدا تعالیٰ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا پس جو لوگ اللہ تعالیٰ کے منشاء کو سمجھ کر اس کی رضا کے لئے اپنی زندگی کو وقف کرتے ہیں۔ وہ بیشک آرام پاتے ہیں ورنہ ناکامیاں اور نامرادیاں زندگی تلخ کر دیتی ہیں۔

ایک کتاب میں ایک عجیب بات لکھی ہے کہ ایک شخص سڑک پر روتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ راستہ میں ایک ولی اللہ اس سے ملے۔ انہوں نے پوچھا کہ تو کیوں روتا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میرا دوست مرگیا ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ تجھ کو پہلے سوچ لینا چاہیئے تھا۔ مرنے والے کے ساتھ دوستی ہی کیوں کی؟

دنیا عجیب مشکلات کا گھر ہے۔ بیوی بچوں کے نہ ہونے سے بھی غم ہوتا ہے اور اگر ہوں تب بھی مشکلات پیدا ہوتے ہیں۔ اُن کی ضروریات کے پورا کرنے کے لئے بعض نادان انسان عجیب عجیب مشکلات میں مبتلا ہوتے ہیں اور صراط مستقیم سے ہٹ کر اُن کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے مال بہم پہنچاتے ہیں اور پھر اَور مشکلات میں پھنستے ہیں۔ ایک فقیر ننگ دھڑنگ جس کے پاس ستر پوشی کے سوا اور کوئی کپڑا تک نہ تھا خوش و خورم کھیلتا کودتا جا رہا تھا۔ کسی سوار نے اس سے پوچھا کہ سائیں صاحب آپ ایسے خوش کیوں ہیں؟ اس نے کہا کہ جس کی مرادیں حاصل ہو جائیں وہ خوش ہوتا ہے یا نہیں؟ سوار نے کہا کہ تیری ساری مُرادیں کس طرح پُوری ہو گئی ہیں؟ اس نے کہا کہ جب خواہشیں چھوڑ دیں تو مُرادیں پُوری ہو گئیں۔

بات بالکل ٹھیک ہے۔ انسان دو طرح ہی خوش ہو سکتا ہے۔ یا تو حصولِ مراد کے ساتھ یا ترکِ مراد کے ساتھ۔ اور ان میں سے سہل طریق ترکِ مراد کا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ سب کی زندگی

تلخ ہے بجُز اس کے جو اس دنیا کے علاقوں سے الگ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات بادشاہوں نے بھی ان تلخیوں اور ناکامیوں سے عاجز آکر خودکشی کر لی ہے۔

## لذّتِ دُنیا کی مثال

دُنیا کی لذّت خارش کی طرح ہے۔ ابتداءً لذّت آتی ہے۔ پھر جب کھجلاتا رہتا ہے تو زخم ہو کر اُس میں سے خُون نکل آتا ہے یہانتک کہ اُس میں پیپ پڑ جاتی ہے اور وہ ناسُور کی طرح بن جاتا ہے اور اس میں درد بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ یہ گھر بہت ہی ناپائیدار اور بے حقیقت ہے۔ مجھے کئی بار خیال آیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی مُردے کو اختیار دیدے کہ وہ پھر دنیا میں چلا جاوے تو وہ یقیناً توبہ کر اُٹھے کہ میں اس دُنیا سے باز آیا۔ خدا تعالیٰ پر سچا ایمان ہو تو انسان ان مشکلاتِ دنیا سے نجات پا سکتا ہے کیونکہ وہ دردمندوں کی دعاؤں کو سُن لیتا ہے مگر اس کے لئے یہ شرط ہے کہ دعائیں مانگنے سے انسان تھکے نہیں تو کامیاب ہوگا۔ اگر تھک جائے گا تو نِری ناکامی نہیں بلکہ ساتھ بے ایمانی بھی ہے کیونکہ وہ خدا تعالیٰ سے بدظن ہو کر سلبِ ایمان کر بیٹھے گا۔ مثلاً ایک شخص کو اگر کہا جاوے کہ تو اس زمین کو کھود خزانہ نکلے گا مگر وہ دو چار پانچ ہاتھ کھودنے کے بعد اُسے چھوڑ دے اور دیکھے کہ خزانہ نہیں نکلا تو وہ اس نامرادی اور ناکامی پر ہی نہ رہے گا بلکہ بتانے والے کو بھی گالیاں دے گا۔ حالانکہ یہ اس کی اپنی کمزوری اور غلطی ہے جو اُس نے پُورے طور پر نہیں کھودا۔ اسی طرح جب انسان دُعا کرتا ہے اور تھک جاتا ہے تو اپنی نامرادی کو اپنی سُستی اور غفلت پر تو حمل نہیں کرتا۔ بلکہ خدا تعالیٰ پر بدظنّی کرتا ہے اور آخر بے ایمان ہو جاتا ہے اور آخر دہریہ ہو کر مرتا ہے۔

*جہاں حضور بیٹھے ہوئے تھے وہاں سامنے ایک آم کا درخت تھا جس کو کچے پھل لگے ہوئے تھے۔ ان کو دیکھ کر فرمایا۔*

دیکھو۔ اس آم کو پھل لگا ہوا ہے مگر یہ کچا پھل ہے۔ اگر کوئی اس کو کھانے بیٹھ جاوے اور اس کو ہی اصل مقصد سمجھ لے تو بجُز اس کے کہ اس کے کھانے سے پھُنسیاں وغیرہ نکل

آویں کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔ اسی طرح پر نیم ملّاں خطرۂ ایمان والی مثال سچ ہے۔ نارسیدہ منزل کچے پھل کی طرح ہوتا ہے۔ وہ جو کسی کو بات سُنائے گا تو اُسے گمراہ کرے گا اور اگر خود کریگا تو آپ گمراہ ہوگا۔

خدا تعالٰے کی راہ میں جب تک انسان بہت سی مشکلات اور امتحانات میں پُورا نہ اُترے وہ کامیابی کا سرٹیفکیٹ حاصل نہیں کر سکتا۔ اسی لئے فرمایا ہے أحسب الناس ان یترکوا ان یقولوا اٰمنّا وھم لا یفتنون[1]۔ کیا لوگ گمان کرتے ہیں کہ اللہ تعالٰے محض اتنی ہی بات پر راضی ہو جاوے کہ وہ کہدیں کہ ہم ایمان لائے اور وہ آزمائے نہ جاویں ایسے لوگ جو اتنی بات پر اپنی کامیابی سمجھتے ہیں وہ یاد رکھیں انہیں کے لئے دوسری جگہ آیا ہے وما ھم بمؤمنین[2]۔ اور ایسا ہی ایک جگہ فرمایا۔ قالت الاعراب اٰمنّا قل لم تؤمنوا ولکن قولوا اسلمنا[3]۔ یعنی تم یہ نہ کہو کہ ایماندار ہو گئے بلکہ یہ کہو کہ ہم نے مقابلہ چھوڑ دیا ہے اور اطاعت اختیار کر لی ہے۔ بہت سے لوگ اس قسم کے ہوتے ہیں۔ کامل ایماندار بننے کے لئے مجاہدات کی ضرورت ہے اور مختلف ابتلاؤں اور امتحانوں سے ہو کر نکلنا پڑتا ہے۔ ؎

گویند سنگ لعل شود در مقام صبر
آرے شود ولیک بخونِ جگر شود

## کیمرہ سے تصویر اُتارنا

منشی نظیر حسین صاحب نے عرض کیا کہ میں فوٹو کے ذریعہ تصویریں اُتارا کرتا تھا اور دل میں ڈرتا تھا کہ کہیں یہ خلاف شرع نہ ہو لیکن جناب کی تصویر دیکھ کر یہ وہم جاتا رہا۔ فرمایا۔

انما الاعمال بالنیات۔ ہم نے اپنی تصویر محض اس لحاظ سے اُتروائی تھی کہ

[1] العنکبوت: ۳ [2] البقرۃ: ۹ [3] الحجرات: ۱۵

یورپ کو تبلیغ کرتے وقت ساتھ تصویر بھیج دیں کیونکہ ان لوگوں کا عام مذاق اس قسم کا ہو گیا ہے کہ وہ جس چیز کا ذکر کرتے ہیں ساتھ ہی اس کی تصویر دیتے ہیں جس سے وہ قیافہ کی مدد سے بہت سے صحیح نتائج نکال لیتے ہیں۔ مولوی لوگ جو میری تصویر پر اعتراض کرتے ہیں۔ وہ خود اپنے پاس روپیہ پیسہ کیوں رکھتے ہیں کیا ان پر تصویریں نہیں ہوتی ہیں؟

اسلام ایک وسیع مذہب ہے۔ اس میں اعمال کا مدار نیات پر رکھتا ہے۔ بدر کی لڑائی میں ایک شخص میدان جنگ میں نکلا جو اترا کر چلتا تھا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دیکھو یہ چال بہت بُری ہے کیونکہ خدا تعالےٰ نے فرمایا ہے ولا تمش فی الارض مرحاً مگر اس وقت یہ چال خدا تعالےٰ کو بہت ہی پسند ہے کیونکہ یہ اس کی راہ میں اپنی جان تک نثار کرتا ہے اور اس کی نیّت اعلیٰ درجہ کی ہے۔

غرض اگر نیّت کا لحاظ نہ رکھا جائے تو بہت مشکل پڑتی ہے۔ اسی طرح پر ایک مرتبہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جن کا تہ بند نیچے ڈھلکتا ہے وہ دوزخ میں جائیں گے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ یہ سُنکر رو پڑے کیونکہ اُن کا تہبند بھی ویسا تھا۔ آپؐ نے فرمایا کہ تو اُن میں سے نہیں ہے۔ غرض نیّت کو بہت بڑا دخل ہے اور حفظ مراتب ضروری شئے ہے

منشی نظیر حسین صاحب۔ میں خود تصویر کشی کرتا ہوں۔ اس کے لئے کیا حکم ہے؟

فرمایا:۔

اگر کفر اور بت پرستی کو مدد نہیں دیتے۔ تو جائز ہے۔ آج کل نقوش و قیافہ کا علم بہت بڑھا ہوا ہے۔

(الحکم جلد ۸ نمبر ۱۷ صفحہ ۲ و ۳ مورخہ ۲۴ مئی ۱۹۰۴ء)

و

(البدر جلد ۳ نمبر ۲۰-۲۱ صفحہ ۹-۱۰)

بلا تاریخ

## ریا اور اہل اللہ

حضرت مولانا مولوی عبدالکریم صاحب نے ایک مرتبہ فرمایا کہ میں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا کہ کیا کبھی ممکن ہو سکتا ہے کہ آپ میں بھی ریا آوے؟

اس پر حضور نے فرمایا کہ

کبھی چڑیا خانہ گئے ہو؟ میں نے کہا کہ ہاں۔ فرمایا

دیکھو وہاں شیر چیتے اور دوسرے حیوانات ہوتے ہیں۔ کبھی یہ خیال وہاں جا کر دل میں آ سکتا ہے کہ ان کے سامنے لمبی لمبی نمازیں پڑھیں؟ کبھی یہ خیال وہاں جا کر ریاکار سے ریاکار کے دل میں بھی نہیں آسکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ خوب جانتا ہے کہ یہ حیوانات ہماری جنس سے تو نہیں ہیں تو پھر ریا کہاں رہی؟ ریا تو ہم جنسوں سے ہوتی ہے تو اہل اللہ کس سے ریا کریں اُن کے سامنے دوسرے لوگوں کی وہی مثال ہے جیسے چڑیا خانہ میں جانور بھرے ہوئے ہیں۔

## سچّے مدعی کی جرأت

مولانا موصوف نے فرمایا کہ ایک دن کی مجھے بات یاد ہے کہ کسی نے ذکر کیا کہ منشی الہٰی بخش اور اس کا ترجمان منشی عبدالحق کہتا ہے کہ الہام وہ ہے جو پورا ہو جاوے اور جو نہ ہووے وہ شیطانی کام ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ

مکہ معظمہ میں داخل ہو کر اگر خدا تعالےٰ کی قسم دی جاوے تو میں کہوں گا کہ میرے الہام خدا تعالےٰ کی طرف سے ہیں۔ جس شخص نے خیالی طور پر دعویٰ کیا ہو وہ ہرگز یہ جرأت نہیں کر سکتا۔ کبھی وہ شخص جو کامل یقین رکھتا ہو اور وہ جو مشکوک ہے برابر ہو سکتے ہیں؟

# حقِ رفاقت

مولٰنا موصوف نے کہا کہ ایک دفعہ حضرت اقدس نے خاص طور پر مجھے مخاطب کر کے فرمایا

میرے خُلق کی پیروی کر

میں نے عرض کی کہ دعا کریں۔ فرمایا کہ

اگر کسی نے ایک بار میرے ساتھ عہد دوستی باندھا ہو تو مجھے اس قدر اس کی رعایت ہوتی ہے کہ اگر اُس نے شراب پی ہوئی ہو تو بھی میں بلاخوف لومۃ لائم اُسے اُٹھا لاؤں گا۔ یعنی جب تک وہ خود ترک نہ کرے ہم خود نہ چھوڑیں گے۔ پس اگر کوئی اپنے بھائیوں کو ترک کرے گا۔ وہ سخت گنہگار ہوگا۔

---

مولٰنا موصوف کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت اقدس نے فرمایا کہ

مومن مومن کبھی نہیں ہو سکتا جب تک کہ کفر اس سے مایوس نہ ہو جاوے۔ فتح مسیح کو ایک بار ہم نے رسالہ بھیجا۔ اس پر اُس نے لکیریں کھینچ کر واپس بھیج دیا اور لکھا کہ جس قدر دل آپ نے دکھایا ہے کسی اَور نے نہیں دُکھایا۔ دیکھو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے دشمن نے خود اقرار کر لیا کہ ہمارا دل دُکھا۔ پس ایسی مضبوطی ایمان میں پیدا کرو کہ کُفر مایوس ہو جاوے کہ میرا قابو نہیں چلتا۔ اشدّاء علی الکفّار[1] کے یہ معنے بھی ہیں۔

---

طاعون کا ذکر تھا۔ کثرت اموات پر ذکر کرتے کرتے فرمایا:۔

دعائیں کرتے رہو۔ بجز اس کے انسان مگر اللہ سے بچ نہیں سکتا۔ مگر دعاؤں کی قبولیت کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ انسان اپنے اندر پاک تبدیلی پیدا کرے۔ اگر بدیوں سے نہیں بچ سکتا اور خدا تعالیٰ کی حدود کو توڑتا ہے تو دعاؤں میں کوئی اثر نہیں رہتا۔

---

[1] الفتح : ۳۰

فرمایا۔

اس وقت دنیا میں خدا تعالےٰ کا وجود ثابت ہو رہا ہے۔ اگرچہ لوگ برائے نام خدا تعالےٰ کے قائل تھے مگر اصل بات یہ ہے کہ ایک قسم کی دہریت پھیل رہی تھی اور خدا تعالےٰ سے بکلی دُور جا پڑے ہیں۔ مگر اب وقت آگیا ہے کہ لوگ خدا تعالےٰ کو شناخت کریں۔ خدا تعالیٰ کے اوامر و نواہی کو توڑنا اس سے بڑھ کر خباثت کیا ہوگی۔ یہ تو اس کا مقابلہ ہے۔

(الحکم جلد ۸ نمبر ۱۹-۲۰ صفحہ ۱ مورخہ ۱۰/۲۴ جون ۱۹۰۴ء)

---

۲۰ مئی ۱۹۰۴ء ۔ بمقام گورداسپور

## نو مبائعین کو نصائح

بعد نماز عصر حیدر آباد دکن کے چند احباب نے بیعت کی۔ بیعت کے بعد تقریر کرتے ہوئے حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا۔

آپ نے جو مجھ سے آج تعلق بیعت کیا ہے تو میں چاہتا ہوں کہ کچھ بطور نصیحت چند الفاظ تمہیں کہوں۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ انسان کی زندگی کا کچھ اعتبار نہیں۔ اگر کوئی شخص خدا تعالیٰ پر ایمان رکھے اور پھر قرآن کریم پر غور کرے کہ خدا تعالیٰ نے کیا کچھ قرآن مجید میں فرمایا ہے تو وہ شخص دیوانہ وار دنیا کو چھوڑ خدا تعالےٰ کا ہو جائے۔ یہ بالکل سچ کہا گیا ہے کہ دنیا روزے چند عاقبت با خداوند۔ اب خدا تعالیٰ کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو شخص خدا تعالےٰ کی طرف آنا چاہتا ہے اور فی الواقعہ اس کا دل ایسا نہیں کہ اس نے دین کو دنیا پر مقدم کیا ہو تو وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک قابلِ سزا ٹھہرتا ہے ہم اس دنیا میں دیکھتے ہیں کہ اس کے مقاصد حاصل کرنے کے لئے جب تک کافی حصہ اپنا اُن کی طلب میں خرچ نہ کردیں۔ وہ مقاصد حاصل ہونے ناممکن ہیں۔ مثلاً اگر طبیب ایک دوائی اور اس کی ایک مقدار مقرر کردے اور ایک بیمار وہ مقدار دوائی کی تو نہیں کھاتا بلکہ تھوڑا حصہ اس دوائی کا استعمال کرتا ہے تو اس کو کیا فائدہ اس سے ہوگا۔ ایک شخص پیاسا ہے تو ممکن نہیں کہ ایک قطرہ پانی

سے اس کی پیاس دُور ہو سکے۔ اسی طرح جو شخص بھوکا ہے وہ ایک لقمہ سے سیر نہیں ہو سکتا اسی طرح خدا تعالیٰ یا اس کے رسُول پر زبانی ایمان لے آنا یا ایک ظاہری رسم کے طور پر بیعت کر لینا بالکل بےسود ہے جبتک انسان پوری طاقت سے خدا تعالیٰ کی راہ میں نہ لگ جاوے۔ نفس کی خیرخواہی اسی میں ہے کہ انسان پورے طور پر وہ حصہ لے جو رُوحانی زندگی کے لئے ضروری ہے صرف یہ خیال کہ میں مسلمان ہوں کافی نہیں۔

میں نصیحت کرتا ہوں کہ آپ نے جو تعلق مجھ سے پیدا کیا ہے (خدا تعالیٰ اس میں برکت ڈالے) اس کو بڑھانے اور مضبوط کرنے کی فکر میں ہر وقت لگے رہیں۔ لیکن یاد رہے کہ صرف اقرار ہی کافی نہیں جب تک عملی رنگ سے اپنے آپ کو رنگین نہ کیا جاوے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَحَسِبَ النَّاسُ اَن یُّترکُوا اَن یَّقُولُوا اٰمَنَّا وَ ھُم لَا یُفتَنُون[1]۔ یعنی کیا انسانوں نے گمان کر لیا ہے کہ ہم آمنّا ہی کہہ کر چھٹکارا پالیں گے اور کیا وہ آزمائش میں نہ ڈالے جائیں گے۔ سو اصل مطلب یہ ہے کہ یہ آزمائش اسی لئے ہے کہ خدا تعالیٰ دیکھنا چاہتا ہے کہ آیا ایمان لانے والے نے دین کو ابھی دنیا پر مقدم کیا ہے یا نہیں۔ آج کل اس زمانہ میں جب لوگ خدا تعالیٰ کی راہ کو اپنے مصالح کے خلاف پاتے ہیں یا بعض جگہ حکام سے ان کو کچھ خطرہ ہوتا ہے تو وہ خدا کی راہ سے انکار کر بیٹھتے ہیں ایسے لوگ بے ایمان ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ فی الواقعہ خدا ہی احکم الحاکمین ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ خدا تعالیٰ کی راہ بہت دشوار گذار ہے اور یہ بالکل سچ ہے کہ جب تک انسان خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنی کھال اپنے ہاتھ سے نہ اُتار لے تب تک وہ خدا تعالیٰ کی نگاہ میں مقبول نہیں ہوتا۔ ہمارے نزدیک بھی ایک بے وفا نوکر کسی قدر و منزلت کے قابل نہیں۔ جو نوکر صدق اور وفا نہیں دکھلاتا وہ کبھی قبولیت نہیں پاتا۔ اسی طرح جناب الٰہی میں وہ شخص پرلے درجہ کا بے ادب ہے جو چند روزہ دنیوی منافع پر نگاہ رکھ کر خدا تعالیٰ کو چھوڑتا ہے۔

بیعت سے مراد خدا تعالیٰ کو جان سپرد کرنا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ہم نے اپنی جان آج خدا تعالیٰ کے ہاتھ بیچ دی۔ یہ بالکل غلط ہے کہ خدا تعالیٰ کی راہ میں چل کر انجام کار کوئی شخص

[1] العنکبوت : ۳

نقصان اُٹھا وے۔ صادق کبھی نقصان نہیں اُٹھا سکتا۔ نقصان اسی کا ہے جو کاذب ہے۔ جو دنیا کے لئے بیعت کو اور عہد کو جو اللہ تعالیٰ سے اس نے کیا ہے توڑ رہا ہے۔ وہ شخص جو محض دنیا کے خوف سے ایسے امور کا مرتکب ہو رہا ہے۔ وہ یاد رکھے بوقت موت کوئی حاکم یا بادشاہ اُسے نہ چھڑا سکے گا۔ اس نے احکم الحاکمین کے پاس جانا ہے جو اُس سے دریافت کریگا کہ تو نے میرا پاس کیوں نہیں کیا؟ اس لئے ہر مومن کے لئے ضروری ہے کہ خدا جو ملک السموات والارض ہے اس پر ایمان لاوے اور سچی توبہ کرے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ امر بھی یونہی حاصل نہیں ہوتا ہے۔ خدا ہی یہ امر دل میں بٹھائے تو بیٹھ سکتا ہے۔ سو اس کے لئے دعا بکار ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدق سے قدم اُٹھاتا ہے اس کو عظیم الشان طاقت اور خارقِ عادت قوت دی جاتی ہے۔ مومن کے دل میں ایک جذب ہوتا ہے کہ جس قوتِ جاذبہ کے ذریعہ وہ دوسروں کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ اگر تم میں جذب محبت خدا تعالیٰ کی راہ میں کافی ہو تو پھر کیوں لوگ تمہاری طرف نہ کھنچے آویں اور کیوں تم میں ایک مقناطیسی طاقت نہ ہو جاوے۔ دیکھو قرآن میں سورہ یوسف میں آیا ہے وَلَقَد هَمَّت بِهٖ وَ هَمَّ بِهَا لَو لَا اَن رَّاٰ بُرهَانَ رَبِّهٖ[1] یعنی جب زلیخا نے یوسف کا قصد کیا یوسف بھی زلیخا کا قصد کرتا اگر ہم حائل نہ ہوتے۔ اب ایک طرف تو یوسف جیسا متقی ہے اور اس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہ نبی زلیخا کی طرف مائل ہو ہی چکا تھا اگر ہم نہ روکتے۔ اس میں بہتر یہ ہے کہ انسان میں ایک کششِ محبت ہوتی ہے۔ زلیخا کی کشش محبت اس قدر غالب آئی تھی کہ اس کشش نے ایک متقی کو بھی اپنی طرف کھینچ لیا۔ سو جائے شرم ہے کہ ایک عورت میں جذب اور کشش اس قدر ہو کہ اس کا اثر ایک مضبوط دل پر ہو جاوے اور ایک شخص جو مومن ہونے کا دعوےٰ کرتا ہے اس میں جذب محبت الٰہی اس قدر نہ ہو کہ لوگ اس کی طرف کھنچے چلے آویں۔ یہ عذر قابل پذیرائی نہیں کہ زبان میں یا وعظ میں اثر نہیں۔ اصلی نقصان قوت جاذبہ میں ہے جب تک وہ کامل نہیں تب تک زبانی خالی باتوں سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

[1] یوسف : ۲۵

# وفات مسیح کا ذکر

اور ہمارے مسائل۔ سو وہ بھی بالکل صاف ہیں۔ مثلاً قرآن شریف کی یہ آیت فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم[1]۔ اس میں ایک جواب اور ایک سوال ہے۔ خدا تعالیٰ مسیح علیہ السلام سے پوچھے گا کہ کیا تو نے لوگوں کو ایسی تعلیم دی تھی کہ مجھے اور میری ماں کو معبود بنا لینا تو وہ جواب میں عرض کریں گے کہ بار خدایا جب تک میں زندہ رہا اور اُن میں رہا میں نے تو اُن کو ایسی تعلیم نہیں دی۔ البتہ تو نے جب مجھ کو مار دیا تو پھر تو ہی ان کا نگران حال تھا مجھے کوئی علم نہیں کہ میرے پیچھے انہوں نے کیا کیا۔ یہ کیسی موٹی بات ہے کہ خود مسیح اپنی وفات کا اقرار کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر عیسائی بگڑے تو میری وفات کے بعد بگڑے جب تک میں اُن میں زندہ رہا تب تک وہ صحیح عقیدہ پر قائم تھے۔ اب اگر عیسائی بگڑ گئے ہیں تو بالضرور مسیح مر چکا ہے۔ اور اگر مسیح آج تک نہیں مرا تو عیسائی بھی نہیں بگڑے اور اگر عیسائی نہیں بگڑے تو بالضرور عقیدہ الوہیت مسیح بھی درست ہے۔ پھر مسیح کا یہ کہہ دینا کہ مجھے تو اُن کے بگڑنے کا علم نہیں جیسے کہ اسی آیت سے پایا جاتا ہے۔ کیا یہ جواب اُن کا جھوٹا نہیں ہوگا۔ اگر ان کا دوبارہ دنیا میں آنا درست ہے کیونکہ سوال و جواب قیامت کو ہوگا۔ اور اگر انہوں نے دوبارہ دنیا میں آکر چالیس سال رہنا ہے اور عیسائیوں اور کفار کو قتل کر کے اسلام کو پھیلانا ہے تو بالضرور انہوں نے عیسائیوں کی بگڑی ہوئی حالت کو دیکھ لیا ہے اور اس بگڑی ہوئی حالت کو دیکھ کر وہ دوبارہ اس دنیا سے تشریف لے جاویں گے تو پھر حضرت مسیح کا یہ جواب دینا خدا کے حضور میں دروغ بیانی ہے۔ کیا وہ احکم الحاکمین نہ کہے گا کہ تو دوبارہ دنیا میں گیا اور تو نے دیکھ لیا کہ تیری امت بگڑ چکی تھی۔ ایک مجازی حاکم کے آگے غلط بیانی، دروغ حلفی کے جرم کا خطرناک ارتکاب ہے۔ چہ جائیکہ ایک عالم الغیب حاکم کی جناب میں ایسی دروغ بیانی کی جاوے تو گویا اس آیت نے بڑی صفائی کے ساتھ ایک طرف مسیح کی وفات کو ثابت کر دیا اور دوسری طرف ان کے دوبارہ دنیا میں تشریف لانے کا بُطلان کر دیا۔ اس کے مقابل جب ہم حدیثوں پر غور کرتے ہیں تو وہاں سے

[1] المائدۃ: ۱۱۸

بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے۔ حضرت رسالت مآب نے فرمایا اور یہ متفق علیہ حدیث ہے کہ میں نے حضرت مسیح کو حضرت یحییٰ کے ساتھ دیکھا۔ حضرت یحییٰ کا مرجانا اور ان کا اس جماعت میں داخل ہونا جن کی قبض روح ہو چکی ہے ثابت شدہ امر ہے۔ اب یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مسیح بلا قبض رُوح و انتقال کرنے کے ایک ایسے شخص کا جلیس ہو جو دنیا سے مر چکا ہے۔ اب ایک طرف قولِ خدا اور دوسری طرف رؤیت رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے وفات مسیح اور ان کا دوبارہ دنیا میں واپس نہ آنا قطعی ثابت ہو گیا۔ اب بھی یہ لوگ اگر عقیدہ حیات مسیح سے باز نہ آویں۔ تو یہی سمجھا جاوے گا کہ سچی ہدایت اور سعادت صرف خدا تعالےٰ کی طرف سے ہے۔ اُن کے حال پر تو پھر سعدی کا یہ قول صادق آتا ہے ؎

آنکس کہ بقرآن و خبر زو نہ رہد

این است جوابش کہ جوابش نہ دہی

# آنیوالا مسیح امتی ہوگا اور دیگر نشانات

رہا یہ کہ آنے والا کون ہے؟ اس کا فیصلہ بھی قرآن و حدیث نے کر دیا ہے۔ سورہ نور نے صاف طور پر بیان کیا ہے کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے خلفاء اس امت میں سے ہوں گے۔ بخاری اور مُسلم کا بھی یہی مذہب ہے کہ آنے والا مسیح اس امت میں سے ہوگا۔ اب ایک طرف قرآن و حدیث بنی اسرائیلی مسیح کی موت اور دوبارہ نہ آنے کو بیان کرتے ہیں۔ دوسری طرف یہی قرآن و حدیث آنے والے مسیح کو اسی امت میں سے ٹھہراتے ہیں تو پھر اب انتظار کس بات کا ہے؟

اب علامات کو بھی دیکھ لیا جاوے۔ صدی کے سر پر مجدد کا آنا سب نے تسلیم کیا ہے اور یہ بھی مانا ہے کہ مسیح بطور مجدد صدی کے سر پر آئے گا۔ صدی میں سے بائیس سال گذر گئے اور اس وقت تک مجدد نظر نہ آیا۔ آخر اس صدی کے سر پر جس مجدد نے آنا تھا وہ کہاں ہے؟

## کسُوف وخسُوف کا نشان

مہدی کا نشان کسوف وخسوف تھا جو رمضان میں ہونا تھا۔ اس کسوف وخسوف پر بھی آٹھ سال گذر گئے۔ مہدی نہ آیا۔ اگر یہ کہا جاوے کہ نشان تو ہو گیا لیکن صاحب نشان بعد میں آوے گا تو یہ عقیدہ بڑا فاسد ہے اور قسم قسم کے فسادات کی بناء ہے۔ اگر ایک زمانہ کے بعد اکٹھے بیس انسان مہدویت کے مدعی ہو جاویں تو پھر اُن میں کون فیصلہ کریگا؟ ضرور ہے کہ صاحبِ نشان نشان کے ساتھ ہو۔ یہ لوگ ممبروں پر چڑھ کر صدی کے سرے کو اور کسُوف وخسُوف کو یاد کیا کرتے اور روتے تھے۔ لیکن جب وہ وقت آیا تو یہی لوگ دشمن بن گئے۔ حدیث کے مطابق تمام نشان واقعہ ہو گئے لیکن یہ لوگ اپنی ضد سے باز نہیں آتے۔ کسُوف وخسُوف کا عظیم الشان نشان ظاہر ہو گیا لیکن خدا تعالیٰ کے اس نشان کی قدر نہ کی گئی۔

## طاعُون کا نشان

اسی طرح کُل انبیاء کی کتب سابقہ اور قرآن وحدیث میں ایک اَور بلا کی طرف اشارہ تھا جو کسُوف وخسُوف کے آسمانی نشان کے بعد آنے والی تھی اور وہ طاعون ہے۔ جو وہ بھی مسیح کے زمانہ سے وابستہ تھی۔ یہ ایک خطرناک مصیبت ہے جس کی طرف ہر ایک اولوالعزم نبی نے بالتصریح یا بالاجمال اشارہ کیا ہے۔ طاعون آگئی۔ لاکھوں انسان تباہ ہو گئے۔ اور نہ معلوم کب تک اس کی تباہی چلتی رہے گی۔ لیکن جس موعود کے زمانہ کی شناخت کا یہ نشان ہے اسے اب تک ان لوگوں نے نہ پہچانا۔ اسی طرح زمین وآسمان نے شہادت دی۔ لیکن ان شہادتوں کو ردّی سمجھا گیا۔ خدا غیور ہے اور وہ اپنی غیرت دکھلائے گا۔ ایک مجازی حاکم عدول حکمی پسند نہیں کرتا تو وہ احکم الحاکمین غیُور خدا کب اس عدولِ حکمی کو بلا سزا چھوڑیگا۔

## نئی سواری کا نشان

ایک اَور نشان اس زمانہ کا وہ نئی سواری تھی جس نے اُونٹوں کو بیکار کر دینا تھا۔ قرآن نے وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ[۱] (جب اُونٹنیاں بے کار ہو جاویں گی) کہہ کر اس زمانہ کا پتہ

[۱] التکویر: ۵

بتلایا۔ حدیث نے مسیح کے نشان میں یوں کہا لیُترکن القلاص فلا یسعی علیھا۔ پھر یہ نشان کیا پورا نہ ہوا؟ حتیٰ کہ اس سرزمین میں بھی جہاں آج تک اُونٹنی کی سواری تھی اور بغیر اُونٹنیوں کے گذارہ نہ تھا۔ وہاں بھی اس سواری کا انتظام ہوگیا ہے اور چند سالوں میں اُونٹوں کی سواری کا نام ونشان نہیں ملے گا۔ اونٹنیاں بیکار ہوگئیں۔ مقرر کردہ نشان پُورے ہوگئے لیکن جس کا یہ نشان تھا وہ پہچانا نہ گیا۔ کیا یہ امور بھی میرے اختیار میں تھے کہ ایک طرف تو میں دعویٰ کردوں اور دوسری طرف یہ نشان پُورے ہوتے جاویں۔ کیا آسمانی نظام پر بھی میرا دخل ہے جو کسوف وخسوف موعود کو پیدا کرلیتا؟ یا میرے ہاتھ کوئی ایسے مواد ہیں جن سے زمین پر موعود طاعون پیدا ہوگئی؟ یا حج کا روکنا جو یہ بھی مسیح کا نشان تھا کیا یہ بھی میرے اشارہ سے ہوا؟ اسی طرح بیسیوں نشان زمانہ مسیح کے ساتھ وابستہ تھے۔ وہ سب پورے ہوگئے۔ خدا تعالیٰ نے کونسی حجت کو ان پر پورا نہیں کیا لیکن ان کا انکار ابھی اسی طرح ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ زمانہ میں دہریت پھیلی ہوئی ہے جو خفیہ خفیہ سب دلوں پر اثر کررہی ہے خشیت الٰہی دن بدن مفقود ہورہی ہے۔ کان رکھتے ہیں پر سُن نہیں سکتے۔ آنکھیں رکھتے ہیں پر نہیں دیکھتے۔ دل رکھتے ہیں پر نہیں سمجھتے۔ یہی وجہ ہے کہ انکار ہے ورنہ معاملہ تو بہت ہی صاف تھا۔ میری کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوسکتا ہے کہ کس قدر اتمام حجت کی گئی ہے۔ اب اُن کے پاس کوئی جواب نہیں۔ خدا تعالیٰ نے قوی دلائل سے اُن کا رگ وریشہ کاٹ دیا ہے لیکن یہ نہیں دیکھتے۔

## شناخت مامور کے تین طریق

ایک مامور کی شناخت کے تین طریق ہیں:۔ نقل۔ عقل۔ تائیدات سماوی۔ اب دیکھنا چاہیئے۔ کہ یہ تینوں امور اس سلسلہ کے مؤید ہیں۔ دانیال اور دیگر انبیاء نے تو اس کے آنے کا زمانہ مقرر کردیا ہے حتیٰ کہ صدی اور سال بھی مقرر کردیا ہے۔ تمام عیسائیوں میں ایک قسم کی گھبراہٹ پیدا ہوئی ہے کیونکہ کتب سابقہ کے مطابق مسیح کی آمد کا وقت آچکا ہے۔ اور

مسیح ابھی تک آیا نہیں۔اس لئے بعض علماء اخیر مجبور ہو کر اس طرف گئے ہیں کہ مسیح کی آمد ثانی سے مراد کلیسیا کی ترقی ہے جو ہو چکی ہے۔ [۱]

اسی طرح ہماری کتب کے مطابق بھی بعثت مسیح کا یہی زمانہ ہے۔ حجج الکرامہ والے نے لکھا ہے کہ کل اہلِ کشوف اسی طرف گئے ہیں کہ مسیح کی آمد ثانی کے لئے چودھویں صدی مقرر ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی اسی زمانہ کے لئے اُسے چراغ الدین کہا ہے۔ غرضکہ ہر ایک بزرگ نے جو زمانہ مقرر کیا ہے وہ چودھویں صدی سے آگے نہیں گیا۔ اگرچہ اُن میں کچھ اختلاف ہے۔ چودھویں صدی میں لطیف اشارہ اس طرف تھا کہ دین اسلام چودھویں رات کے چاند کی طرح اس زمانہ میں چمک اُٹھے گا۔ جس طرح چاند کا کمال چودھویں رات کو ہوتا ہے اسی طرح اسلام کا کمال کل دنیا میں چودھویں صدی میں ظاہر ہوگا۔ تیرھویں صدی کی تاریکی ان لوگوں میں ضرب المثل ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس صدی کے علماء سے بھیڑیوں نے بھی نجات مانگی تھی۔ یہ لوگ چودھویں صدی کے منتظر تھے لیکن جب صدی آگئی تو اپنی بدبختی کے باعث انکار کر گئے۔ اسی طرح قرآن میں ذکر ہے۔ ولما جاءھم کتٰب من عند اللہ مصدق لما معھم وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا فلما جاءھم ما عرفوا کفروا بہٖ [۲]۔ اہل کتاب منتظر تھے کہ پیغمبر کے آنے پر وہ اس کے ساتھ مل کر کفار سے جنگ کریں گے لیکن جب پیغمبر آیا تو انکار پر آمادہ ہو گئے۔

عقل کے نزدیک بھی زمانہ مسیح کا یہی معلوم ہوتا ہے۔ اسلام اس قدر کمزور ہو گیا ہے کہ ایک وقت ایک شخص کے مُرتد ہو جانے پر اس میں شور پڑ جاتا تھا۔ لیکن اب لاکھوں مُرتد ہو گئے۔ رات دن مخالفت اسلام میں کتب تصنیف ہو رہی ہیں۔ اسلام کی بیخکنی کے واسطے طرح طرح کی تجاویز ہو رہی ہیں۔ عقل پسند نہیں کرتی کہ جس خدا نے انا نحن نزلنا الذکر وانا لہٗ لحافظون [۳] کا وعدہ دیا ہے وہ اس وقت اسلام کی حفاظت نہ کرے اور خاموش رہے۔ یہ زمانہ

---

[۱] (از ریویو) البدر جلد ۳ نمبر ۳۰ صفحہ ۳،۴ مورخہ ۸؍ اگست ۱۹۰۴ء

[۲] البقرۃ: ۹۰ [۳] الحجر: ۱۰

کس قسم کی مصیبت کا زمانہ ہے کہ شرفا کی اولاد دشمن اسلام ہو کر گرجاؤں میں چلے گئے اور کھلے طور پر رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین ہو رہی ہے۔ ہر ایک قسم کی گالی اور سب وشتم میں اُن کو یاد کیا جاتا ہے۔ ان تمام امور کو بہیئت مجموعی اگر دیکھا جائے تو عقل کہتی ہے کہ یہی وقت خدا تعالےٰ کی تائید کا ہے اور میں تم کو سچ کہتا ہوں کہ اگر یہ سلسلہ قائم نہ ہوتا تو اسلام برباد ہو چکا تھا۔ سو خدا تعالیٰ کے وجود کا یہ بھی ایک نشان ہے کہ عین ضرورت کے وقت خدا تعالیٰ نے اس سلسلہ کو قائم کیا اور عین مصیبت کے وقت اسلام کو سنبھالا۔ تائیدات سماوی اگر دیکھی جاویں تو یہاں بھی ایک بڑا خزانہ ہے۔ خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے ہزارہا نشان میرے ہاتھ پر ظاہر کئے۔ اگر میں ان تمام نشانوں کو جمع کروں جو ہر روز میں اور میرے ساتھ رہنے والے دیکھتے ہیں تو اُن کی تعداد لاکھ کے قریب ہو جاتی ہے۔ قطع نظر اس کے صرف براہین احمدیہ کے بعض الہامات کو دیکھا جاوے۔ چوبیس برس ہوئے کہ یہ کتاب تصنیف ہوئی جو اس وقت مکہ۔ مدینہ مصر۔ بخارا۔ لنڈن اور ایسا ہی ہندوستان کے ہر ایک حصہ میں پہنچ گئی۔ کئی ایک پادریوں اور دیگر مخالفین اسلام کے گھروں میں پہنچ گئی۔ اب اس کتاب میں مثلاً لکھا ہے کہ خدا تعالےٰ کی طرف سے مجھے ارشاد ہے کہ اس وقت تو اکیلا ہے اور تیرے ساتھ کوئی نہیں لیکن ایک وقت آئے گا کہ لوگ تیرے پاس دُور دُور سے آئیں گے۔ (یأتون من کل فج عمیق) تو لوگوں میں پہچانا جاوے گا اور تیری شہرت کی جاوے گی۔ تیری امداد اور تائید کو دُور دُور سے لوگ آویں گے۔ پھر کہا کہ لوگ کثرت سے آویں گے اور تو اُن سے نرمی اور اخلاق سے پیش آنا۔ اُن کی ملاقات سے مت گھبرانا (ولا تصعر لخلق اللہ ولا تسئم من الناس) پھر آخر کار فرمایا اذا جاء نصر اللہ والفتح وانتھیٰ امر الزمان الینا۔ ألیس ھٰذا بالحق۔ یعنی جب خدا تعالےٰ کی فتح اور نصرت آوے گی اور زمانہ کا امر ہماری طرف منتہی ہوگا تو اس وقت کہا جاوے گا کہ کیا یہ سلسلہ حق نہیں؟ اب لاہور اور امرتسر کے لوگ اور ایسا ہی پنجاب کے لوگ اس بات سے واقف ہیں کہ براہین کی اشاعت کے وقت مجھے کوئی جانتا نہیں تھا حتیٰ کہ قادیان

میں بہت کم لوگ ہوں گے جو مجھے پہچانتے ہوں گے۔ پھر یہ امور کس طرح پورے ہو رہے ہیں۔ اگرچہ یہ پیشگوئیاں بدرجہ اتم ابھی پوری نہیں ہوئیں لیکن جس قدر الہامات کا ظہور ہو رہا ہے وہ طالبِ حق کے لئے کافی ہے۔ اب کیا یہ میری بناوٹ ہے کہ ایک انسان آج سے چوبیس سال پہلے آج کل کے واقعات کا نقشہ کھینچ سکتا ہے۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ وہ ہزارہا مخلوق کا مرجع ہوگا۔ خصوصاً جبکہ ایک مدت تک ان امور کا ظہور نہ ہوا۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ امور کسی فراست کا نتیجہ نہیں ہو سکتے۔ ان امور کو دیکھ کر میں کہہ سکتا ہوں کہ جس قدر نشانات خدا تعالےٰ نے میری تائید میں ظاہر کئے وہ اپنی تعداد اور شوکت میں ایسے ہیں کہ بجز حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کُل انبیاء و مرسلین سے ایسے ثابت نہیں ہوئے لیکن اس میں میرا کیا فخر ہے۔ یہ سب کچھ تو اس پاک نبی کی فضیلت ہے۔ جس کی امت میں ہونے کا مجھے فخر حاصل ہے۔

پھر میں کہتا ہوں کہ آج کل کے پیرزادوں اور سجادہ نشینوں کو آزمالو۔ کسی پادری یا کسی مذہب کے سرگروہ کو میرے مقابل میں لاؤ۔ خدا تعالیٰ نشان نمائی میں بالضرور اس کو میرے مقابل شرمندہ اور ذلیل کرے گا۔ یہاں تو نشانوں کا دریا بہہ رہا ہے۔ میرے دوست اس الہام سے خوب واقف ہیں جو دس بارہ سال ہوئے خدا تعالیٰ نے فرمایا اِنّی مُھِینٌ مَن اَرَادَ اِھَانَتَکَ وَاِنّی مُعِینٌ مَن اَرَادَ اِعَانَتَکَ۔ اس ایک الہام کو کس قدر مواقع اور محل پر میرے دوستوں نے پورے ہوتے دیکھا۔ کس طرح لوگوں نے میری اہانت اور تذلیل کے لئے بیڑے اُٹھائے۔ اور کس طرح وہ خود ہی ذلیل اور خوار ہو گئے۔ اس کی ایک مثال نہیں بلکہ کئی ایک مثالیں ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ان نشانات کو دیکھ کر بھی لوگ ابھی گمراہ ہیں۔ سو بات یہ ہے کہ دنیا میں ہمیشہ سے دو گروہ چلے آئے ہیں۔ ایک سعید دوسرا شقی۔ ابوجہل نے ہزاروں نشان دیکھے لیکن وہ کافر ہی رہا۔ سو اس صورت میں مومن کے لئے ضرور ہے کہ وہ دعا میں لگ جاوے۔

آپ نے جو آج مجھ سے بیعت کی ہے یہ تخمریزی کی طرح ہے۔ چاہیئے کہ آپ اکثر مجھ سے ملاقات کریں اور اس تعلق کو مضبوط کریں جو آج قائم ہوا ہے جس شاخ کا تعلق درخت سے نہیں

رہتا وہ آخر خشک ہو کر گر جاتی ہے۔ جو شخص زندہ ایمان رکھتا ہے وہ دنیا کی پروا نہیں رکھتا۔ دُنیا ہر طرح مل جاتی ہے۔ دین کو دُنیا پر مقدم رکھنے والا ہی مبارک ہے لیکن جو دنیا کو دین پر مقدم رکھتا ہے وہ ایک مُردار کی طرح ہے جو کبھی سچی نصرت کا منہ نہیں دیکھتا۔ یہ بیعت اس وقت کام آسکتی ہے جب دین کو مقدم کر لیا جاوے اور اس میں ترقی کرنے کی کوشش ہو۔ بیعت ایک بیج ہے جو آج بویا گیا۔ اب اگر کوئی کسان صرف زمین میں تخم ریزی پر ہی قناعت کرے اور پھل حاصل کرنے کے جو جو فرائض ہیں ان میں سے کوئی ادا نہ کرے۔ نہ زمین کو درست کرے۔ اور نہ آبپاشی کرے اور نہ موقعہ بہ موقعہ مناسب کھاد زمین میں ڈالے نہ کافی حفاظت کرے تو کیا وہ کسان کسی پھل کی امید کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اس کا کھیت بالضرور تباہ اور خراب ہوگا۔ کھیت اسی کا رہے گا جو پورا زمیندار بنے گا۔ سو ایک طرح کی تخم ریزی آپ نے بھی آج کی ہے خدا تعالےٰ جانتا ہے کہ کس کے مقدر میں کیا ہے لیکن خوش قسمت وہ ہے جو اس تخم کو محفوظ رکھے اور اپنے طور پر ترقی کے لئے دعا کرتا رہے مثلاً نمازوں میں ایک قسم کی تبدیلی ہونی چاہیئے

## نماز کے بعد دُعا

میں دیکھتا ہوں کہ آج کل لوگ جس طرح نماز پڑھتے ہیں وہ محض ٹکریں مارنا ہے۔ اُن کی نماز میں اس قدر بھی رقت اور لذت نہیں ہوتی جس قدر نماز کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دعا میں ظاہر کرتے ہیں۔ کاش یہ لوگ اپنی دعائیں نماز ہی میں کرتے۔ شاید اُن کی نمازوں میں حضور اور لذت پیدا ہو جاتی۔ اس لئے میں حکماً آپ کو کہتا ہوں کہ سرِدست آپ بالکل نماز کے بعد دُعا نہ کریں۔ اور وہ لذت اور حضور جو دعا کے لئے رکھا ہے۔ دعاؤں کو نماز میں کرنے سے پیدا کریں۔ میرا مطلب یہ نہیں کہ نماز کے بعد دعا کرنی منع ہے۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ جب تک نماز میں کافی لذت اور حضور پیدا نہ ہو نماز کے بعد دعا کرنے میں نماز کی لذت کو مت گنواؤ۔ ہاں جب یہ حضور پیدا ہو جاوے تو کوئی حرج نہیں۔ سو بہتر ہے نماز میں دعائیں اپنی زبان میں مانگو جو طبعی جوش کسی کی مادری زبان میں ہوتا ہے وہ ہرگز غیر زبان میں پیدا نہیں ہو سکتا۔ سو نمازوں میں

قرآن اور ماثورہ دعاؤں کے بعد اپنی ضرورتوں کو بنگِ دُعا اپنی زبان میں خدا تعالیٰ کے آگے پیش کرو تاکہ آہستہ آہستہ تم کو حلاوت پیدا ہو جائے۔ سب سے عمدہ دعا یہ ہے کہ خدا تعالےٰ کی رضامندی اور گناہوں سے نجات حاصل ہو کیونکہ گناہوں ہی سے دل سخت ہو جاتا اور انسان دنیا کا کیڑا بن جاتا ہے۔ ہماری دعا یہ ہونی چاہیئے کہ خدا تعالےٰ ہم سے گناہوں کو جو دل کو سخت کر دیتے ہیں دُور کر دے اور اپنی رضامندی کی راہ دکھلائے۔ دنیا میں مومن کی مثال اس سوار کی ہے کہ جو جنگل میں جا رہا ہے۔ راہ میں بسبب گرمی اور تھکان سفر کے ایک درخت کے نیچے سستانے کے لئے ٹھہر جاتا ہے لیکن ابھی گھوڑے پر سوار ہے اور کھڑا کھڑا گھوڑے پر ہی کچھ آرام نے کر آگے اپنے سفر کو جاری رکھتا ہے لیکن جو شخص اس جنگل میں گھر بنا لے وہ ضرور درندوں کا شکار ہو گا۔ مومن دنیا کو گھر نہیں بناتا اور جو ایسا نہیں خدا تعالےٰ اس کی پروا نہیں کرتا نہ خدا تعالیٰ کے نزدیک دنیا کو گھر بنانے والے کی عزت ہے۔ خدا تعالےٰ مومن کی عزت کرتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ مومن نوافل کے ساتھ خدا تعالےٰ کا قرب حاصل کرتا ہے۔ نوافل سے مراد یہ ہے کہ خدمت مقرر کردہ میں زیادتی کی جاوے۔ ہر ایک خیر کے کام میں دنیا کا بندہ تھوڑا سا کر کے سُست ہو جاتا ہے لیکن مومن زیادتی کرتا ہے۔ نوافل صرف نماز سے ہی مختص نہیں بلکہ ہر ایک حسنات میں زیادتی کرنا نوافل ادا کرنا ہے۔ مومن محض خدا تعالےٰ کی خوشنودی کے لئے اُن نوافل کی فکر میں لگا رہتا ہے۔ اس کے دل میں ایک درد ہوتا ہے جو اسے بےچین کرتا ہے۔ اور وہ دن بہ دن نوافل و حسنات میں ترقی کرتا جاتا ہے اور بالمقابل خدا تعالےٰ بھی اُس کے قریب ہوتا جاتا ہے حتیٰ کہ مومن اپنی ذات کو فنا کر کے خدا تعالیٰ کے سایہ تلے آجاتا ہے۔ اُس کی آنکھ خدا تعالےٰ کی آنکھ۔ اس کے کان خدا تعالیٰ کے کان ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ کسی معاملہ میں خدا تعالےٰ کی مخالفت نہیں کرتا۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ اس کی زبان خدا تعالیٰ کی زبان اور اس کا ہاتھ خدا تعالےٰ کا ہاتھ ہو جاتا ہے۔ پھر خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ مجھے کسی بات میں اس قدر تردّد نہیں ہوتا جس قدر مومن کی جان نکالنے میں تردد ہوتا ہے۔ یوں تو خدا تعالیٰ کی ذات

سب ترددات سے پاک ہے لیکن یہ فقرہ جو فرمایا تو مومن کے اکرام کے لئے فرمایا۔ اب دوسرے لوگ کیڑے مکوڑوں کی طرح مرجاتے ہیں لیکن مومن کا معاملہ دگرگوں ہے۔ مجھے یہ سمجھ آتی ہے کہ جو صلحاء اور انبیاء کی زندگی آئے دن طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا رہتی ہے اور بعض وقت اُن کو خوفناک امراض لاحق ہو جاتے ہیں جیسے کہ ہمارے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی صورت تھی۔ یہ اُس تردّد کا اظہار ہے جس کا اُوپر ذکر ہوا ہے گویا اللہ تعالےٰ اس سے معاملہ ایسا کرتا ہے اور خوفناک بیماریوں سے اُسے نجات دے کر ظاہر کر دیتا ہے کہ وہ اُسے معمولی انسانوں کی طرح ضائع نہیں کرتا۔ قرآن اور حدیث سے ثابت ہے کہ مومن کی ہر ایک چیز بابرکت ہو جاتی ہے جہاں وہ بیٹھتا ہے وہ جگہ دوسروں کے لئے موجب برکت ہوتی ہے۔ اس کا پس خوردہ اوروں کے لئے شفا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ ایک گنہگار خدا تعالیٰ کے سامنے لایا جاوے گا۔ خدا تعالےٰ اس سے پوچھیگا کہ تو نے کوئی نیک کام کیا؟ وہ کہے گا کہ نہیں پھر خدا تعالیٰ اُس کو کہے گا کہ فلاں مومن کو تو ملا تھا وہ کہے گا خداوندا میں ارادتاً تو کبھی نہیں ملا وہ خود ہی ایک دن مجھے راستہ میں مل گیا۔ خدا تعالےٰ اسے بخش دے گا۔ پھر ایک اور موقعہ پر حدیث میں آیا ہے کہ خدا تعالےٰ فرشتوں سے دریافت کرے گا کہ میرا ذکر کہاں پہ ہو رہا ہے؟ وہ کہیں گے کہ ایک حلقہ مومنین کا تھا جہاں دنیا کے ذکر کا نام و نشان بھی نہ تھا البتہ ذکر الٰہی آٹھوں پہر ہو رہا ہے۔ اُن میں ایک دُنیا پرست شخص تھا۔ اللہ تعالےٰ فرمائے گا کہ میں نے اس دنیادار کو اس ہم نشینی کے باعث بخش دیا۔ انّھم قومٌ لا یشقیٰ جلیسھم۔ بعض حدیثوں میں آیا ہے۔ کہ جہاں ایک مومن امام ہو اس کے مقتدی پیش ازیں کہ وہ سجدہ سے سر اُٹھاوے بخش دیئے جاتے ہیں۔

مومن وہ ہے کہ جس کے دل میں محبت الٰہی نے عشق کے رنگ میں جڑ پکڑ لی ہو۔ اس نے فیصلہ کر لیا ہو کہ وہ ہر ایک تکلیف اور ذلّت میں بھی خدا تعالےٰ کا ساتھ نہ چھوڑے گا۔ اب جس نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کب کسی کا کانشنس کہتا ہے کہ وہ ضائع ہو گا کیا کوئی رسُول ضائع ہوا؟

دُنیا ناخنوں تک اُن کو ضائع کرنے کی کوشش کرتی ہے لیکن وہ ضائع نہیں ہوتے۔ جو خدا تعالیٰ کے لئے ذلیل ہو وہی انجام کار عزت و جلال کا تخت نشیں ہوگا۔ ایک ابوبکرؓ ہی کو دیکھو جس نے سب سے پہلے ذلت قبول کی اور سب سے پہلے تخت نشین ہوا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ پہلے کچھ نہ کچھ دُکھ اُٹھانا پڑتا ہے کسی نے سچ کہا ہے ؎

عشق اوّل سرکش و خونی بود

تا گریزد ہر کہ بیرونی بود

عشق الٰہی بے شک اوّل سرکش و خونی ہوتا ہے تاکہ نااہل دور ہو جاوے۔ عاشقانِ خدا تکالیف میں ڈالے جاتے ہیں۔[1] قسم قسم کے مالی اور جسمانی مصائب اُٹھاتے ہیں اور اس سے غرض یہ ہوتی ہے کہ ان کے دل پہچانے جاویں۔ خدا تعالیٰ نے یہ امر مقرر کر دیا ہے کہ جب تک کوئی پہلے دوزخ پر راضی نہ ہو جاوے بہشت میں نہیں جاتا۔ بہشت دیکھنا اسی کو نصیب ہوتا ہے جو پہلے دوزخ دیکھنے کو تیار ہوتا ہے۔ دوزخ سے مُراد آئندہ دوزخ نہیں بلکہ اس دنیا میں مصائب شدائد کا نظارہ مراد ہے۔ اسی طرح ایک حدیث میں آیا ہے کہ کافر کے لئے دوزخ بہشت کے رنگ میں اور مومن کے لئے بہشت دوزخ کے رنگ میں متمثل کیا جاتا ہے۔ کافر جو دنیا کا طالب ہے دنیا میں منہمک ہو کر سگِ دنیا ہو جاتا ہے۔ مومن ایک عاشق ہے جو دنیا کو طلاق دے کر ہر ایک تکلیف سہنے کو تیار ہوتا ہے اور فی الواقعہ یہ عشق ہی ہے جو اسے ہر قسم کی تکلیف سہنے کے لئے آمادہ کر دیتا ہے۔ مومن کا رنگ عاشق کا رنگ ہوتا ہے اور وہ اپنے عشق میں صادق ہوتا ہے اور اپنے معشوق یعنی خدا کے لئے کامل اخلاص اور محبت اور جان فدا کرنے والا جوش اپنے اندر رکھتا ہے اور تضرع اور ابتہال اور ثابت قدمی سے اس کے حضور میں قائم ہوتا ہے۔ دنیا کی کوئی لذت اس کے لئے لذت نہیں ہوتی۔ اس کی رُوح اسی عشق میں پرورش پاتی ہے۔ معشوق کی طرف سے استغنا دیکھ کر وہ گھبراتا نہیں۔ اس طرف سے خاموشی اور

[1] (از ریویو) البدر جلد ۳ نمبر ۳۱ صفحہ ۵-۶ مورخہ ۱۶ راگست ۱۹۰۴ء

بے التفاتی بھی معلوم کر کے وہ کبھی ہمت نہیں ہارتا بلکہ ہمیشہ قدم آگے ہی رکھتا ہے اور دردِ دل زیادہ سے زیادہ پیدا کرتا جاتا ہے۔ ان دونو چیزوں کا ہونا ضروری ہے کہ مومن عاشق کی طرف سے محبتِ الٰہی میں پُورا استغراق ہو۔ عشق کمال ہو۔ محبت میں سچا جوش اور عہدِ عشق میں ثابت قدمی ایسی کوٹ کوٹ کے بھری ہو کہ جس کو کوئی صدمہ جنبش میں نہ لا سکے اور معشوق کی طرف سے کبھی کبھی بے پرواہی اور خاموشی ہو۔ درد دو قسم کا موجود ہو۔ ایک تو وہ جو اللہ تعالےٰ کی محبت کا درد ہو۔ دوسرا وہ جو کسی کی مصیبت پر دل میں درد اُٹھے اور خیر خواہی کے لئے اضطراب پیدا ہو۔ اور اس کی اعانت کے لئے بے چینی پیدا ہو۔ خدا تعالےٰ کی محبت کے لئے جو اخلاص اور درد ہوتا ہے اور ثابت قدمی اس کے ساتھ ملی ہوئی ہوتی ہے وہ انسان کو بشریت سے الگ کر کے الوہیت کے سایہ میں لا ڈالتا ہے۔ جب تک اس کی حد تک درد اور عشق نہ پہنچ جائے کہ جس میں غیر اللہ سے محویت حاصل ہو جائے اس وقت تک انسان خطرات میں پڑا رہتا ہے۔ ان خطرات کا استیصال بغیر اس امر کے مشکل ہوتا ہے کہ انسان غیر اللہ سے کُلّی منقطع ہو کر اسی کا ہو جائے اور اُس کی رضا میں داخل ہونا بھی محال ہوتا ہے اور اس کی مخلوق کے لئے ایسا درد ہونا چاہیئے جس طرح ایک نہایت ہی مہربان والدہ اپنے ناتواں پیارے بچے کے لئے دل میں سچا جوش محبت رکھتی ہے۔ خدا تعالےٰ ایک تعلق چاہتا ہے اور اس کے حضور میں دعا کرنے کے لئے تعلق کی ضرورت ہے۔ بغیر تعلق کے دُعا نہیں ہو سکتی۔ پہلے بزرگوں کی بھی اس قسم کی باتیں چلی آئی ہیں کہ جن سے دعا کرنے والوں کو دُعا کرانے سے پہلے تعلق ثابت کرنے کی تاکید کی۔ خواہ نخواہ بازار میں چلتے ہوئے کسی بے تعلق کو کوئی نہیں کہہ سکتا کہ تو میرا دوست ہے اور نہ ہی اس کے لئے درد دل پیدا ہوتا ہے اور نہ ہی جوش دعا پیدا ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے تعلق اس طرح نہیں ہو سکتا کہ انسان غفلت کاریوں میں بھی مبتلا رہے اور صرف منہ سے دم بھرتا رہے کہ میں نے خدا تعالےٰ سے تعلق پیدا کر لیا ہے۔ اکیلے بیعت کا اقرار اور سلسلہ میں نام لکھ لینا ہی خدا تعالیٰ سے تعلق پر کوئی دلیل نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ سے تعلق کے لئے ایک محویت کی ضرورت ہے۔ ہم بار بار

اپنی جماعت کو اس بات پر قائم ہونے کے لئے کہتے ہیں کیونکہ جب تک دنیا کی طرف سے انقطاع اور اس کی محبت دلوں سے ٹھنڈی ہو کر اللہ تعالیٰ کے لئے فطرتوں میں طبعی جوش اور محویت پیدا نہیں ہوتی اس وقت تک ثبات میسّر نہیں آسکتا۔ بعض صُوفیوں نے لکھا ہے کہ صحابہؓ جب نمازیں پڑھا کرتے تھے تو انہیں ایسی محویت ہوتی تھی کہ جب فارغ ہوتے تو ایک دوسرے کو پہچان بھی نہ سکتے تھے۔ جب انسان کسی اَور جگہ سے آتا ہے تو شریعت نے حکم دیا ہے کہ وہ آکر السلام علیکم کہے۔ نماز سے فارغ ہونے پر السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہنے کی حقیقت یہی ہے کہ جب ایک شخص نے نماز کا عقد باندھا اور اللہ اکبر کہا تو وہ گویا اس عالم سے نکل گیا اور ایک نئے جہان میں جا داخل ہوا۔ گویا ایک مقامِ محویت میں جا پہنچا۔ پھر جب وہاں سے واپس آیا تو السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہکر آن ملا۔ لیکن صرف ظاہری صورت کافی نہیں ہو سکتی جب تک دل میں اس کا اثر نہ ہو چھلکوں سے کیا ہاتھ آسکتا ہے۔ محض صورت کا ہونا کافی نہیں۔ حال ہونا چاہیئے۔ علّتِ غائی حال ہی ہے۔ مطلق قال اور صورت جس کے ساتھ حال نہیں ہوتا وہ تو اُلٹی ہلاکت کی راہیں ہیں۔ انسان جب حال پیدا کر لیتا ہے اور اپنے حقیقی خالق و مالک سے ایسی سچی محبت اور اخلاص پیدا کر لیتا ہے کہ بے اختیار اس کی طرف پرواز کرنے لگتا ہے اور ایک حقیقی محویّت کا عالم اس پر طاری ہو جاتا ہے تو اس وقت اس کیفیت سے انسان گویا سلطان بن جاتا ہے اور ذرہ ذرہ اس کا خادم بن جاتا ہے۔

مجھے تو اللہ تعالیٰ نے ایسی محویّت دی تھی کہ تمام دنیا سے الگ ہو بیٹھا تھا۔ تمام چیزیں سوائے اس کے مجھے ہرگز بھاتی نہ تھیں۔ میں ہرگز ہرگز حجرہ سے باہر قدم رکھنا نہیں چاہتا تھا۔ میں نے ایک لمحہ کے لئے بھی شہرت کو پسند نہیں کیا۔ میں بالکل تنہائی میں تھا اور تنہائی ہی مجھ کو بھاتی تھی۔ شہرت اور جماعت کو جس نفرت سے میں دیکھتا تھا اس کو خدا ہی جانتا ہے۔ میں تو طبعاً گمنامی کو چاہتا تھا اور یہی میری آرزو تھی۔ خدا تعالیٰ نے مجھ پر جبر کرکے اس سے مجھے باہر نکالا۔ میری ہرگز مرضی نہ تھی مگر اس نے میری خلافِ مرضی کیا کیونکہ وہ ایک کام لینا

چاہتا تھا۔ اسی کام کے لئے اس نے مجھے پسند کیا اور اپنے فضل سے مجھ کو اس عہدہ جلیلہ پر مامور فرمایا۔ یہ اسی کا اپنا انتخاب اور کام ہے۔ میرا اس میں کچھ دخل نہیں۔ میں تو دیکھتا ہوں کہ میری طبیعت اس طرح واقع ہوئی ہے کہ شہرت اور جماعت سے کوسوں بھاگتی ہے اور مجھے سمجھ نہیں آتا کہ لوگ کس طرح شہرت کی آرزو رکھتے ہیں۔ میری طبیعت اَور طرف جاتی تھی لیکن خدا تعالیٰ مجھے اَور طرف لے جاتا تھا۔ میں نے بار بار دُعائیں کیں کہ مجھے گوشہ میں ہی رہنے دیا جائے۔ مجھے میری خلوت کے حجرے میں ہی چھوڑ دیا جائے۔ لیکن بار بار حکم ہوا کہ اس سے نکلو اور دین کا کام جو اس وقت سخت مصیبت کی حالت میں تھا۔ اس کو سنوارو۔ انبیاء کی طبیعت اسی طرح واقع ہوتی ہے کہ وہ شہرت کی خواہش نہیں کیا کرتے۔ کسی نبی نے کبھی شہرت کی خواہش نہیں کی۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی خلوت اور تنہائی کو ہی پسند کرتے تھے۔ آپ عبادت کرنے کے لئے لوگوں سے دُور تنہائی کی غار میں جو غار حرا تھی چلے جاتے تھے۔ یہ غار اس قدر خوفناک تھی کہ کوئی انسان اس میں جانے کی جرأت نہ کر سکتا تھا۔ لیکن آپ نے اس کو اس لئے پسند کیا ہوا تھا کہ وہاں کوئی ڈر کے مارے بھی نہ پہنچے گا۔ آپ بالکل تنہائی چاہتے تھے۔ شہرت کو ہرگز پسند نہیں کرتے تھے۔ مگر خدا تعالیٰ کا حکم ہوا۔ یاایھا المدثر قم فانذر[1]۔ اس حکم میں ایک جبر معلوم ہوتا ہے اور اسی لئے جبر سے حکم دیا گیا کہ آپ تنہائی کو جو آپ کو بہت پسند تھی اب چھوڑ دیں۔ بعض لوگ بیوقوفی اور حماقت سے یہی خیال کرتے ہیں کہ گویا میں شہرت پسند ہوں۔ میں بار بار کہہ چکا ہوں کہ میں ہرگز شہرت پسند نہیں۔ خدا تعالیٰ نے جبر سے مجھ کو مامور کیا ہے۔ میرا اس میں قصور کیا ہے اور وہی گواہ ہے کہ میں شہرت پسند نہیں ہوں۔ میں تو دنیا سے ہزاروں کوس بھاگتا تھا۔ حاسد لوگوں کی نظر چونکہ زمین اور اس کی اشیاء تک ہی محدود ہوتی ہے اور وہ دنیا کے کیڑے ہیں اور شہرت پسند ہوتے ہیں۔ ان کو اس خلوت گزینی اور بے تعلقی کی کیفیت ہی معلوم نہیں ہو سکتی۔ ہم تو دنیا کو نہیں چاہتے۔ اگر وہ چاہیں اور اس پر قدرت رکھتے

[1] المدثر : ۳،۲

ہیں تو سب دنیا لے جائیں ہمیں ان پر کوئی گلہ نہیں۔ ہمارا ایمان تو ہمارے دل میں ہے نہ دُنیا کے ساتھ۔ ہماری خلوت کی ایک ساعت ایسی قیمتی ہے کہ ساری دنیا اس ایک ساعت پر قربان کرنا چاہیئے۔ اس طبیعت اور کیفیت کو سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا۔ مگر ہم نے خدا تعالیٰ کے امر پر جان و مال و آبرو کو قربان کر دیا ہے۔ جب اللہ تعالےٰ کسی کے دل میں تجلی کرتا ہے تو پھر وہ پوشیدہ نہیں رہتا۔ عاشق اپنے عشق کو خواہ کیسے ہی پوشیدہ کرے مگر بھید پانے والے اور تاڑنے والے قرائن اور آثار اور حالات سے پہچان ہی جاتے ہیں۔ عاشق پر دحشت کی حالت نازل ہو جاتی ہے۔ اُداسی اُس کے سارے وجود پر چھا جاتی ہے۔ الگ قسم کے خیالات اور حالات اس کے ظاہر ہو جاتے ہیں۔ وہ اگر ہزاروں پردوں میں چھُپے اور اپنے آپ کو چھُپالے مگر چھُپا نہیں رہتا۔ سچ کہا ہے۔ ؎

عشق و مشک را نتواں نہفتن

جن لوگوں کو محبت الٰہی ہوتی ہے وہ اس محبت کو چھپاتے ہیں جس سے اُن کے دل لبریز ہوتے ہیں بلکہ اس کے افشار پر وہ شرمندہ ہوتے ہیں کیونکہ محبت اور عشق ایک راز ہے جو خدا اور اس کے بندے کے درمیان ہوتا ہے اور ہمیشہ راز کا فاش ہونا شرمندگی کا موجب ہوتا ہے۔ کوئی رسُول نہیں آیا جس کا راز خدا تعالیٰ سے نہیں ہوتا۔ اسی راز کو چھپانے کی خواہش اس کے اندر ہوتی ہے مگر معشوق خود اس کو فاش کرنے پر جبر کرتا ہے اور جس بات کو وہ نہیں چاہتے وہی اُن کو ملتی ہے جو چاہتے ہیں ان کو ملتا نہیں اور جو نہیں چاہتے ان کو جبراً ملتا ہے۔

جب تک انسان ادنیٰ حالت میں ہوتا ہے اس کے خیالات بھی ادنیٰ ہی ہوتے ہیں اور جس قدر معرفت میں گرا ہوا ہوتا ہے اسی قدر محبت میں کمی ہوتی ہے۔ معرفت سے حُسنِ ظن پیدا ہوتا ہے۔ ہر شخص میں محبت اپنے ظن کی نسبت سے ہوتی ہے۔ انا عند ظن عبدی بی سے یہی تعلیم ملتی ہے۔ صادق عاشق جو ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ پر حُسنِ ظن رکھتا ہے کہ وہ اس کو کبھی نہیں چھوڑیگا۔ خدا تعالےٰ تو وفاداری کو نا پسند کرتا ہے بلکہ وہ چاہتا ہے کہ انسان صدق دکھلاوے اور اس پر ظن نیک

رکھے کہ تا وہ بھی وفا دکھلاوے مگر یہ لوگ کب اس حقیقت کو سمجھ سکتے ہیں۔ یہ تو اپنی ہوا وہوس کے بتوں کے آگے جھکتے رہتے ہیں اور اُن کی نظر دُنیا تک ہی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو کریم و رحیم نہیں سمجھتے۔ اس کے وعدوں پر ذرہ ایمان نہیں رکھتے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر ایمان رکھتے کہ وُہ کریم و رحیم ہے تو وہ بھی اُن پر رحمت اور وفا کے ثبوت نازل کرتا ؎

گر وزیر از خدا بترسیدے
ہمچناں کز ملک ملک بودے

## اللہ تعالیٰ سے بدظنی نہ کرو

شر بدظنی سے پیدا ہوتا ہے۔ قرآن شریف کو اول سے آخر تک پڑھنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے بدظنی مت کرو۔ اللہ تعالیٰ کا ساتھ نہ چھوڑو۔ اسی سے مدد مانگو۔ اللہ تعالیٰ ہر میدان میں مومن کی مدد کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں میدان میں تیرے ساتھ ہوں وہ اس کے لئے ایک فرقان پیدا کر دیتا ہے جو اس کے وعدوں پر بھروسہ نہیں کرتا وہ بدظنی کرتا ہے۔ جو شخص خدا تعالیٰ سے نیک ظن کرتا ہے وہ اس کی طرف رجُوع کرتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ سے بدظنی کرتا ہے وہ مجبور ہوتا ہے کہ اپنے لئے کوئی دوسرا معبود بنائے اور شرک میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ جب انسان اس بات کو سمجھتا ہے کہ خدا کریم و رحیم ہے اور اس بات پر ایمان صدق دل سے لاتا ہے کہ اس کے وعدے ٹلنے کے نہیں تو وہ اس پر جان فدا کرتا ہے اور در پردہ خدا تعالیٰ سے عشق رکھتا ہے۔ ایسا انسان خدا تعالیٰ کا چہرہ اسی دنیا میں دیکھ لیتا ہے۔ خدا تعالیٰ طرح طرح سے اس کی مدد کرتا ہے اور اپنے انعامات اس پر نازل کرتا ہے اور اس کو تسلی بخشتا ہے اور محبت اور وفا کا چہرہ دکھاتا ہے لیکن بے وفا غدار ہمیشہ محروم رہتا ہے

(از ریویو)

(البدر جلد ۳ نمبر ۳۲ صفحہ ۳-۴ مورخہ ۲۴ اگست ۱۹۰۴ء)

**۱۸؍مئی ۱۹۰۸ء بمقام گورداسپور**

بوقت ایک بجے بمقام کچہری گورداسپور درخت جامن کے نیچے۔ بیٹھے ہوئے حکیم نور محمد صاحب نے ذکر کیا کہ ایک شخص نے مجھ سے دریافت کیا تھا کہ آپ لوگ احمدی جماعت کے جو یہ کہتے ہیں کہ طاعون سے ہم بچے رہیں گے اس کی وجہ کیا ہے ؟ حکیم صاحب نے اس کے جواب میں جو کچھ اس نے تقریر کی تھی۔ وہ سُنائی۔ پھر اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ

## طاعون اور الہام اِنَّهٗ اٰوَی الْقَرْيَةَ

اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا[1]۔ یعنی طاعون کا عذاب دو طرح پر ہوگا کوئی بستی اس سے خالی نہیں رہے گی۔ بعض تو ایسی ہوں گی کہ جن کو ہم بالکل ہلاک کر دیں گے یعنی وہ اُجڑ کر بالکل غیر آباد ہو جائیں گی اور ویرانہ اور بھَہ (اُجڑے ہوئے کھنڈرات) ہو جائیں گی۔ اُن کا کوئی نشان بھی نہ رہے گا۔ لوگ تلاش کرتے پھریں گے کہ اس جگہ فُلاں بستی آباد تھی۔ لیکن پھر بھی پتہ نہ ملے گا گویا طاعون وہاں جاروب دے کر اس کو دُنیا سے صاف کر دے گی اور کوئی آثار اس کے نہ چھوڑے گی۔ بعض قریئے ایسے ہوں گے کہ جن کو کم و بیش عذاب کر کے چھوڑ دیا جائیگا اور صفحہ دنیا سے اُن کا نام نہ مٹایا جائے گا۔ صرف سرزنش کے طور پر کچھ عذاب اُن میں نازل کیا جائے گا اور تازیانہ کر کے عذاب ہٹا لیا جائے گا۔ دوسرے بہت سے شہر فنا ہوں گے مگر وہ فنا نہ ہوں گے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قادیان کو اسی قسم میں شامل کیا ہے اور اس الہام اِنَّهٗ اٰوَی الْقَرْيَةَ سے مراد بھی ہے کہ اَور بستیوں کی طرح ہمارے گاؤں کو طاعون جارف بالکل تباہ نہ کرے گی کہ لوگ تلاش کرتے پھریں کہ کہاں قادیان واقع تھی۔ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ ان بستیوں کی طرح خدا اس کو تباہ نہ کرے گا بلکہ یہ بچی رہے گی اِلّا بطور تازیانہ کچھ سزا دے کر اُس کو بچا لیا جائے گا۔ ہم نے بار بار مجلسوں میں بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ اِنَّهٗ اٰوَی الْقَرْيَةَ سے یہ مراد ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس قریہ کو پناہ دے دی ہے کہ وہ طاعون

[1] بنی اسرائیل : ۵۹

جارف سے بچی رہے اور بالکل فنا نہ ہو۔ خدا تعالیٰ نے یہ وعدہ نہیں کیا کہ باوجود گنہگار ہوتے کے اللہ تعالیٰ بغیر عذاب کے چھوڑ دے۔ ایک طرف تو قرآن میں یہ لکھا ہے کہ طاعون سے کوئی بستی خالی نہیں رہے گی اور طاعون کی وجہ صرف یہی ہے جو ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتیٰ یغیروا ما بانفسھم کے الہام سے ظاہر ہے یعنی جب لوگوں نے اپنے افعال اور اعمال سے غضب الٰہی کے جوش کو بھڑکایا اور بدعملیوں سے اپنی حالتوں کو ایسا بدل لیا کہ خوفِ خدا اور تقویٰ وطہارت کی ہر ایک راہ کو چھوڑ دیا اور بجائے اس کے طرح طرح کے فسق وفجور کو اختیار کر لیا اور خدا تعالےٰ پر ایمان سے بالکل ہاتھ دھو دیا۔ دہریت اندھیری رات کی طرح دنیا پر محیط ہو گئی اور اللہ تعالیٰ کے نورانی چہرے کو ظلمت کے نیچے دبا دیا تو خدا تعالیٰ نے اس عذاب کو نازل کیا تا لوگ خدا تعالیٰ کے چہرے کو دیکھ لیں اور اس کی طرف رجوع کریں۔ بعض بستیاں مھلکوھا میں داخل ہو کر بالکل فنا ہو جائیں گی اور بعض معذبوھا میں داخل ہوں گی۔ لیکن خالی کوئی نہ رہیگی قادیان مھلکوھا میں داخل نہ ہو گی۔ یہی مراد الہام انہ اوی القریۃ سے ہے۔ گناہوں کی سرزنش کرنے کے لئے خدا تعالیٰ نے یہاں بھی طاعون نازل فرمائی۔ خدا تعالےٰ تو فرماتا ہے لولا الاکرام لھلک المقام۔ یعنی قادیان مھلکوھا میں داخل کر دیا جاتا لیکن حضرت تمہاری تکریم اور تعظیم سے اس کو مھلکوھا میں داخل نہیں کیا گیا۔ جو بچے ہیں اور جو بچیں گے وہ تمہارے اکرام کی وجہ سے بچیں گے۔ یہ تو قرآن کے بالکل مخالف ہے کہ قادیان عذاب طاعون سے بالکل محفوظ رہے۔ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتّٰی یغیروا ما بانفسھم[1] دوسری طرف انہ اوی القریۃ کے اگر یہ معنے ہوں کہ قادیان بالکل بچ گئی تو ان دونو کے درمیان تضاد واقع ہوتا ہے۔ دو ضدین جمع نہیں ہو سکتیں۔ ہم نے کبھی انہ اوی القریۃ کے یہ معنی نہیں سمجھے۔ طاعون تو دنیا کی ہر ایک بستی میں آئے گی۔ یہ بھی عجیب بات ہے کہ جہاں کسی نے دعویٰ کیا کہ فلاں مقام میں طاعون نہیں تو اسی جگہ ظاہر ہو جاتی ہے دہلی والوں نے بڑے زور سے لکھا تھا کہ دو وجوہ سے وہاں طاعون نہیں آتی اور نہ آئے گی۔ ایک وجہ

[1] الرعد ۱۲۔

تو یہ ہے کہ وہاں کے لوگ بہت صفائی رکھتے ہیں۔ دوسرے مچھروں کا وہاں نہ ہونا۔ اب گو لوگوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں بھی طاعون آگئی۔ لاہور کی نسبت کہا جاتا تھا کہ اس کی سرزمین میں ایسے اجزاء ہیں کہ اس میں طاعونی کیڑے زندہ نہیں رہ سکتے لیکن وہاں بھی طاعون نے آن ڈیرا ڈالا ہے۔ ابھی لوگوں کو معلوم نہیں ہے لیکن سالہا سال کے بعد لوگ دیکھیں گے کہ کیا ہوگا کئی لوگ اور دیہات بھی بالکل تباہ ہو جائیں گے۔ دنیا سے اُن کا نام و نشان مٹ جائے گا اور اُن کے آثار تک باقی نہ رہیں گے لیکن یہ حالت کبھی قادیان پر وارد نہ ہوگی۔ یہ ایک لمبی بیماری ہے عمروں تک چلی جاتی ہے۔ بڑے بڑے قطعے اس نے برباد کر کے جنگل کر دیئے۔ شہروں کے شہر ویرانے بنا دیئے۔ سینکڑوں کوس ایسے غیر آباد کئے کہ جانور بھی زندہ نہ رہے اس کے آگے تو بڑے بڑے شہر بھی کچھ حقیقت نہیں رکھتے۔ بڑے سے بڑے آباد شہر کو بھی اگر چاہے تو دو تین دن میں صاف کر سکتی ہے۔

(البدر جلد ۳ نمبر ۲۵ صفحہ ۳ مورخہ یکم جولائی ۱۹۰۴ء)

نیز (الحکم جلد ۸ نمبر ۲۳ و ۲۴ صفحہ ۱۱، ۱۲ مورخہ ۱۷، ۲۴ جولائی ۱۹۰۴ء)

۳۱ مئی ۱۹۰۴ء

## تقریر حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام

### بمقام گورداسپور۔ بحاضری مولوی الٰہی بخش صاحب آمدہ از بنارس

جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی مامور آتا ہے تو لوگ عموماً اس کی طرف سے بے پروائی کرتے ہیں اور اکابر اور علماء کو خصوصیت سے اس کی طرف توجہ کرنا عیب سمجھتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ غنی ہے اور مُرسل اور مامور چونکہ ایک خدمت پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے مقرر ہوتے ہیں۔ وہ بھی بے پروا ہوتے ہیں اور اپنے آپ کو دنیا کا محتاج نہیں سمجھتے بلکہ جیسے وہ ذاتِ الٰہی کا مظہر ہوتے

ہیں۔ ایسے ہی اسی ذات سے غنا کا حصہ بھی لیتے ہیں۔ ہر ایک شخص جو مامور بن کر دنیا میں خدا تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے اس کو ایک خاص قسم کی ہمت اور حوصلہ عطا کیا جاتا ہے اور عزم میں ایک بے روک جوش اور استقلال عطا کیا جاتا ہے۔ یہ لوگ بڑا حوصلہ رکھتے ہیں۔ ہم اپنی طرف سے کسی پر اثر نہیں ڈال سکتے۔ انسان تو ایک انسان پر اثر نہیں ڈال سکتا۔

یہ محض اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ ہزارہا بلکہ لاکھوں آدمیوں کو کھینچے لئے آتا ہے یہاں کسی بناوٹ کی کوئی ضرورت نہیں۔ جو بیس برس سے زیادہ ہوئے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے مجھے الہام کیا تھا کہ ینصرك رجالٌ نوحی الیھم من السماء۔ یأتیك من کلّ فجٍ عمیق۔ یأتون من کل فجٍ عمیق۔ ولا تصعّر لخلق اللہ ولا تسئم من النّاس۔ یعنی ہم لوگوں کے دلوں میں وحی کردیں گے اور وہ تیری مدد کریں گے۔ بڑے بڑے دور دراز راہوں سے تیرے پاس لوگ آئیں گے تم خلق کے ہجوم سے جو تیرے گرد جمع ہوگی۔ تنگ مت آنا اور لوگوں سے تھکنا مت۔ یہ ایسے وقت کی باتیں ہیں جب میں بالکل گمنام تھا۔ اور کوئی آدمی میرے ساتھ نہ تھا۔ میرے گاؤں سے باہر کوئی بھی مجھے جانتا نہ تھا اور کوئی انسان اس بات پر یقین نہیں لاسکتا کہ ایسی کشش لوگوں کو ہوگی کہ وہ قادیان جیسی گمنام بستی میں دور دراز سے کھنچے چلے آئیں گے سو ہم دیکھ رہے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے کلمات کس طرح صفائی سے پورے ہو رہے ہیں۔ ایسے ایسے علاقوں سے لوگ آتے ہیں کہ جہاں ہمارے وہم و گمان میں بھی ہماری تبلیغ کا نام و نشان نہیں ہوتا اور اس عقیدت اور اخلاص سے آتے ہیں کہ ہم کو اُن کے اخلاص و عقیدت پر رشک آتا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مجھ کو فرمایا ہوا ہے کہ اذا جاء نصر اللہ والفتح و انتھیٰ امر الزمان الینا۔ ألیس ھٰذا بالحق۔ یعنی عنقریب ایک زمانہ آنے والا ہے کہ تجھے اللہ تعالیٰ نصرت اور فتح دے گا اور ہماری طرف زمانہ کا امر انتہا پاوے گا تو اس وقت کہا جاوے گا کیا یہ سچ نہیں ہے یعنی اس سلسلہ کی صداقت پر زمانہ گواہی دے اُٹھے گا۔ ایک جگہ یہ بھی فرمایا ہے کہ

لوگ تیری ترقی کے روکنے کی کوشش کریں گے لیکن ہم تیری مدد کریں گے اور دشمن تیری راہ میں طرح طرح کی روکاوٹیں ڈالیں گے مگر ہم اُن کو دُور کریں گے اور وہ تیرے نابود کرنے کے منصوبے کریں گے۔ سو ہم دیکھتے ہیں کہ چوبیس برس کی پیشگوئیاں پوری ہو رہی ہیں۔ ہر ایک شخص جو ہمارے پاس آتا ہے وہ اس پیشگوئی کو پورا کرتا ہے۔

## دُعا ہی فتح کا ہتھیار ہے

ہمارا تو سارا دار و مدار ہی دعا پر ہے۔ دعا ہی ایک ہتھیار ہے جس سے مومن ہر کام میں فتح پا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومن کو دعا کرنے کی تاکید فرمائی ہے بلکہ وہ دعا کا منتظر رہتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ ہماری دعاؤں کو خاص فضل سے قبول فرماتا ہے۔ دعا سے انسان ہر ایک بلا اور مرض سے بچ جاتا ہے۔ ہم نے ایک دفعہ ایک اخبار پڑھا تھا کہ ایک تھانے دار کے ناخن میں پنسل کا ایک ٹکڑا کسی طرح سے چُبھ گیا۔ پنسل میں کچھ زہر بھی ہوتا ہے۔ تھوڑی دیر میں اس کے ہاتھ میں ورم ہونا شروع ہو گیا۔ بڑھتے بڑھتے ورم اس قدر بڑھ گیا کہ کہنی تک جا پہنچا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا سہ چند بوجھ ہو گیا ہے۔ فوراً ڈاکٹر کو بُلایا گیا۔ ڈاکٹر نے کہا کہ اس بازو میں زہر اثر کر گیا ہے۔ تم اگر اس کو کٹانے پر راضی ہو تو جان بچ جائے گی ورنہ نہیں۔ وہ تھانے دار کٹانے پر راضی نہ ہوا۔ اس کے بعد تھوڑے ہی عرصہ میں وہ مَر گیا۔ ہمارے بھی ایک دفعہ اسی طرح ناخن میں پنسل لگ گئی۔ ہم سیر کرنے گئے تو دیکھا کہ ہمارے ہاتھ میں بھی ورم ہونا شروع ہو گیا ہے۔ تو ہمیں وہ قصہ یاد آ گیا۔ میں نے اسی جگہ سے دعا شروع کر دی گھر پہنچنے تک برابر دعا ہی کرتا رہا تو دیکھتا کیا ہوں کہ جب میں گھر پہنچا تو ورم کا نام و نشان تک بھی نہ تھا۔ پھر میں نے لوگوں کو دکھایا اور سارا قصہ بیان کیا۔

اسی طرح ایک دفعہ میرے دانت کو سخت درد شروع ہو گیا۔ میں نے لوگوں سے ذکر کیا تو اکثر نے صلاح دی کہ اس کو نکلوا دینا بہتر ہے۔ میں نے نکلوانا پسند نہ کیا اور دعا کی طرف رجوع کیا تو الہام ہوا وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ - اس کے ساتھ ہی مرض کو بالکل آرام

ہوگیا۔ اس بات کو قریباً پندرہ سال ہوگئے ہیں۔ اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کے ایمان کے موافق اسباب سے نفرت ہوجاتی ہے۔ جس قدر ایمان کامل ہوتا ہے اسی قدر اسباب سے نفرت ہوتی جاتی ہے۔ حقیقت میں دیکھا گیا ہے کہ دنیا بڑے دھوکے میں پڑی ہوئی ہے جن باتوں کو اپنی ترقی کے ذرائع سمجھی بیٹھی ہے۔ اصل میں وہی ذلت کا موجب ہوتی ہے۔ دنیاوی عزت بڑھانے اور عروج و مالداری حاصل کرنے کے لئے طرح طرح کے فریب دجل اور دھوکے استعمال کرتے ہیں اور طرح طرح کی بے ایمانیوں سے اپنے مقاصد حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ انہیں مکاریوں کو اپنی مرادوں کا ذریعہ سمجھے ہوئے ہیں یہانتک کہ بڑے فخر سے اپنی کامیابیوں کا دوستوں میں ذکر کرتے ہیں۔ لیکن اگر نظر انصاف اور معرفت سے دیکھا جاوے تو اُن کے یہ طریق کوئی راحت نہیں بخشتے۔ جب پوچھو تو شاکی اور نالاں ہی نظر آتے ہیں اور کبھی راحت اور طمانیت اُن کے حال سے ظاہر نہیں ہوتی۔ طمانیت کی رؤیت بجز فضل خدا کے نہیں ہوتی۔ جب تک انسان اللہ تعالےٰ پر کامل ایمان نہیں رکھتا اور اس کے وعدوں پر سچا یقین نہیں کرتا اور ہر ایک مقصود کا دینے والا اسی کو نہیں سمجھتا اور کامل اصلاح اور تقویٰ اختیار نہیں کر لیتا تو اس وقت تک وہ حقیقی راحت دستیاب نہیں ہوسکتی۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے وھو یتولی الصالحین[1] یعنی جو صلاحیت اختیار کرتے ہیں خدا تعالےٰ اُن کا متولی ہوجاتا ہے۔ انسان جو متولی رکھتا ہے اس کے بہت بوجھ کم ہوجاتے ہیں۔ بہت ساری ذمہ داریاں گھٹ جاتی ہیں۔ بچپن میں ماں بچے کی متولی ہوتی ہے تو بچے کو کوئی فکر اپنی ضروریات کا نہیں رہتا۔ وہ خود ہی اس کی ضروریات کی کفیل ہوتی ہے۔ اس کے کپڑوں اور کھانے پینے کے خود ہی فکر میں لگی رہتی ہے۔ اس کی صحت قائم رکھنے کا دھیان اسی کو رہتا ہے۔ اس کو نہلاتی اور دھلاتی ہے اور کھلاتی اور پلاتی ہے۔ یہانتک کہ بعض وقت اس کو مار کر کھانا کھلاتی ہے اور پانی پلاتی اور کپڑا پہناتی ہے۔ بچہ اپنی ضرورتوں کو نہیں سمجھتا بلکہ ماں ہی اس کی ضرورتوں کو خوب سمجھتی اور اُن کو پُورا کرنے کے خیال میں لگی رہتی ہے۔ اسی طرح جب ماں کی تولیت سے

[1] الاعراف: ۱۹۷

نکل آئے تو انسان کو بالطبع ایک متولی کی ضرورت پڑتی ہے۔ طرح طرح سے اپنے متولی اور لوگوں کو بناتا ہے جو خود کمزور ہوتے ہیں اور اپنی ضروریات میں غلطاں ایسے ہوتے ہیں کہ دوسرے کی خبر نہیں لے سکتے لیکن جو لوگ ان سب سے منقطع ہو کر اس قسم کا تقویٰ اور اصلاح اختیار کرتے ہیں اُن کا وہ خود متولی ہو جاتا ہے اور ان کی ضروریات اور حاجات کا خود ہی کفیل ہو جاتا ہے۔ انہیں کسی بناوٹ کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ وہ اس کی ضروریات کو ایسے طور سے سمجھتا ہے کہ یہ خود بھی اس طرح نہیں سمجھ سکتا اور اس پر اس طرح فضل کرتا ہے کہ انسان خود حیران رہتا ہے۔ گرنہ ستانی پرستم مے رسد والی نوبت ہوتی ہے لیکن انسان بہت سے زمانے پالیتا ہے۔ جب اس پر ایسا زمانہ آتا ہے کہ خدا اس کا متولی ہو جائے یعنی اس کو خدا تعالےٰ کی تولیت حاصل کرنے سے پہلے کئی متولیوں کی تولیت سے گذرنا پڑتا ہے جیسا کہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ قل أعوذ برب الناس ملک الناس۔ الٰہ الناس۔ من شر الوسواس الخناس الذی یوسوس فی صدور الناس۔ من الجنة والناس ؕ[1]

پہلے حاجت ماں باپ کی پڑتی ہے۔ پھر جب بڑا ہوتا ہے تو بادشاہوں اور حاکموں کی حاجت پڑتی ہے پھر جب اس سے آگے قدم بڑھاتا ہے اور اپنی غلطی کا اعتراف کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ جن کو میں نے متولی سمجھا ہوا تھا وہ خود ایسے کمزور تھے کہ ان کو متولی سمجھنا میری غلطی تھی کیونکہ انہیں متولی بنانے میں نہ تو میری ضروریات ہی حاصل ہو سکتی تھیں اور نہ ہی وہ میرے لئے کافی ہو سکتے تھے۔ پھر وہ خدا تعالےٰ کی طرف رجوع کرتا ہے اور ثابت قدمی دکھلانے سے خدا تعالےٰ کو اپنا متولی پاتا ہے۔ اس وقت اس کو بڑی راحت حاصل ہوتی ہے اور ایک عجیب طمانیت کی زندگی میں داخل ہو جاتا ہے۔ خصوصاً جب خدا کسی کو خود کہے کہ میں تیرا متولی ہوا تو اس وقت جو راحت اور طمانیت اس کو حاصل ہوتی ہے وہ ایسی حالت پیدا کرتی ہے کہ جس کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔ یہ حالت تمام تلخیوں سے پاک ہوتی ہے

[1] الناس : ۲ تا ۷

دنیاوی حالتوں میں انسان تلخی سے خالی نہیں ہو سکتا۔ دشتِ دنیا کانٹوں اور تلخیوں سے بھری ہوئی ہے ؎

دشتِ دُنیا جز درد جز دام نیست
جز بخلوت گاہِ حق آرام نیست

جن کا اللہ تعالےٰ متولّی ہو جاتا ہے وہ دُنیا کے آلام سے نجات پا جاتے ہیں اور ایک سچی راحت اور طمانیت کی زندگی میں داخل ہو جاتے ہیں۔ اُن کے لئے اللہ تعالےٰ کا وعدہ ہے ومن یتق اللّٰہ یجعل لہٗ مخرجًا و یرزقہ من حیث لا یحتسب[۱] جو شخص تقویٰ اختیار کرتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہر ایک بُلا اور الم سے نکال لیتا ہے اور اس کے رزق کا خود کفیل ہو جاتا ہے اور ایسے طریق سے دیتا ہے کہ جو وہم وگمان میں بھی نہیں آسکتا۔

دنیا میں کئی قسم کے جرائم ہوتے ہیں۔ بعض جرائم قانون کی حد میں آ سکتے ہیں اور بعض قانون کی حد میں بھی نہیں آسکتے۔ گناہ، خون اور نقب زنی وغیرہ جب کرتا ہے تو اُن کی سزا قانون سے پا سکتا ہے لیکن جھوٹ وغیرہ جو معمولی طور پر بولتا ہے یا بعض حقوق کی رعایت نہیں رکھتا وغیرہ ایسی باتیں ہوتی ہیں جن کے لئے قانون تدارک نہیں کرتا۔ لیکن اللہ تعالےٰ کے خوف سے اور اس کو راضی کرنے کے لئے جو شخص ہر ایک بدی سے بچتا ہے اس کو متقی کہتے ہیں یہ وہی متقی ہے جس کی آج عدالت میں بحث تھی۔ ایک مولوی عدالت میں از طرف کرمدین مستغیث گواہ تھا اور اس پر جرح تھی۔ اثنائے جرح میں اس نے بحلف بیان کیا کہ ایک شخص زنا بھی کرے جھوٹ بولے یا خیانت کرے۔ دغا دے۔ فریب کرے وغیرہ وغیرہ تو پھر بھی وہ متقی ہی رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو متقی کے لئے وعدہ کرتا ہے کہ من یتق اللّٰہ یجعل لہٗ مخرجاً[۲] یعنی جو اللہ تعالیٰ کے لئے تقویٰ اختیار کرتا ہے تو ہر مشکل سے اللہ تعالےٰ اس کو رہائی دے دیتا ہے۔ لوگوں نے تقویٰ کے چھوڑنے کے لئے طرح طرح کے بہانے بنا رکھے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ جھوٹ

۱تا۲ الطلاق: ۳

بولے بغیر ہمارے کاروبار نہیں چل سکتے اور دوسرے لوگوں پر الزام لگاتے ہیں کہ اگر سچ کہا جائے تو وہ لوگ ہم پر اعتبار نہیں کرتے۔ پھر بعض لوگ ایسے ہیں۔ جو کہتے ہیں کہ سود لینے کے بغیر ہمارا گذارہ نہیں ہو سکتا۔ ایسے لوگ کیونکر متقی کہلا سکتے ہیں۔ خدا تعالیٰ تو وعدہ کرتا ہے کہ میں متقی کو ہر ایک مشکل سے نکالوں گا۔ اور ایسے طور سے رزق دوں گا جو گمان اور وہم میں بھی نہ آسکے۔ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے جو لوگ ہماری کتاب پر عمل کریں گے ان کو ہر طرف سے اُوپر سے اور نیچے سے رزق دُوں گا۔ پھر فرمایا ہے کہ فی السماء رزقکم[1]۔ جس کا مطلب یہی ہے کہ رزق تمہارا تمہاری اپنی محنتوں اور کوششوں اور منصوبوں سے وابستہ نہیں۔ وہ اس سے بالاتر ہے۔ یہ لوگ ان وعدوں سے فائدہ نہیں اُٹھاتے اور تقویٰ اختیار نہیں کرتے جو شخص تقویٰ اختیار نہیں کرتا وہ معاصی میں غرق رہتا ہے اور بہت ساری رکاوٹیں اُس کی راہ میں حائل ہو جاتی ہیں۔ لکھا ہے کہ ایک ولی اللہ کسی شہر میں رہتے تھے ان کی ہمسائگت میں ایک دنیادار بھی رہتا تھا۔ ولی ہر روز تہجد پڑھا کرتا تھا ایک دفعہ دنیادار کے دل میں خیال آیا کہ یہ شخص جو ہر روز تہجد پڑھا کرتا ہے میں بھی تہجد پڑھوں۔ غرض یہی ارادہ مصمم کر کے وہ ایک رات اُٹھا اور تہجد کی نماز پڑھی۔ اس کو تہجد پڑھنے سے اس قدر تکلیف ہوئی کہ کمر میں درد شروع ہو گیا۔ اس ولی اللہ کو خبر ملی کہ رات اُن کے دنیادار ہمسایہ نے تہجد کی نماز پڑھی تھی تو اس کے سبب سے اس کے کمر میں درد ہونے لگا ہے وہ عیادت کیلئے آیا اور اُس سے حال پوچھا۔ دنیادار نے کہا کہ میں آپ کو دیکھا کرتا تھا کہ آپ ہر رات تہجد پڑھتے ہیں۔ میرے خیال میں بھی آیا کہ میں بھی تہجد پڑھوں۔ سو آج رات میں تہجد پڑھنے اُٹھا اور یہ مصیبت مجھ پر آگئی۔ اس نے جواب میں کہا کہ تجھے اس فضول سے کیا؟ پہلے چاہیئے تھا کہ تو اپنے آپ کو صاف کرتا اور پھر تہجد کا ارادہ کرتا۔ اللہ تعالیٰ کی اجابت بھی متقین کے لئے ہے چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ انّما یتقبل اللّٰہ من المتقین[2]۔ درحقیقت جب تک انسان تقویٰ اختیار نہ کرے اس وقت تک اللہ تعالیٰ اس کی طرف

[1] الذاریات: ۲۳ [2] المائدۃ: ۲۸

رجوع نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات میں بے نظیر صفات ہیں۔ جو لوگ اس کی راہ پر چلتے ہیں۔ انہیں کو اس سے اطلاع ملتی ہے اور وہی اس سے مزہ پاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ سے رشتہ میں اس قدر شیرینی اور لذت ہوتی ہے کہ کوئی پھل ایسا شیریں نہیں ہوتا۔ خدا تعالیٰ سے جلدی کوئی شخص خبر گیراں نہیں ہو سکتا۔ پھر جس کا خدا متولی ہو جاتا ہے اس کو کئی فائدے ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ طمانیت کی زندگی میں داخل ہو جاتا ہے اور وہ راحت پاتا ہے جو کسی دنیا دار کو نصیب ہونا ناممکن ہے اور ایسی لذت پاتا ہے جو کہیں دوسری جگہ نصیب نہیں ہو سکتی۔ اور اس کا متولی ایسا زبردست ثابت ہوتا ہے کہ ہر ایک مشکل سے بہت جلدی نکالتا اور خبر گیری کرتا ہے۔ یہ لوگ بالکل بیہودہ جھگڑوں میں پڑے ہوئے ہیں۔ جھوٹی باتوں کی پیروی کرتے ہیں۔ نماز اگر پڑھتے ہیں تو ریا کے لئے پڑھتے ہیں۔ وہ نماز جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے سکھلائی تھی وہ نہیں پڑھتے۔ یہ وہ نماز ہے جس کے پڑھنے سے انسان ابدال میں داخل ہو جاتا ہے۔ گناہ اس کے دور ہو جاتے ہیں۔ دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ انسان خدا تعالےٰ کا قرب حاصل کر لیتا ہے۔ اَحسب النّاس ان یترکوا ان یقولوا اٰمنّا وھم لا یفتنون ؕ[1] لوگ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ صرف منہ سے کہدینا کہ ہم ایمان لے آئے ہیں، کافی ہے۔ اور کوئی امتحانی مشکل پیش نہ آئے گی۔ یہ بالکل غلط خیال ہے۔ اللہ تعالےٰ مومن پر ابتلا بھیج کر امتحان کرتا ہے۔ تمام راستبازوں سے خدا تعالےٰ کی یہی سنّت ہے وہ مصائب اور شدائد میں ضرور ڈالے جاتے ہیں۔

مصائب بھی دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ مصائب ہیں جو زیر سایۂ شریعت ہوتے ہیں۔ انسان احکام کی تعمیل کے لئے انقطاع حاصل کرنا چاہتا ہے اور اس طرف ہر ایک دنیاوی تعلق میں جو کشش ہے وہ اس کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ بیوی، بچے، دوست دنیاداری کی رسوم کے تعلقات چاہتے ہیں کہ ہماری کشش اس پر ایسی ہو کہ وہ ہماری طرف کھنچا چلا آوے اور ہم میں ہی محو رہے۔ تعمیل احکام کی کشش ان سے انقطاع کا تقاضا کرتی ہے۔ ان سب کا چھوڑنا ایک

[1] العنکبوت: ۳

موت کا سامنا ہوتا ہے۔

ہمارا یہ مطلب تو نہیں کہ ان سب کو اس طرح چھوڑے کہ ان سے کوئی تعلق ہی نہ رکھے ایک طرف بیوی بیواؤں کی طرح ہو جائے اور بچے یتیموں کی طرح ہو جائیں۔ قطع رحم ہو جائے بلکہ ہمارا مطلب یہ ہے کہ بیوی بچوں کا پورا تعہد کرے۔ اُن کی پرورش پُورے طور سے کرے اور حقوق ادا کرے۔ صلہ رحم کرے۔ لیکن دل اُن میں اور اسباب دنیا میں نہ لگا دے۔ دِل با یار دست بکار رہے۔ اگرچہ یہ بات بہت نازک ہے مگر یہی سچا انقطاع ہے جس کی مومن کو ضرورت ہے۔ وقت پر خدا تعالٰے کی طرف ایسا آجاوے کہ گویا وہ ان سے کورا ہی تھا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی نسبت لکھتے ہیں کہ حضرت امام حسین صاحبؓ نے ایک دفعہ سوال کیا کہ آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا ہاں۔ حضرت حسین علیہ السلام نے اس پر بڑا تعجب کیا اور کہا کہ ایک دل میں دو محبتیں کس طرح جمع ہو سکتی ہیں۔ پھر حضرت امام حسین علیہ السلام نے کہا کہ وقت مقابلہ پر آپ کس سے محبت کریں گے۔ فرمایا اللہ سے۔ غرض انقطاع اُن کے دلوں میں مخفی ہوتا ہے اور وقت پر ان کی محبت صرف اللہ تعالیٰ کے لئے رہ جاتی ہے۔ مولوی عبداللطیف صاحب نے عجیب نمونہ انقطاع کا دکھلایا۔ جب انہیں گرفتار کرنے آئے تو لوگوں نے کہا کہ آپ گھر سے ہو آویں۔ آپ نے فرمایا میرا اُن سے کیا تعلق ہے خدا تعالیٰ سے میرا تعلق ہے سو اُس کا حکم آن پہنچا ہے، میں جاتا ہوں۔ ہر چیز کی اصلیت امتحان کے وقت ظاہر ہوتی ہے۔ اصحاب رسُول اللہ سب کچھ رکھتے تھے۔ زن و فرزند اور اموال و اقارب سب کچھ اُن کے موجود تھے۔ عزتیں اور کاروبار بھی رکھتے تھے۔ مگر انہوں نے اس طرح شہادت کو قبول کیا کہ گویا ایک شیریں پھل اُنہیں میسر آگیا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے لئے موت کو پسند کرتے۔ ایک طرف تعہد حقوق عیال واطفال میں کمال دکھایا اور دوسری طرف ایسا انقطاع کہ گویا وہ بالکل کورے تھے۔ یہانتک کہ اللہ تعالیٰ کے لئے موت کو پسند کرتے کبھی نامردی نہ دکھاتے بلکہ آگے ہی قدم رکھتے۔ ایسی محبت سے وہ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کے قدموں میں جان دیتے تھے کہ بیوی بچوں کو بلا جیسی سمجھتے تھے۔ اگر بیوی بچے مزاحم ہوں تو اُن کو دشمن سمجھتے تھے اور یہی معنے انقطاع کے ہیں۔ آجکل کے رُہبانوں کی طرح نہیں کہ بالکل بیوی بچے سے تعلق چھوڑ دے اور سارے جہان سے ایک طرف ہو جائے۔ آسمان پر رہبانیت کے انقطاع کی کچھ قدر نہیں۔ صُوفی منقطعین بھی نمونے دکھاتے رہے ہیں کہ با زن و فرزند اور با خدا رہے ہیں۔ پھر جب وقت آیا تو زن و فرزند کو چھوڑ کر اللہ تعالٰے کی طرف ہو گئے۔ وہ لوگ اللہ تعالٰے کی طرف منقطع ہوتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حال دیکھئے کہ انقطاع کا نمونہ ان سے ظاہر ہوا جو اپنے آپ کو اللہ تعالٰے کی راہ میں ضائع کرنا چاہتا ہے اللہ تعالٰے اس کو ضائع نہیں کرتا۔ اور اس کا نشان دنیا سے معدوم نہیں کرتا۔ میرا مطلب یہ ہے کہ لوگ اللہ تعالیٰ سے ایسا اخلاص ظاہر کریں اور اس قدر کوشش کریں کہ اللہ تعالٰے اُن سے راضی ہو جائے۔ دوست دوست سے راضی نہیں ہو سکتا جب تک اس کے لئے وفاداری ظاہر اور ثابت نہ ہو۔ کسی کے دو خدمتگار ہوں۔ ایک وفادار اور مخلص ثابت ہو اور اپنے فرائض کو نہ رسم و رواج اور دباؤ سے بلکہ پوری محبت اور اخلاص سے ادا کرے اور دوسرا ایسا ہو جو بے دلی اور رسمی طور پر کچھ کام کرے تو اُن میں سے مالک اسی پہلے پر راضی ہوگا اور اسی کی باتوں کو سُنے گا اور اسی پر اعتبار کرے گا اور وفاداری کو پیار کرے گا۔

فیج اعوج کے زمانہ میں تعصب بڑھ گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ من عادا ولیًّا لی فماد الی۔ ان لوگوں کو یہ خیال نہیں کہ ان کے تعصب نے ان کو خدا تعالیٰ سے بالکل دُور کر دیا ہے۔ ایک زمانہ آنے والا ہے کہ جس قدر ہم لوگ ہیں وہ سب نہ ہوں گے۔ رسمی نمازوں سے خدا تعالٰے راضی نہیں ہوتا۔ دنیا کے دوست بھی صرف الفاظ سے نہیں بنتے۔ اخلاص کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسلام کا لفظ ہی مسلمان بناتا ہے۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ وفاداری اور اخلاص کے ساتھ اللہ تعالٰے کی رضا اور حکموں پر گردن جھکائی جاوے۔ یہ لقب کسی اور

ملت کو نہیں دیا گیا۔ اس امت پر یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے۔ اسلام جس بات کو چاہتا ہے وہ اسی جگہ سے اسلام کے ذریعہ سے حاصل ہو جاتا ہے۔ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ[1] خدا کے دیدار کے واسطے اسی جگہ سے حواس ملتے ہیں۔ من کان فی ھٰذہٖ اعمٰی فھو فی الاٰخرۃ اعمٰی[2] جو یہاں خدا نہیں دیکھتا وہ وہاں بھی نہیں دیکھ سکے گا۔

(البدر جلد ۳ نمبر ۲۵ صفحہ ۳ تا ۶ مورخہ یکم جولائی ۱۹۰۴ء)

---

یکم جون ۱۹۰۴ء (قبل از شام)

## دُعا

دُعا کی مثال ایک چشمہ شیریں کی طرح ہے جس پر مومن بیٹھا ہوا ہے۔ وہ جب چاہے اس چشمہ سے اپنے آپ کو سیراب کر سکتا ہے۔ جس طرح ایک مچھلی بغیر پانی کے زندہ نہیں رہ سکتی اسی طرح مومن کا پانی دُعا ہے کہ جس کے بغیر وہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ اس دعا کا ٹھیک محل نماز ہے جس میں وہ راحت اور سرور مومن کو ملتا ہے کہ جس کے مقابل ایک عیاش کا کامل درجہ کا سرور جو اُسے کسی بدمعاشی میں میسر آ سکتا ہے ایچ ہے۔ بڑی بات جو دعا میں حاصل ہوتی ہے وہ قرب الٰہی ہے۔ دُعا کے ذریعہ ہی انسان خدا تعالیٰ کے نزدیک ہو جاتا اور اسے اپنی طرف کھینچتا ہے۔ جب مومن کی دُعا میں پورا اخلاص اور انقطاع پیدا ہو جاتا ہے تو خدا تعالیٰ کو بھی اس پر رحم آ جاتا ہے اور خدا تعالیٰ اس کا متولّی ہو جاتا ہے۔ اگر انسان اپنی زندگی پر غور کرے تو الٰہی تولّی کے بغیر انسانی زندگی قطعاً تلخ ہو جاتی ہے دیکھ لیجئے۔ جب انسان حد بلوغت کو پہنچتا ہے اور اپنے نفع نقصان کو سمجھنے لگتا ہے تو نامرادیوں ناکامیوں اور قسما قسم کے مصائب کا ایک لمبا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ وہ اُن سے بچنے کے لئے طرح طرح کی کوششیں کرتا ہے۔ دولت کے ذریعہ، تعلق حکام کے ذریعہ، قسما قسم کے حیلہ و فریب کے ذریعہ وہ بچاؤ کی راہ نکالتا ہے۔ لیکن مشکل ہے کہ وہ اس میں کامیاب ہو۔ بعض

[1] الرحمٰن: ۴۷ [2] بنی اسرائیل: ۷۳

وقت اس کی تلخ کامیوں کا انجام خودکشی ہو جاتی ہے۔ اب اگر ان دنیاداروں کے غموم وہموم اور تکالیف کا مقابلہ اہل اللہ یا انبیاء کے مصائب کے ساتھ کیا جاوے تو انبیاء علیہم السلام کے مصائب کے مقابل اول الذکر جماعت کے مصائب بالکل ہیچ ہیں۔ لیکن یہ مصائب و شدائد اس پاک گروہ کو رنجیدہ یا محزون نہیں کر سکتے۔ اُن کی خوشحالی اور سرور میں فرق نہیں آتا کیونکہ وہ اپنی دعاؤں کے ذریعہ خدا تعالیٰ کی تولّی میں پھر رہے ہیں۔ دیکھو اگر ایک شخص کا ایک حاکم سے تعلق ہو اور مثلاً اس حاکم نے اسے اطمینان بھی دیا ہو کہ وہ اپنے مصائب کے وقت اس سے استعانت کر سکتا ہے تو ایسا شخص کسی ایسی تکلیف کے وقت جس کی گرہ کشائی اس حاکم کے ہاتھ میں ہے عام لوگوں کے مقابل کم درجہ رنجیدہ اور غمناک ہوتا ہے تو پھر وہ مومن جس کا اس قسم کا بلکہ اس سے بھی زیادہ مضبوط تعلق احکم الحاکمین سے ہو وہ کب مصائب و شدائد کے وقت گھبرا دے گا۔ انبیاء علیہم السلام پر جو مصیبتیں آتی ہیں اگر ان کا عشر عشیر بھی ان کے غیر پر وارد ہو تو اس میں زندگی کی طاقت باقی نہ رہے۔ یہ لوگ جب دنیا میں بغرض اصلاح آتے ہیں تو اُن کی کُل دنیا دشمن ہو جاتی ہے۔ لاکھوں آدمی اُن کے خون کے پیاسے ہوتے ہیں لیکن یہ خطرناک دشمن بھی اُن کے اطمینان میں خلل انداز نہیں ہو سکتے۔ اگر ایک شخص کا ایک دشمن بھی ہو تو وہ کسی لمحہ بھی اس کے شر سے امن میں نہیں رہتا۔ چہ جائیکہ ملک کا ملک اُن کا دشمن ہو اور پھر یہ لوگ باامن زندگی بسر کریں۔ ان تمام تلخ کامیوں کو ٹھنڈے دل سے برداشت کر لیں۔ یہ برداشت ہی مُعجزہ و کرامت ہے۔ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی استقامت اُن کے لاکھوں معجزوں سے بڑھ کر ایک معجزہ ہے۔ کُل قوم کا ایک طرف ہونا۔ دولت، سلطنت، دنیوی وجاہت، حسینہ جمیلہ بیویاں وغیرہ سب کچھ کے لالچ قوم کا اس شرط پر دینا کہ وہ اعلائے کلمۃ اللہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ سے رُک جاویں۔ لیکن ان سب کے مقابل جناب رسالتمآب کا فرمانا کہ میں اگر اپنے نفس سے کرتا تو یہ سب باتیں قبول کرتا۔ میں تو حکم خدا کے ماتحت یہ سب کچھ کر رہا ہوں اور پھر دوسری طرف سب تکالیف کی برداشت کرنا یہ

ایک فوق الطاقت معجزہ ہے۔ یہ سب طاقت اور برداشت اُس دعا کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے جو مومن کو خدا تعالیٰ نے عطا کی ہے۔ ان لوگوں کی دردناک دُعا بعض وقت قاتلوں کے سفاکانہ حملہ کو توڑ دیتی ہے۔ حضرت عمرؓ کا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے قتل کے لئے جانا آپ لوگوں نے سُنا ہوگا۔ ابوجہل نے ایک قسم کا اشتہار قوم میں دے رکھا تھا کہ جو جناب رسالتمآب کو قتل کرے گا وہ بہت کچھ انعام واکرام کا مستحق ہوگا۔ حضرت عمرؓ نے مشرف باسلام ہونے سے پہلے ابوجہل سے معاہدہ کیا اور قتل حضرت کے لئے آمادہ ہوگیا۔ اس کو کسی عمدہ وقت کی تلاش تھی۔ دریافت پر اُسے معلوم ہوا کہ حضرت نصف شب کے وقت خانہ کعبہ میں بغرض نماز آتے ہیں۔ یہ وقت عمدہ سمجھ کر حضرت عمرؓ سرشام خانہ کعبہ میں جا چھپے۔ آدھی رات کے وقت جنگل میں سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی آواز آنا شروع ہوئی۔ حضرت عمرؓ نے ارادہ کیا کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سجدہ میں گریں تو اس وقت قتل کردوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے درد کے ساتھ مناجات شروع کی اور سجدہ میں اس طرح حمد الہیٰ کا ذکر کیا کہ حضرت عمرؓ کا دل پسیج گیا۔ اس کی ساری جرأت جاتی رہی اور اس کا قاتلانہ ہاتھ سُست ہوگیا۔ نماز ختم کرکے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر کو چلے تو اُن کے پیچھے حضرت عمرؓ ہو گئے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے آہٹ پاکر دریافت کیا اور معلوم ہونے پر فرمایا کہ اے عمر کیا تو میرا پیچھا نہ چھوڑے گا۔ حضرت عمر بددُعا کے ڈر سے بول اُٹھے کہ حضرت میں نے آپ کے قتل کا ارادہ چھوڑ دیا میرے حق میں بددعا نہ کیجئے گا۔ چنانچہ حضرت عمر فرمایا کرتے تھے کہ وہ پہلی رات تھی جب مجھ میں اسلام کی محبت پیدا ہوئی۔

## استقامت ایک معجزہ ہے

سو میرے نزدیک شق القمر کا معجزہ ایسا زبردست معجزہ نہیں جیسے رسول پاکؐ کی استقامت ایک معجزہ ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ضرورت وقت کے لحاظ سے انبیاء علیہم السلام معجزہ دکھلاتے ہیں اور وہ نور اور ہدایت اپنے اندر رکھتے ہیں لیکن ان سب

معجزات سے بڑھ کر استقامت ایک معجزہ ہے۔ آج چوبیس سال مجھ پر گذر گئے جب میں نے دعویٰ وحی و الہام کیا۔ جو لوگ میرے پاس دن رات بیٹھتے ہیں وہ دیکھتے ہیں اور گواہ اس بات کے ہیں کہ کس طرح خدا تعالےٰ ہر روز مجھے اپنے کلام سے مشرف کرتا ہے اور کس طرح جو مجھ پر ظاہر کیا جاتا ہے وہ پُورا ہوتا ہے۔ اب کیا میں ہر روز افترا کرتا ہوں؟ اور خدا تعالےٰ بھی اس قدر صابر ہے کہ ایسے مفتری کو مہلت دے رہا ہے پیغمبر صاحب کو تو یہ حکم کہ اگر تُو ایک افترا مجھ پر باندھتا تو میں تیری رگِ گردن کاٹ دیتا جیسے کہ آیت لو تقوّل علینا بعض الاقاویل لاخذنا منہ بالیمین ۔ ثمّ لقطعنا منہ الوتین[1] سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور یہاں چوبیس سال سے روزانہ افترا خدا تعالیٰ پر ہو اور خدا اپنی سنّت قدیمہ کو نہ برتے۔ بدی کرنے میں اور جھوٹ بولنے میں کبھی مداومت اور استقامت نہیں ہوتی۔ آخر کار انسان دروغ کو چھوڑ ہی دیتا ہے لیکن کیا میری ہی فطرت ایسی ہو رہی ہے کہ میں چوبیس سال سے اس جھُوٹ پر قائم ہوں اور برابر چل رہا ہوں اور خدا تعالےٰ بھی بالمقابل خاموش ہے اور بالمقابل ہمیشہ تائیدات پر تائیدات کر رہا ہے۔ پیشگوئی کرنا یا علم غیب سے حصہ پانا کسی ایک معمولی ولی کا بھی کام نہیں۔ یہ نعمت تو اس کو عطا ہوتی ہے جو حضرت احدیت مآب میں خاص عزت اور وجاہت رکھتا ہے۔ اب دیکھ لیا جاوے کہ خدا تعالیٰ نے کس قدر پیشگوئیاں میرے ہاتھ پر پُوری کیں۔ براہین احمدیہ اور اس میں جو میرے آئندہ حالات درج ہیں ان کو دیکھا جاوے اور پھر میرے آجکل کے حالات کو دیکھا جاوے کہ وہ تمام کس طرح پُورے ہوئے۔ پھر جو جو نشانات مسیح موعود کے زمانہ کے آثار ہیں، موجود ہیں۔ وہ کس طرح اس زمانہ میں پُورے ہو گئے۔ رمضان میں کسوف خسوف کا ہونا۔ ریل کا جاری ہو کر اُونٹنیوں کا حجاز میں بھی بند ہو جانا۔ طاعون کا نمودار ہونا، یہ سب علامات ہیں جو زمانہ مہدی کے ساتھ مختص ہیں۔ یہ خدا تعالیٰ نے کیوں پُورے کئے؟ کیا ایک کذّاب اور مفتری علی اللہ کی رونق افزائی کے لئے جو چوبیس سال سے برابر

[1] الحاقہ: ۴۵-۴۷

افترا باندھ رہا ہے۔ آخر میں میں یہ وصیت کرتا ہوں کہ عمر کا کوئی بھروسہ نہیں۔ یہ وقت ہے اس کو غنیمت سمجھا جاوے۔ یہ خدا تعالیٰ کے نشان ہیں۔ ان سے منہ موڑنا خدا تعالیٰ کی حکم عدولی ہے۔ دیکھو ایک مجازی حاکم کا پیادہ اگر آجاوے اور پیادہ جس حکم کو لاتا ہے اُس کی پرواہ نہ کی جاوے تو پھر یہ حکم عدولی کیسے بدنتائج پیدا کرتی ہے۔ چہ جائیکہ خدا تعالیٰ کی حکم عدولی۔ دُنیا میں جب کبھی کوئی خدا تعالیٰ کا مُرسل آوے گا وہ انسان ہی ہوگا۔ اس کے اوضاع و اطوار انسانوں والے ہی ہوں گے۔ آخر فرشتہ تو نہیں آتا۔ یہ لوگ اس کے لوازم انسانیت سے گھبرا جاتے ہیں اور اُن کی آنکھوں کے سامنے ایک حجاب ہے جو اس کے جامۂ نبوت کو چھپائے ہوئے ہے لیکن یہ حجاب ضروری ہے جس میں ہر ایک نبی مستور ہوتا ہے۔ مبارک ہے وہ جو اس حجاب کے اندر اُس شخص کو دیکھ لے۔

(الحکم جلد ۸ نمبر ۱۹-۲۰ صفحہ ۹ مورخہ ۱۰، ۱۷ جون ۱۹۰۴ء)

---

ابتدائے جون ۱۹۰۴ء بمقام گورداسپور

## تعدد ازدواج اور عدل

ایک احمدی نے حضرت اقدس کی خدمت میں عرض کی کہ تعدد ازدواج میں جو عدل کا حکم ہے کیا اس سے یہی مراد ہے کہ مرد بحیثیت الرجال قوامون علی النساء[1] کے خود ایک حاکم عادل کی طرح جس بیوی کو سلوک کے قابل پاوے ویسا سلوک اُس سے کرے یا کچھ اور معنے ہیں۔

حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ

محبت کو بالائے طاق رکھ کر عملی طور پر سب بیویوں کو برابر رکھنا چاہیئے۔ مثلاً پارچہ جات۔ خرچ خوراک۔ معاشرت حتیٰ کہ مباشرت میں بھی مساوات برتے۔ یہ حقوق اس قسم کے ہیں کہ اگر انسان کو پُورے طور پر معلوم ہوں تو بجائے بیاہ کے وہ ہمیشہ رنڈوا رہنا

[1] النساء: ۳۵

پسند کرے۔ خدا تعالیٰ کی تہدید کے نیچے رہ کر جو شخص زندگی بسر کرتا ہے وہی اُن کی بجاآوری کا دم بھر سکتا ہے۔ ایسے لذّات کی نسبت جن سے خدا تعالیٰ کا تازیانہ ہمیشہ سر پہ رہے۔ تلخ زندگی بسر کر لینی ہزارہا درجہ بہتر ہے تعدد ازدواج کی نسبت اگر ہم تعلیم دیتے ہیں تو صرف اس لئے کہ معصیت میں پڑنے سے انسان بچا رہے اور شریعت نے اسے بطور علاج کے ہی رکھا ہے کہ اگر انسان اپنے نفس کا میلان اور غلبہ شہوات کی طرف دیکھے اور اس کی نظر بار بار خراب ہوتی ہو تو زنا سے بچنے کے لئے دوسری شادی کر لے لیکن پہلی بیوی کے حقوق تلف نہ کرے۔ تورات سے بھی یہی ثابت ہے کہ اُس کی دلداری زیادہ کرے کیونکہ جوانی کا بہت سا حصہ اُس نے اس کے ساتھ گذارا ہوا ہوتا ہے اور ایک گہرا تعلق خاوند کا اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ پہلی بیوی کی رعایت اور دلداری یہانتک کرنی چاہیئے کہ اگر کوئی ضرورت مرد کو ازدواج ثانی کی محسوس ہو لیکن وہ دیکھتا ہے کہ دوسری بیوی کے کرنے سے اس کی پہلی بیوی کو سخت صدمہ ہوتا ہے اور حد درجہ کی اُس کی دلشکنی ہوتی ہے تو اگر وہ صبر کر سکے اور کسی معصیت میں مبتلا نہ ہوتا ہو اور نہ کسی شرعی ضرورت کا اُس سے خون ہوتا ہو تو ایسی صورت میں اگر اُن اپنی ضرورتوں کی قربانی سابقہ بیوی کی دلداری کے لئے کر دے اور ایک ہی بیوی پر اکتفا کرے تو کوئی حرج نہیں ہے اور اُسے مناسب ہے کہ دوسری شادی نہ کرے۔

اس قدر ذکر ہوا تھا کہ ایک صاحب نے اُٹھ کر عرض کی کہ البدرؓ اور الحکم اخباروں میں تعدد ازدواج کی نسبت جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے ذمہ دوسرا نکاح حضور نے فرض کر دیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ

ہمیں جو کچھ خدا تعالیٰ سے معلوم ہوا ہے وہ بلا کسی رعایت کے بیان کرتے ہیں قرآن شریف کا منشا زیادہ بیویوں کی اجازت سے یہ ہے کہ تم کو اپنے نفوس کو تقویٰ پر قائم رکھنے اور دوسرے اغراض مثلاً اولاد صالحہ کے حاصل کرنے اور خویش و اقارب کی نگہداشت اور اُن

لہ حاشیہ: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے یہ ملفوظات ۲۴ ستمبر ۱۹۰۳ء کی ڈائری میں چھپ چکے ہیں (خاکسار مرتب)

کے حقوق کی بجاآوری سے ثواب حاصل ہو۔ اور اپنی اغراض کے لحاظ سے اختیار دیا گیا ہے کہ ایک دو تین چار عورتوں تک نکاح کر لو لیکن اگر ان میں عدل نہ کر سکو تو پھر یہ فسق ہو گا۔ (۱۰۹)
اور بجائے ثواب کے عذاب حاصل کرو گے کہ ایک گناہ سے نفرت کی وجہ سے دوسرے گناہوں پر آمادہ ہوئے۔ دل دکھانا بڑا گناہ ہے اور لڑکیوں کے تعلقات بڑے نازک ہوتے ہیں۔ جب والدین اُن کو اپنے سے جُدا اور دوسرے کے حوالہ کرتے ہیں تو خیال کرو کہ کیا امیدیں اُن کے دلوں میں ہوتی ہیں اور جن کا اندازہ انسان عاشروھن بالمعروف[1] کے حکم سے ہی کر سکتا ہے۔ اگر انسان کا سلوک اپنی بیوی سے عمدہ ہو اور اسے ضرورتِ شرعی پیدا ہو جاوے تو اس کی بیوی اس کے دوسرے نکاحوں سے ناراض نہیں ہوتی۔ ہم نے اپنے گھر میں کئی دفعہ دیکھا ہے کہ وہ ہمارے نکاح والی پیشگوئی کے پورا ہونے کے لئے رو رو کر دعائیں کرتی ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ بیویوں کی ناراضگی کا باعث خاوند کی نفسانیت ہوا کرتی ہے اور اگر اُن کو اس بات کا علم ہو کہ ہمارا خاوند صحیح اغراض اور تقویٰ کے اصول پر دوسری بیوی کرنا چاہتا ہے تو پھر وہ کبھی ناراض نہیں ہوتیں۔ فساد کی بنا تقویٰ کی خلاف ورزی ہوا کرتی ہے۔

خدا تعالیٰ کے قانون کو اس کے منشاء کے برخلاف ہرگز نہ برتنا چاہیئے اور نہ اُس سے ایسا فائدہ اُٹھانا چاہیئے جس سے وہ صرف نفسانی جذبات کی ایک سپر بن جاوے۔ یاد رکھو کہ ایسا کرنا معصیت ہے۔ خدا تعالےٰ بار بار فرماتا ہے کہ شہوات کا تم پر غلبہ نہ ہو۔ بلکہ تمہاری غرض ہر ایک امر میں تقویٰ ہو۔ اگر شریعت کو سپر بنا کر شہوات کی اتباع کے لئے بیویاں کی جاویں گی تو سوائے اس کے اَور کیا نتیجہ ہو گا کہ دوسری قومیں اعتراض کریں کہ مسلمانوں کو بیویاں کرنے کے سوا اور کوئی کام ہی نہیں۔ زنا کا نام ہی گناہ نہیں بلکہ شہوات کا کھلے طور پر دل میں پڑ جانا گناہ ہے۔ دنیاوی تمتع کا حصہ انسانی زندگی میں بہت ہی کم ہونا چاہیئے۔ تا کہ فلیضحکوا قلیلا ولیبکوا کثیرا[2] یعنی ہنسو تھوڑا اور روؤ بہت کا مصداق ہو

[1] النسآء : ۲۰ [2] التوبۃ : ۸۲

لیکن جس شخص کی دنیاوی تمتع کثرت سے ہیں اور وہ رات دن بیویوں میں مصروف ہے اُس کو رقت اور رونا کب نصیب ہوگا۔ اکثر لوگوں کا یہ حال ہے کہ وہ ایک خیال کی تائید اور اتباع میں تمام سامان کرتے ہیں اور اس طرح سے خدا تعالیٰ کے اصل منشا سے دُور جا پڑتے ہیں۔ خدا تعالےٰ نے اگرچہ بعض اشیاء جائز تو کر دی ہیں۔ مگر اس سے یہ مطلب نہیں ہے کہ عمر ہی اس میں بسر کی جاوے۔ خدا تعالےٰ تو اپنے بندوں کی صفت میں فرماتا ہے۔ یبیتون لربھم سجداً وقیاماً[1] کہ وہ اپنے رب کے لئے تمام رات سجدہ اور قیام میں گذارتے ہیں۔ اب دیکھو۔ رات دن بیویوں میں غرق رہنے والا خدا تعالیٰ کے منشا کے موافق رات کیسے عبادت میں کاٹ سکتا ہے۔ وہ بیویاں کیا کرتا ہے گویا خدا کے لئے شریک پیدا کرتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نُو بیویاں تھیں اور باوجود ان کے آپؐ ساری ساری رات خدا تعالےٰ کی عبادت میں گذارتے تھے۔ ایک رات آپؐ کی باری عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھی۔ کچھ حصہ رات کا گذر گیا تو عائشہ کی آنکھ کھلی۔ دیکھا کہ آپ موجود نہیں۔ اُسے شبہ ہوا کہ شاید آپ کسی اور بیوی کے ہاں ہونگے اُس نے اُٹھ کر ہر ایک گھر میں تلاش کیا۔ مگر آپ نہ ملے۔ آخر دیکھا کہ آپ قبرستان میں ہیں اور سجدہ میں رو رہے ہیں۔ اب دیکھو کہ آپ زندہ اور چاہتی بیوی کو چھوڑ کر مُردوں کی جگہ قبرستان میں گئے اور روتے رہے تو کیا آپ کی بیویاں حظِ نفس یا اتباع شہوت کی بنا پر ہو سکتی ہیں؟

غرضکہ خوب یاد رکھو کہ خدا تعالےٰ کا اصل منشا یہ ہے کہ تم پر شہوات غالب نہ آویں۔ اور تقویٰ کی تکمیل کے لئے اگر ضرورت حقہ پیش آوے تو اور بیوی کر لو۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تمتع دنیاوی کا یہ حال تھا کہ ایک بار حضرت عمرؓ آپ سے ملنے گئے۔ ایک لڑکا بھیج کر اجازت چاہی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ایک کھجور کی چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے۔ جب حضرت عمرؓ اندر آئے تو آپ اُٹھ کر بیٹھ گئے۔ حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ مکان سب خالی پڑا ہے اور کوئی زینت کا سامان اس میں نہیں ہے۔ ایک کھونٹی پر تلوار لٹک رہی ہے یا وہ چٹائی ہے جس پر آپ لیٹے ہوئے تھے اور جس کے نشان اسی طرح آپ کی پشت مبارک پر بنے ہوئے تھے۔ حضرت عمرؓ اُن کو دیکھ

[1] الفرقان: ۶۵

کر رو پڑے۔ آپؐ نے پوچھا۔ اے عمرؓ! تجھ کو کس چیز نے رُلایا؟ عمرؓ نے عرض کی کہ کسریٰ اور قیصر تو تنعم کے اسباب رکھیں اور آپ جو خدا تعالیٰ کے رسُول اور دو جہان کے بادشاہ ہیں اس حال میں رہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے عمرؓ مجھے دنیا سے کیا غرض؛ میں تو اس مسافر کی طرح گذارہ کرتا ہوں جو اونٹ پر سوار منزل مقصود کو جاتا ہو۔ ریگستان کا راستہ ہو اور گرمی کی سخت شدت کی وجہ سے کوئی درخت دیکھ کر اس کے سایہ میں سستانے اور جونہی کہ ذرا پسینہ خشک ہوا ہو وہ پھر چل پڑے۔ جس قدر نبی اور رسُول ہوئے ہیں سب نے دوسرے پہلو (آخرت) کو ہی مدنظر رکھا ہوا تھا۔

پس جاننا چاہیئے کہ جو شخص شہوات کی اتباع سے زیادہ بیویاں کرتا ہے وہ مغز اسلام سے دُور رہتا ہے۔ ہر ایک دن جو چڑھتا ہے اور رات جو آتی ہے اگر وہ تلخی سے زندگی بسر نہیں کرتا اور روتا کم یا بالکل ہی نہیں روتا تو یاد رہے کہ وہ ہلاکت کا نشانہ ہے۔ استیفاء لذات اگر حلال طور پر ہو تو حرج نہیں۔ جیسے ایک شخص ٹٹو پر سوار ہے اور راستہ میں اُسے نہاری وغیرہ اس لئے دیتا ہے کہ اس کی طاقت قائم رہے اور وہ منزل مقصود تک اُسے پہنچا دے جہاں خدا تعالیٰ نے سب کے حقوق رکھے ہیں وہاں نفس کا بھی حق رکھا ہے کہ وہ عبادت بجا لا سکے۔

لوگوں کے نزدیک چوری زنا وغیرہ ہی گناہ ہیں اور اُن کو یہ معلوم نہیں کہ استیفاء لذات میں مشغول ہونا بھی گناہ ہے۔ اگر ایک شخص اپنا اکثر حصہ وقت کا تو عیش و آرام میں بسر کرتا ہے۔ اور کسی وقت اُٹھ کر چار ٹکریں بھی مار لیتا ہے (یعنی نماز پڑھ لیتا ہے) تو وہ نمرودی زندگی بسر کرتا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ریاضت اور مشقت کو دیکھ کر خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا تو اس محنت میں مر جائے گا۔ حالانکہ ہم نے تیرے لئے بیویاں بھی حلال کی ہیں۔ یہ خدا تعالیٰ نے آپ کو ایسے ہی فرمایا جیسے ماں اپنے بچے کو پڑھنے یا دوسرے کام میں مستغرق دیکھ کر صحت کے قیام کے لحاظ سے اُسے کھیلنے کودنے کی اجازت دیتی ہے۔ خدا تعالیٰ کا یہ خطاب اسی غرض سے ہے کہ آپ تازہ دم ہو کر پھر دین کی خدمت میں مصروف ہوں۔ اس سے یہ مراد ہرگز

نہیں کہ آپ شہوات کی طرف جھک جاویں۔ نادان معترض ایک پہلو کو تو دیکھتے ہیں اور دوسرے کو نظرانداز کر دیتے ہیں۔ پادریوں نے اس بات کی طرف کبھی غور نہیں کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی میلان کس طرف تھا اور رات دن آپؐ کس فکر میں رہتے تھے۔ بہت سے ملّاں اور عام لوگ ان باریکیوں سے ناواقف ہیں۔ اگر اُن کو کہا جاوے کہ تم شہوات کے تابع ہو تو جواب دیتے ہیں کہ کیا ہم حرام کرتے ہیں۔ شریعت نے ہمیں اجازت دی ہے تو ہم کرتے ہیں۔ اُن کو اس بات کا علم نہیں کہ بے محل استعمال سے حلال بھی حرام ہو جاتا ہے۔ ماخلقت الجنّ و الانس الّا لیعبدون[1] سے ظاہر ہے کہ انسان صرف عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ پس اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے جسقدر چیز اُسے درکار ہے۔ اگر اُس سے زیادہ لیتا ہے تو گو وہ شئے حلال ہی ہو مگر فضول ہونے کی وجہ سے اس کے لئے حرام ہو جاتی ہے۔ جو انسان رات دن نفسانی لذات میں مصروف ہے وہ عبادت کا کیا حق ادا کر سکتا ہے۔ مومن کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایک تلخ زندگی بسر کرے لیکن عیش و عشرت میں بسر کرنے سے تو وہ اس زندگی کا عشر عشیر بھی حاصل نہیں کر سکتا۔

ہمارے کلام کا مقصد یہ ہے کہ دونو پہلوؤں کا لحاظ رکھا جاوے۔ یہ نہیں کہ صرف لذات کے پہلو پر زور دیا جاوے اور تقویٰ کو بالکل ترک کر دیا جاوے۔ اسلام نے جن کاموں اور باتوں کو مباح کہا ہے اس سے یہ غرض ہرگز نہیں ہے کہ رات دن اس میں مستغرق رہے۔ صرف یہ ہے کہ بقدر ضرورت وقت پر اُن سے فائدہ اُٹھایا جاوے۔

اس مقام پر پھر وہی صاحب بولے کہ اس سے تو یہ نتیجہ نکلا کہ تعدد ازواج بطور دوا کے ہے نہ بطور غذا کے۔

حضور نے فرمایا۔ ہاں

اس پر انہوں نے عرض کی کہ ان اخبار والوں نے تو لکھا ہے کہ احمدی جماعت کو بڑھانے کے لئے زیادہ بیویاں کرو۔

[1] الذاریات : ۵۷

حضور نے فرمایا کہ

ایک حدیث میں یہ ہے کہ کثرت ازدواج سے اولاد بڑھاؤ تاکہ امت زیادہ ہو۔ اصل بات یہ ہے کہ انما الاعمال بالنیات۔ انسان کے ہر عمل کا مدار اس کی نیت پر ہے۔ کسی کے دل کو چیر کر ہم نہیں دیکھ سکتے۔ اگر کسی کی یہ نیت نہیں ہے کہ زیادہ بیویاں کر کے عورتوں کی لذات میں فنا ہو بلکہ یہ ہے کہ اس سے خادم دین پیدا ہوں تو کیا حرج ہے۔ لیکن یہ امر بھی مشروط بشرائط بالا ہے۔ مثلاً اگر ایک شخص کی چار بیویاں ہوں اور ہر سال ہر ایک سے ایک ایک اولاد ہو تو چار سال میں سولہ بچے ہوں گے۔ مگر بات یہ ہے کہ لوگ دوسرے پہلو کو ترک کر دیتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ صرف ایک پہلو پر ہی زور دیا جاوے۔ حالانکہ ہمارا یہ منصب ہرگز نہیں ہے۔ قرآن شریف میں متفرق طور پر تقویٰ کا ذکر آیا ہے۔ لیکن جہاں کہیں بیویوں کا ذکر ہے وہاں ضرور ہی تقویٰ کا بھی ذکر ہے۔ ادائیگی حقوق ایک بڑی ضروری شئے ہے اسی لئے عدل کی تاکید ہے اگر ایک شخص دیکھتا ہے کہ وہ حقوق کو ادا نہیں کر سکتا یا اس کی رجولیت کے قویٰ کمزور ہیں یا خطرہ ہو کہ کسی بیماری میں مبتلا ہو جائے تو اُسے چاہیئے کہ دیدہ دانستہ اپنے آپ کو عذاب میں نہ ڈالے۔ تقویٰ یعنی شرعی ضرورت جو اپنے محل پر ہو اگر موجود ہو تو پہلی بیوی خود تجویز کرتی ہے کہ خاوند اور نکاح کر لے۔

آخری نصیحت ہماری یہی ہے کہ اسلام کو اپنی عیاشیوں کے لئے سپر نہ بناؤ کہ آج ایک حسین عورت نظر آئی تو اُسے کر لیا۔ کل اور نظر آئی تو اُسے کر لیا۔ یہ تو گویا خدا کی گدی پر عورتوں کو بٹھانا اور اُسے بھُلا دینا ہوا۔ دین تو چاہتا ہے کہ کوئی زخم دل پر ایسا رہے جس سے ہر وقت خدا تعالیٰ یاد آوے ورنہ سلب ایمان کا خطرہ ہے۔ اگر صحابہ کرام عورتیں کرنے والے اور انہیں میں مصروف رہنے والے ہوتے تو اپنے سر جنگوں میں کیوں کٹواتے۔ حالانکہ اُن کا یہ حال تھا کہ ایک کی اُنگلی کٹ گئی تو اُسے مخاطب ہو کے کہا کہ تو ایک اُنگلی ہی ہے اگر کٹ گئی تو کیا ہوا۔ مگر جو شب و روز عیش و عشرت میں مستغرق ہے وہ کب ایسا دل لا سکتا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے نازو

میں اس قدر روتے اور قیام کرتے کہ آپ کے پاؤں پر ورم ہو جاتا۔ صحابہؓ نے عرض کی کہ خدا تعالیٰ نے آپ کے تمام گناہ بخش دیئے ہیں پھر اس قدر مشقت اور رونے کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا۔ کیا میں خدا تعالیٰ کا شکر گذار بندہ نہ بنوں۔

(البدر جلد ۳ نمبر ۲۶ صفحہ ۳۰۲ مورخہ ۸ جولائی ۱۹۰۴ء)

## ۴ جون ۱۹۰۴ء

# نماز اور دُعا

ایک شخص کے سوال پر فرمایا کہ

نماز اصل میں دُعا ہے۔ نماز کا ایک ایک لفظ جو بولتا ہے وہ نشانہ دعا کا ہوتا ہے۔ اگر نماز میں دل نہ لگے تو پھر عذاب کے لئے تیار رہے کیونکہ جو شخص دعا نہیں کرتا وہ سوائے اس کے کہ ہلاکت کے نزدیک خود جاتا ہے اور کیا ہے۔ ایک حاکم ہے جو بار بار اس امر کی ندا کرتا ہے کہ میں دکھیاروں کا دُکھ اُٹھاتا ہوں مشکل والوں کی مشکل حل کرتا ہوں۔ میں بہت رحم کرتا ہوں بیکسوں کی امداد کرتا ہوں لیکن ایک شخص جو کہ مشکل میں مبتلا ہے اس کے پاس سے گذرتا ہے اور اس کی ندا کی پروا نہیں کرتا نہ اپنی مشکل کا بیان کر کے طلب امداد کرتا ہے تو سوائے اس کے کہ وہ تباہ ہو اور کیا ہوگا۔ یہی حال خدا تعالیٰ کا ہے کہ وہ تو ہر وقت انسان کو آرام دینے کے لئے تیار ہے بشرطیکہ کوئی اس سے درخواست کرے۔ قبولیت دعا کے لئے ضروری ہے کہ نافرمانی سے باز رہے اور دعا بڑے زور سے کرے کیونکہ پتھر پر پتھر زور سے پڑتا ہے۔ تب آگ پیدا ہوتی ہے۔

اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ ۨالْمُسْتَقَرُّ[1]

اس آیت کو قیامت پر چسپاں کرنا غلطی ہے کیونکہ اس دن تو خدا کی طرف رجوع کرنا کسی کام نہ آویگا بلکہ یہ اس زمانہ کی حالت ہے کہ طاعون کے بارے میں خواہ کوئی حیلہ حوالہ

[1] القیامہ: ۱۳

کریں ہرگز کام نہ آوے گا۔ آخر مستقر خدا تعالیٰ ہی ہوگا۔ لوگ جب اس کو مانیں گے تب وہ اس سے رہائی دے گا۔ این المفر[1] بھی اسی پر چسپاں ہے۔ کیونکہ دوسرے آفات میں تو کوئی نہ کوئی مفر ہوتا ہے مگر طاعون میں کوئی مفر نہیں ہے۔ صرف خدا تعالیٰ کی پناہ ہی کام آویگی۔

خدا تعالیٰ کی طرف ظلم کبھی منسوب نہیں ہو سکتا جو صادق ہوگا۔ وہ ضرور اپنے صدق سے نفع پاوے گا۔ یہ وہی دن ہیں جن کی نسبت کہا گیا ہے۔ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ[2]

(البدر جلد ۳ نمبر ۲۵ صفحہ ۶ مورخہ یکم جولائی ۱۹۰۴ء)

نیز (الحکم جلد ۸ نمبر ۲۳-۲۴ صفحہ ۱۲ مورخہ ۱۷، ۲۴ جولائی ۱۹۰۴ء)

---

۱۵ جون ۱۹۰۴ء

## حقیقی تہذیب

صنعت و حرفت میں دسترس حاصل کرنے، سیر و سیاحت میں قوم کے افراد کو مشغول رہنے، لنڈن ہو آنے، مشنوں میں ترقی کرنے وغیرہ کو آج کل تہذیب کے نام سے نامزد کیا جاتا ہے۔ اور جب کسی قوم میں یہ باتیں ہوں تو اسے ایک مہذب قوم کہتے ہیں یہ ذکر ایک صاحب نے حضرت اقدس کی مجلس میں آج کیا۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ

جس قوم میں راستی کا پیار نہیں۔ اعمال میں للّٰہیت نہیں اور ریاکاری اور خود پسندی ان کا شیوہ ہے اُسے مہذب نہیں کہہ سکتے۔ تہذیب کے اصول اخلاص، صدق اور توحید ہیں۔ وہ سوائے اسلام کے اور کسی دوسرے مذہب میں نہیں مل سکتے۔ عیسائیوں کو اخلاق کا بڑا ناز ہے مگر ان کی جو بات دیکھو اسی میں گناہ ہے۔ کوئی عمل ہو اس میں ریاکاری ضرور ہے۔ حالانکہ خُلق وہ ہے جو للّٰہ ہو۔ خدا تعالیٰ کی عظمت، اس پر ایمان اور نوعِ انسان کی خدمت یہ باتیں خُلق کی ہیں۔ لیکن یہاں خدا کی جگہ تو ایک یسوع نامی کو دے دی گئی ہے اور مخلوق

[1] القیامہ: ۱۱ [2] المائدہ: ۱۲۰

کے ساتھ جو معاملہ ہے وہ ظاہر ہے۔ بات یہ ہے کہ جب خدا کو شناخت ہی نہیں کیا۔ تو اس پر نظر رکھ کر کسی کی خدمت کیا کر سکتے ہیں؟ سچے خُلق کا برتاؤ بہت مشکل ہے جس کے یہ معنے ہیں کہ ہر ایک قویٰ کو برمحل برتا جاوے اور خدا سے ڈر کر وہ اپنی حد پر رہیں۔ لیکن ایمان کے سوا یہ باتیں حاصل نہیں ہوتیں۔ ثواب اس کو ملا کرتا ہے جو خدا تعالیٰ سے ڈر کر گناہ کو چھوڑتا ہے یا اس کو راضی کرنے کی محنت برداشت کرکے ایک نیکی کو کرتا ہے۔ اور جب تک یہ نیت نہیں ہوتی۔ تب تک ہرگز ثواب نہیں ملتا۔ اگرچہ وہ کام بذات خود نیک ہی ہو۔ ہندو لوگ بتوں کی خاطر کیا کیا کرتے ہیں کتنی محنتیں اُٹھاتے ہیں مگر سب کی سب رائیگاں جاتی ہیں۔

(البدر جلد ۳ نمبر ۲۵ صفحہ ۶ مورخہ یکم جولائی ۱۹۰۴ء)

---

## ۱۹ جون ۱۹۰۴ء۔ بوقت ظہر

## متقی کون ہے؟

ایک مولوی صاحب جن کے والد بزرگوار احمدی جماعت میں داخل تھے اور بقضائے الٰہی فوت ہوگئے۔ علاقہ گوجرانوالہ سے تشریف لائے ہوئے تھے۔ ان کو حضرت اقدس سے ارادت حاصل نہ تھی اور نہ اپنے والد مرحوم کو صراطِ مستقیم پر سمجھتے تھے چند احباب کی تحریک سے وہ بحث و مباحثہ کی غرض لے کر یہاں آئے تھے۔ حضرت اقدس کے روبرو تو اُن کی کوئی کلام ہم نے نہ سُنی۔ حضرت مولوی نورالدین صاحب البتہ کلام کرتے رہے۔ جس میں نووارد مولوی صاحب نے یہ کہا کہ ہمارے نزدیک بہت سے متقی ہیں کہ جنہوں نے مرزا صاحب کو نہیں مانا اور چونکہ ہم ان کو متقی اور راستباز تسلیم کرتے ہیں۔ اس لئے ہم بھی نہیں مانتے۔ حضرت حکیم مولوی نورالدین صاحب نے اس کا جواب یہ دیا کہ اگر کوئی ایسا شخص ہے کہ جو ضد اور تعصب وغیرہ سے تو پاک ہے اور سچی ارادت سے

حق کا طالب ہے اور اس لئے کسی شخص کو متقی مان کر اس کی تقلید سے وہ حضرت امام علیہ السلام کا منکر ہے تو میرے نزدیک وہ اس وقت تک معذور ہے جب تک کہ اللہ تعالیٰ اس پر حقیقت کو واضح نہ کر دے کیونکہ مؤاخذہ کے لئے ضروری ہے کہ قد تبیّن الرشد من الغیّ[1] ہو۔ اور خدا تعالیٰ فرماتا ہے لیهلك من هلك عن بیّنة و یحیٰی من حیّ عن بیّنة[2]۔ جو ہلاک ہو وہ بھی بیّن آیات دیکھ کر ہلاک ہو اور جو زندہ ہو وہ بھی بیّن آیات دیکھ کر زندہ ہو۔

نووارد مولوی صاحب نے چاہا کہ اس کی تصدیق حضرت مرزا صاحب سے کرائی جاوے اس لئے جناب حکیم صاحب نے بوقتِ ظہر اس مسئلہ کو حضرت امام علیہ السلام کی خدمت بابرکت میں عرض کیا جس پر آپ نے فرمایا کہ

اس قسم کا سوال حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہوا تھا تو انہوں نے جواب دیا علمها عند ربّی[3]۔ ایسے ہی ہم بھی کہتے ہیں کہ اُن کا معاملہ خدا تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ وہ جیسے جیسے سمجھے گا ویسا معاملہ اس سے کرے گا۔ ہاں کوئی آدمی کسی کو متقی کیونکر یقین کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے لَا تزکّوا انفسکم[4] اور فرماتا ہے ھو اعلم بمن اتقیٰ۔ اور فرماتا ہے اللہ تعالیٰ ہی علیمٌ بذات الصدور[5] ہے۔ ہاں مامور من اللہ کے متقی ہونے اور نہ ہونے کے نشانات بیّن ہوتے ہیں نہ اَوروں کے۔

**بعد نماز مغرب۔**

مغرب کی نماز کے بعد جب حضرت امام علیہ السلام شہ نشین پر جلوہ افروز ہوئے تو سیّد احمد شاہ صاحب سندھی نے آپ سے نیاز حاصل کی اور پوچھا کہ متقی کسے کہہ سکتے ہیں۔ فرمایا:-

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جب مبعوث ہوئے اور آپ نے دعویٰ کیا تو اس وقت بھی لوگوں کی نظروں میں بہت سے یہودی عالم متقی اور پرہیزگار مشہور تھے لیکن اس سے یہ لازم

[1] البقرۃ: ۲۵۷ [2] الانفال: ۴۳ [3] طٰہٰ: ۵۳ [4] النجم: ۳۳ [5] اٰل عمران: ۱۵۵

نہیں آتا کہ وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک بھی متقی ہوں۔ خدا تعالےٰ تو اُن متقیوں کا ذکر کرتا ہے جو اس کے نزدیک تقویٰ اور اخلاص رکھتے ہیں جب ان لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ سُنا۔ لوگوں میں جو اُن کی وجاہت تھی اس میں فرق آتا دیکھ کر رعونت سے انکار کر دیا اور حق کو اختیار کرنا گوارا نہ کیا۔ اب دیکھو کہ لوگوں کے نزدیک تو وہ بھی متقی تھے مگر اُن کا نام حقیقی متقی نہیں تھا۔ حقیقی متقی وہ شخص ہے کہ جس کی خواہ آبرو جائے۔ ہزار ذلت آتی ہو۔ جان جانے کا خطرہ ہو، فقر و فاقہ کی نوبت آئی ہو تو وہ محض اللہ تعالیٰ سے ڈر کر ان سب نقصانوں کو گوارا کرے لیکن حق کو ہرگز نہ چھپاوے۔ متقی کے یہ معنے جیسے آجکل کے مولوی عدالتوں میں بیان کرتے ہیں ہرگز نہیں ہیں کہ جو شخص زبان سے سب مانتا ہو خواہ اس کا عمل درآمد اس پر ہو یا نہ ہو اور وہ جھوٹ بھی بول لیتا ہو، چوری بھی کرتا ہو تو وہ متقی ہے۔ تقویٰ کے بھی مراتب ہوتے ہیں اور جب تک کہ یہ کامل نہ ہوں تب تک انسان پورا متقی نہیں ہوتا۔ ہر ایک شئے وہی کارآمد ہوتی ہے جس کا پورا وزن لیا جاوے۔ اگر ایک شخص کو بھوک اور پیاس لگی ہے۔ تو روٹی کا ایک بھورا اور پانی کا ایک قطرہ لے لینے سے اُسے سیری حاصل نہ ہوگی اور نہ جان کو بچا سکے گا جب تک پوری خوراک کھانے اور پینے کی اُسے نہ ملے۔ یہی حال تقویٰ کا ہے کہ جب تک انسان اسے پورے طور پر ہر ایک پہلو سے اختیار نہیں کرتا تب تک وہ متقی نہیں ہو سکتا۔ اور اگر یہ بات نہیں تو ہم ایک کافر کو بھی متقی کہہ سکتے ہیں کیونکہ کوئی نہ کوئی پہلو تقویٰ کا یعنی خوبی اس کے اندر ضرور ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے محض ظلمت تو کسی کو پیدا نہیں کیا۔ مگر تقویٰ کی یہ مقدار اگر ایک کافر کے اندر ہو تو اُسے کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ کافی مقدار ہونی چاہیئے جس سے دل روشن ہو۔ خدا تعالےٰ راضی ہو اور ہر ایک بدی سے انسان بچ جاوے بہت سے ایسے مسلمان ہیں کہ جو کہتے ہیں کیا ہم روزہ نہیں رکھتے۔ نماز نہیں پڑھتے وغیرہ وغیرہ مگر ان باتوں سے وہ متقی نہیں ہو سکتے۔ تقویٰ اور شئے ہے۔ جب تک انسان خدا تعالےٰ کو مقدم نہیں رکھتا اور ہر ایک لحاظ کو خواہ برادری کا ہو خواہ قوم کا، خواہ دوستوں اور شہر کے رؤسا

کا خدا تعالیٰ سے ڈر کر نہیں توڑتا اور خدا تعالیٰ کے لئے ہر ایک ذلت برداشت کرنے کو تیار نہیں ہوتا تب تک وہ متقی نہیں ہے۔

قرآن شریف میں جو بڑے بڑے وعدے متقیوں کے ساتھ ہیں وہ ایسے متقیوں کا ذکر ہے جنہوں نے تقویٰ کو وہاں تک نبھایا جہانتک اُن کی طاقت تھی۔ بشریت کے قویٰ نے جہانتک ان کا ساتھ دیا برابر تقویٰ پر قائم رہے حتیٰ کہ اُن کی طاقتیں ہار گئیں۔ اور پھر خدا تعالیٰ سے انہوں نے اَور طاقت طلب کی جیسے کہ ایّاك نعبد و ایاك نستعین سے ظاہر ہے۔ ایاك نعبد یعنی اپنی طاقت تک تو ہم نے کام کیا اور کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ ایاك نستعین یعنی آگے چلنے کے لئے اَور نئی طاقت تجھ سے طلب کرتے ہیں۔ جیسے حافظ نے کہا ہے ؎

ما بداں منزلِ عالی نتوانیم رسید
ہاں اگر لطفِ شما پیش نہد گامے چند

پس خوب یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک متقی ہونا اور شئے ہے اور انسانوں کے نزدیک متقی ہونا اَور شئے۔ مسیح علیہ السلام کے وقت جو مخالفوں کے جبتے وغیرہ بنتے تھے۔ اس کا باعث بھی یہی تھا کہ جو عام لوگ یہود کے نزدیک مسلّم تھے اور متقی پرہیزگار تسلیم کئے جاتے تھے وہ مخالف تھے۔ اگر وہ مخالف نہ ہوتے تو جبتے وغیرہ نہ بنتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں بھی یہی حال تھا۔ عُجب بُخل۔ ریا۔ نمود اور وجاہت کی پاسداری وغیرہ باتیں تھیں جنہوں نے حق کی قبولیت سے اُن کو روکے رکھا۔ غرضکہ تقویٰ مشکل شئے ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے تو اس کی علامات بھی ساتھ ہی رکھ دیتا ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ حق جب ظاہر ہو تو جو اسے خواہ نخواہ ردّ کرتا ہے اور دلائل معقولات۔ منقولات اور خدا تعالیٰ کے نشانوں کو ٹالتا جاوے وہ کب متقی ہو سکتا ہے۔[1]

---

[1] (البدر جلد ۳ نمبر ۲۲-۲۳ صفحہ ۲ مورخہ ۸-۱۶ جون ۱۹۰۴ء) نیز (الحکم جلد ۸ نمبر ۲۲ صفحہ ۱۰ مورخہ ۱۰ جولائی ۱۹۰۴ء)

سچی بات یہ ہے کہ حق جب ظاہر ہو تو اُسے جو خواہ نخواہ رد کرتا ہے اور دلائل معقولات منقولات اور خدا تعالیٰ کے نشانات کو ٹالتا جاتا ہے وہ ہرگز متقی نہیں ہو سکتا۔ متقی کو تو ترساں اور لرزاں ہونا چاہیئے۔ کیا دنیا میں ایسا ہوا ہے کہ چوبیس سال سے برابر ایک انسان رات کو منصوبہ بناتا ہے اور صبح کو خدا کی طرف لگا کر کہتا ہے کہ مجھے یہ وحی یا الہام ہوا اور خدا تعالیٰ اس سے مؤاخذہ نہیں کرتا۔ اس طرح سے تو دنیا میں اندھیر پڑ جاوے اور مخلوق تباہ ہو جاوے متقی تو ایک ہی بات سے فائدہ اُٹھا سکتا ہے اور یہاں تو ہزاروں ہیں۔ زمانہ الگ پکار رہا ہے احادیث منکم منکم کہہ رہی ہیں۔ سورہ نور میں بھی منکم لکھا ہے۔ قساوت قلبی اور بہائم کی طرح جو زندگی بسر ہو رہی ہے وہ الگ بتا رہی ہے۔ صدی کے سر پر کہتے تھے کہ مجدد آتا ہے اب ۲۲ سال بھی ہو چکے کسوف وخسوف بھی ہو لیا۔ طاعون بھی آگئی۔ حج بھی بند ہوا۔ ان سب باتوں کو دیکھ کر اگر اب بھی یہ لوگ نہیں مانتے تو ہم کیونکر جانیں کہ ان میں تقویٰ ہے۔ ہم نے بار بار کہا کہ آؤ اور جن باتوں کا تم کو سوال کرنے کا حق پہنچتا ہے وہ پوچھو۔ ہاں یہ نہیں ہوگا کہ قرآن شریف تو کچھ کہے اور تم کچھ کہو اور ایسے اقوال پیش کرو جو اس کے مخالف ہوں۔ مسیح کا نزول جسمانی آسمان سے مانتے ہیں۔ حالانکہ وہ تب صحیح ہو سکتا ہے جبکہ صعود اول ہو۔ قرآن مسیح کی وفات بیان کرتا ہے اور یہ کہتے ہیں کہ چھت پھاڑ کر آسمان پر چلا گیا۔ کیا تقویٰ اس بات کا نام ہے کہ یقین کو ترک کر کے توہمات کی اتباع کی جاوے۔ سچے تقویٰ کا پتہ قرآن سے ملتا ہے کہ دیکھ لیوے کہ تقویٰ والوں نے کیا کیا کام کئے۔

## رُوحِ اخوت

مذکورہ بالا تقریر کے بعد ایک صاحب نے عرض کی کہ حضور بعض احمدی بھائی ایسے ہیں کہ انہوں نے بیعت کی ہوئی ہے اور اخلاص بھی رکھتے ہیں۔ مگر بعض اقوال اور حرکات اُن سے بیجا ظاہر ہوتی ہیں۔ بعض ان میں سے احادیث کے قائل نہیں۔ اس پر حضرت اقدس نے فرمایا:-

اصل بات یہ ہے کہ سب لوگ ایک طبقہ کے نہیں ہوتے۔ خدا تعالےٰ بھی قرآن شریف میں مومنوں کے طبقات بیان کرتا ہے۔ منهم ظالمٌ لنفسه ومنهم مقتصد ومنهم سابق بالخيرات[1] کہ بعض ان میں سے اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعض میانہ رو اور بعض سبقت کرنے والے۔

دوسری یہ بات ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی تو ترقی آہستہ آہستہ ہی کی تھی ایمان میں بھی اور عمل میں بھی۔ لکھا ہے کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو ایک صحابی سے آپ نے ایک ٹکڑا زمین کا مسجد※ بنانے کے لئے طلب کیا۔ اس نے عذر کیا اور کہا کہ مجھ کو آپ درکار ہے۔ اب یہ کس قدر گناہ کی بات تھی کہ خدا تعالیٰ کا رسُول مسجد کے لئے زمین طلب کرے اور یہ باوجود مرید ہونے کے اپنی نفسانی ضرورت کو دین کی ضرورت پر ترجیح دیتا ہے۔ لیکن آخر وہی صحابیؓ تھے کہ جنہوں نے اللہ کے لئے اپنے سر کٹوائے۔ ترقی ہمیشہ رفتہ رفتہ ہوتی ہے۔ ایک سال انسان کچھ کرتا ہے، دوسرے سال کچھ۔ لیکن اگر بدظنی کریں تو اُس کی مثال یہ ہوگی کہ ایک مریض ہمارے پاس آتا ہے جو کہ طرح طرح کے امراض میں مبتلا ہے اور ہم اُسے ایک دو دن دوا دے کر نکال دیں اور پورے طور پر لگ کر علاج نہ کریں۔ ہمارا کام تو رات دن اُن کے لئے دُعا، تضرع اور ابتہال میں لگا رہنا ہے۔ مبلغین کا یہ کام نہیں ہوتا کہ ہر ایک بات پر چِڑ کر لوگوں سے متنفر ہوتے رہیں۔ ابھی یہ لوگ قابلِ رحم ہیں اور خدا تعالےٰ اُن کی اصلاح کے سامان کر رہا ہے۔ علاوہ ازیں سب ایک درجہ کے نہیں ہوتے۔ صحابہؓ میں سے بعض اس درجہ کے تھے کہ عنقریب نبی کے مقام پر پہنچ جاویں اور بعض ادنیٰ درجہ کے۔ جیسے دریا میں موتی بھی ہوتا ہے اور مونگا بھی اور سیپ بھی اور دوسری اشیاء مثل سونا اور دوسرے حیوانات کے۔ ایسا ہی جماعت کا حال ہوتا ہے۔

ہماری جماعت کو چاہیئے کہ کسی بھائی کا عیب دیکھ کر اس کے لئے دعا کریں لیکن اگر وہ دعا

※حاشیہ۔ مسجد کا لفظ اصل میں موجود نہیں معلوم ہوتا ہے کہ کاتب سے رہ گیا ہے۔ سیاق کے لحاظ سے اس کی وضاحت کر دیتے ہیں۔ (مرتب)

[1] فاطر: ۳۳

نہیں کرتے اور اس کو بیان کر کے دور سلسلہ چلاتے ہیں تو گناہ کرتے ہیں۔ کونسا ایسا عیب ہے جو کہ دُور نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ہمیشہ دعا کے ذریعہ سے دوسرے بھائی کی مدد کرنی چاہیئے۔

## حکایت

ایک صوفی کے دو مرید تھے۔ ایک نے شراب پی اور نالی میں بیہوش ہو کر گرا۔ دوسرے نے صوفی سے شکایت کی۔ اس نے کہا تو بڑا بے ادب ہے کہ اس کی شکایت کرتا ہے اور جا کر اُٹھا نہیں لاتا۔ وہ اسی وقت گیا اور اُسے اُٹھا کر لے چلا۔ کہتے تھے کہ ایک نے تو بہت شراب پی لیکن دوسرے نے کم پی کہ اسے اُٹھا کر لے جا رہا ہے۔ صوفی کا مطلب یہ تھا کہ تو نے اپنے بھائی کی غیبت کیوں کی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے غیبت کا حال پوچھا تو فرمایا کہ کسی کی سچی بات کا اس کی عدم موجودگی میں اس طرح سے بیان کرنا کہ اگر وہ موجود ہو تو اسے بُرا لگے غیبت ہے۔ اور اگر وہ بات اس میں نہیں ہے اور تُو بیان کرتا ہے تو اس کا نام بہتان ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَا یغتب بعضکم بعضًا اُیُحِبُّ احدکم ان یاکُلَ لحم اخیہ میتًا[1]۔ اس میں غیبت کرنے کو ایک بھائی کا گوشت کھانے سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس آیت سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ جو آسمانی سلسلہ بنتا ہے۔ ان میں غیبت کرنے والے بھی ضرور ہوتے ہیں اور اگر یہ بات نہیں ہے تو پھر یہ آیت بے کار جاتی ہے۔ اگر مومنوں کو ایسا ہی مطہر ہونا تھا اور ان سے کوئی بدی سرزد نہ ہوتی۔ تو پھر اس آیت کی کیا ضرورت تھی؟ بات یہ ہے کہ ابھی جماعت کی ابتدائی حالت ہے۔ بعض کمزور ہیں جیسے سخت بیماری سے کوئی اُٹھتا ہے۔ بعض میں کچھ طاقت آگئی ہے۔ پس چاہیئے کہ جسے کمزوری پاوے اسے خفیہ نصیحت کرے۔ اگر نہ مانے تو اس کے لئے دعا کرے اور اگر دونو باتوں سے فائدہ نہ ہو تو قضا و قدر کا معاملہ سمجھے۔ جب خدا تعالیٰ نے ان کو قبول کیا ہوا ہے تو تم کو چاہیئے کہ کسی کا عیب دیکھ کر سردست جوش نہ دکھلایا جاوے۔ ممکن ہے کہ وہ درست ہو جاوے۔ قطب اور ابدال سے بھی بعض وقت کوئی عیب سرزد ہو جاتا ہے بلکہ لکھا ہے القطب قد یزنی کہ قطب سے بھی زنا ہو جاتا ہے۔ بہت سے چور اور زانی آخر کار قطب اور ابدال بن گئے۔ جلدی اور عجلت سے

[1] الحجرات ۱۳

کسی کو ترک کر دینا ہمارا طریق نہیں ہے۔ کسی کا بچہ خراب ہو تو اس کی اصلاح کے لئے وہ پوری کوشش کرتا ہے۔ ایسے ہی اپنے کسی بھائی کو ترک نہ کرنا چاہیئے۔ بلکہ اس کی اصلاح کی پوری کوشش کرنی چاہیئے۔ قرآن کریم کی یہ تعلیم ہرگز نہیں ہے کہ عیب دیکھ کر اسے پھیلاؤ اور دوسروں سے تذکرہ کرتے پھرو بلکہ وہ فرماتا ہے۔ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَ تَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَۃِ[1]۔ کہ وہ صبر اور رحم سے نصیحت کرتے ہیں۔ مرحمہ یہی ہے کہ دوسرے کے عیب دیکھ کر اسے نصیحت کی جاوے اور اس کے لئے دعا بھی کی جاوے۔ دعا میں بڑی تاثیر ہے اور وہ شخص بہت ہی قابلِ افسوس ہے کہ ایک کے عیب کو بیان تو سو مرتبہ کرتا ہے لیکن دعا ایک مرتبہ بھی نہیں کرتا۔ عیب کسی کا اس وقت بیان کرنا چاہیئے جب پہلے کم از کم چالیس دن اس کے لئے رو رو کر دعا کی ہو۔ سعدی نے کہا ہے ؎ خدا داند بپوشد۔ ہمسایہ نداند وخروشد۔ خدا تعالےٰ تو جان کر پردہ پوشی کرتا ہے مگر ہمسایہ کو علم نہیں ہوتا اور شور کرتا پھرتا ہے۔ خدا تعالےٰ کا نام ستّار ہے تمہیں چاہیئے کہ تخلقو باخلاق اللہ بنو۔ ہمارا یہ مطلب نہیں ہے کہ عیب کے حامی بنو بلکہ یہ کہ اشاعت اور غیبت نہ کرو کیونکہ کتاب اللہ میں جیسا آگیا ہے تو یہ گناہ ہے کہ اس کی اشاعت اور غیبت کی جاوے۔ شیخ سعدی کے دو شاگرد تھے۔ ایک ان میں سے حقائق و معارف بیان کیا کرتا تھا۔ دوسرا جلا بھُنا کرتا تھا۔ آخر پہلے نے سعدی سے بیان کیا کہ جب میں کچھ بیان کرتا ہوں تو دوسرا جلتا ہے اور حسد کرتا ہے۔ شیخ نے جواب دیا کہ ایک نے راہ دوزخ کی اختیار کی کہ حسد کیا اور تو نے غیبت کی۔ غرضکہ یہ سلسلہ چل نہیں سکتا جب تک رحم، دعا، ستّاری اور مرحمہ آپس میں نہ ہو۔

(البدر جلد ۳ نمبر ۲۶ صفحہ ۴ مورخہ ۸ جولائی ۱۹۰۴ء)

نیز (الحکم جلد ۸ نمبر ۲۳، ۲۴ صفحہ ۹، ۱۰ مورخہ ۱۷، ۲۴ جولائی ۱۹۰۴ء)

---

[1] البلد : ۱۸

۲۱؍جون ۱۹۰۴ء

## منکر وفاتِ مسیح سے قسم کن الفاظ میں لی جائے

حضرت اقدس کے ایک مخلص حواری نے عرض کی کہ وزیر آباد میں ایک حافظ صاحب ہیں۔ وہ اس بات پر آمادہ ہیں کہ وہ قسم کھا کر کہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام اسی جسد عنصری کے ساتھ آسمان پر زندہ موجود ہیں۔ اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ

جو شخص دلیری کر کے شوخی کی راہ سے فتنہ ڈالتا ہے خدا اس سے خود سمجھ لیتا ہے۔ اگر اُس کو قسم کھانی ہے تو تین باتوں کی قسم کھائے۔ **ایک** تو یہ کہ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي[1] میں سے مسیح کی وفات ہرگز ثابت نہیں ہوتی اور یہاں توفیتنی کے وہ معنے ہرگز نہیں ہیں جو کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت اس لفظ کے معنے کئے جاتے ہیں۔

**دُوسری** یہ بات ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت مسیح کو معراج کی شب میں اُن تمام انبیاء کی طرح نہیں دیکھا جو کہ وفات پاچکے ہیں بلکہ دوسرے انبیاء کی ارواح کے خلاف حضرت مسیح کو معراج کی شب میں اس ہیئت اور شکل میں پایا جس سے اُن کا بجسد عنصری زندہ ہونا ثابت ہوتا ہے

**تیسری** یہ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات پر صحابہ کا اجماع جو آیت ما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل[2] کے ان معنوں پر ہوا تھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پیشتر جس قدر نبی گذرے وہ سب فوت ہو چکے ہیں۔ یہ بات غلط ہے کیونکہ ان تینوں باتوں میں اللہ تعالیٰ کا قول، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی رؤیت اور صحابہ کا اجماع سب آجاتا ہے۔ پس ان تینوں باتوں پر وہ قسم کھا دے اور **چوتھی** بات یہ بھی ملا لے کہ ہم مفتری ہیں اور ۲۴ سال سے جو الہامات ہم سنا رہے ہیں یہ خدا تعالیٰ پر افترا باندھتے ہیں۔ اور قسم میں یہ بھی کہے کہ اگر اس میں میں نے کوئی بدنیتی کی ہے یا ایسی بات بیان کی ہے جو کہ میرے ذہن میں نہیں ہے تو **اس کا وبال مجھ پر نازل ہو**۔

فرمایا

---

[1] المائدۃ: ۱۱۸ [2] آل عمران: ۱۴۵

اگر یہ لوگ منہاج نبوت کو معیار ٹھہرا دیں تو آج فیصلہ ہوتا ہے

اس مقام پر نواب محمد علی خاں صاحب نے عرض کی کہ ایک شخص نے مجھ سے حضور کے بارے میں بحث کرنی چاہی۔ میں نے اُسے کہا کہ اول تم سب کتابیں حضرت مرزا صاحب کی مطالعہ کرو اگر اس میں سمجھ نہ آوے تو ایک ماہ قادیان چل کر رہو اور وہاں مرزا صاحب کے حالات وغیرہ کو آنکھ سے دیکھو۔ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری رہنمائی کرے۔ ۱۴۰۱

## طاعون کی موت پر اعتراض

فرمایا کہ

اگر ہمارا کوئی مرید طاعون سے مرجاتا ہے تو اس پر اعتراض کرتے ہیں۔ حالانکہ خدا تعالیٰ کے کلام میں یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ صرف بیعت کرنے والا ہی اس سے محفوظ رہے گا۔ بلکہ اس نے ایک دفعہ مجھے مخاطب کر کے فرمایا الّذین اٰمنوا ولم یلبسوا ایمانھم بظلم[1]۔ یعنی بقدر دعویٰ کے ایمان میں کسی قسم کا ظلم نہ ہو۔ خدا تعالیٰ کے ساتھ پوری وفا، پورا صدق اور اخلاص کا معاملہ ہو اور اس کی شناخت کامل ہو تو وہ شخص اس آیت کا مصداق ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ ایسی بات ہے کہ جس کو سوائے خدا تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جان سکتا کہ آیا فلاں شخص میں پورا صدق و اخلاص ہے کہ نہیں۔ بعض وقت ایک انسان کے حق میں موت ہی اچھی ہوتی ہے۔ کہ خدا تعالیٰ اسے اس ذریعہ سے آئندہ لغزش سے بچا لیتا ہے (جیسے بعض کافروں کے حق میں زندگی اس لئے بہتر ہوتی ہے کہ ان کو آئندہ ایمان نصیب ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی بعض مومن کے حق میں موت اس لئے بہتر ہوتی ہے کہ اگر وہ زندہ رہتا تو کافر ہو جاتا) کہ اس کا خاتمہ کفر پر نہ ہو

یہ طاعون اس قسم کی ہے جیسے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو کفار کے عذاب کا وعدہ تھا لیکن پھر صحابہ کرامؓ نے بھی آخر اس سے حصہ لیا اور اکثر شہید ہوئے۔ کفر کا استیصال ان کی شہادت کا ثبوت ہے پس اسی طرح یہاں بھی استیصال کفر ہوگا۔

---

[1] الانعام: ۸۳

# صد حسین است در گریبانم

ایک صاحب نے جو کہ بیعت شدہ ہیں، عرض کی کہ بعض لوگ صرف اس لئے بیعت سے پرہیز کرتے ہیں کہ حضور نے حضرت امام حسینؓ سے بڑے ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ جیسے کہ یہ شعر مذکورہ بالا ہے۔ ایک شخص نے مجھ پر بھی یہ اعتراض کیا مگر چونکہ مجھے اس کی حقیقت معلوم نہ تھی اس لئے میں ساکت ہو گیا۔

فرمایا کہ

اول انسان کو اطمینان قلب ہونا چاہیئے کہ آیا جس کو میں نے قبول کیا ہے وہ راستباز ہے کہ نہیں۔ مختصر کیفیت اس کی یہ ہے کہ جب انسان ایک دعویٰ کا مصدق ہوتا ہے۔ اور دعویٰ بھی ایسا ہو کہ اس کی بنا پر کوئی اعتراض نہ قائم ہوتا ہو تو اس قسم کے شکوک کا دروازہ خود ہی بند ہو جاتا ہے۔ مثلاً میرا دعویٰ ہے کہ میں وہ مسیح ہوں جس کا وعدہ قرآن شریف اور حدیث میں دیا گیا ہے۔ اب جب تک کوئی میرے اس دعوے کا مصدق نہیں ہے تب تک اس کو حق ہے کہ ادنیٰ سے ادنیٰ نیک آدمی کے مقابل پر بھی وہ ہم پر اعتراض کرے۔ لیکن اگر کوئی بیعت کر کے دعویٰ کی تصدیق کرتا ہے کہ میں ہی سچا ہوں تو وہ پھر اعتراض کیوں کرتا ہے۔ (اُسے چاہیئے تھا کہ بیعت سے پیشتر اس بات کا اطمینان حاصل کرتا کہ آیا آپ سچے ہیں کہ نہیں)[1] اس قسم کے معترضین سے سوال کرنا چاہیئے کہ جس مسیح کے وہ منتظر ہیں۔ آیا وہ اُن کے نزدیک از روئے اعتقاد حسینؓ سے افضل ہے کہ نہیں؟ اگر وہ اُسے افضل قبول کرتا ہے تو پھر ہم تو کہتے ہیں کہ ہم وہی ہیں۔ پہلے ہمارا وہی ہونا فیصلہ کرے پھر اعتراض خود بخود رفع ہو جائے گا۔

یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ کے فیوض بے انتہا ہیں جو اُن کو محدود کرتا ہے وہ اصل میں خدا کو محدود کرتا ہے اور اس کی کلام کو عبث قرار دیتا ہے۔ وہی بتلا دے کہ اھدنا الصراط المستقیم

[1] حاشیہ۔ بریکٹ میں جو فقرات درج ہوتے ہیں یہ ڈائری نویس کی اپنی عبارت اور اپنا خیال ہوتا ہے۔ جسے وہ بغرض تشریح خطوط وحدانی میں لکھ دیتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (خاکسار مرتب)

صراط الذین انعمت علیھم[۱] میں جب وہ انہی کمالات اور انعامات کو طلب کرتا ہے جو کہ سابقین پر ہوئے تو اب ان کو محدود کیسے مانتا ہے؟ اگر وہ محدود ہیں اور بقول شیعہ بارہ امام تک ہی رہے تو پھر سورہ فاتحہ کو نماز میں کیوں پڑھتا ہے۔ وہ تو اس کے عقیدہ کے خلاف تعلیم کر رہی ہے اور خدا کو ملزم گردانتی ہے کہ ایک طرف تو وہ خود ہی کمالات کو بارہ امام تک ختم کرتا ہے اور پھر لوگوں کو قیامت تک ان کے طلب کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ دیکھو مایوس ہونا مومن کی شان نہیں ہوتی اور ترقیات اور مراتب قرب کی کوئی حد بست نہیں ہے۔ یہ بڑی غلطی ہے کہ کسی فرد خاص پر ایک بات قائم کر دی جاوے۔ خدا تعالیٰ نے جیسا خاص طور پر ذکر کر دیا اور احادیث میں آگیا کہ فلاں زمانہ میں مسیح موعود ہوگا اور اس کی علامات، اس کا کام، اس کے حالات سب بتلا دیئے تو اب ہم سے یہ سوال کیوں ہوتا ہے کہ تم حسین رضؓ سے افضل کیوں بنتے ہو۔ کیا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہیں فرمایا ہے کہ مسیح موعود حسین سے افضل نہ ہوگا بلکہ کمتر ہوگا۔ ایسے معترضوں کو تم یہ جواب دو کہ ہم تو مسیح موعود مان چکے ہیں۔ اب تم اس امر کا ثبوت دو کہ آیا وہ امام حسین رضؓ سے کم ہوگا یا برابر یا افضل؟ بجز توہمات کے اُن کے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ جیسے ایک لاہوری شیعہ نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور دیگر کُل انبیاء نے صرف حسین کی وجہ سے ہی نجات پائی ہے۔

خدا تعالیٰ کا جو معاملہ میرے ساتھ ہے اور وہ میرے ساتھ کلام کرتا ہے ایسا کوئی الہام حسین کا تو پیش کرو۔ میں تو اپنی وحی پر ویسے ہی ایمان لاتا ہوں جیسے کہ قرآن شریف اور توریت کے کلام الٰہی ہونے پر۔ زیادہ سے زیادہ یہ لوگ امام حسین رضؓ کی فضیلت میں بعض ظنی احادیث پیش کریں گے اور میں وہ پیش کرتا ہوں کہ جو یقینی ہے اور پھر خدا کا کلام ہے۔ بطور تنزل کے میں اگر مان لوں کہ حسین رضؓ کے ساتھ بھی خدا تعالیٰ کا مکالمہ ویسا ہی تھا جیسے کہ میرے ساتھ ہے تو پھر ان کے الہامات کا اور میرے الہامات کا مقابلہ کرو اور دیکھو کہ بڑھ چڑھ کر کس کا کلام ہے۔ اور اگر تم میرے الہامات کو ظنی مانتے ہو تو امام حسینؓ کے الہامات تو پہلے ہی

[۱] الفاتحۃ: ۷

سے ظنی ہیں۔ پس دونو ظنی الہاموں کا مقابلہ کرکے دیکھ لو۔ خدا تعالیٰ نے جو مراتب میرے بیان کئے ہیں (مثلاً انت منی بمنزلۃ عرشی۔ انت منی بمنزلۃ لا یعلمھا الخلق۔ انت منی بمنزلۃ توحیدی و تفریدی۔ انت منی بمنزلۃ اولادی۔ انت منی و انا منک) کیا امام حسینؓ کے یہی مراتب بیان ہوئے ہیں؟ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں نہ امام حسینؓ کا نام لیا اور نہ یزید کا۔ اگر ذکر کیا ہے تو زید کا ذکر کیا ہے۔ یا بعض مفسروں نے ایک صحابی سجل کا لکھا ہے جس کا ذکر قرآن شریف میں ہے۔ اس طرح سے دو صحابہ کا ذکر قرآن شریف میں ہوا ہے اور جو ہمیں مفتری سمجھتا ہے اور مفتری سمجھ کر پھر یہ اعتراض کرتا ہے تو اول وہ ہمارے افترا پر بحث کرے کہ آیا افترا ہے کہ نہیں۔

(البدر جلد ۳ نمبر ۲۲-۲۳ صفحہ ۳ و ۴ مورخہ ۸، ۱۶ جون ۱۹۰۴ء)[سلہ]

---

## ۲۰ جون ۱۹۰۴ء

### بمقام گورداسپور

امریکہ اور یورپ کی حیرت انگیز ایجادات کا ذکر ہو رہا تھا۔ اسی میں یہ ذکر بھی آگیا۔ کہ دودھ اور شوربا وغیرہ جو کہ ٹینوں میں بند ہو کر ولایت سے آتا ہے بہت ہی نفیس اور ستھرا ہوتا ہے اور ایک خوبی ان میں یہ ہوتی ہے کہ ان کو بالکل ہاتھ سے نہیں چھوا جاتا دودھ تک بھی بذریعہ مشین دوہا جاتا ہے۔ اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔

---

سلہ شاید کسی کے دل میں یہ سوال پیدا ہو کہ ۲۰ جون کی ڈائری ۸، ۱۶ جون کے پرچہ میں کیسے شائع ہوگئی تو واضح ہو کہ پرچہ دیر کے بعد شائع ہوا جیسا کہ ایڈیٹر صاحب کی طرف سے ڈائری کے آخر میں یہ نوٹ موجود ہے۔ "کاتب کی مشکلات بدستور موجود ہونے کی وجہ سے اخبار میں دیر ہو رہی ہے ان مشکلات کو اپنی ذاتی مشکلات جان کر امید ہے کہ ناظرین رنجیدہ خاطر نہ ہوں گے" (خاکسار مرتب)

# طعام اہلِ کتاب پر فیصلہ کُن تقریر

چونکہ نصاریٰ اس وقت ایک ایسی قوم ہوگئی ہے جس نے دین کی حدود اور اس کے حلال و حرام کی کوئی پرواہ نہیں رکھی اور کثرت سے سؤر کا گوشت اُن میں استعمال ہوتا ہے اور جو ذبح کرتے ہیں اس پر بھی خدا کا نام ہرگز نہیں لیتے بلکہ جھٹکے کی طرح جانوروں کے سر جیسا کہ سُنا گیا ہے علیحدہ کر دیئے جاتے ہیں۔ اس لئے شُبہ پڑ سکتا ہے کہ بسکٹ اور دودھ وغیرہ جو اُن کے کارخانوں کے بنے ہوئے ہوں اُن میں سؤر کی چربی اور سؤر کے دودھ کی آمیزش ہو۔ اس لئے ہمارے نزدیک ولایتی بسکٹ اور اس قسم کے دودھ اور شوربے وغیرہ استعمال کرنے بالکل خلاف تقویٰ اور ناجائز ہیں۔ جس حالت میں کہ سؤر کے پالنے اور کھانے کا عام رواج ان لوگوں میں ولایت میں ہے تو ہم کیسے سمجھ سکتے ہیں کہ دوسری اشیائے خوردنی جو کہ یہ لوگ تیار کر کے ارسال کرتے ہیں ان میں کوئی نہ کوئی حصہ اس کا نہ ہوتا ہو۔

اس پر ابوسعید صاحب المعروف عرب صاحب تاجر برنج رنگون نے ایک واقعہ حضرت اقدس کی خدمت میں یوں عرض کیا کہ رنگون میں بسکٹ اور ڈبل روٹی بنانے کا ایک کارخانہ انگریزوں کا تھا۔ وہ ایک مسلمان تاجر نے قریب ڈیڑھ لاکھ روپے کے خرید لیا۔ جب اس نے حساب و کتاب کی کتابوں کو پڑتال کر کے دیکھا تو معلوم ہوا کہ سؤر کی چربی بھی اس کارخانہ میں خریدی جاتی رہی ہے۔ دریافت پر کارخانہ والوں نے بتایا کہ ہم اُسے بسکٹ وغیرہ میں استعمال کرتے ہیں کیونکہ اس کے بغیر یہ چیزیں لذیذ نہیں ہوتیں اور ولایت میں بھی یہ چربی ان چیزوں میں ڈالی جاتی ہے۔ اس واقعہ کے سُننے سے ناظرین کو معلوم ہو سکتا ہے کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خیال کس قدر تقویٰ اور باریک بینی پر تھا۔ لیکن چونکہ ہم میں سے بعض ایسے بھی تھے جن کو اکثر سفر کا اتفاق ہوا ہے اور بعض بھائی افریقہ وغیرہ دور دراز امصار و بلاد میں ابتک موجود ہیں جن کو اس قسم کے دودھ اور بسکٹ وغیرہ کی ضرورت پیش آ سکتی ہے اس لئے اُن کو بھی مدِ نظر رکھ کر دوبارہ اس مسئلہ کی نسبت دریافت

کیا گیا۔ نیز اہل ہنود کے کھانے کی نسبت عرض کیا گیا کہ یہ لوگ بھی اشیاء کو بہت غلیظ رکھتے ہیں اور ان کی کڑاہیوں کو اکثر کتّے چاٹ جاتے ہیں۔ اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ

ہمارے نزدیک نصاریٰ کا وہ طعام حلال ہے جس میں شبہ نہ ہو اور از روئے قرآن مجید وہ حرام نہ ہو۔ ورنہ اس کے یہی معنے ہوں گے کہ بعض اشیاء کو حرام جان کر گھر میں تو نہ کھایا مگر باہر نصاریٰ کے ہاتھ سے کھا لیا۔ اور نصاریٰ پر ہی کیا منحصر ہے اگر ایک مسلمان بھی مشکوک الحال ہو تو اُس کا کھانا بھی نہیں کھا سکتے۔ مثلاً ایک مسلمان دیوانہ ہے اور اسے حرام وحلال کی خبر نہیں ہے۔ تو ایسی صورت میں اس کے طعام یا تیار کردہ چیزوں پر کیا اعتبار ہو سکتا ہے۔ اسی لئے ہم گھر میں ولایتی بسکٹ نہیں استعمال کرنے دیتے بلکہ ہندوستان کی ہندو کمپنی کے منگوایا کرتے ہیں۔

عیسائیوں کی نسبت ہندوؤں کی حالت اضطراری ہے کیونکہ یہ کثرت سے ہم لوگوں میں مل جل گئے ہیں اور ہر جگہ انہیں کی دوکانیں ہوتی ہیں۔ اگر مسلمانوں کی دوکانیں موجود ہوں۔ اور سب شئے وہاں ہی سے مل جاوے تو پھر البتہ ان سے خوردنی اشیاء نہ خریدنی چاہئیں۔ علاوہ ازیں میرے نزدیک اہل کتاب سے غالباً مراد یہودی ہی ہیں کیونکہ وہ کثرت سے اس وقت عرب میں آباد تھے اور قرآن شریف میں بار بار خطاب بھی انہیں کو ہے اور صرف توریت ہی کتاب اس وقت تھی جو کہ حلّت اور حرمت کے مسئلے بیان کر سکتی تھی اور یہود کا اس پر اس امر میں جیسے عملدرآمد اس وقت تھا ویسے ہی اب بھی ہے۔ انجیل کوئی کتاب نہیں ہے۔

اس پر ابوسعید صاحب عرب نے عرض کی کہ اھل الکتاب میں کتاب پر الف لام بھی اس کی تخصیص کرتا ہے جس سے یہ مسئلہ اَور بھی واضح ہو گیا۔

## دجّال شخص واحد بھی ہو سکتا ہے

خواجہ کمال الدین صاحب نے عرض کی کہ دجال کے متعلق جو کچھ حضور نے بیان فرمایا ہے

وہ بالکل حق ہے لیکن ایک دن میرے ذہن میں یہ بات گذری کہ دجال ایک شخص واحد بھی گذرا ہے اور اس وقت جو دجال موجود ہے وہ اس کا ظلّ اور اثر ہے کیونکہ موجودہ عیسویت دراصل وہ عیسویت نہیں ہے جو حضرت مسیح نے تعلیم کی۔ بلکہ یہ پولوس کا مذہب ہے جس نے ہرایک حرام کو حلال کر دیا اور کفارہ وغیرہ کے مسئلہ کی بدعت ایجاد کی اور اس کی ایک آنکھ ہی تھی۔ پس آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ اس کا حُلیہ بیان کیا ہے ممکن ہے کہ مکاشفہ میں آپ کو وہی دکھایا گیا ہو اور اس کے متبعین نے ہی یہ تمام ایجادیں کی ہیں جس کو دجّال کی صفت اور کارناموں کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے۔ حضرت اقدس نے فرمایا۔

ہاں ایسا بھی ہو سکتا ہے

## تقدیرِ معلّق و مبرم

صدقات وخیرات سے بلا کے ٹلنے کا ذکر ہوا۔ اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ

ہاں یہ بات ٹھیک ہے۔ اس پر لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ تقدیر کے دو حصے کیوں ہیں۔ تو جواب یہ ہے کہ تجربہ اس بات پر شاہد ہے کہ بعض دفعہ سخت خطرناک صورتیں پیش آتی ہیں۔ اور انسان بالکل مایوس ہو جاتا ہے لیکن دعا و صدقات وخیرات سے آخرکار وہ صورت ٹل جاتی ہے۔ پس آخر یہ ماننا پڑتا ہے کہ اگر معلق تقدیر کوئی شئے نہیں ہے اور جو کچھ ہے مبرم ہی ہے تو پھر دفع بلا کیوں ہو جاتا ہے؟ اور دعا و صدقہ خیرات وغیرہ کوئی شئے نہیں ہے۔ بعض ارادے الٰہی صرف اس لئے ہوتے ہیں کہ انسان کو ایک حد تک خوف دلایا جاوے اور پھر صدقہ[۱] وخیرات

---

۱؎ الحکم میں ہے۔

"صدقہ۔ صدق سے لیا گیا ہے۔ جب کوئی شخص خدا تعالےٰ کی راہ میں صدقہ دیتا ہے تو معلوم ہوا کہ خدا سے صدق رکھتا ہے۔ دوسرا دُعا۔ دعا کے ساتھ قلب پر سوز وگداز اور رقت پیدا

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جب وہ کرے تو وہ خوف دُور کر دیا جاوے۔ دعا کا اثر مثل نر و مادہ کے ہوتا ہے کہ جب وہ شرط پوری ہو اور وقت مناسب مل جاوے اور کوئی نقص نہ ہو تو ایک امر ٹل جاتا ہے۔ اور جب تقدیر مبرم ہو تو پھر ایسے اسباب دعا کی قبولیت کے بہم نہیں پہنچتے۔ طبیعت تو دعا کو چاہتی ہے مگر توجہ کامل میسر نہیں آتی اور دل میں گداز پیدا نہیں ہوتا۔ نماز سجدہ وغیرہ جو کچھ کرتا ہے اس میں بدمزگی پاتا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انجام بخیر نہیں اور تقدیر مبرم ہے۔

اس مقام پر ایک شخص نے عرض کی کہ جب نواب محمد علی خانصاحب کا صاحبزادہ سخت بیمار ہوا تھا تو جناب کو اس قسم کا الہام ہوا کہ تقدیر مبرم ہے اور موت مقدر ہے۔ لیکن پھر حضور کی شفاعت سے وہ تقدیر مبرم ٹل گئی۔ آپ نے فرمایا کہ

سید عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالےٰ عنہ بھی لکھتے ہیں کہ بعض وقت میری دعا سے تقدیر مبرم ٹل گئی ہے۔ اس پر شارح شیخ عبد الحق محدث دہلی نے اعتراض کیا ہے کہ تقدیر مبرم تو ٹل نہیں سکتی پھر اس کے کیا معنے ہوئے۔ آخر خود ہی جواب دیا ہے کہ تقدیر مبرم کی دو اقسام ہیں۔ ایک مبرم حقیقی اور ایک مبرم غیر حقیقی۔ جو مبرم حقیقی ہے وہ تو کسی صورت سے ٹل نہیں سکتی ہے۔ جیسے کہ انسان پر موت تو آتی ہے۔ اب اگر کوئی چاہے کہ اس پر موت نہ آوے اور یہ قیامت تک زندہ رہے تو یہ نہیں ٹل سکتی۔ دوسری غیر حقیقی وہ ہے جس میں مشکلات اور مصائب انتہائی درجہ تک پہنچ چکے ہوں اور قریب قریب نہ ٹلنے کے نظر آویں۔ اس کا نام مجازی طور پر مبرم رکھا گیا ہے۔ ورنہ حقیقی مبرم تو ایسی ہے کہ اگر کُل انبیاء بھی مل کر دعا کریں کہ وہ ٹل جاوے تو وہ ہرگز نہیں ٹل سکتی۔

---

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔

ہوتی ہے۔ دعا میں ایک قربانی ہے۔ صدق اور دعا اگر یہ دو باتیں میسر آجاویں تو اکسیر ہیں" (الحکم جلد ۸ نمبر ۲۲ صفحہ ۱۲ مورخہ ۱۰ر جولائی ۱۹۰۴ء)

فرمایا کہ

صبح کو یہ فقرہ الہام ہوا

"خدا تیری ساری مرادیں پوری کر دے گا"

## رؤیا میں فرشتے دیکھنا

فرشتوں کا ذکر چل پڑا کہ یہ خواب میں ہمیشہ خوبصورت لڑکوں کی صورت و شکل میں نظر آتے ہیں۔ اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے چند ایک سابقہ رؤیا بیان فرمائے جن کو ہم اس نیت سے درج کر دیتے ہیں کہ اُن میں سے اگر کوئی شائع نہیں ہوا تو اب ہو جائے۔

### رؤیا

ایک فرشتہ ایک چبوترہ پر بیٹھا ہے اور ایک عجیب روٹی نان کی مثل چمکتی ہوئی اس کے ہاتھ میں ہے وہ روٹی بہت ہی عمدہ اور اعلیٰ قسم کی نظر آتی ہے۔ مجھے وہ روٹی دے کر کہتا ہے کہ یہ تمہارے لئے اور تمہارے ساتھ کے درویشوں کے لئے ہے۔ اس رؤیا کو عرصہ قریباً ۳۰ سال کا ہوگیا ہوگا۔

### رؤیا ثانی

فرمایا

ایک فرشتہ کو میں نے ۲۰ برس کے نوجوان کی شکل میں دیکھا۔ صورت اس کی مثل انگریزوں کے تھی اور میز کرسی لگائے ہوئے بیٹھا ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ آپ بہت ہی خوبصورت ہیں۔ اس نے کہا۔ ہاں میں درشنی آدمی ہوں۔ یہ رؤیا کوئی ۲۵ برس کا ہوگا۔[1]

---

[1] (الحکم سے) **ایک مزید رؤیا**

حاشیہ: "اس سلسلہ کی بنیاد سے پہلے میں نے دیکھا جب مرزا صاحب فوت ہوئے ہیں میں اصل

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

عادت اللہ یہی ہے کہ جب انسان امن کے زمانہ میں ہو اور وہ گذر جاوے۔ اور اس اثناء میں کوئی رجوع خدا تعالیٰ کی طرف حقیقی اور اخلاص سے نہ کیا ہو تو پھر خطرناک زمانہ میں واویلا شور مچانا اس کے کام نہیں آیا کرتے۔ یہ تو وہی فرعون کی مثال ہوئی کہ جب ڈوبنے لگا تو کہا کہ اب میں موسیٰ اور ہارون کے خدا پر ایمان لایا۔ مشکل یہ ہے کہ دنیاداروں کو اُن کے اپنے سلسلوں اور پیچ در پیچ معاملات سے ہرگز فرصت نہیں ہے کہ وہ رُوح کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوں اور خدا کا خوف بھی محسوس کریں۔ اگر کچھ خوف ہے تو گورنمنٹ کا اور امید ہے تو اسباب سے یا اپنے مکر و فریب سے۔ اس زمانہ میں جو توکل کا نام لے وہ دیوانہ اور مخبوط الحواس ہے۔ اس کا نام مسلوب العقل رکھا جاتا ہے۔ یہ انسان کی خوش قسمتی ہے کہ قبل از نزول بلا وہ تبدیلی کرلے۔ لیکن اگر کوئی تبدیلی نہیں کرتا اور اس کی نظر اسباب اور مکر و حیلہ پر ہے تو سوائے اس کے کہ وہ اپنے ساتھ گھر بھر کو تباہ کر دے اور کیا انجام بھوگ سکتا ہے کیونکہ مرد گھر کا کشتی بان ہوتا ہے۔ اگر وہ ڈوبے گا تو کشتی بھی ساتھ ہی ڈوبے گی۔ اسی لئے کہا ہے الرجال قوامون علے النساء[1]۔ اسی کی رستگاری کے ساتھ اس کے اہل و عیال کی رستگاری ہے اور وَ لا یخاف عقبٰھا[2] سے ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ نے کو ان کے پسماندوں کی کوئی پروا نہیں ہے۔ اس وقت اس کی بے نیازی کام کرتی ہے۔

(البدر جلد ۳ نمبر ۲۷ صفحہ ۳ و ۴ مورخہ ۱۶ر جولائی ۱۹۰۴ء)

---

**۱۷ جولائی ۱۹۰۴ء**

"مکان موجودہ سلطان احمد والے میں ایک دالان میں بیٹھا ہوں۔ مغربی کوٹھڑی سے ایک برقع پوش عورت نکلی اور مجھے کہنے لگی۔ میں اس گھر سے جانے کو تھی مگر تیرے واسطے رہ گئی۔

جوان عورت اگر خواب میں دیکھی جاوے تو اس سے مراد دنیا کے اقبال اور فتوحات ہوتے ہیں خواہ کسی قوم کی ہو۔"

(الحکم جلد ۸ نمبر ۲۲ صفحہ ۱۲ مورخہ ۱۰ر جولائی ۱۹۰۴ء)

---

[1] النساء: ۳۵ [2] الشمس: ۱۶

۳؍جولائی ۱۹۰۴ء

بمقام قادیان شریف

## غرباء کی دلجوئی

شام کا وقت تھا۔ بعد نماز مغرب مختلف بلاد سے جو لوگ زیارت اور بیعت سے شرف یاب ہونے کے لئے آئے ہوئے تھے۔ مثل پروانہ حضرت پر گر رہے تھے۔ اکثر حصہ ان میں سے دیہات والوں کا تھا۔ جگہ کی تنگی اور مردمان کی کثرت دیکھ کر بعض نے کہا کہ لوگو پیچھے ہٹ جاؤ۔ حضرت جی کو تکلیف ہوتی ہے۔

اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ

کس کو کہا جاوے کہ تم پیچھے ہٹو۔ جو آتا ہے اخلاص اور محبت لے کر آتا ہے۔ سینکڑوں کوس کے سفر کر کے یہ لوگ آتے ہیں۔ صرف اس لئے کہ کوئی دم صحبت حاصل ہو اور انہیں کی خاطر خدا تعالیٰ نے سفارش کی ہے اور فرمایا ہے۔ ولا تصعر لخلق اللہ ولا تسئم من الناس۔ یہ صرف غریبوں کے حق میں ہے کہ جن کے کپڑے میلے ہوتے ہیں اور ان کو چنداں علم بھی نہیں ہوتا۔ خدا تعالیٰ کا فضل ہی ان کی دستگیری کرتا ہے۔ کیونکہ امیر لوگ تو عام مجلسوں میں خود ہی پوچھے جاتے ہیں اور ہر ایک اُن سے با اخلاق پیش آتا ہے۔ اس لئے خدا تعالےٰ نے غریبوں کی سفارش کی ہے جو بیچارے گمنام زندگی بسر کرتے ہیں۔

---

## وجودی کہاں سے پیدا ہوئے

ایک شخص نے سوال کیا کہ ہمارے شہر میں وجودی فرقہ کے لوگ کثرت سے ہیں۔ اور ذبیحہ وغیرہ انہیں کے ہاتھ سے ہوتا ہے۔ کیا اس کا کھانا حلال ہے کہ نہیں؟ فرمایا کہ

بہت تجسس کرنا جائز نہیں ہے۔ موٹے طور پر جو انسان مشرک یا فاسق ہو۔ اس سے پرہیز کرو۔ عام طور پر اس طرح تجسس کرنے سے بہت سی مشکلات درپیش آتی ہیں۔ جو ذبیحہ اللہ کا نام لے کر کیا جاوے اور اس میں اسلام کے آداب مدنظر ہوں وہ خواہ کسی کا ہو۔

جائز ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ

طبعاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وجودی پیدا کہاں سے ہوئے۔ قرآن شریف اور اسلام میں تو ان کا پتہ نہیں ملتا مگر غور سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو صرف دھوکا لگا ہوا ہے۔ جو راستباز اکابر گذرے ہیں وہ اصل میں فنائے نظری کے قائل تھے۔ اس کے یہ معنے ہیں کہ انسان ہر ایک فعل اور حرکت اور سکون میں توجہ اللہ کی طرف رکھے اور اس قدر فانی اس میں ہو کہ گویا اور کسی شئے کی قدرت اور حرکت بذاتہٖ اُسے نظر نہ آوے۔ ہر ایک شئے کو فانی جان لے اور اس قدر تصرف الٰہی اُسے نظر آوے کہ بلا ارادۂ الٰہی کے اور کچھ نہیں ہو رہا۔ اسی مسئلہ میں غلطی واقع ہو کر آخر فنا وجودی تک نوبت آگئی اور یہ کہنے لگے کہ سوائے خدا کے اور کوئی شئے نہیں ہے۔ اپنے آپ کو بھی خدا ماننے لگے۔ اس خیال سے یہ مذہب پھیلا ہے کہ فنارِ نظری کے شوق میں اولیار اللہ سے کچھ ایسے کلمات نکلے ہیں کہ جن کی اُلٹی تاویل کر کے یہ وجودی فرقہ بن گیا ہے۔ فنارِ نظری تک انسان کا حق ہے کہ محبوب میں اور اپنے آپ میں کوئی جُدائی نہ سمجھے اور ؎

من تو شدم تو من شدی۔ من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

کا مصداق ہو۔ کیونکہ محب اور محبوب کا علاقہ فنارِ نظری کا تقاضا کرتا ہے اور ہر ایک سالک کی راہ میں ہے کہ وہ محبوب کے وجود کو اپنا وجود جانتا ہے لیکن فنارِ وجودی ایک من گھڑت بات ہے جسے ذوق شوق، محبت، صدق اور وفا اور اعمالِ صالحہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ فنارِ نظری کی مثال وہی ہے جو ماں اور بچے کی ہے کہ اگر کوئی بچے کو تکلی مارے تو درد ماں کو ہوتا ہے۔ سخت تعلق جو محبت کا ہے یہ اس سے بھی درد ناک ہے اور یہ ایک سچی اور حقیقی محبت ہوتی ہے لیکن وجُودی کا مدعا جھوٹا ہے۔ یہ وہ کرے جو خدا تعالیٰ پر محیط ہو۔ وجُودی چونکہ ترکِ

ادب کا طریق اختیار کرتا ہے۔ اس لئے طاعت، محبت، عبادت الٰہی سے محروم رہتا ہے۔

(البدر جلد ۳ نمبر ۲۷ صفحہ ۴ مورخہ ۱۶ جولائی ۱۹۰۴ء)

نیز (الحکم جلد ۸ نمبر ۲۵-۲۶ صفحہ ۱۱ مورخہ ۳۱ جولائی و ۱۰ اگست ۱۹۰۴ء)

۸ جولائی ۱۹۰۴ء۔ احاطہ عدالت

# دنیوی تکالیف و مصائب

فرمایا۔

جن کو اللہ تعالیٰ دنیا میں تکالیف دیتا ہے اور جو لوگ خود خدا تعالیٰ کے لئے دکھ اُٹھاتے ہیں۔ اُن دونوں کو خدا تعالیٰ آخرت میں بدلہ دے گا۔ دنیا تو چلنے کا مقام ہے۔ رہنے کا نہیں۔ اگر کوئی شخص سارے سامان خوشی کے رکھتا ہے تو خوشی کا مقام نہیں۔ یہ سب آرام اور دُکھ ختم ہونے والے ہیں اور اس کے بعد ایک ایسا جہان آنے والا ہے جو دائمی ہے۔ جو لوگ اس مختصر جہاں میں انسانی بناوٹ میں فرق اور کمی بیشی دیکھ کر دوسرے جنم کے گناہوں اور عملوں پر محمول کر لیتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ وہ یہ معلوم نہیں کرتے کہ آخرت کا ایک بڑا جنم آنے والا ہے اور جن کو خدا تعالیٰ نے پیدائش میں کوئی نقص عطا کیا ہے اور جن لوگوں نے اپنے آپ کو خود بخود خدا تعالیٰ کی رضا مندی حاصل کرنے کے لئے دُکھوں میں ڈال دیا ہے ان دونوں کو وہاں چل کر بدلہ ملے گا۔ یہ جہان تو تخم ریزی کا جہان ہے اور ایسے موقع حاصل کرنے کے واسطے ہے جن سے خدا تعالیٰ راضی ہو۔

بعض لوگ اپنے عملوں سے خدا کو راضی کرتے اور بعض اپنے آپ کو تکالیف میں ڈال کر خدا کو راضی کرتے ہیں۔ ایک شخص کے دو خدمتگار ہیں۔ ایک کو وہ ایسے کام اور سفر پر روانہ کرتا ہے کہ جہاں اس کو سواری مل سکتی اور راستہ بھی سایہ دار اور ٹھنڈا ہے اور ہر طرح کا آرام ہے۔ دوسرے خدمتگار کو ایسی طرف روانہ کرتا ہے جس راستہ میں نہ تو سواری

مل سکتی اور نہ سایہ ہے بلکہ پیدل چلنا اور سخت گرمی اور دھوپ اور لُو کا سامنا ہے۔ مگر وہ جانتا ہے کہ جس کو جتنی تکلیف ہوگی اس کو اتنا ہی بدلہ اور عوض خدمت دُوں گا۔ پس پھر ان دونوں خدمتگاروں کو اپنے سفر پر کیا اعتراض ہے۔ اسی طرح لنگڑے، اندھے، اپاہج، غریب، فقیر وغیرہ لوگ جو خدا تعالیٰ نے پیدا کئے ہیں اُن کو جب اس آخری جہان میں چل کر بدلہ ملنا ہے تو کیا ضرورت ہے کہ ہم گوناگوں جنم مان لیں اور اس بڑے اور حقیقی جنم سے اعراض کریں۔ جو دُکھ اللہ تعالیٰ نے دیئے ہیں۔ وہ تو ثواب حاصل کرنے کو دیئے ہیں۔ جبکہ وہ رحم کرنے والا ہے تو کسی کو کسی طرح اور کسی کو کسی طرح بدلہ دیتا اور دیتا رہے گا۔ پس اپاہج اور اندھے وغیرہ کو اپنی ان نقائص خلقت کا بدلہ قیامت میں مل جاوے گا۔ پھر یہ بھی ممکن ہے کہ ایک شخص شاہی گھر میں پیدا ہوا ہے اور سارے سامان عیش و نشاط مہیا ہیں پر وہ باریک در باریک دکھوں اور مصیبتوں میں مبتلا ہے اور وہ شخص جو گدائی اور فقیری حیثیت میں بھیک مانگتا پھرتا ہے ایسے سُکھوں میں ہو کہ اس امیرزادے کو کبھی میسّر نہیں۔ پھر کیا کہیں دولت والے کو یہ حکم دیا ہے کہ اس سے عیاشی کر بلکہ یہ حکم دیا ہے کہ غریب بھائی کی طرح عبادت کر۔ بہرحال یہ دنیا چند روزہ ہے۔ انسان کیا سمجھتا ہے کہ میری عمر کس قدر ہے۔ جنم کی شکی بات کو قبول کرنا عقل کا کام ہرگز نہیں۔ انسان جب پیدا ہوتا اور اپنی عمر طبعی پوری کرکے مرجاتا ہے تو کبھی کسی نے اس شخص کو اس جہان میں واپس آتے ہوئے نہیں دیکھا۔ مثلاً بڑے بڑے عالم اور فاضل مرجاتے ہیں تو انہوں نے واپس آکر کبھی نہیں بتلایا کہ میں نے پچھلے جنم میں فلاں علم حاصل کیا تھا۔ ہزاروں جنم پائے اور علم و عمل حاصل کرتا رہا مگر جب واپس آیا وہ پہلے علم و عمل ضائع ہوتے رہے۔ جس طرح وہ واپس آکر سب علوم بُھلا دیتا بلکہ یہاں کا پہلا آنا بھی اس کو یاد نہیں رہتا تو وہاں کیا یاد رکھے گا اور نجات کس طرح حاصل کرے گا جو لوگ تناسخ کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ مکتی گیان سے ہوگی مگر کروڑ دفعہ کے جنم سے ایک حرف تک ان کو یاد نہیں رہتا اور جب آتا ہے خالی ہاتھ ہی آتا ہے کچھ تو ساتھ لاوے۔ اگر کچھ

ساتھ نہیں لاتا تو گیان کیا ہوا۔

غرض جس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شخص کے ہاتھ پاؤں سرد ہو گئے ہیں۔ دم بند ہوگیا ہے۔ آنکھیں پتھرا گئی ہیں اور رُوح رخصت ہوگیا ہے۔ اسی طرح تم اس کے واپس آنے کا ثبوت پیش کرو۔ تو ہم مان لیتے ہیں۔ واپس آنے کا ثبوت تو یہی تھا کہ اپنے کسی گیان کو ساتھ لے آتا۔ مگر یہ بیہودہ خیال ہے کہ وہ کسی گیان کو ساتھ لاوے۔ پس بغیر ثبوت کے ہم کیسے مان سکتے ہیں۔ بڑا مولوی اور بڑا پنڈت بن کر اس جگہ سے رخصت ہوا تھا۔ واپس آ کر کچھ بھی یاد نہیں۔ جب وہاں جا کر سب کچھ بھول آتا ہے تو کس طرح معلوم ہو کہ یہ دوسرا جنم لے کر آیا ہے۔ اگر صرف اس کمی بیشی کو پورا کرنے کے واسطے جنم ماننا ہے تو ہم یوں کیوں نہ مان لیں کہ جس طرح یہاں تکلیف اُٹھاتا ہے اسی طرح وہ[1] خدا تعالےٰ اس کو اعلیٰ سے اعلیٰ بدلہ عطا نہیں کر سکتا؟ مثلاً دیانند مرگیا ہے[2]۔ آجاوے تو ہم اس کو اس طرح شناخت کر سکیں گے کہ ستیارتھ پرکاش کا یا وید کا کچھ حصہ ہمیں پڑھ کر سُنا دیوے۔ پڑھا ہوا آدمی تو اگر بھینس کی شکل میں بھی آجاوے تو چاہیئے کہ وہ بھینس بھی طوطے کی طرح بولے۔ ہاں صوفیوں نے بھی یہ لکھا ہے۔ ؎

ہمچو سبزہ بارہا روئیدہ ام
ہفت صد ہفتاد قالب دیدہ ام

مگر اس کے کچھ اور معنے ہیں۔ یعنی جب انسان خدا تعالےٰ کی طرف ترقی کرنے لگتا ہے تو پہلے اس کی حالت بہت ابتر ہوتی ہے۔ جس طرح ایک بچہ آج پیدا ہوا ہے تو اس میں صرف دودھ چوسنے ہی کی طاقت ہوتی ہے اور کچھ نہیں۔ پھر جب غذا کھانے لگتا ہے تو آہستہ آہستہ غصہ،

---

[1] البدر میں یہ فقرہ یوں درج ہے:۔ (البدر جلد ۳ نمبر ۲ صفحہ ۲ مورخہ ۱۹ جولائی ۱۹۰۴ء)
"اسی طرح کیا وہ خدا تعالیٰ اس کو اعلیٰ سے اعلیٰ بدلہ عطا نہیں کر سکتا۔"

[2] البدر میں ہے:۔ "اگر آجاوے" (حوالہ مذکور)

کینہ، خود پسندی، نخوت علیٰ ہذا القیاس۔ سب باتیں اس میں ترقی کرتی جاتی ہیں۔ اور دن بدن جُوں جُوں اس کی غذائیت بڑھتی جاتی ہے شہوات اور طرح طرح کے اخلاق ردیہ اور اخلاق فاضلہ زور پکڑتے جاتے ہیں اور اسی طرح ایک وقت پر اپنے پورے کمال انسانی پر جا پہنچتا ہے اور یہی اس کے جسمانی جنم ہوتے ہیں۔ یعنی کبھی کُتے، کبھی سؤر، کبھی بندر، کبھی گدھے، کبھی شیر وغیرہ جانوروں کے اخلاق اور صفات اپنے اندر پیدا کرتا جاتا ہے گویا کل مخلوقات الارض کی خاصیت اس کے اندر ہوتی جاتی ہے۔ اسی طرح جب اللہ تعالیٰ کے ساتھ سلوک کا راستہ چاہے گا تو یہ ساری خاصیتیں اس کو طے کرنی پڑیں گی اور یہی تناسخ اصفیاء نے مانا ہے اور اس کا اسلام اور قرآن بھی اقراری ہے۔ غالباً یہی تناسخ ہنود میں بھی تھا۔ مگر بے علمی سے دھوکہ لگ گیا اور سمجھ اُلٹی ہوگئی۔ مگر دنیا میں جس بات کو کوئی شخص مان بیٹھا ہے وہ اس کو چھوڑ نہیں سکتا۔ ورنہ یہ ہونا چاہیئے تھا کہ راستی کو دریافت کرکے ناراستی کو چھوڑ دیتے مگر یہاں ضد، تعصب اور ہٹ دھرمی ماننے نہیں دیتی۔

مکھیاں شہد بناتیں۔ ریشم کا کیڑا ریشم بناتا۔ موتی کا کیڑا موتی بناتا۔ بیل، گھوڑے، گائے، جونک وغیرہ ہر ایک چیز انسان کے واسطے فائدہ مند ہے۔ اگر سب چیزیں اتفاقی ہیں۔ اور خدا تعالیٰ نے حکمت سے پیدا نہیں کیں تو پھر ایک وقت پر اپنا جنم پورا کرکے کُل گائیں، کُل مکھیاں، کُل گھوڑے وغیرہ سب جانور انسان بن جانے چاہئیں۔ تو پھر یہ چیزیں اور نعمتیں ایک وقت آنے پر دنیا سے نابود ہو جانی چاہئیں۔ مگر جب تک انسان موجود ہے ان چیزوں کی اشد ضرورت ہے۔ پانی اور ہوا میں بھی کیڑے ہیں۔ پھلوں اور اناجوں میں بھی کیڑے ہیں جن کے بغیر انسان کبھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ پس یا تو تناسخ مانو یا خدا تعالےٰ کی حکمت مانو مگر چونکہ انسان کا ان چیزوں کے سوائے گذارہ ہرگز نہیں ہو سکتا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ ساری پیدائش حکمت الٰہی پر مبنی ہے۔ والسلام۔

(الحکم جلد ۸ نمبر ۲۲ صفحہ ۱۲ مورخہ ۱۰ر جولائی ۱۹۰۴ء)

نیز (البدر جلد ۳ نمبر ۲۸ صفحہ ۷ مورخہ ۱۶ر جولائی ۱۹۰۴ء)

## ۱۸ر جولائی ۱۹۰۴ء

### بمقام گورداسپور

مہر نبی بخش المعروف عبد العزیز نمبردار بٹالہ نے عرض کیا کہ میں علاقہ بار سے صرف اس خیال پر آیا ہوں کہ ایک تفسیر قرآن لکھوں جس سے لوگوں کے شکوک اور غلط معانی کی اصلاح کروں۔ اگر آپ مجھے امداد دیں تو میں موجودہ ثابت شدہ فلسفہ کے مطابق ترجمہ کرکے دکھلاؤں۔ فرمایا:۔

ہمارا مشرب تو کسی سے نہیں ملتا۔ ہم تو جو کچھ خدا سے پاتے ہیں خواہ اس کو عقل اور فلسفہ مانے یا نہ مانے ہم اس کو ضرور مانتے اور اس پر ایمان لاتے ہیں۔ البتہ اہل عقل سے جو لوگ عقل کی پیروی کرتے ہیں وہ آپ کی بات پر توجہ کریں تو خوب ہے۔ آپ مولوی نورالدین صاحب سے مشورہ لیں۔ آجکل تراجم کثرت سے شائع ہو رہے ہیں کہ مروجہ فلسفہ کی پیروی میں شائع ہوتے ہیں۔ مگر ہمارا مذہب یہ نہیں ہے۔ پر میں تم کو ایک نصیحت کرتا ہوں۔ اس کو ضرور غور سے سُن لو۔ اگر خدا تعالیٰ نے تم سے کوئی ایسا عظیم الشان کام لینا ہوتا تو تمہارا ریہ[1] اور دماغ اچھا بناتا۔ مگر یہ مصلحت الٰہی ہے کہ وہ اچھا نہیں بنایا گیا بلکہ کمزور بنایا گیا ہے۔ ؎

ہر کسے را بہرِ کارے ساختند

تم اپنے آپ کو خوش باش رکھو اور خدا تعالیٰ کی منشاء کے خلاف نہ کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ[2]۔ ہر شخص کرتا اور کر سکتا ہے مگر اپنی بناوٹ پر۔ مثلاً ایک شخص کو تھوڑا ہی صدمہ دیکھ کر غشی لاحق ہو جاتی ہے۔ اب اس کو میدان جنگ میں تلوار دے کر بھیجا جاتا ہے کیا وہ صرف بندوقوں کی آوازیں سنکر ہی نہ مر جاوے گا۔ میں نے خود قادیان میں ایک شخص کو دیکھا ہے کہ اگر وہ بکرا ذبح ہوتا ہوا دیکھ لیتا تو اس کو غش ہو

[1] ریہ پھیپھڑے کو کہتے ہیں۔ (مرتب)

[2] بنی اسرائیل : ۸۵

جاتا تو اگر قصاب کا کام اس کے سپرد کیا جاتا تو اس کا نتیجہ کیا ہوتا؟ آپ ارادہ کرتے ہیں اختلاف مٹانے کا اور دماغ اور ریۂ آپ کا بہت خراب ہے۔ ایسا نہ ہو کہ بیماری مہلک ہو کر تمہارے اندر ہی اختلاف پیدا ہو جاوے۔ انسانی قویٰ تو بیشک ہر شخص کو ملے ہیں مگر مومن ایک سوراخ سے دو دفعہ دھوکہ نہیں کھاتا۔ پس آپ پر اس محنت کا پہلے بداثر ہو چکا ہے۔ آپ کم سے کم پہلے تمام ڈاکٹروں سے دریافت کرلیں کہ آپ اس محنت کے قابل ہیں یا نہیں۔ میں تو بمصداق المستشار مؤتمن کے ایک امین اور مشفق ناصح ہو کر آپ کو صلاح دیتا ہوں کہ آپ کے قویٰ ایسے نہیں کہ اس محنت کو برداشت کرسکیں۔ دوزخ کے سات دروازے ہیں اور بہشت کے آٹھ۔ جس رنگ سے اللہ تعالیٰ چاہے یقین عطا فرما دیوے۔ صحابہ کرامؓ نے علوم فلسفہ وغیرہ کہاں پڑھے تھے۔ جو اسرار الٰہی طبعیات اور فلسفہ وغیرہ میں بھرے پڑے ہیں جو شخص ان سب کو طے کرنا چاہتا ہے وہ جاہل اور بے نصیب رہے گا۔ مثلاً آگ گرم اور مہلک ہے۔ اس بات کو تو ہر شخص دریافت کرسکتا ہے پر جب اس کے دل میں یہ سوال پیدا ہوگا کہ کیوں گرم ہے اور کیوں مہلک ہے تو یہاں فلسفہ ختم ہو جاوے گا۔ پس اسرار الٰہیہ کو حد تک کوئی نہیں پہنچا سکتا۔ ؎

تو کار زمیں کے نکو ساختی

کہ با آسماں نیز پرداختی

پہلے ضرور ہے کہ اپنے گھر اور نفس کی صفائی کرو بعد میں لوگوں کی طرف توجہ کرنا۔

دنیا میں چار موٹی باتیں ماننے کے قابل ہیں۔ ملائکہ۔ رُوح انسانی اور اس کا بقا بعد از مرگ۔ جنّات کا وجود۔ خدا تعالیٰ کا وجود۔ لوگوں نے سب سے پہلے جنّات کا انکار کیا۔ پھر ملائکہ کا۔ پس دو باتوں کو اُڑا کر اپنی اور خدا کی روح کے قائل ہو بیٹھے یعنی کچھ کرنا اور کچھ نہ کرنا۔ اَفتؤمنون ببعض الکتاب و تکفرون ببعض[1]۔ اس میں پھر دہریوں نے ہی کمال کیا ہے کہ کچھ بھی نہ مانو اور سب کا انکار کرو۔

[1] البقرۃ : ۸۶

منشی صاحب مذکور نے سوال کیا کہ قرآن کریم میں بہت سارے لفظ زائد ہوتے ہیں۔ اور اُن کے معنے نہیں کئے جاتے ایسا نہیں ہونا چاہیئے۔ فرمایا

قرآن کریم بلکہ ہر زبان میں قرائن ہوتے ہیں اور یہ ایسے بہت سارے محاورے ہوتے ہیں۔ آپ کو صرف و نحو سے واقفیت نہیں۔

منشی صاحب نے کہا کہ میں نے صرف و نحو کو خوب پڑھا ہے۔ فرمایا

موجودہ مروجہ صرف و نحو ناقص ہے اور آپ نے صرف و نحو کو کمال تک بھی نہیں پہنچایا۔ ہر ایک زبان کا ایک خاص محاورہ ہوتا ہے۔ جب تک انسان کی مادری زبان نہ ہو یا اس زبان میں اتنا کمال نہ ہو کہ مشبہ بہ مادری ہو جاوے تب تک وہ اس کو سمجھ نہیں سکتا۔ پس اس امر کو زبان کے واقفوں سے دریافت کرو۔ اور دیکھو قومی محاورات میں کوئی اہل علم اعتراض نہیں کر سکتا۔

پھر سوال کیا کہ بعض لفظ لکھنے میں آتے اور پڑھنے میں نہیں آتے۔ فرمایا۔

انگریزی زبان ہی کو لے لو اس میں بھی بہت ایسے حروف ہیں جو لکھنے میں تو آتے ہیں، پر پڑھنے میں نہیں آتے۔ میں پھر یہی کہوں گا کہ آپ کو صرف و نحو کی واقفیت بالکل نہیں۔ یہ باتیں عمر کھا کے حاصل ہوتی ہیں۔ آپ کی عمر اس وقت آرام چاہتی ہے اور خیال آپ کو یہ لگ گیا ہے۔ پھر مجھے اس بات کا بھی ڈر ہے کہ کہیں آپ یہ نہ کہہ دیں کہ مجھے قرآن کی خدمت سے روک دیا ہے۔ بہرحال میں تو پھر بھی یہی کہوں گا اور بطور نصیحت کہوں گا کہ راحت سے زندگی بسر کرو۔ آپ کا ریٹہ بہت خراب ہے کوئی مہلک بیماری نہ ہو جاوے۔ ہاں ان لوگوں کے واسطے دعا کر چھوڑو کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت دیوے۔ مخلوق کے تم ٹھیکیدار نہیں۔ اپنے آپ کو مشکلات میں نہ ڈالو اور نہ تمہارے قویٰ خدا تعالیٰ نے اس لائق بنائے ہیں۔ میں تو ہمیشہ آپ کو یہی کہوں گا اور یہی نصیحت کروں گا۔ آئندہ آپ کو اختیار ہے۔ والسلام۔

(الحکم جلد ۸ نمبر ۲۳-۲۴ صفحہ ۱۶ مورخہ ۱۷-۲۴ جولائی ۱۹۰۴ء)

# عرش

عرش کے متعلق سوال ہوا۔ آپ نے اپنی تقریر کے اس حصہ کا اعادہ فرمایا جو کہ قبل ازیں کئی دفعہ شائع ہو چکی ہے۔ اور فرمایا کہ

عرش کی نسبت مخلوق اور غیر مخلوق کا جھگڑا عبث ہے۔ احادیث سے اس کا جسم کہیں ثابت نہیں ہوتا۔ ایک قسم کے علو کے مقام کا اظہار عرش کے لفظ سے کیا گیا ہے اگر اُسے جسم کہو تو پھر خدا کو بھی مجسّم کہنا چاہیئے۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ اس کو علو جسمانی نہیں کہ جس کا تعلق جہات سے ہو بلکہ یہ رُوحانی علو ہے۔

عرش کی نسبت مخلوق اور غیر مخلوق کی بحث بھی ایک بدعت ہے جو کہ پیچھے ایجاد کی گئی۔ صحابہؓ نے اس کو مطلق نہیں چھیڑا۔ تو اب یہ لوگ چھیڑ کر نافہم لوگوں کو اپنے گلے ڈالتے ہیں۔ لیکن عرش کے اصل معنے اس وقت سمجھ میں آ سکتے ہیں جبکہ خدا تعالیٰ کے دوسری تمام صفات پر بھی ساتھ ہی نظر ہو۔

(الحکم جلد ۸ نمبر ۲۵-۲۶ صفحہ ۱۷ مورخہ ۳۱ جولائی، ۱۰ اگست ۱۹۰۴ء)

نیز (البدر جلد ۳ نمبر ۲۸ صفحہ ۶ مورخہ ۲۴ جولائی ۱۹۰۴ء)

---

۱۲ جولائی ۱۹۰۴ء۔ بمقام گورداسپور

# متفرق اقوال

ایسی ہوا چلی ہے کہ گناہ کا چھوڑنا عیب خیال کرتے ہیں۔ اور جب کوئی گناہ کو چھوڑنا چاہتا ہے تو اُسے ایک حسرت ہوتی ہے کہ اب یہ ہاتھ سے گیا۔ اگر خدا تعالیٰ کی عظمت کو مدنظر رکھ کر بھی گناہ کیا جاوے تو بھی اس کا بوجھ ہلکا ہو جاوے لیکن اس کا خیال کسے ہے۔

(الحکم جلد ۸ نمبر ۲۵-۲۶ صفحہ ۱۷ مورخہ ۳۱ جولائی، ۱۰ اگست ۱۹۰۴ء)

نیز (البدر جلد ۳ نمبر ۲۸ صفحہ ۶ مورخہ ۲۴ جولائی ۱۹۰۴ء)

## ۲۵ جولائی ۱۹۰۴ء

بمقام گورداسپور

# مسئلہ تعظیم قبلہ

سوال ہوا کہ اگر قبلہ شریف کی طرف پاؤں کر کے سویا جاوے تو جائز ہے کہ نہیں؟

فرمایا کہ

یہ ناجائز ہے کیونکہ تعظیم کے برخلاف ہے۔

سائل نے عرض کی کہ احادیث میں اس کی ممانعت نہیں آئی۔ فرمایا کہ

یہ کوئی دلیل نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص اسی بناء پر کہ حدیث میں ذکر نہیں ہے اور اس لئے قرآن شریف پر پاؤں رکھ کر کھڑا ہوا کرے تو کیا یہ جائز ہو جاوے گا؟ ہرگز نہیں۔ (ومن یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب[1])

(الحکم جلد ۸ نمبر ۲۵-۲۶ صفحہ ۱۴ مورخہ ۳۱ جولائی و ۱۰ اگست ۱۹۰۴ء)

نیز (البدر جلد ۳ نمبر ۲۸ صفحہ ۶ مورخہ ۲۴ جولائی ۱۹۰۴ء)

---

## ۲۶ جولائی ۱۹۰۴ء

بمقام گورداسپور

# اکرامِ ضیف

اعلیحضرت حجۃ اللہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مہمان نوازی کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح اعلیٰ اور زندہ نمونہ ہیں۔ جن لوگوں کو کثرت سے آپ کی صحبت میں رہنے کا اتفاق ہوا ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ کسی مہمان کو (خواہ وہ سلسلہ میں داخل ہو یا نہ ہو) ذرا سی بھی تکلیف حضور کو بے چین کر دیتی ہے۔ مخلصین احباب کے لئے تو اور بھی آپ کی روح میں جوش شفقت ہوتا ہے۔ اس امر کے اظہار کے لئے ہم ذیل کا ایک واقعہ درج کر

[1] الحج: ۳۳

دیتے ہیں۔

میاں ہدایت اللہ صاحب احمدی شاعر لاہور پنجاب جو کہ حضرت اقدس کے ایک عاشق صادق ہیں۔ اپنی اس پیرانہ سالی میں بھی چند دنوں سے گورداسپور آئے ہوئے تھے۔ آج انہوں نے رخصت چاہی۔ جس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ

**آپ جا کر کیا کریں گے۔ یہاں ہی رہیئے اکٹھے چلیں گے۔ آپ کا یہاں رہنا باعث برکت ہے۔ اگر کوئی تکلیف ہو تو بتلا دو اس کا انتظام کر دیا جاوے۔**

پھر اس کے بعد آپ نے عام طور پر جماعت کو مخاطب کر کے فرمایا کہ

**چونکہ آدمی بہت ہوتے ہیں اور ممکن ہے کہ کسی کی ضرورت کا علم (اہل عملہ کو) نہ ہو اس لئے ہر ایک شخص کو چاہیئے کہ جس شئے کی اُسے ضرورت ہو وہ بلا تکلف کہدے۔ اگر کوئی جان بوجھ کر چھپاتا ہے تو وہ گنہگار ہے۔ ہماری جماعت کا اصول ہی بے تکلفی ہے۔**

بعد ازیں حضرت اقدس نے میاں ہدایت اللہ صاحب کو خصوصیت سے سید سرور شاہ صاحب کے سپرد کیا کہ ان کی ہر ضرورت کو وہ بہم پہنچاویں۔

کل شام کو بعد از نماز مغرب دو نوجوان اکاؤنٹنٹ جنرل آفس لاہور کے کلارک جن میں سے ایک صاحب مسلمان تھے اور ایک عیسائی حضرت کی ملاقات کے لئے تشریف لائے۔ چونکہ مسلمان صاحب کا تعارف جناب مفتی محمد صادق صاحب سپرنٹنڈنٹ تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان سے تھا۔ اس لئے مفتی صاحب نے ان کو حضرت اقدس سے انٹروڈیوس کیا مختصر حالات کے استفسار کے بعد حضور عیسائی نوجوان کی طرف متوجہ ہوئے معلوم ہوا کہ اوّل یہ سکھ مذہب کے تھے اور ان کے والد عیسائی تھے۔ اس پر حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ

**آج کل اگر دنیا کے خدا گنے جاویں تو ایک ضخیم کتاب طیار ہوتی ہے لیکن تعجب ہے کہ سکھ جیسے مذہب کو چھوڑ کر جس میں توحید کی تعلیم ہے۔ آپ نے عیسائی مذہب کو کیسے پسند کیا**

اس کے بعد متفرق طور پر مزاج پُرسی وغیرہ ہوتی رہی اور بروقت رخصت حضور نے فرمایا کہ

ہمیں آپ کی ملاقات سے بہت خوشی ہوئی ہے۔ افسوس ہے کہ قیام بہت تھوڑا ہے۔

(الحکم جلد ۸ نمبر ۲۵، ۲۶ صفحہ ۱۴ مورخہ ۳۱ جولائی، ۱۰ اگست ۱۹۰۴ء)

نیز (البدر جلد ۳ نمبر ۲۸ صفحہ ۶ مورخہ ۲۴ جولائی ۱۹۰۴ء)

---

## بلا تاریخ[1]

ہمارے گھر مرزا صاحب (عالی جناب مرزا غلام مرتضیٰ خان صاحب) پچاس برس تک علاج کرتے رہے۔ وہ اس فن طبابت میں بہت مشہور تھے مگر اُن کا قول تھا کہ کوئی حکمی نسخہ نہیں ملا بحقیقت میں انہوں نے سچ فرمایا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر کوئی ذرہ جو انسان کے اندر جاتا ہے کوئی اثر نہیں کر سکتا۔

---

ایک شخص نے پوچھا کہ حکام اور برادری سے کیسا سلوک کریں؟ فرمایا

ہر ایک سے نیک سلوک کرو۔ حکام کی اطاعت اور وفاداری ہر مسلمان کا فرض ہے۔ وہ ہماری حفاظت کرتے ہیں اور ہر قسم کی مذہبی آزادی ہمیں دے رکھی ہے۔ میں اس کو بڑی بے ایمانی سمجھتا ہوں کہ گورنمنٹ کی اطاعت اور وفاداری سچے دل سے نہ کی جاوے۔

برادری کے حقوق ہیں۔ اُن سے بھی نیک سلوک کرنا چاہیئے۔ البتہ اُن باتوں میں جو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے خلاف ہیں، اُن سے الگ رہنا چاہیئے۔

ہمارا اصول تو یہ ہے کہ ہر ایک سے نیکی کرو اور خدا تعالیٰ کی کل مخلوق سے احسان کرو۔

---

جب اللہ تعالیٰ کا فضل قریب آتا ہے تو وہ دعا کی قبولیت کے اسباب پہنچا دیتا ہے

---

[1] ایڈیٹر صاحب الحکم نے "پُرانی نوٹ بک میں سے کچھ" کے زیرِ عنوان یہ ملفوظات درج کئے ہیں۔ ان پر کوئی تاریخ درج نہیں۔ معلوم ہوتا ہے مختلف تاریخوں کے ہیں۔ (خاکسار مرتب)

دل میں ایک رقّت اور سوز و گداز پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن جب دعا کی قبولیت کا وقت نہیں ہوتا تو دل میں اطمینان اور رجُوع پیدا نہیں ہوتا۔ طبیعت پر کتنا ہی زور ڈالو مگر طبیعت متوجہ نہیں ہوتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کبھی خدا تعالےٰ اپنی قضاء و قدر منوانا چاہتا ہے اور کبھی دعا قبول کرتا ہے۔ اس لئے میں تو جب تک اذنِ الٰہی کے آثار نہ پاؤں قبولیت کی کم امید کرتا ہوں اور اس کی قضاء و قدر پر اس سے زیادہ خوشی کے ساتھ جو قبولیت دعا میں ہوتی ہے راضی ہو جاتا ہوں کیونکہ اس رضا بالقضاء کے ثمرات اور برکات اس سے بہت زیادہ ہیں۔

---

اللہ تعالیٰ پوست کو پسند نہیں کرتا۔ وہ تو رُوحانیت اور مغز کو قبول کرتا ہے۔ اس لئے فرمایا۔ لن ینال اللہ لحومہا و لا دماؤھا و لکن ینالہ التقویٰ منکم[1] اور دوسری جگہ فرمایا انّما یتقبل اللہ من المتقین۔[2]

حقیقت میں یہ بڑی نازک جگہ ہے۔ یہاں پیغمبر زادگی بھی کام نہیں آسکتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بھی ایسا ہی فرمایا۔ قرآن شریف میں بھی صاف الفاظ میں فرمایا ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم۔[3]

یہودی بھی تو پیغمبر زادے ہیں۔ کیا صدہا پیغمبر اُن میں نہیں آئے تھے مگر اس پیغمبر زادگی نے اُن کو کیا فائدہ پہنچایا۔ اگر اُن کے اعمال اچھے ہوتے تو وہ ضُرِبَتْ علیھم الذلّۃ و المسکنۃ[4] کے مصداق کیوں ہوتے۔ خدا تعالےٰ تو ایک پاک تبدیلی کو چاہتا ہے۔ بعض اوقات انسان کو تکبرِ نسب بھی نیکیوں سے محروم کر دیتا ہے اور وہ سمجھ لیتا ہے کہ میں اسی سے نجات پاؤں گا۔ جو بالکل خیال خام ہے۔ کبیر کہتا ہے کہ اچھا ہوا میں نے چماروں کے گھر جنم لیا ؎

کبیر اچھا ہوا ہم نیچ بھئے* سب کو کریں سلام

خدا تعالےٰ وفاداری اور صدق کو پیار کرتا ہے اور اعمالِ صالحہ کو چاہتا ہے۔ لاف و گزاف اُسے

*حاشیہ۔ "بھئے" بمعنی "ہوئے" (مرتب)

[1] الحج: ۳۸ [2] المائدۃ: ۲۸ [3] الحجرات: ۱۴ [4] البقرۃ: ۶۲

راضی نہیں کر سکتے۔

---

فرمایا:۔

قرآن شریف تو رفع اختلاف کے لئے آیا ہے۔ اگر ہمارے مخالف رافعك الیّ کے یہ معنے کرتے ہیں کہ مسیح جسم سمیت آسمان پر چڑھ گیا تو وہ ہمیں یہ بتائیں کہ کیا یہود کی یہ غرض تھی؟ اور وہ یہ کہتے تھے کہ مسیح آسمان پر نہیں چڑھا؟ اُن کا اعتراض تو یہ تھا کہ مسیح کا رفع الی اللہ نہیں ہوا۔ اگر رافعك الیّ اس اعتراض کا جواب نہیں تو پھر چاہیئے کہ اس اعتراض کا جواب دیا اور دکھایا جاوے۔

---

ایک مرتبہ کسی نے کہا کہ میں تجارت کے لئے یہاں آنا چاہتا ہوں۔ فرمایا

یہ نیت ہی فاسد ہے۔ اس سے توبہ کرنی چاہیئے۔ یہاں تو دین کے واسطے آنا چاہیئے۔ اور اصلاح عاقبت کے خیال سے یہاں رہنا چاہیئے۔ نیت تو یہی ہو۔ اور اگر پھر اس کے ساتھ کوئی تجارت وغیرہ یہاں رہنے کے اغراض کو پورا کرنے کے لئے ہو تو حرج نہیں ہے۔ اصل مقصد دین ہو نہ دنیا۔ کیا تجارتوں کے لئے شہر موزوں نہیں؟ یہاں آنے کی اصل غرض کبھی دین کے سوا اور نہ ہو۔ پھر جو کچھ حاصل ہو جاوے وہ خدا تعالےٰ کا فضل سمجھو۔

---

بنی نوع انسان کی ہمدردی خصوصاً اپنے بھائیوں کی ہمدردی اور حمایت پر نصیحت فرماتے ہوئے ایک موقعہ پر فرمایا کہ

میری تو یہ حالت ہے کہ اگر کسی کو درد ہوتا ہو اور مَیں نماز میں مصروف ہوں۔ میرے کان میں اس کی آواز پہنچ جاوے تو مَیں تو یہ چاہتا ہوں کہ نماز توڑ کر بھی اگر اس کو فائدہ پہنچا سکتا ہوں تو فائدہ پہنچاؤں اور جہانتک ممکن ہے اس سے ہمدردی کروں۔ یہ اخلاق کے خلاف

ہے کہ کسی بھائی کی مصیبت اور تکلیف میں اس کا ساتھ نہ دیا جاوے۔ اگر تم کچھ بھی اس کے لئے نہیں کر سکتے تو کم از کم دعا ہی کرو۔

اپنے تو درکنار میں تو یہ کہتا ہوں کہ غیروں اور ہندوؤں کے ساتھ بھی ایسے اخلاق کا نمونہ دکھاؤ اور اُن سے ہمدردی کرو۔ لااُبالی مزاج ہرگز نہیں ہونا چاہیئے۔

ایک مرتبہ میں باہر سیر کو جا رہا تھا۔ ایک پٹواری عبدالکریم میرے ساتھ تھا۔ وہ ذرا آگے تھا اور میں پیچھے۔ راستہ میں ایک بڑھیا کوئی ۷۰ یا ۷۵ برس کی ضعیفہ ملی۔ اس نے ایک خط اُسے پڑھنے کو کہا مگر اُس نے اُسے جھڑکیاں دے کر ہٹا دیا۔ میرے دل پر چوٹ سی لگی۔ اس نے وہ خط مجھے دیا۔ میں اُسے لے کر ٹھہر گیا اور اس کو پڑھ کر اچھی طرح سمجھا دیا اس پر اسے سخت شرمندہ ہونا پڑا۔ کیونکہ ٹھہرنا تو پڑا اور ثواب سے بھی محروم رہا۔

---

مجھے بڑے ہی کشف صحیح سے معلوم ہوا ہے کہ ملوک بھی اس سلسلہ میں داخل ہوں گے یہانتک کہ وہ ملوک مجھے دکھلائے بھی گئے ہیں۔ وہ گھوڑوں پر سوار تھے۔ اللہ تعالیٰ ایک زمانہ کے بعد ہماری جماعت میں ایسے لوگوں کو داخل کرے گا اور پھر اُن کے ساتھ ایک دنیا اس طرف رجوع کرے گی۔

(الحکم جلد ۸ نمبر ۲۵-۲۶ صفحہ ۱۳ مورخہ ۳۱ جولائی و ۱۰ اگست ۱۹۰۴ء)

---

# دُعا

دُعا میں جس قدر بیہودگی ہوتی ہے اسی قدر اثر کم ہوتا ہے یعنی اس کی استجابت ضروری نہیں سمجھی جاتی۔ مثلاً ایک شخص ہے کہ اس کا گذارہ ایک دو روپیہ روزانہ میں بخوبی چل سکتا ہے لیکن وہ پچاس روپیہ روزانہ طلب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا سوال بیہودہ ہوگا۔ یہ ضروری امر ہے کہ ضرورت حقہ اللہ تعالیٰ کے آگے پیش کی جاوے۔ جب

کسی کی مصیبت کا خط آتا ہے اور اس میں دعا کی درخواست ہوتی ہے تو دیکھا گیا ہے کہ دل خوب لگ کر دعا کرتا ہے۔ لیکن دوسری بیہودہ درخواستوں میں اس قدر دل نہیں لگتا۔

## طاعون اور دُعا

عام لوگ جو آجکل دفع طاعون کے لئے دعا مانگتے ہیں اس پر آپ نے فرمایا کہ

اس وقت اللہ تعالیٰ اپنی ذات کو منوانا چاہتا ہے۔ نری دعا سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے جبتک کہ عقائد کی اصلاح نہ ہو۔ ایسی دعائیں کیا بُت پرست نہیں مانگتے ؟ پھر اُن میں اور ان میں فرق کیا ہوا؟ بلکہ مجھے خیال آتا ہے واذا سالك عبادی عنّی فانّی قریبٌ[1] کے یہی معنے ہیں کہ اگر سوال ہو کہ خدا کا علم کیونکر ہوا تو جواب یہ ہے کہ اسلام کا خدا بہت قریب ہے۔ اگر کوئی اُسے سچے دِل سے بُلاتا ہے تو وہ جواب دیتا ہے۔ دوسرے فرقوں کے خدا قریب نہیں ہیں بلکہ اس قدر دُور ہیں کہ ان کا پتہ ہی ندارد۔ اعلےٰ سے اعلےٰ غرض عابد اور پرستار کی یہی ہے کہ اس کا قُرب حاصل ہو اور یہی ذریعہ ہے جس سے اس کی ہستی پر یقین حاصل ہوتا ہے۔ اجیب دعوۃ الداع اذا دعانِ[1] کے بھی یہی معنے ہیں کہ وہ جواب دیتا ہے گونگا نہیں ہے۔ دوسرے تمام دلائل اس کے آگے ہیچ ہیں۔ کلام ایک ایسی شئے ہے جو کہ دیدار کے قائمقام ہے۔

---

ایک تحصیلدار صاحب نے گورداسپور میں عرض کی کہ تجربہ ہوا ہے کہ خاص طاعون کے دنوں میں فسق بڑھ جاتا ہے۔ چنانچہ ایک گھر میں پے در پے طاعون کی موتیں ہوتی رہیں اور اس کے ساتھ ہی دیوار بہ دیوار ایک شخص ایک ہفتہ زناکاری میں مبتلا رہا۔ فرمایا کہ

قرآن شریف سے بھی ایسا ثابت ہے جیسے کہ اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا[2] (پ۱۵)۔ یعنی جب اس قسم کے عذاب نازل ہوتے ہیں تو فاسقوں کو ڈھیل دی جاتی ہے کہ وہ ابھی بھر کر فسق کر لیں۔ پھر ان کو ایک ہی دفعہ ہلاک کر دیا جاتا ہے۔

[1] البقرۃ: ۱۸۷ [2] بنی اسرائیل: ۱۷

# مختلف اقوال

خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ کافر وہ ہیں جو حیات دنیا پر راضی ہو گئے اور اطمینان پا گئے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی طرف حرکت کی ضرورت کو وہ بالکل محسوس ہی نہیں کرتے فلا نقیم لہم یوم القیامۃ وزنا[1] میں گناہ کا ذکر نہیں ہے۔ اس کا باعث صرف یہ ہے کہ ان لوگوں نے دنیا کی خواہشوں کو مقدم رکھا ہوا تھا۔ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ لوگ دنیا کا حظ پا چکے۔ وہاں بھی گناہ کا ذکر نہیں بلکہ دنیا کی لذات جن کو خدا تعالیٰ نے جائز کیا ہے اُن میں منہمک ہو جانے کا ذکر ہے۔ اس قسم کے لوگوں کا مرتبہ عند اللہ کچھ نہ ہوگا۔ اور نہ اُن کو عزت کا مقام دیا جائے گا۔ شیریں زندگی اصل میں ایک شیطان ہے جو کہ انسان کو دھوکا دیتی ہے۔ مومن تو خود مصیبت خریدتا ہے۔ ورنہ اگر وہ مداہنہ برتے تو ہر طرح آرام سے رہ سکتا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اگر اس طرح کرتے تو اس قدر جنگیں کیوں ہوتیں۔ لیکن آپ نے دین کو مقدم رکھا اس لئے سب دشمن ہو گئے۔

## سوال

ملازمت پیشہ لوگوں کو عبادت کا بڑا کم وقت ملتا ہے اور وہ دینی خدمات سے بھی محروم رہتے ہیں۔ بعض ایسے ہوتے ہیں کہ اُن کی زندگی آرام میں گذرتی ہے۔ تلخ زندگی کا اُن کو موقعہ ہی نہیں آتا۔ فرمایا کہ

وہ بھی تلخ زندگی کا حصہ ہے کیونکہ معاش کے لئے کرتا ہے اس لئے عبادت کا ثواب پاتا ہے۔ نیک نیتی سے اگر انسان چلے اور نیت یہ ہو کہ بال بچوں کی پرورش اس لئے کرتا ہوں کہ وہ خادم دین ہوں تو اس پر بھی اُسے ثواب ملتا ہے۔

[1] الکھف: ۱۰۶

## انبیاء اور اُن کے دشمن

انبیاء کے دشمنوں کے دو گروہ ہوتے ہیں ایک وہ جو اُن کے مکذب ہوتے ہیں۔ دوسرے وہ جو اُن کو خدا مانتے ہیں۔ اہلِ اسلام کا عقیدہ جو مسیح علیہ السلام کے دوبارہ آنے کا ہے وہ اسی قسم کا ہے کہ یہ لوگ اُن کے مکذب تو نہیں ہیں۔ لیکن ان کو خُدا ضرور مانتے ہیں کہ ہرایک اس کی صفت میں اُسے شریک کیا ہوا ہے۔ حالانکہ اصل بات یہ ہے کہ بعض وقت نبی کو اجتہاد اور تفہیم الہام میں غلطی ہو جاتی ہے۔ یہ غلطی اگر احکام دین کے متعلق ہو تو اُن کو فوراً متنبہ کیا جاتا ہے۔ لیکن دوسرے امور میں ضروری نہیں کہ وہ اطلاع دیئے جاویں۔ پس اس لئے یہ بات ممکن ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو اُن کے دوبارہ آنے کے بارے میں جو الہامات ہوئے خود انہوں نے بھی اسے حقیقی معنوں پر حمل کر لیا ہو کیونکہ ان کا مخطی ہونا تو ثابت ہے اس لئے انجیلوں میں ان کا یہ فقرہ نقل ہوا ہوا معلوم ہوتا ہے کہ ابھی اس زمانہ کے لوگ زندہ ہوں گے کہ میں دوبارہ آجاؤں گا۔ اس قسم کی اجتہادی غلطی کا امکان ہرایک نبی سے ہے۔ اب دیکھو کہ مسیح علیہ السلام سے تو ایک اجتہادی غلطی ہوئی لیکن دوسروں کو کس قدر وبال آیا۔ اگر ان مسلمانوں کو یہ سمجھ ہوتی تو وہ دوسرے نبیوں سے ان کو کیوں زیادہ مرتبہ دیتے۔ مسلمانوں پر یہ بات لازم نہیں ہے کہ وہ انجیل کے الفاظ پر ضرور اڑیں۔ مسیح علیہ السلام کو یہ خاص عزت دیں کہ وہ مخطی نہیں یہ تو اسلام سے خارج ہونا ہے۔

---

## مسائل نماز

سفر گورداسپور میں نماز کے متعلق ذیل کے مسائل میریؒ موجودگی میں حل ہوئے۔

۱۔ ایک مقام پر دو جماعتیں نہ ہونی چاہئیں۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت اقدس ابھی وضو فرما رہے تھے اور مولانا محمد احسن صاحب بوجہ علالتِ طبع نماز کے لئے کھڑے ہو

لہ حاشیہ۔ یعنی ڈائری نویس کی موجودگی میں (مرتب)۔

گئے۔ اُن کا خیال تھا کہ میں معذور ہوں الگ پڑھ لوں۔ مگر چند ایک احباب ان کے پیچھے مقتدی بن گئے اور جماعت ہو گئی۔ جب حضرت اقدس کو علم ہوا کہ ایک دفعہ جماعت ہو چکی ہے اور اب دوسری ہونے والی ہے تو آپ نے فرمایا کہ

ایک مقام پر دو جماعتیں ہرگز نہ ہونی چاہئیں

۲۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضور اقدس اپنی کوٹھڑی میں تھے اور ساتھ ہی کوٹھڑی میں نماز ہونے لگی۔ آدمی تھوڑے تھے ایک ہی کوٹھڑی میں جماعت ہو سکتی تھی۔ بعض احباب نے خیال کیا کہ شاید حضرت اقدس اپنی کوٹھڑی میں ہی نماز ادا کر لیں گے کیونکہ امام کی آواز وہاں پہنچتی ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ

جماعت کے ٹکڑے الگ الگ نہ ہونے چاہئیں بلکہ اکٹھی پڑھنی چاہیئے۔ ہم بھی وہاں ہی پڑھیں گے۔ یہ اس صورت میں ہونا چاہیئے جبکہ جگہ کی قلت ہو۔

۳۔ ڈاکٹر محمد اسمٰعیل خانصاحب گورداسپور میں مقیم تھے اور احمدی جماعت نزیل قادیان بباعث سفر میں ہونے کے نماز جمع کر کے ادا کرتی تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے مسئلہ پوچھا حضرت اقدس نے فرمایا کہ

مقیم پوری نماز ادا کریں

وہ اس طرح ہوتی رہی کہ جماعت کے ساتھ ڈاکٹر صاحب نماز ادا کرتے۔ جماعت دو رکعت ادا کرتی لیکن ڈاکٹر صاحب باقی کی دو رکعت بعد از جماعت ادا کر لیتے۔ ایک دفعہ حضرت اقدس نے دیکھ کر کہ ڈاکٹر صاحب نے ابھی دو رکعت ادا کرنی ہے فرمایا کہ

ٹھہر جاؤ۔ ڈاکٹر صاحب دو رکعت ادا کر لیویں

پھر اس کے بعد جماعت دوسری نماز کی ہوئی۔ ایسی حالت جمع میں سنّت اور نوافل ادا نہیں کئے جاتے۔

۴۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کھڑے ہوئے تھے۔ آپ نے پانی مانگا۔ جب پانی آیا تو

اُسے بیٹھ کر آپ نے پیا اور بھی کئی دفعہ دیکھا گیا ہے کہ پانی وغیرہ آپ ہمیشہ بیٹھ کر ہی پیتے ہیں۔

(البدر جلد ۳ نمبر ۲۹ صفحہ ۳، ۴ مورخہ یکم اگست ۱۹۰۴ء)

## ۷؍اگست ۱۹۰۴ء

### بمقام قادیان۔ بوقت شام۔

شام کی نماز کے بعد چند ایک احباب نے بیعت کی۔ ان میں ایک صاحب ایسے تھے جو کہ اپنے زمانہ جہالت میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو سخت الفاظ سے یاد کرتے اور بہت ہی بُرا بھلا کہتے تھے۔ وہ اپنی ان خطاؤں کی معافی حضرت اقدس علیہ السلام سے طلب کرتے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ توبہ کے بعد اللہ تعالیٰ سب گناہ بخش دیتا ہے۔ اس اثنا میں اس تائب کا دل اپنے گناہوں کو یاد کرکے بھر آیا اور پھُوٹ پھوٹ کر رونے لگ گیا۔ روتا جاتا تھا اور گناہوں کی مغفرت کی دعا بھی کرتا جاتا تھا۔ اس کی اس حالت کو جناب حکیم نورالدین صاحب نے دیکھ کر عرض کی کہ ایسے ہی مذنب ہیں جن کو خدا تعالیٰ بخش دیتا ہے۔ اس پر سلسلہ کلام چل پڑا۔ اور حضرت اقدس نے ذیل کی تقریر شروع کی۔

## ملامتی فرقہ

فرمایا کہ

ذنوب آدمی کو اسی لئے قُرب بخشتے ہیں بشرطیکہ ساتھ توبہ اور استغفار بھی ہو اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خطا اور صغائر میں انبیاء کو بھی شریک کر دیا ہے تاکہ قرب الٰہی کے مراتب میں وہ ترقی کر سکیں۔ فرقہ ملامتی کو میں پسند نہیں کرتا کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کے مقابلہ میں غیر کے وجود کو بڑا خیال کرتے ہیں اور اپنے اعمال صالحہ کو پوشیدہ رکھ کر خلوق کی نظروں میں متہم (جائے تہمت) ہونا چاہتے ہیں۔ یہ اُن کی غلطی ہے۔ دوسرے وجود کو تو لاشئ خیال کرنا

چاہیئے اور کسی کے ضرر اور نفع پر نظر ہرگز نہ رکھنی چاہیئے۔ نہ کسی کی مدح سے پھولے اور دل میں خوش ہو اور نہ کسی کی ذم سے رنجیدہ خاطر ہو۔ سچے موحد وہی ہوتے ہیں جو خدا تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے وجود کو کوئی شئے خیال نہیں کرتے اور یہی وجہ ہے کہ فرقہ ملامتی اس توحید سے گرا ہوا ہے۔ خدا تعالیٰ نے مومنوں کی صفت فرمائی ہے لَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَائِمٍ[1] کہ وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں خوف کھاتے اور صرف اپنے مولا کی رضامندی کو مقدم رکھتے ہیں۔

مومن ایک لاپروا انسان ہوتا ہے۔ اُسے صرف خدا تعالیٰ کی رضامندی کی حاجت ہوتی ہے اور اسی کی اطاعت کو وہ ہردم مدنظر رکھتا ہے۔ کیونکہ جب اس کا معاملہ خدا سے ہے تو پھر اُسے کسی کے ضرر اور نفع کا کیا خوف ہے۔ جب انسان خدا تعالیٰ کے بالمقابل کسی دوسرے کے وجود کو دخل دیتا ہے تو ریا، اور عُجب وغیرہ معاصی میں مبتلا ہوتا ہے۔ یاد رکھو کہ یہ دخل وہی ایک زہر ہے اور کلمہ لا الٰہ الا اللہ کے اوّل جُزو لا الٰہ میں اس کی بھی نفی ہے کیونکہ جب انسان کسی انسان کی خاطر خدا تعالیٰ کے ایک حکم کی بجاآوری سے قاصر رہتا ہے تو آخر اُسے خدا کی کسی صفت میں شریک کرتا ہے تبھی تو قاصر رہتا ہے۔ اس لئے لا الٰہ کہتے وقت اس قسم کے معبودوں کی بھی نفی کرتا ہے۔

صُوفیوں نے اس قسم کے ملامتی لوگوں کے بہت سے قصّے لکھے ہیں۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لکھا ہے کہ آجکل کے فُقرار ریاکار ہوتے ہیں۔ تن کی آسانی کو مدنظر رکھ کر موٹے جھوٹے کپڑے تو پہنتے نہیں اس لئے باریک کپڑوں کو گیرو یا سبز رنگ لیتے ہیں اور اُن کے جبّے پہن کر اپنے کو فقرا مشہور کرتے ہیں۔ مقصود ان کا یہ ہوتا ہے کہ لوگوں سے متمیز ہوں اور عوام الناس خصوصیت سے اُن کی طرف دیکھیں۔ پھر روزہ داروں کا ذکر لکھا ہے کہ کوئی روزہ دار مولوی کسی کے ہاں جاوے اور اُسے مقصود ہو کہ اپنے روزہ کا اظہار کرے تو مالکِ خانہ کے استفسار پر بجائے اس کے کہ سچ بولے کہ میں نے روزہ رکھا ہوا ہے اس کی نظروں میں بڑا نفس کُش

[1] المآئدۃ : ۵۵

ثابت کرنے کے لئے جواب دیا کرتے ہیں کہ مجھے عذر ہے۔ غرضکہ اسی طرح کے بہت سے مخفی گناہ ہوتے ہیں جو اعمال کو تباہ کرتے رہتے ہیں۔ امراء کو کبر اور نخوت لگے رہتے ہیں جو کہ اُن کے عملوں کو کھاتے رہتے ہیں۔ اس لئے بعض غریب آدمی جن کو اس قسم کے خیالات نہیں ہوتے وہ سبقت لے جاتے ہیں۔ ۱۳-۹

غرضکہ ریا وغیرہ کی مثال ایک چوُہے کی ہے جو کہ اندر ہی اندر اعمال کو کھاتا رہتا ہے۔ خدا تعالیٰ بڑا کریم ہے لیکن اس کی طرف آنے کے لئے عجز ضروری ہے۔ جس قدر انانیت اور بڑائی کا خیال اس کے اندر ہوگا خواہ وہ علم کے لحاظ سے ہو، خواہ ریاست کے لحاظ سے، خواہ مال کے لحاظ سے، خواہ خاندان اور حسب نسب کے لحاظ سے، تو اسی قدر پیچھے رہ جاوےگا اسی لئے بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ سادات میں سے اولیاء کم ہوئے ہیں کیونکہ خاندانی تکبر کا خیال ان میں پیدا ہو جاتا ہے۔ قرون اولیٰ کے بعد جب یہ خیال پیدا ہوا تو یہ لوگ رہ گئے۔

اس قسم کے حجاب انسان کو بے نصیب اور محروم کر دیتے ہیں۔ بہت ہی کم ہیں جو ان سے نجات پاتے ہیں۔ امارت اور دولت بھی ایک حجاب ہوتا ہے۔ امیر آدمی کو کوئی غریب سے غریب اور ادنیٰ آدمی السلام علیکم کہے تو اُسے مخاطب کرنا اور وعلیکم السلام کہنا اس کو عار معلوم ہوتا ہے اور خیال گذرتا ہے کہ یہ حقیر اور ذلیل آدمی کب اس قابل ہوتا ہے کہ ہمیں مخاطب کرے۔ اسی لئے حدیث میں آیا ہے کہ غریب امیروں سے پانصد سال پیشتر جنت میں جاویں گے۔ ہمیں معلوم نہیں کہ اس حدیث کے معانی کیا ہیں لیکن ہم ان الفاظ پر ایمان لاتے ہیں۔ اس کا ایک باعث یہ بھی ہے کہ غریبوں کا تزکیہ نفس قضاء قدر نے خود ہی کیا ہوتا ہے۔

## حصول فضل کے دو راہ

یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ کے فضل کے حاصل کرنے کے دو راہ ہیں۔ ایک تو زہد نفس کشی اور مجاہدات کا ہے اور دوسرا قضاء و قدر کا۔ لیکن مجاہدات سے اس راہ کا طے کرنا بہت

مشکل ہے کیونکہ اس میں انسان کو اپنے ہاتھ سے اپنے بدن کو مجروح اور خستہ کرنا پڑتا ہے۔
عام طبائع بہت کم اس پر قادر ہوتی ہیں کہ وہ دیدہ دانستہ تکلیف جھیلیں۔ لیکن قضا و قدر کی
طرف سے جو واقعات اور حادثات انسان پر آ کر پڑتے ہیں وہ ناگہانی ہوتے ہیں اور جب آ
پڑتے ہیں تو قہر درویش بر جانِ درویش ان کو برداشت کرنا ہی پڑتا ہے جو کہ اس کے تزکیہ نفس
کا باعث ہو جاتا ہے جیسے شہدار کو دیکھو کہ جنگ کے بیچ میں لڑتے لڑتے جب مارے جاتے
ہیں تو خدا تعالیٰ کے نزدیک کس قدر اجر کے مستحق ہوتے ہیں۔ یہ درجاتِ قرب بھی ان کو قضاءُ
قدر سے ہی ملتے ہیں۔ ورنہ اگر تنہائی میں اُن کو اپنی گردنیں کاٹنی پڑیں تو شاید بہت تھوڑے ایسے
نکلیں جو شہید ہوں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ غرباء کو بشارت دیتا ہے ولنبلونکم بشیءٍ
من الخوف والجوع ونقص من الاموالِ والانفس والثمرات وبشر الصابرین
الذین اذا اصابتھم مصیبۃٌ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون[1]۔ اس کا یہی مطلب
ہے کہ قضا و قدر کی طرف سے ان کو ہر ایک قسم کے نقصان پہنچتے ہیں اور پھر وہ صبر کرتے
ہیں تو خدا تعالیٰ کی عنایتیں اور رحمتیں ان کے شاملِ حال ہوتی ہیں کیونکہ تلخ زندگی کا حصہ
ان کو بہت ملتا ہے لیکن امراء کو یہ کہاں نصیب۔ امیروں کا تو یہ حال ہے کہ پنکھا چل رہا
ہے۔ آرام سے بیٹھے ہیں۔ خدمتگار چائے لایا ہے اگر اس میں ذرا سا قصور بھی ہے۔ خواہ میٹھا
ہی کم یا زیادہ ہے تو غصہ سے بھر جاتے ہیں۔ خدمت گار پر ناراض ہوتے ہیں۔ بہت غصہ ہو
تو مارنے لگ جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ مقام شکر کا ہے کہ اُن کو ہل جوتنا نہیں پڑا۔ کاشتکاری
کے مصائب برداشت نہیں کئے۔ چولھے کے آگے بیٹھ کر آگ کے سامنے تپش کی شدت
برداشت نہیں کی اور پکی پکائی شئے محض خدا تعالیٰ کے فضل سے سامنے آگئی ہے۔ چاہیئے
تو یہ تھا کہ خدا تعالیٰ کے احسانوں کو یاد کر کے رطب اللسان ہوتے۔ لیکن اس کے سارے
احسانوں کو بھول کر ایک ذرا سی بات پر سارا کیا کرایا رائیگاں کر دیتے ہیں۔ حالانکہ جیسے
وہ خدمتگار انسان ہے اور اس سے غلطی اور بھول ہو سکتی ہے ویسے ہی وہ (امیر) بھی تو

[1] البقرۃ: ۱۵۶-۱۵۷

انسان ہے۔ اگر اس خدمتگار کی جگہ خود یہ کام کرتا ہوتا تو کیا یہ غلطی نہ کرتا؟ پھر اگر ماتحت آگے سے جواب دے تو اس کی اور شامت آتی ہے اور آقا کے دل میں رہ رہ کر جوش اُٹھتا ہے کہ یہ ہمارے سامنے کیوں بولتا ہے اور اسی لئے وہ خدمتگار کی ذلت کے درپے ہوتا ہے حالانکہ اس کا حق ہے کہ وہ اپنی غلطی کی تلافی کے لئے زبان کشائی کرے۔ اس پر مجھے ایک بات یاد آئی ہے کہ سلطان محمود کی (یا ہارون الرشید کی) ایک کنیز تھی۔ اُس نے ایک دن بادشاہ کا بستر جو کیا تو اُسے گدگدا اور ملائم اور پھولوں کی خوشبو سے بسا ہوا پاکر اس کے دل میں آیا کہ میں بھی لیٹ کر دیکھوں تو سہی اس میں کیا آرام حاصل ہوتا ہے۔ وہ لیٹی تو اُسے نیند آگئی۔ جب بادشاہ آیا تو اُسے سوتا پاکر ناراض ہوا۔ اور تازیانہ کی سزا دی۔ وہ کنیز روتی بھی جاتی اور ہنستی بھی جاتی۔ بادشاہ نے وجہ پوچھی تو اُس نے کہا کہ روتی تو اس لئے ہوں کہ ضربوں سے درد ہوتی ہے اور ہنستی اس لئے ہوں کہ میں چند لمحہ اس پر سوئی تو مجھے یہ سزا ملی اور جو اس پر ہمیشہ سوتے ہیں ان کو خدا معلوم کس قدر عذاب بھگتنا پڑے گا۔ پس غریبوں کو ہرگز بے دل نہ ہونا چاہیئے۔ ان کا قدم آگے ہی ہے لیکن وہ کوشش کریں کہ تھوڑی بہت جو کسر ہے وہ نکال دیویں۔ کیونکہ بعض وقت ان لوگوں سے غریبی میں بھی بڑے بڑے گناہ صادر ہو جاتے ہیں۔ صبر نہیں کرتے خدا تعالیٰ کو گالیاں دینے لگ جاتے ہیں۔ معاش کی قلت ہو تو چوری، ڈاکہ اور دوسرے جرائم شروع کر دیتے ہیں۔ ایسی حالتوں میں صبر کرنا چاہیئے اور خدا تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف ہرگز مائل نہ ہونا چاہیئے غربت اور کم رزقی دراصل انسان کو انسان بنانے کے لئے بڑی کیمیا ہے بشرطیکہ اس کے ساتھ اور قصور نہ ہوں۔ جیسے مالداروں میں تکبر اور نخوت وغیرہ پیدا ہو کر ان کے اعمال کو تباہ کر دیتے ہیں ویسے ہی ان میں بے صبری موجب ہلاکت ہوتی ہے۔ اگر غریب لوگ صبر سے کام لیں تو ان کو وہ حاصل ہو جو اور لوگوں کو مجاہدہ سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ خدا تعالیٰ نے اصل میں بڑا احسان کیا ہے کہ انبیاء کے ساتھ غریبی کا حصہ بھی رکھ دیا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم

بکریاں چرایا کرتے تھے۔ موسیٰ نے بکریاں چرائیں۔ کیا امراء یہ کام کر سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا گذر ایک جنگل میں ہوا۔ وہاں کچھ پھلدار درخت تھے۔ چند ایک صحابی جو کہ ہمراہ تھے وہ ان کا پھل توڑ کر کھانے لگے تو آپ نے فرمایا کہ فلاں درخت کا پھل کھاؤ بہت شیریں ہے۔ صحابہؓ نے پوچھا کہ یا حضرت آپ کو کیسے معلوم ہے؟ فرمایا کہ جب میں بکریاں چرایا کرتا تھا تو اس جنگل میں بھی آیا کرتا اور ان پھلوں کو کھایا کرتا تھا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے یہ تجویز نہیں کیا کہ انبیاء شاہی خاندان سے ہوں ورنہ تکبر اور نخوت کا کچھ نہ کچھ حصہ ان میں ضرور رہ جاتا۔ اور پھر نبوت کے بھی دو حصے کر دیئے۔ ایک مصائب اور شدائد کا۔ اور دوسرا فتح و نصرت کا۔ انبیاء کی زندگی کے ان دو حصوں میں بھی الٰہی حکمت تھی۔ ایک تو یہی تھی کہ ان کے اخلاق میں ترقی ہو۔ اور سچی بات یہی ہے کہ جوں جوں نبوت کا زمانہ گذرتا ہے اور واقعات اور حادثات کی صورت بدلتی جاتی ہے انبیاء کی اخلاقی حالت بھی ترقی کرتی جاتی ہے۔ ابتدا میں ممکن ہے کہ غصہ وغیرہ زیادہ ہو۔ اس لئے نبی کی زندگی کا آخری حصہ بہ نسبت پہلے کے بلحاظ اخلاق کے بہت ترقی یافتہ ہوتا ہے۔ اس سے یہ مراد ہرگز نہیں ہے کہ ابتدا میں ان کے اخلاق عام لوگوں سے ترقی یافتہ نہیں ہوتے بلکہ یہ مراد ہے کہ اپنے دائرہ نبوت میں وہ آخری حصہ عمر میں بہت مؤدب ہوتے ہیں ورنہ اُن کی ابتدائی زندگی کا حصہ بھی اخلاق میں توکل لوگوں سے اعلیٰ درجہ کا ہوتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ نبی اگر شدائد اور مصائب سے امن میں رہے تو اُن کی صبر کی قوت کا پتہ لوگوں کو کیسے معلوم ہو۔ پھر بہت سے اخلاق فاضلہ اس قسم کے ہیں کہ وہ صرف نزول مصائب پر ہی حاصل ہوتے ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر خدا تعالیٰ کا بڑا فضل و احسان تھا کہ آپ کو دونو موقع عطا کئے۔ ہر ایک نبی کا یہ کام نہیں کہ وہ ہر ایک رتبہ کے لوگوں کو ایک کامل نمونہ اخلاق کا پیش کر سکے۔ فقیر، غریب اور امیر وغیرہ ہر ایک اس کے چشمہ سے مساوی سیراب ہوں۔ یہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی ذات سے ہے جس نے کُل

ضرورتوں کو پورا کر کے دکھایا۔

فرقہ چکڑالوی نے بھی یہاں ہی ٹھوکر کھائی ہے۔ اس نے یہ نہیں سمجھا کہ بغیر نمونہ کے دوسرا انسان اتباع کیسے پوری کر سکتا ہے ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی[1] کہہ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک طبقہ کے انسان کو مخاطب کیا ہے کہ ہر ایک قسم کا سبق مجھ سے لو۔ اور ظاہر ہے کہ جب تک ایک اُسوہ سامنے نہ ہو۔ انسان عملدرآمد سے قاصر رہتا ہے۔ ہر ایک قسم کے کمال کے حصول کے لئے نمونہ کی ضرورت ہے۔ انسانی طبائع اسی قسم کی واقع ہوئی ہیں کہ وہ صرف قول سے متأثر نہیں ہوتیں جب تک اس کے ساتھ فعل نہ ہو۔ اگر صرف قول ہو۔ تو صدہا اعتراض لوگ کرتے ہیں۔ دین کی باتوں کو سُنکر کہا کرتے ہیں کہ یہ سب باتیں کہنے کی ہیں کون ان کو بجا لا سکتا ہے۔ یونہی بنا چھوڑی ہیں۔ اور ان اعتراضوں کا رد نہیں ہو سکتا جب تک ایک انسان عمل کر کے دکھانے والا نہ ہو۔

دعا کے لئے انسان کو اپنے خیال اور دل کو ٹٹولنا چاہیئے کہ آیا اس کا میلان دنیا کی طرف ہے یا دین کی طرف یعنی کثرت سے وہ دعائیں دنیاوی آسائش کے لئے ہیں یا دین کی خدمت کے لئے۔ پس اگر معلوم ہو کہ اُٹھتے بیٹھتے اور لیٹتے ہوئے اسے دنیاوی افکار ہی لاحق ہیں اور دین مقصود نہیں تو اسے اپنی حالت پر رونا چاہیئے۔ بہت دفعہ دیکھا گیا ہے کہ لوگ کمر باندھ کر حصول دنیا کے لئے مجاہدے اور ریاضتیں کرتے ہیں۔ دعائیں بھی مانگتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طرح طرح کے امراض لاحق ہو جاتے ہیں۔ بعض مجنون ہو جاتے ہیں لیکن سب کچھ دین کے لئے ہو تو خدا تعالیٰ ان کو کبھی ضائع نہ کرے۔ قول اور عمل کی مثال دانہ کی ہے۔ اگر کسی کو ایک دانہ دیا جاوے اور وہ اسے لیجا کر رکھ چھوڑے اور استعمال نہ کرے تو آخر اُسے پڑے پڑے گھُن لگ جاوے گا۔ ایسے ہی اگر قول ہو اور اس پر عمل نہ ہو تو آہستہ آہستہ وہ قول بھی نہ رہے گا۔ اس لئے اعمال کی طرف سبقت کرنی چاہیئے۔

(البدر جلد ۳ نمبر ۳۱ صفحہ ۳ و ۴ مورخہ ۱۶ راگست ۱۹۰۴ء)

---

[1] آل عمران: ۳۲

۹ر اگست ۱۹۰۶ء

بمقام قادیان

## تغیرِ نیت سے اجر باطل ہوجاتا ہے

بعض لوگوں کے ایک مسجد کے تنازعہ پر آپ نے فرمایا۔

خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ زیادہ بزرگ تم میں سے وہ ہے جو تقویٰ میں زیادہ ہے۔ جیسے قرآن شریف میں ہے اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔[1] اور متقیوں کے صفات میں سے ہے کہ وہ بالغیب ایمان لاتے ہیں۔ نمازیں پڑھتے ہیں اور مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ[2] یعنی علم، مال اور دوسرے قویٰ ظاہری اور باطنی جو کچھ دیا ہے۔ سب کو اللہ تعالےٰ کی راہ میں صرف کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے خدا تعالیٰ نے بڑے بڑے وعدے انعام کے کئے ہیں۔

انسان ایک کارِ خیر کے لئے جب نیت کرتا ہے تو اس کو چاہیئے کہ پھر اس میں کسی قسم کا فرق نہ لاوے۔ اگر کوئی دوسرا جو اس میں حصہ لینے والا تھا یا نہ تھا، مزاحم ہو اور بد دیانتی کرے تو بھی اول الذکر کو چاہیئے کہ وہ کسی قسم کا تغیر اپنے ارادہ میں نہ کرے۔ اس کو اس کی نیت کا اجر ملیگا اور دوسرا اپنی شرارت کی سزا پاوے گا۔

دنیا میں لوگوں کو ایک یہ بھی بڑی غلطی لگی ہے کہ دوسرے سے مقابلہ کے وقت یا اُس کی نیت میں فرق آتا دیکھ کر اپنی نیت کو جو خیر پر مبنی ہوتی ہے، بدل دیا جاتا ہے۔ اس طرح سے بجائے ثواب کے عذاب حاصل ہوتا ہے۔ یاد رکھو کہ جو شخص خدا تعالیٰ کے لئے نقصان روا نہیں رکھتا وہ عند اللہ کسی اجر کا بھی مستحق نہیں۔ خدا کے لئے تو جان تک دریغ نہ کرنی چاہیئے۔ پھر زمین وغیرہ کیا شئے ہے۔ جس قدر کوئی دُکھ اُٹھانے کے لئے تیار ہوگا اتنا ہی اُسے ثواب ملے گا۔ اگر کوئی شخص یہ اصول اختیار نہیں کرتا تو اس نے ابھی تک ہمارے سلسلہ کا مطلب اور مقصود ہی نہیں جانا۔ جو لوگ اس جماعت میں داخل ہیں۔ اگر وہ عام لوگوں کے سے اخلاق مروّت اور ہمدردی برتتے ہیں تو اُن میں اور دوسرے لوگوں سے کیا فرق ہوا؟ شریر کی شرارت

[1] الحجرات: ۱۴ [2] البقرۃ: ۴

کو شریر کے حوالہ کرو۔ اور اپنے نیک جوہر دکھاؤ۔ تب تمیز ہو گی۔ دنیاوی تنازعات کے وقت مالی نقصان برداشت کرنے اور جَور نفس سے کام لینے کے سوا چارہ نہیں ہوا کرتا اور نہ انسان کو ہمیشہ اس قسم کے مواقع ہاتھ آتے ہیں کہ وہ فطرت کے یہ نیک جوہر دکھا سکے۔ اس لئے اگر کوئی ایسا موقعہ ہاتھ آجاوے تو اُسے غنیمت خیال کرنا چاہیئے۔

## مساجد کی ضرورت

اس وقت ہماری جماعت کو مساجد کی بڑی ضرورت ہے۔ یہ خانہ خدا ہوتا ہے۔ جس گاؤں یا شہر میں ہماری جماعت کی مسجد قائم ہو گئی تو سمجھو کہ جماعت کی ترقی کی بنیاد پڑ گئی اگر کوئی ایسا گاؤں ہو یا شہر جہاں مسلمان کم ہوں یا نہ ہوں اور وہاں اسلام کی ترقی کرنی ہو تو ایک مسجد بنا دینی چاہیئے پھر خدا خود مسلمانوں کو کھینچ لاوے گا۔ لیکن شرط یہ ہے کہ قیام مسجد میں نیّت بہ اخلاص ہو محض للہ اسے کیا جاوے۔ نفسانی اغراض یا کسی شر کو ہرگز دخل نہ ہو تب خدا برکت دے گا۔

یہ ضروری نہیں ہے کہ مسجد مرصع اور پکی عمارت کی ہو۔ بلکہ صرف زمین روک لینی چاہیئے اور وہاں مسجد کی حدبندی کر دینی چاہیئے اور بانس وغیرہ کا کوئی چھپر وغیرہ ڈال دو کہ بارش وغیرہ سے آرام ہو۔ خدا تعالےٰ تکلفات کو پسند نہیں کرتا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مسجد چند کھجوروں کی شاخوں کی تھی اور اسی طرح چلی آئی۔ پھر حضرت عثمان نے اس لئے کہ ان کو عمارت کا شوق تھا۔ اپنے زمانہ میں اسے پختہ بنوایا۔ مجھے خیال آیا کرتا ہے کہ حضرت سلیمان اور عثمان کا قافیہ خوب ملتا ہے۔ شاید اسی مناسبت سے ان کو ان باتوں کا شوق تھا۔ غرضکہ جماعت کی اپنی مسجد ہونی چاہیئے جس میں اپنی جماعت کا امام ہو اور وعظ وغیرہ کرے۔ اور جماعت کے لوگوں کو چاہیئے کہ سب مل کر اسی مسجد میں نماز باجماعت ادا کیا کریں جماعت اور اتفاق میں بڑی برکت ہے۔ پراگندگی سے پھوٹ پیدا ہوتی ہے۔ اور یہ وقت ہے کہ اس وقت اتحاد اور اتفاق کو بہت ترقی دینی چاہیئے اور ادنیٰ ادنیٰ باتوں کو نظرانداز

کر دینا چاہیئے جو کہ پھوٹ کا باعث ہوتی ہیں۔

## نفسِ لوامہ ہی قابلِ قدر ہے

مولوی تاج محمود صاحب ساکن لالیاں نے بڑھ کر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مصافحہ کیا اور سماز میں سرود اور لذت کے لئے دعا کی درخواست کی۔ فرمایا کہ

دعا کرتے رہو اور کراتے رہو۔ ایک کارڈ روزانہ لکھ دیا کرو کہ دعا یاد آجایا کرے۔ طبیعت پر جبر کر کے جو کام کیا جاتا ہے ثواب اُسی کا ہوتا ہے اور اسی کا نام نفس لوامہ ہے کہ طبیعت آرام کرنا چاہتی ہے اور محبوبات نفسانی کی طرف کھچی جاتی ہے مگر وہ بزور اسے مغلوب کر کے خدا کے احکام کے ماتحت چلاتا ہے اس لئے اجر پاتا ہے۔ ثواب کی حد نفس لوامہ تک ہی ہے اور اسے ہی خدا نے پسند کیا ہے۔ چنانچہ قرآن شریف میں قسم بھی نفس لوامہ کی ہی خدا نے کھائی ہے۔ مطمئنہ کی نہیں کھائی۔ کیونکہ مطمئنہ میں جاکر ثواب نہیں رہتا۔ کیونکہ وہاں کوئی کشاکشی اور جنگ نہیں۔ وہ تو امن کی حالت ہے

## سونے چاندی اور ریشم کا استعمال

عرض کی گئی کہ چاندی وغیرہ کے بٹن استعمال کئے جاویں؟ فرمایا کہ

۳۔۴ ماشہ تک تو حرج نہیں لیکن زیادہ کا استعمال منع ہے۔ اصل میں سونا چاندی عورتوں کی زینت کے لئے جائز رکھا ہے۔ ہاں علاج کے طور پر ان کا استعمال منع نہیں۔ جیسے کسی شخص کو کوئی عارضہ ہو اور چاندی سونے کے برتن میں کھانا طبیب بتلا دے تو بطور علاج کے صحت تک وہ استعمال کر سکتا ہے۔

ایک شخص آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ اُسے جوئیں بہت پڑی ہوئی تھیں۔ آپ نے حکم دیا کہ تو ریشم کا کُرتہ پہنا کر اس سے جوئیں نہیں پڑتیں۔ ایسے ہی خارش والے کے

لئے ریشم کا لباس مفید ہے۔

## سُود

سُود کی بابت پُوچھا گیا کہ بعض مجبوریاں لاحق ہو جاتی ہیں۔ فرمایا کہ

اس کا فتویٰ ہم نہیں دے سکتے۔ یہ بہرحال ناجائز ہے۔ ایک طرح کا سُود اسلام میں جائز ہے کہ قرض دیتے وقت کوئی شرط وغیرہ کسی قسم کی نہ ہو اور مقروض جب قرضہ ادا کرے۔ تو مروّت کے طور پر اپنی طرف سے کچھ زیادہ دے دیوے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کیا کرتے۔ اگر دس روپے قرض لئے تو ادائیگی کے وقت ایک سو تک دے دیا کرتے۔ سُود حرام وہی ہے جس میں عہد معاہدہ اور شرائط اوّل ہی کر لی جاویں۔

(البدر جلد ۳ نمبر ۳۲ صفحہ مورخہ ۲۴ اگست ۱۹۰۴ء)

## ۲۱ اگست ۱۹۰۴ء

بمقام لاہور۔ احاطہ میاں چراغ دین و سراج دین رئیسان لاہور

ظہر کے وقت حضرت اقدس تشریف لائے اور نماز باجماعت ادا کرنے کے بعد احباب کی درخواست پر آپ ایک کُرسی پر رونق افروز ہوئے۔ میاں فیروزالدین صاحب نے آگے بڑھ کر نیاز حاصل کی۔ حضرت اقدس نے چند نصائح فرماتے ہوئے تقریر کا سلسلہ یُوں شروع کیا۔

## گناہ سے بچنے کا ذریعہ خوف ہے

دیکھو یاد رکھنے کا مقام ہے کہ بیعت کے چند الفاظ جو زبان سے کہتے ہو کہ میں گناہ سے پرہیز کروں گا، یہی تمہارے لئے کافی نہیں ہیں اور نہ صرف ان کی تکرار سے خدا راضی ہوتا ہے بلکہ خدا تعالیٰ کے نزدیک تمہاری اس وقت قدر ہوگی جبکہ دلوں میں تبدیلی اور خدا تعالےٰ کا خوف

ہو۔ ورنہ ادھر بیعت کی اور جب گھر میں گئے تو وہی بُرے خیالات اور حالات رہے تو اس سے کیا فائدہ؟ یقیناً مان لو کہ تمام گناہوں سے بچنے کے لئے بڑا ذریعہ خوفِ الٰہی ہے۔ اگر یہ نہیں ہے تو ہرگز ممکن نہیں کہ انسان اُن سب گناہوں سے بچ سکے جو کہ اُسے مصری پر چیونٹیوں کی طرح چمٹے ہوئے ہیں مگر خوف ہی ایک ایسی شئے ہے کہ حیوانات کو بھی جب ہو تو وہ کسی کا نقصان نہیں کر سکتے۔ مثلاً بلی جو کہ دُودھ کی بڑی حریص ہے جب اُسے معلوم ہو کہ اُس کے نزدیک جاتے سے سزا ملتی ہے پرندوں کو جب علم ہو کہ اگر یہ دانہ کھایا تو جال میں پھنسے اور موت آئی تو وہ اس دُودھ اور دانہ کے نزدیک نہیں پھٹکتے۔ اس کی وجہ صرف خوف ہے۔ پس جبکہ لایعقل حیوان بھی خوف کے ہوتے ہوئے پرہیز کرتے ہیں تو انسان جو عقلمند ہے، اُسے کس قدر خوف اور پرہیز کرنا چاہئیے۔ یہ امر بہت ہی بدیہی ہے کہ جس موقعہ پر انسان کو خوف پیدا ہوتا ہے اس موقعہ پر وہ جُرم کی جُرأت ہرگز نہیں کرتا۔ مثلاً طاعون زدہ گاؤں میں اگر کسی کو جانے کو کہا جاوے۔ تو کوئی بھی جرأت کر کے نہیں جاتا حتیٰ کہ اگر حُکّام بھی حکم دیویں تو بھی ترساں اور لرزاں جائے گا اور دل پر یہ ڈر غالب ہوگا کہ کہیں مجھ کو بھی طاعون نہ ہو جاوے اور وہ کوشش کرے گا کہ مفوضہ کام کو جلد پُورا کر کے وہاں سے بھاگے۔ پس گناہ پر دلیری کی وجہ بھی خدا کے خوف کا دلوں میں موجود نہ ہونا ہے۔ لیکن یہ خوف کیونکر پیدا ہو۔ اس کے لئے معرفت الٰہی کی ضرورت ہے جسقدر خدا تعالےٰ کی معرفت زیادہ ہو گی اسی قدر خوف زیادہ ہوگا ؎

ہر کہ عارف تر است ترساں تر

اس امر میں اصل معرفت ہے اور اس کا نتیجہ خوف ہے۔ معرفت ایک ایسی شئے ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے انسان ادنیٰ ادنیٰ کیڑوں سے بھی ڈرتا ہے جیسے پسّو اور مچھر کی جب معرفت ہوتی ہے تو ہر ایک اُن سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ پس کیا وجہ ہے کہ خدا جو قادر مطلق ہے۔ اور علیم اور بصیر ہے اور زمینوں اور آسمانوں کا مالک ہے۔ اس کے احکام کے برخلاف کرنے میں یہ اس قدر جرأت کرتا ہے۔ اگر سوچ کر دیکھو گے تو معلوم ہو گا کہ معرفت نہیں۔

بہت ہیں کہ زبان سے تو خدا تعالیٰ کا اقرار کرتے ہیں لیکن اگر ٹٹول کر دیکھو تو معلوم ہوگا کہ اُن کے اندر دہریت ہے۔ کیونکہ دنیا کے کاموں میں جب مصروف ہوتے ہیں تو خدا تعالےٰ کے قہر اور اس کی عظمت کو بالکل بھول جاتے ہیں۔ اس لئے یہ بات بہت ضروری ہے کہ تم لوگ دُعا کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے معرفت طلب کرو۔ بغیر اس کے یقین کامل ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا وہ اُس وقت حاصل ہوگا جبکہ یہ علم ہو کہ اللہ تعالیٰ سے قطع تعلق کرنے میں ایک موت ہے گناہ سے بچنے کیلئے جہاں دُعا کرو وہاں ساتھ ہی تدابیر کے سلسلہ کو ہاتھ سے نہ چھوڑو اور تمام محفلیں اور مجلسیں جن میں شامل ہونے سے گناہ کی تحریک ہوتی ہے ان کو ترک کرو اور ساتھ ہی ساتھ دعا بھی کرتے رہو۔ اور خوب جان لو کہ ان آفات سے جو قضا و قدر کی طرف سے انسان کے ساتھ پیدا ہوتی ہیں جب تک خدا تعالےٰ کی مدد ساتھ نہ ہو۔ ہرگز رہائی نہیں ہوتی۔ نماز جو کہ پانچ وقت ادا کی جاتی ہے اس میں بھی یہی اشارہ ہے کہ اگر وہ نفسانی جذبات اور خیالات سے اُسے محفوظ نہ رکھے گا۔ تب تک وہ سچی نماز ہرگز نہ ہوگی۔ نماز کے معنے ٹکریں مار لینے اور رسم اور عادت کے طور پر ادا کرنے کے ہرگز نہیں۔ نماز وہ شئے ہے جسے دل بھی محسوس کرے کہ رُوح پگھل کر خوفناک حالت میں آستانۂ اُلوہیت پر گِر پڑے۔ جہانتک طاقت ہے وہاں تک رقّت کے پیدا کرنے کی کوشش کرے اور تضرّع سے دُعا مانگے کہ شوخی اور گناہ جو اندر نفس میں ہیں وہ دُور ہوں۔ اسی قسم کی نماز بابرکت ہوتی ہے اور اگر وہ اس پر استقامت اختیار کرے گا تو دیکھے گا کہ رات کو یا دن کو ایک نُور اس کے قلب پر گرا ہے اور نفسِ امارہ کی شوخی کم ہوگئی ہے۔ جیسے اژدہا میں ایک سمِ قاتل ہے۔ اسی طرح نفس امارہ میں بھی سمِ قاتل ہوتا ہے اور جس نے اُسے پیدا کیا۔ اُسی کے پاس اُس کا علاج ہے۔

کبھی یہ دعویٰ نہ کرو کہ میں پاک صاف ہوں جیسے کہ اللہ تعالےٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ[1] کہ تم اپنے آپ کو مُزکّٰی مت کہو۔ وہ خود جانتا ہے کہ تم میں سے کون متقی ہے۔ جب انسان کے نفس کا تزکیہ ہو جاتا ہے تو خدا تعالےٰ اُس کا متولی اور متکفل

[1] النجم: ۳۳

ہو جاتا ہے اور جیسے ماں بچے کو گود میں پرورش کرتی ہے اسی طرح وہ خدا کی گود میں پرورش پاتا ہے اور یہی حالت ہے کہ خدا تعالیٰ کا نُور اس کے دل پر گِر کر کُل دنیاوی اثروں کو جلا دیتا ہے اور انسان ایک تبدیلی اپنے اندر محسوس کرتا ہے لیکن ایسی حالت میں بھی اُسے ہرگز مطمئن نہ ہونا چاہیئے کہ اب یہ طاقت مجھ میں مستقل طور پر پیدا ہو گئی ہے اور کبھی ضائع نہ ہوگی۔ جیسے دیوار پر دھوپ ہو تو اس کے یہ معنے ہرگز نہیں ہوتے کہ یہ ہمیشہ ایسی ہی روشن رہے گی۔ اس پر لوگوں نے ایک مثال لکھی ہے کہ دیوار جب دھوپ سے روشن ہوئی تو اُس نے آفتاب کو کہا کہ میں بھی تیری طرح روشن ہوں۔ آفتاب نے کہا کہ رات کو جب میں نہ ہوں گا تو پھر تو کہاں سے لیگی؟ اسی طرح انسان کو جو روشنی عطا ہوتی ہے۔ وہ بھی مستقل نہیں ہوتی بلکہ عارضی ہوتی ہے اور ہمیشہ اُسے اپنے ساتھ رکھنے کے لئے استغفار کی ضرورت ہے۔ انبیاء جو استغفار کرتے ہیں اس کی بھی یہی وجہ ہوتی ہے کہ وہ ان باتوں سے آگاہ ہوتے ہیں اور ان کو خطرہ لگا رہتا ہے کہ نُور کی جو چادر انہیں عطا کی گئی ہے ایسا نہ ہو کہ وہ چھین جاوے نادان لوگ لاعلمی کی وجہ سے یہ کہتے اور فخر کرتے ہیں کہ مسیح استغفار نہ کرتا تھا۔ حالانکہ یہ بات کسی قسم کے ناز کی نہیں بلکہ رونے اور افسوس کرنے کی ہے۔ اگر وہ استغفار نہ کرتا تھا تو گویا اس نُور سے بالکل محروم تھا جو کہ اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدوں کو عطا کیا کرتا ہے۔ کوئی نبی جس قدر زیادہ استغفار کرنے والا ثابت ہوگا اسی قدر اس کا درجہ بڑا اور بلند ہوگا لیکن جس کو یہ حالت حاصل نہیں تو وہ خطرہ میں ہے اور ممکن ہے کہ کسی وقت اس سے وہ چادر حفاظت کی چھین لی جاوے کیونکہ نبیوں کو بھی وہ مستعار طور پر ملتی ہے اور وہ پھر استغفار کے ذریعہ اسے مدامی طور پر رکھتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ اصل انوار تو اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں اور نبی ہو یا کوئی اَور، سب خدا تعالیٰ سے انہیں حاصل کرتے ہیں۔ سچے نبی کی یہی علامت ہے کہ وہ اس روشنی کی حفاظت بذریعہ استغفار کے کرے۔ استغفار کے یہی معنے ہوتے ہیں کہ موجودہ نور جو خدا تعالیٰ سے حاصل ہوا ہے وہ محفوظ رہے اور زیادہ اَور ملے۔ اسی کی تحصیل

کے لئے پنجگانہ نماز بھی ہے تاکہ ہر روز دل کھول کھول کر اس روشنی کو خدا تعالیٰ سے مانگ لیوے جسے بصیرت ہے وہ جانتا ہے کہ نماز ایک معراج ہے اور وہ نماز ہی کی تضرع اور ابتہال سے بھری ہوئی دعا ہے جس سے یہ امراض سے رہائی پا سکتا ہے۔ وہ لوگ بہت بیوقوف ہیں جو دُوری ڈالنے والی تاریکی کا علاج نہیں کرتے۔ میرے پاس اکثر خطوط آتے ہیں مگر ان میں یہی لکھا ہوتا ہے کہ میرے املاک کے لئے یا اولاد کے لئے دعا ہو۔ فلاں مقدمہ ہے یا فلاں مرض ہے وہ اچھا ہو جاوے لیکن مشکل سے کوئی خط ایسا ہوتا ہے جس میں ایمان یا ان تاریکیوں کے دُور ہونے کے لئے درخواست کی گئی ہو۔ بعض خطوط میں یہ لکھا ہوتا ہے کہ اگر مجھے پانسو روپیہ مل جاوے تو میں بیعت کروں۔ بیوقوفوں کو اتنا خیال نہیں کہ جن باتوں کو ہم چھوڑانا چاہتے ہیں۔ وہی ہم سے طلب کی جاتی ہیں۔ اسی لئے میں اکثر لوگوں کی بیعت سے خوف کرتا ہوں۔ کیونکہ سچی بیعت کرنے والے بہت کم ہوتے ہیں۔ بعض تو ظاہری شروط لگاتے ہیں جیسے کہ اُوپر ذکر ہوا۔ اور بعض لوگ بعد بیعت کے ابتلا میں پڑ جاتے ہیں۔ جیسے کسی کا لڑکا مر گیا تو شکایت کرتا ہے، میں نے تو بیعت کی تھی یہ صدمہ مجھے کیوں ہوا ؟ اس نادان کو یہ خیال نہیں آتا۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم باوجود کہ پیغمبر تھے مگر آپ کے گیارہ بچے فوت ہو گئے اور کبھی شکایت نہ کی کہ خداوندا تُو نے تو مجھے پیغمبر بنایا تھا میرے بچے کیوں مار دیئے۔

غرضکہ یاد رکھو کہ دین کو دنیا سے ہرگز نہ ملانا چاہیئے اور بیعت اس نیت سے ہرگز نہ کرنی چاہیئے کہ میں بادشاہ ہی بن جاؤں گا یا ایسی کیمیا حاصل ہو جاوے گی کہ گھر بیٹھے روپیہ بنتا رہے گا۔ اللہ تعالےٰ نے ہمیں تو اس لئے مامور کیا ہے کہ ان باتوں کو لوگوں سے چھوڑا دلویں۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ جو لوگ صدق اور وفا سے خدا تعالیٰ کی طرف آتے ہیں۔ اور اس کے لئے ہر ایک دُکھ اور مصیبت کو سر پہ لیتے ہیں تو خدا تعالےٰ ان کو اور ان کی اولاد کو ہرگز ضائع نہیں کرتا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کہتے ہیں کہ میں بُڈھا ہو گیا لیکن کبھی نہیں دیکھا کہ صالح آدمی کی اولاد ضائع ہوئی ہو۔ خدا تعالےٰ خود اس کا متکفل ہوتا ہے۔ لیکن ابتدا میں

ابتلا کا آنا ضروری ہے تا کہ کھوٹے اور کھرے کی شناخت ہو جاوے۔ ؎

عشق اوّل سرکش و خونی بود  تا گریزد ہر کہ بیرونی بود

دوسرے ابتلا اس لئے ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو دکھلاوے کہ جو ہماری طرف آنے والے ہیں وہ کیسے مستقل مزاج اور جفاکش ہوتے ہیں کہ مار پر مار کھاتے ہیں لیکن مُنہ نہیں پھیرتے اور جب وہ ثابت قدم نکل آتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ اُن سے وہی سلوک برتتا ہے جو کہ منعم علیہ گروہ سے برتنی چاہیئے۔

## ابتلا ضرور ہے، خدا ظالم نہیں

خدا تعالیٰ سے زیادہ پیار اور رحم اور محبت کرنی کوئی نہیں جانتا۔ لیکن اخلاص ضروری ہے۔ کوئی دل سے اس کا ہو۔ پھر دیکھے کہ آیا مخلص کی دست گیری اور کفالت اس کی خُوبی ہے کہ نہیں۔ لیکن جو اُسے آزماتا ہے وہ خود آزمایا جاتا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور اسلام لایا۔ بعد ازاں اندھا ہو گیا اور کہنے لگا کہ اسلام قبول کرنے سے یہ آفت مجھ پر آئی ہے۔ اس لئے کافر ہو گیا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُسے بہت سمجھایا لیکن نہ مانا حالانکہ اگر وہ مسلمان رہتا تو خدا تعالیٰ تو اس امر پر قادر تھا کہ اسے دوبارہ بینائی بخش دیتا لیکن کافر ہو کر دنیا سے تو اندھا تھا دین سے بھی اندھا بن گیا۔ مجھے فکر ہے کہ بہت سے ایسے لوگ ہیں جو کہ خدا تعالیٰ کو آزماتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ خود آزمائے جاویں پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو مجھ پر ایمان لاوے، اول وہ مصائب کے لئے تیار رہے مگر یہ سب کچھ اوائل میں ہوتا ہے۔ اگر صبر کرے تو اللہ تعالیٰ اس پر فضل کر دیتا ہے کیونکہ مومن کے لئے دو حالتیں ہیں۔ اوّل تو یہ کہ جب ایمان لاتا ہے تو مصائب کا ایک دوزخ اس کے لئے تیار کیا جاتا ہے جس میں اُسے کچھ عرصہ رہنا پڑتا ہے اور اس کے صبر اور استقلال کا امتحان کیا جاتا ہے اور جب وہ اس میں ثابت قدمی دکھاتا ہے تو دوسری حالت یہ ہے کہ اس دوزخ کو جنّت سے بدل دیا جاتا ہے۔ جیسے کہ بخاری میں حدیث ہے کہ مومن بذریعہ نوافل کے اللہ تعالیٰ سے یہاں

تک قُرب حاصل کرتا ہے کہ وہ اس کی آنکھ ہو جاتا ہے جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اور کان ہو جاتا ہے جس سے وہ سُنتا ہے۔ اور ہاتھ ہو جاتا ہے جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے پاؤں ہو جاتا ہے جس سے وہ چلتا ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ میں اس کی زبان ہو جاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے اور ایسے لوگوں کے لئے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ من عادا لی ولیًا فاذنت لہٗ للحرب۔ کہ جو شخص میرے ولی کی عداوت کرتا ہے وہ جنگ کے لئے تیار ہو جاوے۔ اس قدر غیرت خدا تعالیٰ کو اپنے بندے کے لئے ہوتی ہے۔ پھر دوسری جگہ فرماتا ہے کہ مجھے کسی شئے میں اس قدر تردد نہیں ہوتا جس قدر کہ مومن کی جان لینے میں ہوتا ہے اور اسی لئے وہ کئی دفعہ بیمار ہوتا ہے اور پھر اچھا ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی جان لینا چاہتا ہے مگر پھر اسے مہلت دے دیتا ہے کہ اور کچھ عرصہ دنیا میں رہ لیجے

## جماعت کو اصلاح اخلاق کی ضرورت ہے!

اس جماعت کو تیار کرنے سے غرض یہی ہے کہ زبان، کان، آنکھ اور ہر ایک عضو میں تقویٰ سرایت کر جاوے۔ تقویٰ کا نُور اس کے اندر اور باہر ہو۔ اخلاق حسنہ کا اعلیٰ نمونہ ہو۔ اور بیجا غصہ اور غضب وغیرہ بالکل نہ ہو۔ مَیں نے دیکھا ہے کہ جماعت کے اکثر لوگوں میں غصہ کا نقص اب تک موجود ہے تھوڑی تھوڑی سی بات پر کینہ اور بُغض پیدا ہو جاتا ہے۔ اور آپس میں لڑ جھگڑ پڑتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا جماعت میں سے کچھ حصہ نہیں ہوتا۔ اور مَیں نہیں سمجھ سکتا کہ اس میں کیا دقّت پیش آتی ہے کہ اگر کوئی گالی دے تو دوسرا چُپ کر رہے اور اس کا جواب نہ دے۔ ہر ایک جماعت کی اصلاح اوّل اخلاق سے شروع ہوا کرتی ہے۔ چاہیئے کہ ابتدا میں صبر سے تربیت میں ترقی کرے اور سب سے عمدہ ترکیب یہ ہے کہ اگر کوئی بدگوئی کرے تو اس کے لئے دردِ دل سے دُعا کرے کہ اللہ تعالےٰ اس کی اصلاح کر دیوے۔ اور دل میں کینہ کو ہرگز نہ بڑھاوے۔ جیسے دنیا کے قانون ہیں ویسے خدا کا بھی قانون ہے جب دنیا اپنے قانون کو نہیں چھوڑتی تو اللہ تعالےٰ اپنے قانون کو کیسے چھوڑے۔ پس جب

تک تبدیلی نہ ہوگی تب تک تمہاری قدر اس کے نزدیک کچھ نہیں۔ خدا تعالیٰ ہرگز پسند نہیں کرتا کہ حلم اور صبر اور عفو جو کہ عمدہ صفات ہیں ان کی جگہ درندگی ہو۔ اگر تم ان صفات حسنہ میں ترقی کرو گے تو بہت جلد خدا تک پہنچ جاؤ گے۔ لیکن مجھے افسوس ہے کہ جماعت کا ایک حصّہ ابھی تک ان اخلاق میں کمزور ہے۔ ان باتوں سے صرف شماتت اعدا ہی نہیں ہے بلکہ ایسے لوگ خود بھی قرب کے مقام سے گرائے جاتے ہیں۔

یہ سچ ہے کہ سب انسان ایک مزاج کے نہیں ہوتے۔ اسی لئے قرآن شریف میں آیا ہے۔ کُلٌّ یعمل علیٰ شاکلتہٖ[۱] بعض آدمی ایک قسم کے اخلاق میں اگر عمدہ ہیں تو دوسری قسم میں کمزور۔ اگر ایک خُلق کا رنگ اچھا ہے تو دوسرے کا بُرا۔ لیکن تاہم اس سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ اصلاح ناممکن ہے۔

## خَلق اور خُلق کے معنے

خُلق سے ہماری مراد شیریں کلامی ہی نہیں بلکہ خَلق اور خُلق دو الفاظ ہیں۔ آنکھ، کان، ناک وغیرہ جس قدر اعضاء ظاہری ہیں جن سے انسان کو حسین وغیرہ کہا جاتا ہے۔ یہ سب خَلق کہلاتے ہیں اور اس کے مقابل پر باطنی قویٰ کا نام خُلق ہے۔ مثلاً عقل، فہم، شجاعت، عفت، صبر وغیرہ اس قسم کے جس قدر قویٰ سرشت میں ہوتے ہیں وہ سب اسی میں داخل ہیں اور خُلق کو خَلق پر اس لئے ترجیح ہے کہ خَلق یعنی ظاہری جسمانی اعضاء میں اگر کسی قسم کا نقص ہو تو وہ ناقابل علاج ہوتا ہے۔ مثلاً ہاتھ اگر چھوٹا پیدا ہوا ہے تو اس کو بڑا نہیں کر سکتا۔ لیکن خُلق میں اگر کوئی کمی بیشی ہو تو اس کی اصلاح ہو سکتی ہے۔

ذکر کرتے ہیں کہ افلاطون کو علم فراست میں بہت دخل تھا اور اس کے دروازہ پر ایک دربان مقرر کیا ہوا تھا۔ جسے حکم تھا کہ جب کوئی شخص ملاقات کو آوے تو اوّل اس کا حُلیہ بیان کرو۔ اس حلیہ کے ذریعہ وہ اس کے اخلاق کا حال معلوم کر کے پھر اگر قابلِ ملاقات سمجھتا تو ملاقات کرتا ورنہ ردّ کر دیتا۔ ایک دفعہ ایک شخص اس کی ملاقات کو آیا۔ دربان نے اطلاع دی۔

[۱] بنی اسرائیل: ۸۵

اس کے نقوش کا حال سُنکر افلاطون نے ملاقات سے انکار کر دیا۔ اس پر اس شخص نے کہلا بھیجا کہ افلاطون سے کہدو کہ جو کچھ تم نے سمجھا ہے بالکل درست ہے۔ مگر میں نے قوت مجاہدہ سے اپنے اخلاق کی اصلاح کر لی ہے۔ اس پر افلاطون نے ملاقات کی اجازت دے دی۔ پس خُلق ایسی شئے ہے جس میں تبدیلی ہو سکتی ہے۔ اگر تبدیلی نہ ہو سکتی تو یہ ظلم تھا۔ لیکن دعا اور عمل سے کام لوگے۔ تب اس تبدیلی پر قادر ہو سکو گے۔ عمل اس طرح سے کہ اگر کوئی شخص مُمسک ہے تو وہ قدرے قدرے خرچ کرنے کی عادت ڈالے اور نفس پر جبر کرے۔ آخر کچھ عرصہ کے بعد نفس میں ایک تغیر عظیم دیکھ لے گا اور اس کی عادت امساک کی دُور ہو جاوے گی۔ اخلاق کی کمزوری بھی ایک دیوار ہے جو خدا اور بندے کے درمیان حائل ہو جاتی ہے۔

## مذہب کا منشا بھی وحدت جمہوری ہی ہے

اللہ تعالیٰ کا یہ منشا ہے کہ تمام انسانوں کو ایک نفس واحد کی طرح بنا دے۔ اس کا نام وحدت جمہوری ہے جس سے بہت سے انسان بحالت مجموعی ایک انسان کے حکم میں سمجھا جاتا ہے۔ مذہب سے بھی یہی منشا ہوتا ہے کہ تسبیح کے دانوں کی طرح وحدت جمہوری کے ایک دھاگہ میں سب پروئے جائیں۔ یہ نمازیں باجماعت جو کہ ادا کی جاتی ہیں وہ بھی اسی وحدت کے لئے ہیں تاکہ کُل نمازیوں کا ایک وجود شمار کیا جاوے اور آپس میں مل کر کھڑے ہونے کا حکم اس لئے ہے کہ جس کے پاس زیادہ نور ہے وہ دوسرے کمزور میں سرایت کر کے اُسے قوت دیوے حتّٰی کہ حج بھی اسی لئے ہے۔ اس وحدت جمہوری کو پیدا کرنے اور قائم رکھنے کی ابتدا اس طرح سے اللہ تعالیٰ نے کی ہے کہ اوّل یہ حکم دیا کہ ہر ایک محلہ والے پانچ وقت نمازوں کو باجماعت محلہ کی مسجد میں ادا کریں تاکہ اخلاق کا تبادلہ آپس میں ہو اور انوار مل ملا کر کمزوری کو دُور کر دیں اور آپس میں تعارف ہو کر اُنس پیدا ہو جاوے۔ تعارف بہت عمدہ شئے ہے کیونکہ اس سے اُنس بڑھتا ہے جو کہ وحدت کی بنیاد ہے حتّٰی کہ تعارف والا دشمن ایک نا آشنا دوست سے بہت اچھا ہوتا ہے کیونکہ جب غیر ملک میں ملاقات ہو تو تعارف کی وجہ سے دلوں میں اُنس

پیدا ہو جاتا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہوتی ہے کہ کینہ والی زمین سے الگ ہونے کے باعث بغض جو کہ عارضی شئے ہوتا ہے وہ تو دُور ہو جاتا ہے اور صرف تعارف باقی رہ جاتا ہے۔

پھر دوسرا حکم یہ ہے کہ جمعہ کے دن جامع مسجد میں جمع ہوں کیونکہ ایک شہر کے لوگوں کا ہر روز جمع ہونا تو مشکل ہے۔ اس لئے یہ تجویز کی کہ شہر کے سب لوگ ہفتہ میں ایک دفعہ مل کر تعارف اور وحدت پیدا کریں۔ آخر کبھی نہ کبھی تو سب ایک ہو جاویں گے۔ پھر سال کے بعد عیدین میں یہ تجویز کی کہ دیہات اور شہر کے لوگ مل کر نماز ادا کریں تاکہ تعارف اور انس بڑھ کر وحدت جمہوری پیدا ہو۔ پھر اسی طرح تمام دنیا کے اجتماع کے لئے ایک دن عمر بھر میں مقرر کر دیا کہ مکہ کے میدان میں سب جمع ہوں۔ غرضکہ اس طرح سے اللہ تعالیٰ نے چاہا ہے کہ آپس میں اُلفت اور اُنس ترقی پکڑے۔ افسوس کہ ہمارے مخالفوں کو اس بات کا علم نہیں کہ اسلام کا فلسفہ کیسا پکا ہے۔ دنیوی حکام کی طرف سے جو احکام پیش ہوتے ہیں۔ ان میں تو انسان ہمیشہ کے لئے ڈھیلا ہو سکتا ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ کے احکام میں ڈھیلا پن اور اس سے بکلّی رُوگردانی کبھی ممکن ہی نہیں کونسا ایسا مسلمان ہے جو کم ازکم عیدین کی بھی نماز نہ ادا کرتا ہو۔ پس ان تمام اجتماعوں کا یہ فائدہ ہے کہ ایک کے انوار دوسرے میں اثر کر کے اُسے قوت بخشیں۔

## صُحبت صادقین

نفس اور اخلاق کی پاکیزگی حاصل کرنے کا ایک بڑا ذریعہ صحبت صادقین بھی ہے۔ جس کی طرف اللہ تعالیٰ اشارہ فرماتا ہے کونوا مع الصادقین[۱]۔ یعنی تم خدا تعالیٰ کے صادق اور راستباز لوگوں کی صُحبت اختیار کرو تاکہ اُن کے صدق کے انوار سے تم کو بھی حصہ ملے۔ جو مذاہب کہ تفرقہ پسند کرتے ہیں اور الگ الگ رہنے کی تعلیم دیتے ہیں وہ یقیناً وحدت جمہوری کی برکات سے محروم رہتے ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے تجویز کیا کہ ایک نبی ہو جو کہ جماعت بنادے اور اخلاق کے ذریعہ آپس میں تعارف اور وحدت پیدا کرے۔

## دُعا

[۱] التوبۃ: ۱۱۹

درستی اخلاق کے بعد دوسری بات یہ ہے کہ دعا کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ کی پاک محبت حاصل کی جاوے۔ ہر ایک قسم کے گناہ اور بدی سے دُور رہے اور ایسی حالت میسر ہو کہ جس قدر اندرونی آلودگیاں ہیں اُن سب سے الگ ہو کر ایک مصفّٰی قطرہ کی طرح بن جاوے۔ جب تک یہ حالت میسر نہ ہوگی۔ تب تک خطرہ ہی خطرہ ہے لیکن دعا کے ساتھ تدابیر کو نہ چھوڑے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تدبیر کو بھی پسند کرتا ہے اور اسی لئے فَالْمُدَبِّرَاتِ اَمْرًا[1] کہہ کر قرآن شریف میں قسم بھی کھائی ہے۔ جب وہ اس مرحلہ کو طے کرنے کے لئے دعا بھی کرے گا اور تدبیر سے بھی اس طرح کام لے گا کہ جو مجلس اور صحبت اور تعلقات اس کو حارج ہیں ان سب کو ترک کر دے گا اور رسم عادت اور بناوٹ سے الگ ہو کر دعا میں مصروف ہوگا تو ایک دن قبولیت کے آثار مشاہدہ کر لے گا۔ یہ لوگوں کی غلطی ہے کہ وہ کچھ عرصہ دعا کر کے پھر رہ جاتے ہیں اور شکایت کرتے ہیں کہ ہم نے اس قدر دعا کی مگر قبول نہ ہوئی۔ حالانکہ دُعا کا حق تو اُن سے ادا ہی نہ ہوا۔ تو قبول کیسے ہو؟ اگر ایک شخص کو بھوک لگی ہو یا سخت پیاس ہو اور وہ صرف ایک دانہ یا ایک قطرہ لے کر شکایت کرے کہ مجھے سیری حاصل نہیں ہوئی۔ تو کیا اس کی شکایت بجا ہوگی؟ ہرگز نہیں۔ جب تک وہ پوری مقدار کھانے اور پینے کی نہ لیگا تب تک کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ یہی حال دُعا کا ہے اگر انسان لگ کر اُسے کرے اور پُورے آداب سے بجا لاوے۔ وقت بھی میسر آوے تو امید ہے کہ ایک دن اپنی مراد کو پالیوے۔ لیکن راستہ میں ہی چھوڑ دینے سے صدہا انسان مر گئے (گمراہ ہو گئے) اور صدہا ابھی آئندہ مرنے کو تیار ہیں۔ ایک من پیشاب میں ایک قطرہ پانی کا کیا شئے ہے جو اُسے پاک کرے۔ اسی طرح وہ بداعمالیاں جن میں لوگ سر سے پاؤں تک غرق ہیں ان کے ہوتے ہوئے چند دن کی دعا کیا اثر دکھا سکتی ہے۔ پھر عُجب، خود بینی، تکبر اور ریا وغیرہ ایسے امراض لگے ہوئے ہوتے ہیں جو عمل کو ضائع کر دیتے ہیں۔ نیک عمل کی مثال ایک پرند کی طرح ہے۔ اگر صدق اور اخلاص کے قفس میں اُسے قید رکھو گے تو وہ رہے گا ورنہ پرواز کر جاوے گا اور یہ بجز خدا تعالیٰ کے

[1] النّٰزعات: ۶

فضل کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فمن کان یرجوا لقاء ربہٖ فلیعمل عملاً صالحًا ولا یشرك بعبادۃ ربہٖ احدًا (پ۱۶ رکوع ۳) عمل صالح سے یہاں یہ مراد ہے کہ اس میں کسی قسم کی بدی کی آمیزش نہ ہو۔ صلاحیت ہی صلاحیت ہو۔ نہ عُجب ہو۔ نہ کبر ہو۔ نہ نخوت ہو۔ نہ تکبر ہو۔ نہ نفسانی اغراض کا حصہ ہو۔ نہ رو بخلق ہو۔ حتیٰ کہ دوزخ اور بہشت کی خواہش بھی نہ ہو۔ صرف خدا تعالیٰ کی محبت سے وہ عمل صادر ہو جب تک دوسری کسی قسم کی غرض کو دخل ہے تب تک ٹھوکر کھائے گا۔ اور اس کا نام شرک ہے کیونکہ وہ دوستی اور محبت کس کام کی جس کی بنیاد صرف ایک پیالہ چائے یا دوسری خالی محبوبات تک ہی ہے۔ ایسا انسان جس دن اس میں فرق آتا دیکھے گا۔ اسی دن قطع تعلق کر دے گا۔ جو لوگ خدا تعالیٰ سے اس لئے تعلق باندھتے ہیں کہ ہمیں مال ملے یا اولاد حاصل ہو یا ہم فلاں فلاں امور میں کامیاب ہو جاویں۔ اُن کے تعلقات عارضی ہوتے ہیں اور ایمان بھی خطرہ میں ہے جس دن ان کے اغراض کو کوئی صدمہ پہنچا۔ اسی دن ایمان میں فرق آجاوے گا۔ اس لئے پکا مومن وہ ہے جو کسی سہارے پر خدا تعالیٰ کی عبادت نہیں کرتا۔

## راستبازوں کی ہٹ

راستبازوں کی ایک یہ بھی نشانی ہے کہ مصیبت سے اُن کو چڑ ہوتی ہے اور جب ایسے موقعہ پر شیطان دخل دے کر ان کو بہکانا چاہتا ہے تب ان کی غیرت جوش مارتی ہے اور بجائے اس کے کہ ان کا قدم پیچھے ہٹے وہ آگے بڑھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شیطان ہمیں پیچھے ہرگز نہیں ڈال سکتا۔ شیطان بھی ایسے موقعہ پر ہر ایک قسم کے منصوبے اس کی لغزش کے لئے پیش کرتا ہے۔ مال، اولاد، عزت، آبرو، خلقت کی ملامت، طعن تشنیع وغیرہ سب نقصانوں سے ڈراتا ہے۔ لیکن وہ اوّل ہی سے دل میں فیصلہ کر لیتے ہیں کہ ہم ان نقصانوں کی کچھ پروا نہ کریں گے۔ آخر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ شیطان ان کے نزدیک ایک مخنث سے بھی کمتر ہوتا ہے لیکن جس کا دعویٰ تو ایمان کا ہوتا ہے اور دماغ میں اغراض نفسانی بھرے ہوئے ہوتے ہیں

توشیطان بڑی آسانی سے اپنا تسلط اس پر بٹھاتا ہے اور جس راستے چاہتا ہے چلاتا ہے
خوب یاد رکھو کہ سفلی خواہشات سے شیطان کا مقابلہ ہرگز نہ ہو سکے گا۔

## شیطان کے وجود کا ثبوت

ممکن ہے کہ بعض لوگ یہاں ایسے ہوں کہ جو شیطان کے وجود ہی سے منکر ہوں لیکن میں کہتا ہوں کہ اس کے وجود سے انکار بھی نادانی ہے۔ کیا وہ مشاہدہ نہیں کرتے کہ انسان میں دو قوتیں موجود ہیں۔ بیٹھے بیٹھے ایک لہر اس کے دل میں آتی ہے کہ نیکی کروں اور اکثر اوقات وہ اس کا ایسا پابند ہو جاتا ہے کہ بلا اس کے تقاضا ادا کئے کے رہ ہی نہیں سکتا۔ اور اسی طرح کبھی اس کے دل میں ایسی لہر آتی ہے جو کہ بدی کی طرف رغبت دلاتی ہے اور وہ گھر سے اُٹھ کر کنجروں کی طرف چلا جاتا ہے۔ پس یہ قوتیں ہیں جن میں سے بدی کے محرک کا نام شیطان رکھ لو۔ انسان کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ ابتدائی مراحل میں ہر ایک شئے کی حقیقت کو سمجھ لیوے جیسے جیسے بتدریج اس کی معرفت ترقی کرتی ہے ویسے ویسے وہ باریک در باریک امور کو سمجھتا جاتا ہے۔ آسمان کے ستاروں کو دیکھو کہ وہ اوّل سوائے نقطوں کے اور کچھ معلوم نہیں ہوتے۔ مگر جب انہی نقطوں کو دُور بینوں سے دیکھا جاوے تو کس قدر عجائبات معلوم ہوتے ہیں اور سابقہ معرفت اس کے آگے ہیچ نظر آتی ہے اور انسان کو شرمندہ ہونا پڑتا ہے کہ میں نے ان کو نقطہ کیوں سمجھا۔ ایسے ہی شیطان اور فرشتے کے وجود کا حال ہے کہ ان کو اوّل نقطوں کی طرح ماننا پڑتا ہے اور پھر اس دُور بین سے جو انبیاء لے کر آتے ہیں۔ دیکھا جاوے تو اُن کی اصل حقیقت معلوم ہوتی ہے۔ یہ تو جملہ معترضہ تھا جو کہ درمیان میں آگیا۔

## عورتوں کی اصلاح

پھر میں اصل مطلب کو بیان کرتا ہوں کہ اگر تم اپنی اصلاح چاہتے ہو تو یہ بھی لازمی امر ہے کہ گھر کی عورتوں کی اصلاح کرو۔

عورتوں میں بُت پرستی کی جڑ ہے کیونکہ ان کی طبائع کا میلان زینت پرستی کی طرف ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ بُت پرستی کی ابتدا انہی سے ہوئی ہے۔ بزدلی کا مادہ بھی ان میں زیادہ ہوتا ہے کہ ذرا سی سختی پر اپنے جیسی مخلوق کے آگے ہاتھ جوڑنے لگ جاتی ہے اس لئے جو لوگ زن پرست ہوتے ہیں رفتہ رفتہ ان میں بھی یہ عادتیں سرایت کر جاتی ہیں۔ پس بہت ضروری ہے کہ ان کی اصلاح کی طرف متوجہ رہو۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے الرجال قوامون علی النساء[1] اور اسی لئے مرد کو عورتوں کی نسبت قویٰ زیادہ دیئے گئے ہیں۔ اس وقت جو نئی روشنی کے لوگ مساوات پر زور دے رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ مرد اور عورت کے حقوق مساوی ہیں ان کی عقلوں پر تعجب آتا ہے۔ وہ ذرا مردوں کی جگہ عورتوں کی فوجیں بنا کر جنگوں میں بھیج کر دیکھیں تو سہی کہ کیا نتیجہ مساوی نکلتا ہے یا مختلف۔ ایک طرف تو اسے حمل ہے اور ایک طرف جنگ ہے وہ کیا کر سکے گی؟ غرضکہ عورتوں میں مردوں کی نسبت قویٰ کمزور ہیں اور کم بھی ہیں اس لئے مرد کو چاہیئے کہ عورت کو اپنے ماتحت رکھے۔

## پردہ کی اہمیت

یورپ کی طرح بے پردگی پر بھی لوگ زور دے رہے ہیں لیکن یہ ہرگز مناسب نہیں۔ یہی عورتوں کی آزادی فسق و فجور کی جڑ ہے۔ جن ممالک نے اس قسم کی آزادی کو روا رکھا ہے ذرا اُن کی اخلاقی حالت کا اندازہ کرو۔ اگر اس کی آزادی اور بے پردگی سے اُن کی عفت اور پاک دامنی بڑھ گئی ہے تو ہم مان لیں گے کہ ہم غلطی پر ہیں۔ لیکن یہ بات بہت ہی صاف ہے کہ جب مرد اور عورت جوان ہوں اور آزادی اور بے پردگی بھی ہو تو اُن کے تعلقات کس قدر خطرناک ہوں گے۔ بدنظر ڈالنی اور نفس کے جذبات سے اکثر مغلوب ہو جانا انسان کا خاصہ ہے۔ پھر جس حالت میں کہ پردہ میں بے اعتدالیاں ہوتی ہیں اور فسق و فجور کے مرتکب ہو جاتے ہیں تو آزادی میں کیا کچھ نہ ہوگا۔ مردوں کی حالت کا اندازہ کرو کہ وہ کس طرح بے لگام گھوڑے کی طرح ہو گئے ہیں۔ نہ خدا کا خوف رہا ہے نہ آخرت کا یقین ہے۔ دنیاوی لذات

[1] النساء: ۳۵

کو اپنا معبود بنا رکھا ہے۔ پس سب سے اوّل ضروری ہے کہ اس آزادی اور بے پردگی سے پہلے مردوں کی اخلاقی حالت درست کرو۔ اگر یہ درست ہو جاوے اور مردوں میں کم از کم اس قدر قوت ہو کہ وہ اپنے نفسانی جذبات کے مغلوب نہ ہو سکیں تو اس وقت اس بحث کو چھیڑو کہ آیا پردہ ضروری ہے کہ نہیں۔ ورنہ موجودہ حالت میں اس بات پر زور دینا کہ آزادی اور بے پردگی ہو گویا بکریوں کو شیروں کے آگے رکھ دینا ہے۔ ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ کسی بات کے نتیجہ پر غور نہیں کرتے۔ کم از کم اپنے کانشنس سے ہی کام لیں کہ آیا مردوں کی حالت ایسی اصلاح شدہ ہے کہ عورتوں کو بے پردہ ان کے سامنے رکھا جاوے۔ قرآن شریف نے (جو کہ انسان کی فطرت کے تقاضوں اور کمزوریوں کو مدنظر رکھ کر حسبِ حال تعلیم دیتا ہے) کیا عمدہ مسلک اختیار کیا ہے قل للمؤمنین یغضّوا من ابصارھم ویحفظوا فروجھم ذٰلک ازکٰی لھم[1] کہ تو ایمان والوں کو کہدے کہ وہ اپنی نگاہوں کو نیچا رکھیں اور اپنے سوراخوں کی حفاظت کریں۔ یہ وہ عمل ہے جس سے اُن کے نفوس کا تزکیہ ہوگا۔ فروج سے مراد شرمگاہ ہی نہیں بلکہ ہر ایک سوراخ جس میں کان وغیرہ بھی شامل ہیں اور اس میں اس امر کی مخالفت کی گئی ہے کہ غیر محرم عورت کا راگ وغیرہ سُنا جاوے۔ پھر یاد رکھو کہ ہزار در ہزار تجارب سے یہ بات ثابت شدہ ہے کہ جن باتوں سے اللہ تعالیٰ روکتا ہے آخر کار انسان کو اُن سے رُکنا ہی پڑتا ہے (تعدد ازدواج اور طلاق کے مسئلہ پر غور کرو)۔ ہر چہ دانا کند کند ناداں لیک بعد از خرابیٔ بسیار۔

ہمیں افسوس ہے کہ آریہ صاحبان بھی بے پردگی پر زور دیتے ہیں اور قرآن شریف کے احکام کی مخالفت چاہتے ہیں حالانکہ اسلام کا یہ بڑا احسان ہندوؤں پر ہے کہ اُس نے اُن کو تہذیب سکھلائی اور اس کی تعلیم ایسی ہے جس سے مفاسد کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ مثل مشہور ہے ؎ خربستہ بہ گرچہ دزد آشنا است۔ یہی حالت مرد اور عورت کے تعلقات کی ہے کہ اگرچہ کچھ ہی کیوں نہ ہو لیکن تاہم فطری جوش اور تقاضے

[1] النور:۳۱

بعض اس قسم کے ہوتے ہیں کہ جب اُن کو ذرا سی تحریک ہوئی تو جھٹ حدِّ اعتدال سے اِدھر اُدھر ہو گئے۔ اس لئے ضروری ہے کہ مرد اور عورت کے تعلقات میں حد درجہ کی آزادی وغیرہ کو ہرگز نہ دخل دیا جاوے۔ ذرا اپنے دلوں میں غور کرو کہ کیا تمہارے دل راجہ رامچندر اور کرشن وغیرہ کی طرح پاک ہو گئے ہیں؟ پھر جب وہ پاک دلی تم کو نصیب نہیں ہوئی تو بے پردگی کو رواج دے کر بکریوں کو شیروں کے آگے کیوں رکھتے ہو۔ ہٹ اور ضد اور تعصب اور چڑ وغیرہ سے تم لوگ دیدہ دانستہ اسلام کے اُن پاکیزہ اصولوں کی مخالفت کیوں کرتے ہو جن سے تمہاری عفت برقرار رہتی ہے۔ عقل تو اس بات کا نام ہے کہ انسان کو نیک بات جہاں سے ملے وہ لے لیوے کیونکہ نیک بات کی مثال سونے اور ہیرے اور جواہر کی ہے اور یہ اشیاء خواہ کہیں ہوں۔ آخر وہ سونا وغیرہ ہی ہوں گی۔ اس لئے تم کو لازم ہے کہ اسلام کے نام سے چڑ کر تم نیکی کو ترک نہ کرو۔ ورنہ یاد رکھو کہ اسلام کا تو کچھ حرج نہیں ہے۔ اگر اس کا ضرر ہے تو تم ہی کو ہے۔ ہاں اگر تم لوگوں کو یہ اطمینان ہے کہ سب کے سب بھگت بن گئے ہو اور نفسانی جذبات پر تم کو پوری قدرت حاصل ہے اور قویٰ پرمیشر کی رضا اور احکام کے برخلاف بالکل حرکت نہیں کرتے تو پھر ہم تم کو منع نہیں کرتے بیشک بے پردگی کو رواج دو لیکن جہانتک میرا خیال ہے ابھی تک تم کو وہ حالت نصیب نہیں اور تم میں سے جس قدر لوگ لیڈر بن کر قوم کی اصلاح کے درپے ہیں اُن کی مثال سفید قبر کی ہے جس کے اندر بجز ہڈیوں کے اَور کچھ نہیں کیونکہ ان کی صرف باتیں ہی ہیں۔ عمل وغیرہ کچھ نہیں۔

اسلام نے جو یہ حکم دیا ہے کہ مرد عورت سے اور عورت مرد سے پردہ کرے اس سے غرض یہ ہے کہ نفسِ انسان پھسلنے اور ٹھوکر کھانے کی حد سے بچا رہے کیونکہ ابتدا میں اس کی یہی حالت ہوتی ہے کہ وہ بدیوں کی طرف جھکا پڑتا ہے اور ذرا سی بھی تحریک ہو تو بدی پر ایسے گرتا ہے جیسے کئی دنوں کا بھوکا آدمی کسی لذیذ کھانے پر۔ یہ انسان کا فرض ہے کہ اس کی اصلاح کرے اور اس کی اصلاح کی حالتوں کے لحاظ سے اس کے چار نام مقرر کئے

گئے ہیں۔ اوّل اوّل نفس زکیہ ہوتا ہے کہ جس کو نیکی بدی کی کوئی خبر نہیں ہوتی اور یہ حالت طفلگی تک رہتی ہے۔ پھر نفس امارہ ہوتا ہے کہ بدیوں کی طرف ہی مائل رہتا ہے اور انسان کو طرح طرح کے فسق و فجور میں مبتلا کرتا ہے اور اس کی بڑی غرض یہی ہوتی ہے کہ ہر وقت بدی کا ارتکاب ہو۔ کبھی چوری کرتا ہے۔ کوئی گالی دے یا خلاف مرضی کام ہو تو اُسے مارنے کو تیار ہو جاتا ہے۔ اگر شہوت کی طرف غلبہ ہو تو گناہوں اور فسق و فجور کا سیلاب بہہ نکلتا ہے۔ دوسرا نفس لوّامہ ہے کہ اس میں بدیاں بالکل دُور تو نہیں ہوتیں مگر ہاں ایک پچھتاوا اور حسرت و افسوس مرتکب اپنے دل میں محسوس کرتا ہے اور جب بدی ہو جاوے تو اس کے دل میں نیکی سے اس کا معاوضہ کرنے کی خواہش ہوتی ہے اور تدبیر کرتا ہے کہ کسی طرح گناہ سے بچے۔ اور دعا میں لگتا ہے کہ زندگی پاک ہو جاوے اور ہوتے ہوتے جب یہ گناہ سے پوتر ہو جاتا ہے۔ تو اس کا نام مطمئنہ ہو جاتا ہے۔ اور اس حالت میں وہ بدی کو ایسی ہی بدی سمجھتا ہے۔ جیسے کہ خدا تعالیٰ بدی کو بدی سمجھتا ہے۔ بات یہ ہے کہ دنیا اصل میں گناہ کا گھر ہے جس میں سرکشیوں میں پڑ کر انسان خدا کو بھلا دیتا ہے۔ نفس امارہ کی حالت میں اس کے پاؤں میں زنجیریں ہوتی ہیں اور لوّامہ میں کچھ زنجیریں پاؤں میں ہوتی ہیں اور کچھ اُتر جاتی ہیں مگر مطمئنہ میں کوئی زنجیر باقی نہیں رہتی سب کی سب اُتر جاتی ہیں اور وہی زمانہ انسان کا خدا تعالیٰ کی طرف پکے رجوع کا ہوتا ہے اور وہی خدا تعالیٰ کے کامل بندے ہوتے ہیں جو کہ نفسِ مطمئنہ کے ساتھ دنیا سے علیحدہ ہوویں اور جب تک وہ اسے حاصل نہ کرلے تب تک اُسے مطلق علم نہیں ہوتا کہ جنت میں جاوے گا یا دوزخ میں۔ پس جبکہ انسان بلا حصول نفس مطمئنہ کے نہ پوری پاکیزگی حاصل کر سکتا ہے اور نہ جنت میں داخل ہو سکتا ہے تو اب خواہ آریہ ہوں یا عیسائی کونسی عقلمندی ہے کہ قبل اس کے کہ یہ نفس حاصل ہو وہ بھیڑیوں اور بکریوں کو اکٹھا چھوڑ دیویں۔ کیا ان کو امید ہے کہ وہ پاک اور بے شر زندگی بسر کرلیں گے۔ یہ ہے سِرّ اسلامی پردہ کا۔ اور میں نے خصوصیت سے اُسے اُن مسلمانوں کے لئے بیان کیا ہے جن کو

اسلام کے احکام اور حقیقت کی خبر نہیں اور مجھے امید ہے کہ آریہ لوگ اس سے بہت کم مستفید ہوں گے کیونکہ ان کو تو اسلام کی ہر ایک بھلی بات سے چڑ ہے۔

## مسیح موعود کو ماننے کی ضرورت

اس قدر تقریر ہو چکی تھی کہ اس اثناء میں خلیفہ رجب الدین صاحب نے بلند آواز سے لاہور کی پبلک کی طرف سے حضرت مرزا صاحب کو ماننے کی ضرورت کا سوال پیش کیا۔ اگرچہ بعض لوگوں کو یہ دخل اس لئے ناگوار ہوا کہ خدا تعالےٰ کا فرستادہ نُورِ فراست سے جس ضرورت کو محسوس کر کے کلام فرما رہا تھا اس کی توجہ ادھر سے پھیر دی گئی لیکن ہمارے نزدیک یہ تحریک بھی مصالح ایزدی سے باہر نہیں۔

آپ نے فرمایا کہ

اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ میں نے بہت سی تحریروں اور تقریروں کے ذریعہ سے یہ بات سمجھا دی ہوئی ہے کہ میں وہ مسیح ہوں جس کا ذکر اور وعدہ اجمالاً قرآن میں اور تفصیلاً احادیث میں پایا جاتا ہے۔ اور جو لوگ اسے نہیں مانتے قرآن شریف کی رُو سے ان کا نام فاسق ہے اور احادیث سے واضح ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو اس مسیح کو نہیں مانتا وہ گویا مجھے نہیں مانتا اور جو اس کی معصیت کرتا ہے۔ گویا میری معصیت کرتا ہے۔

لوگ مخلوق کو دھوکہ دیتے ہیں اور غلطیوں میں ڈالتے ہیں کہ ہم نے کوئی نیا کلمہ یا نماز تجویز کی ہے۔ ایسے افتراؤں کا میں کیا جواب دُوں۔ اسی قسم کے افتراؤں سے وہ ایک عاجز انسان مسیح علیہ السلام کو تین خدا بنا بیٹھے۔ دیکھو۔ ہم مسلمان ہیں اور امت محمدی ہیں اور ہمارے نزدیک نئی نماز بنانی یا قبلہ سے رُوگردانی کُفر ہے۔ کُل احکام پیغمبری کو ہم مانتے ہیں اور ہمارا ایمان ہے کہ چھوٹے سے چھوٹے حکم کو ٹالنا بھی بد ذاتی ہے اور ہمارا دعویٰ قال اللہ اور قال الرسول کے ماتحت ہے۔ اتباع نبوی سے الگ ہو کر ہم نے کوئی کلمہ یا نماز

پانچ یا ڈیڑھ اینٹ کی الگ مسجد نہیں بنائی۔ ہمارا کام یہ ہے کہ اس دین کی خدمت کریں اور اس کو کل مذاہب پر غالب کر کے دکھا دیں۔ قرآن شریف کی اور احادیث کی جو پیغمبر خدا سے ثابت ہیں، اتباع کریں۔ ضعیف سے ضعیف حدیث بھی بشرطیکہ وہ قرآن شریف کے مخالف نہ ہو ہم واجب العمل سمجھتے ہیں اور بخاری اور مسلم کو بعد کتاب اللہ اصح الکتب مانتے ہیں۔

اور دوسری بات یہ یاد رکھو کہ مجھے کبھی بھی یہ خواہش نہیں ہوئی کہ لوگ مجھے مانیں بلکہ مجھے تو ان جماعتوں سے ہمیشہ سے نفرت ہے اور اگر میں ملتا ہوں یا ان لوگوں میں آکر بیٹھتا ہوں تو اپنی مرضی سے ہرگز نہیں ملتا بلکہ اللہ تعالیٰ مجھے مجبور کرتا ہے اور کہتا ہے کہ تو ایسا کر۔ ایسی حالت میں بتلاؤ کہ اگر میں اس کی بات نہ مانوں تو کیا کروں؟ میں تو رات دن وحی کے نیچے کام کرتا ہوں۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ تم لوگ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو پختہ طور سے مانو۔ آپ کو ماننا یہ ہے کہ آپ کے وصایا پر عملدرآمد کیا جاوے اور انہی میں سے یہ بات بھی ہے کہ جب وہ مسیح موعود آوے تو تم سب اس کے ساتھ ہو جانا۔ میرے ماننے کی مثال یہ ہے جیسے ایک آقا نوکر کو کہے کہ فلاں شخص میرا میز بانؔ[1] ہے تم اُسے لا کر کھانا کھلاؤ اور ہر طرح کی تعظیم اور تکریم کرو۔ لیکن نوکر اُس کے جواب میں یہ کہے کہ میں تو صرف آپ کو مانتا ہوں۔ مجھے کسی دوسرے کی تعظیم و تکریم سے غرض نہیں ہے اور نہ اس کی خواہش ہے۔ تو اب سوچ کر دیکھو کہ کیا اس نے اپنے آقا کو مانا؟ ہرگز نہیں مانا۔ کیونکہ جس بات میں وہ راضی ہوتا ہے اس کے کرنے سے تو اُسے انکار ہے پس یاد رکھو کہ تم لوگ بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو حقیقی طور پر اسی وقت مانو گے جبکہ آپ کے احکام اور وصایا کو مانو گے جس نے آخری حکم کو توڑا اُس نے سارے حکموں کو توڑا۔ سوچو تو سہی کہ اگر ایک شخص تمام عمر نماز، روزہ ادا کرے لیکن آخری وقت بجائے لا الٰہ الا اللہ کے رام رام کہے تو کیا وہ نماز روزہ اس کے کام آوے گا؟

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک فرما دیا کہ اس امت کی دو دیواریں ہیں۔ ایک میں

[1] کتابت کی غلطی ہے۔ "مہمان" ہونا چاہیے۔ (مرتب)

اور ایک مسیح اور اس کے درمیان آپ نے فیج اعوج فرمایا ہے۔ جن کی نسبت ارشاد ہے۔ کہ وہ نہ مجھ سے ہیں اور نہ میں اُن سے ہوں۔ پس جبکہ خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اسے ایک ٹیڑھا گروہ قرار دیتے ہیں تو ہم اُن کی باتوں کو کیوں قبول کرلیں۔

اس موقعہ پر ایک ذرمیآبادی متعصب مولوی نے مداخلت کی اور ٹیڑھی راہ اختیار کرکے بے جا سوال اور کلام شروع کیا۔ اول تو حضرت اقدس اُسے حلیمی سے سمجھاتے رہے مگر جب معلوم ہوا کہ اس کی غرض رفع شکوک وشبہات نہیں۔ صرف مناظرہ کا ایک اکھاڑہ قائم کرنا چاہتا ہے تو اُس سے اعراض کیا اور فرمایا کہ مباحثہ کا دروازہ تو ہم بند کرچکے ہیں۔ اب اس میں پڑنا پسند نہیں کرتے۔ اس پر بعض مفسد طبائع نے شور کرنا شروع کیا۔ آخر مصلحت وقت دیکھ کر مولوی صاحب کو بیجا مداخلت سے روکا گیا اور جب وہ باز نہ آئے تو اُن کو جبراً احاطہ سے باہر کر دیا گیا۔ اس اثنا میں جو کلام حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ اُسے ہم یکجائی طور پر درج کرتے ہیں۔

## ضرورت زمانہ

فرمایا کہ

شکوک کے رفع کے لئے اگر کوئی راستی اور سچی نیت سے آوے تو ہم اسے سمجھا سکتے ہیں اور اب تو ایسا زمانہ ہے کہ اللہ تعالےٰ خود ایک معلم کی طرح سمجھا رہا ہے۔ یہ اس کی عادت میں داخل ہے کہ جب دُنیا میں گناہ اور بے ایمانی بڑھ جاوے اور ردّی اخلاق اور ردّی عادات ترقی پکڑ جاویں تو ایک شخص کو اصلاح کے لئے مامور کرے اسلام اس وقت دو آفتوں کے ماتحت ہے۔ ایک اندرونی۔ دوسری بیرونی۔ اندرونی خود علماء کا اختلاف اور مسلمانوں کا دنیا کی طرف میلان۔ اور بیرونی وہ آفت جو عیسائیت کی وجہ سے ہے۔ پس کیا ابھی تمہارے نزدیک مہدی اور مسیح کی ضرورت نہ تھی؟

## تیس دجال

پھر ایک اعتراض یہ پیش کرتے ہو کہ اس امت میں ۳۰ دجال آنے والے ہیں۔ اے بدقسمتو کیا تمہارے لئے دجال ہی رہ گئے کہ اگر ایک کے آنے سے ایمان کے تباہ ہونے میں کوئی کسر رہ جاوے تو پھر دوسرا، تیسرا اور چوتھا حتیٰ کہ تیس دجال آویں تاکہ ایمان کا نام ونشان نہ رہے۔ اس طرح تو موسیٰ علیہ السلام کی امت ہی اچھی رہی کہ جس میں پے در پے چار سو نبی آیا۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کے وقت تو عورتوں سے بھی خدا تعالیٰ نے کلام کیا۔ کیا امت محمدیہ کے مرد بھی اس قابل نہ ہوئے کہ خدا تعالیٰ اُن سے ہمکلام ہوتا؟ پھر یہ بتلاؤ کہ یہ امت مرحومہ کس طرح ہوئی اس کا نام تو بدنصیب ہونا چاہیئے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ۱۳ سو برس گذر گئے اور جس قدر فیوض اور برکات تھے وہ سب سماع کے حکم میں آگئے۔ اب اگر خدا تعالےٰ اُن کو تازہ کر کے نہ دکھلائے تو صرف قصہ کہانی کے رنگ میں اُن کو کون مان سکتا ہے جبکہ تازہ طور پر خدا تعالےٰ کی مدد نہیں، نصرت نہیں تو خدا تعالےٰ کی حفاظت کیا ہوئی؟ حالانکہ اس کا وعدہ ہے۔ انا نحن نزّلنا الذکر وانا لہٗ لحافظون[۱]۔

## طاعُون اور احمدی

جب متعصب مولوی صاحب نے طاعون کا ذکر کیا کہ آپ کے مُرید کیوں مرتے ہیں اور اس کا علاج کیا ہے وغیرہ وغیرہ۔ تو آپ نے فرمایا۔

کسوف وخسوف کا علاج بھی کچھ سوچا ہے۔ اس وقت بحث تو نشانوں کی ہے نہ کہ علاج کی۔ ہاں جو کامل طور پر مجھ کو قبول کرتا ہے وہ ضرور محفوظ رہے گا۔ لیکن اس کا مجھے علم نہیں کہ وہ کون ہے۔ میں کسی کے سینہ کو چیر کر نہیں دیکھتا۔ صحابہ کرام کا بھی ایک گروہ طاعون سے شہید ہوا تھا۔ مگر دیکھ لو کہ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما طاعون سے ہرگز نہیں فوت ہوئے۔ خدا تعالیٰ نے بھی اپنے بندوں میں امتیاز رکھا ہے جیسے کہ فرمایا ہے فمنھم ظالم لنفسہٖ ومنھم مقتصدٌ ومنھم سابقٌ بالخیرات[۲]۔

[۱] الحجر: ۱۰ [۲] فاطر: ۳۳

# جماعت سے خطاب

اس کے بعد آپ نے جماعت کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ

ضروری بات یہ ہے کہ تم لوگ ان باتوں کی طرف متوجہ نہ ہو اور تقویٰ اور طہارت میں ترقی کرو۔ تمہارا معاملہ اور حساب خدا سے الگ ہے اور مخالف لوگوں کا حساب الگ ہے جنہوں نے قسم کھائی ہے کہ کیسی ہی سچی بات کیوں نہ ہو مگر وہ قبول نہ کریں گے۔ اللہ تعالیٰ بھی اُن کی نسبت یہی فرماتا ہے کہ یہ لوگ قیامت کو ہی قبول کریں گے۔ ان کی بناوٹ ہی اسی قسم کی ہے کہ عُمدہ شئے یا بات جو پیش کی جاوے وہ اُن کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اور اگر بدبُودار بات ہو تو خوش ہوتے ہیں۔ قرآن شریف، احادیث اور عقلی دلائل اور نشان پیش کئے۔ مگر یہ لوگ ان کی پرواہ نہیں کرتے۔ صرف ایک بات کو نشانہ بناتے ہیں۔ پس جبکہ خدا تعالیٰ نے نہ چاہا کہ ایک مذہب ہو تو ہم کیا کر سکتے ہیں۔ مگر جن لوگوں کو خدا تعالیٰ نے فہم سلیم عطا کیا ہے اُن کو چاہیئے کہ وہ شکر کریں کیونکہ فائدہ اُٹھانے والے وہی لوگ ہوتے ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے خود پاک کیا۔

ابھی ہماری جماعت کے بہت سے لوگ چھُپے ہوئے ہیں ظاہراً وہ ہم سے الگ ہیں لیکن دراصل ہم میں سے ہیں۔ ہمیں خود اُن کا علم نہیں لیکن امید ہے کہ اپنے وقت پر وہ آجاویں گے۔ خود لاہور میں ایک شخص نے ملاقات کی اور کہا کہ میں آپ کو گالیاں دیا کرتا تھا معاف کرو اب میرے شکوک رفع ہو گئے ہیں اور ہزاروں خطوط اس قسم کے آئے ہیں کہ میں اوّل ابوجہل تھا۔ اب توبہ کرتا ہوں۔ بعضوں نے بذریعہ خواب کے مانا اور اکثر کو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کشف میں یا خواب میں کہا کہ تم قبول کر لو۔ جو لوگ بغض کرتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی تیز دھار کو روک لیویں مگر وہ کسی کے روکنے سے رُک نہیں سکتی۔ اگر انسانی کاروبار ہوتا تو آج تک کب کا تباہ ہو جاتا۔ مجھے دعویٰ کئے ہوئے ۲۴ برس سے زیادہ عرصہ گذر گیا ایک مفتری کو اس قدر مہلت مل سکتی ہے کہ اگر کسی کو عقل، فہم اور موت کا ڈر ہو تو وہ

براہین کے وقت کو دیکھے کہ جو پیشگوئیاں اس میں ہیں وہ کیسے پوری ہو کر رہیں۔ لیکن یہ بات
ہے کہ جبتک اللہ تعالیٰ ہدایت نہ دے اور وہ دل کے تالے نہ کھولے تو کس طرح سمجھ میں آوے
کوئی بتاوے تو سہی کہ جب سے دنیا ہوئی ہے کسی مفتری نے اس قسم کی پیشگوئی بھی کی ہے۔
خدا تعالیٰ سے خوف کرنے والے کے لئے تو ایک ہی نشان کافی ہو سکتا ہے۔ لیکن ان لوگوں
نے اس قدر کثیر نشانوں سے بھی فائدہ نہ اُٹھایا۔

غرض مدعا یہ ہے کہ یہ تمام باتیں ان لوگوں کے لئے ہیں جو ہدایت قبول کرتے ہیں۔ نہ کہ
منکروں کے لئے جن کے واسطے اللہ تعالیٰ کا قانون اَور ہے۔ تم خدا سے پناہ مانگو کہ اُن کے
لئے جو قانون اس میں تم کو داخل نہ کرے۔ ہمیشہ نیک دل خدا تعالیٰ کی رحمت سے فائدہ اُٹھاتے
ہیں۔ یہ نہ خیال کرو کہ یہ لوگ مذہب میں پکے ہیں۔ بڑے بُزدل ہوتے ہیں۔ قہرِ الٰہی کا فدا نہیں
مقابلہ کر سکتے۔ لیکن یاد رکھیں کہ یہ ایسا زمانہ ہے جس کے لئے سب نبیوں کی پیش گوئیاں ہیں
اور جیسے مختلف نہریں مل کر ایک دریا بن کر بہہ نکلتی ہیں اسی طرح ان پیش گوئیوں کا سیلاب بہہ
نکلے گا اور آدم، موسیٰ، ابراہیم وغیرہ پیغمبروں نے جو کچھ کہا وہ سب پورا ہو کر رہے گا۔ بعض رحمت
کے نشان بھی ہوں گے مگر اُن سے انہی کو حصہ ملے گا جو عاجز۔ فروتن اور خائف اور تائب ہونگے
اور جو منکر ہیں وہ قہری نشان سے حصہ لیں گے۔ اگرچہ یہ لوگ اس وقت انکار کو نہیں چھوڑتے اور
صرف ماں باپ یا جاہل لوگوں سے سُن سُنا کر غلط عقائد پر اڑے ہوئے ہیں لیکن خدا تعالیٰ
زبردستی سب کچھ چھوڑا وے گا۔ زبردست سے لڑنا نادانی ہے۔ اگر یہ کاروبار انسان کی طرف
سے ہوتا تو کب کا تباہ ہو جاتا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر یہ ہم پر
افترا کرتا تو ہم اس کی شاہ رگ کاٹ دیتے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اگر میں خدا پر افتراء کرتا ہوں اور
تھوڑی مدت نہیں بلکہ ۲۰ سال کے قریب ہو چلا کہ ہمیشہ اس کی طرف سے وحی لوگوں کو سُناتا
ہوں اور وہ جانتا بھی ہے کہ میں جھوٹا ہوں لیکن میری تائید کرتا ہے اور ہلاک نہیں کرتا۔ وہ
کیسا خدا ہے کہ ایک جھوٹے سے اتفاق کر بیٹھا ہے اور ہزاروں نشان اس کی تائید میں دکھاتا

ہے۔ نئی سواری بھی اس کے لئے نکالی۔ کسوف وخسوف بھی اس کے لئے ماہ رمضان میں کیا۔ طاعون بھی بھیجی۔ گویا خدا نے جان کر دھوکا دیا اور جو کام دجّال نے کرنا تھا وہ خود آپ کیا تاکہ مخلوق تباہ ہو۔ ذرا سوچو کیا خدا تعالیٰ کے لئے یہ جائز ہو سکتا ہے کہ ایک کذّاب مفتری اور دجّال کی وہ اس قدر مدد کرے۔ اور مولوی لوگ جو خود کو اس کا مقرب جانتے ہیں۔ ان کی دعا ہرگز قبول نہ ہو۔ جو لڑائی یہ لوگ لڑ رہے ہیں وہ مجھ سے نہیں بلکہ خدا سے ہے۔ میں تو کچھ شئے نہیں ہوں۔ خدا تعالیٰ سے لڑائی والا کبھی بابرکت نہیں ہو سکتا۔ میں تو اس بات کو کہتے ہوئے ڈرتا ہوں اور مجھے لرزہ پڑتا ہے کہ افترا ہو اور خدا تعالیٰ چُپ کر کے بیٹھا رہے۔ اگر اُن کے نزدیک یہ افترا ہے تو چاہیئے کہ دعا کریں کہ خدا اسے نیست کرے یا دُعا کر کے حضرت مسیح کو آسمان سے اُتاریں۔ عیسائی محققین نے بھی آخرکار مسیح کے آسمان سے آنے سے تنگ آکر اور میعاد گذرتی دیکھ کر فیصلہ کر دیا ہے کہ کلیسا کو مسیح مان لو۔ یہی مسیح کا نزول ہے۔ ان کو بھی آخرکار نزول کو استعارہ کے رنگ میں ہی ماننا پڑا۔ احادیث پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ تمام خلفاء اس امت میں سے ہوں گے۔ قرآن شریف بھی یہی کہہ رہا ہے اور سب جگہ مِنْکُمْ کا لفظ موجود ہے مگر نا معلوم کہ ان لوگوں نے مِنْ بَنِیْ اِسْرَائِیْل کہاں سے بنا لیا۔ کیا یہ تھوڑا نشان ہے کہ نہ کوئی واعظ ہے نہ لیکچرار، اور ہماری ترقی برابر ہو رہی ہے۔ بھلا اگر ان کو طاقت ہے تو روک دیں۔ اللہ تعالیٰ خود لوگوں کو ادھر رجوع دلا رہا ہے۔ مصر سے بھی بیعت کی درخواست آئی ہے۔ یورپ میں تحریک ہے۔ امریکہ میں تحریک ہے۔

میں پھر جماعت کو تاکید کرتا ہوں کہ تم لوگ ان کی مخالفتوں سے غرض نہ رکھو۔ تقوےٰ طہارت میں ترقی کرو تو اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہوگا اور ان لوگوں سے وہ خود سمجھ لیوے گا وہ فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ ھُمْ مُّحْسِنُوْنَ۔[1]

اور خوب یاد رکھو کہ اگر تقویٰ اختیار نہ کرو گے اور اس نیکی سے جسے خدا چاہتا ہے کثیر حصّہ نہ لو گے تو اللہ تعالیٰ سب سے اوّل تم ہی کو ہلاک کرے گا کیونکہ تم نے ایک سچائی

[1] النحل: ۱۲۹

کو مانا ہے اور پھر عملی طور سے اس کے منکر ہوتے ہو۔ اس بات پر ہرگز بھروسہ نہ کرو اور مغرور مت ہو کہ بیعت کر لی ہے۔ جب تک پوری تقویٰ اختیار نہ کرو گے ہرگز نہ بچو گے۔ خدا تعالےٰ کا ۱۹۰۲ کسی سے رشتہ نہیں نہ اس کو کسی کی رعایت منظور ہے۔ جو ہمارے مخالف ہیں وہ بھی اسی کی پیدائش ہیں اور تم بھی اسی کی مخلوق ہو۔ صرف اعتقادی بات ہرگز کام نہ آوے گی جب تک تمہارا قول اور فعل ایک نہ ہو

ان لوگوں کی حالتوں پر غور کرو کہ جب توفی کا لفظ مسیح کے لئے آوے تو اس کے معنے آسمان پر جانے کے کرتے ہیں۔ اور جب وہی لفظ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے استعمال ہو تو اس کے معنے وفات پانے کے کرتے ہیں۔ پس خدا تعالےٰ چاہتا ہے کہ عملی راستی دکھاؤ۔ تا وہ تمہارے ساتھ ہو۔ رحم، اخلاق، احسان، اعمال حسنہ، ہمدردی اور فروتنی میں اگر کمی رکھو گے تو مجھے معلوم ہے اور بار بار میں بتلا چکا ہوں کہ سب سے اول ایسی ہی جماعت ہلاک ہوگی۔ موسیٰ علیہ السلام کے وقت جب اس کی امت نے خدا تعالیٰ کے حکموں کی قدر نہ کی تو باوجودیکہ موسیٰ اُن میں موجود تھا مگر پھر بھی بجلی سے ہلاک کئے گئے۔ پس اگر تم بھی ویسے کرو گے تو میری موجودگی کچھ کام نہ آوے گی۔

اب ہم ان لوگوں کو کہاں تک سمجھائیں۔ بہت سی کتابیں چھپ چکی ہیں اور ان کے لئے کافی اتمام حجت ہو چکا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام پر توفی کا لفظ استعمال کریں تو اس کے معنے موت کے ہوں۔ ساحرین موسیٰ کے لئے وہی لفظ آوے تو اس کے معنے موت کے ہوں لیکن جب مسیح پر بولا جاوے تو اس کے معنے آسمان پر جانا کرتے ہیں۔ یہ لوگ خدا کو کیا جواب دیں گے۔ کیا یہی اُن کی محبت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے اور یہ کیسی دلیری اور شوخی ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا وجود مبارک جس کی دنیا کو ضرورت تھی وہ تو تیرہ سو برس گذرے کہ خاک میں دفن ہو اور آپ ۶۳ برس کی عمر میں فوت ہو جاویں اور مسیح ابتک آسمان پر۔ کوئی بتلاوے کہ وہاں کیا کر رہا ہے۔ اس کا وعدہ تھا کہ میں بنی

اسرائیل کی طرف آیا ہوں اور کتنی قومیں بنی اسرائیل کی باقی تھیں کہ آسمان پر جا بیٹھا اور وعدہ بھی پورا نہ کیا اور پھر عقل، نقل اور کتاب اللہ کے برخلاف ہے۔ یہ سب دلائل ہیں جو کہ ایک مومن کے لئے کافی ہیں اور بجز اس کے کہ عیسٰی کو فوت شدہ مانا جاوے اور کوئی ذریعہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی عزت کو محفوظ رکھنے کا نہیں ہے۔ میں تو اس شخص سے بہت خوش ہوں کہ جس نے کتاب حیاۃ النبی لکھی ہے اور اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ جو شخص سوائے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے کسی اور پیغمبر کو زندہ کہے وہ کافر ہے کیونکہ آخر محبت کی کچھ بھی تو علامت چاہیئے۔ بعض نئے نئے لوگوں نے جو عیسائیوں میں سے اسلام میں داخل ہوئے حضرت عمرؓ کو یہ بات کہی ہوگی کہ عیسٰی ابتک زندہ ہے تب ہی تو انہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات پر ہرگز یہ باور نہ کیا کہ آپ فوت ہو گئے ہیں بلکہ ایسا کہنے والے کو قتل کرنے کے لئے آمادہ ہوئے۔ آخر جب حضرت ابو بکرؓ نے آکر اس مسئلہ کو حل کیا کہ سب نبی فوت ہو گئے ہیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بھی فوت ہوئے تب آپ کو اعتبار آیا۔

اب عیسائیت کا اثر غالب آگیا ہے اور جو محبت مسلمانوں کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے چاہیئے تھی وہ نہیں رہی۔ ہزاروں رسالے اور اخبار نکالتے ہیں لیکن کسی نے آج تک آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی حیات کا رسالہ نہ نکالا۔ پس اب خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ آپؐ کی عزت کو دنیا میں قائم کرے۔ کئی کروڑ کتب اسلام کے ردّ میں لکھی گئیں کیا اب بھی خدا کو لازم نہ تھا کہ کوئی ذریعہ قائم کر کے آپؐ کی عزت کو ظاہر کرے۔ ہم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ایک نبی مانتے ہیں اور سب سے اشرف جانتے ہیں اور ہرگز گوارا نہیں کرتے کہ کوئی عمدہ بات کسی اور کی طرف منسوب کی جاوے۔ جب کفار نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے یہی معجزہ طلب کیا کہ آسمان پر چڑھ کر دکھاویں تو آپ نے فرمایا سبحان ربّی اور انکار کر دیا دوسری طرف حضرت مسیح کو خدا آسمان پر لے جاوے یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ہم قرآن سے کیا بلکہ کُل کتابوں سے دکھا سکتے ہیں کہ جس قدر اخلاق اور خوبیاں کُل انبیاء میں تھیں۔ وہ

سب کی سب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم میں جمع تھیں۔ کان فضل اللّٰہ علیك عظیماً[1] اسی کی طرف اشارہ ہے۔ پس اگر آسمان پر جانا کوئی فضیلت ہو سکتی تھی تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اس سے کب باہر رہ سکتے تھے۔ آخر یہ لوگ پچھتاویں گے کہ ان باتوں کو ہم نے کیوں نہ مانا۔ یہ لوگ ایک وار تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات پر کرتے ہیں کہ ایک معجزہ آسمان پر جانے کا لوگوں نے مانگا مگر خدا تعالیٰ نے آپ کی پروا نہ کی اور عیسیٰ کو یہ عزت دی کہ اُسے آسمان پر اُٹھا لیا اور دوسرا حملہ خود خدا پر کرتے ہیں کہ اُس نے اپنی قوت خلق سے مسیح کو بھی کچھ دے دی جس سے تشابہ الخلق ہو گیا جواب دیتے ہیں کہ خدا نے خود مسیح کو یہ قدرت دی تھی اسے نادانو! اگر خدائی نے تقسیم ہونا تھا تو کیا اس کے حصہ گیر عیسیٰ ہی رہ گئے تھے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو کیوں حصہ نہ ملا۔

اس قدر تقریر ہو چکی تھی کہ بعض جان نثاروں نے بہت وقت گذر جانے کی درخواست کی تاکہ آپ کی طبیعت کو زیادہ صدمہ نہ پہنچے اور سلسلہ تقریر ختم ہو جاوے۔ چنانچہ حضور نے دعا پر اُسے ختم کیا۔

(البدر جلد ۳ نمبر ۳۴ صفحہ ۳ تا ۸ مورخہ ۸ ستمبر ۱۹۰۴ء و نمبر ۳۵ صفحہ ۱ و ۲ مورخہ ۱۶ ستمبر ۱۹۰۴ء)

---

۲۸ اگست ۱۹۰۴ء

بمقام لاہور۔ سات بجے صبح

(حضرت اقدس کی تقریر جو ڈیڑھ ہزار سے زیادہ مجمع کے درمیان آپ نے فرمائی)

## ایامِ برکت و مسرت

سب صاحب یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام میں بعض ایسے دن مقرر کئے ہیں کہ وہ دن بڑی خوشی کے دن سمجھے جاتے ہیں اور ان میں اللہ تعالیٰ نے عجیب عجیب برکات رکھی ہیں۔

[1] النسآء: ۱۱۴

منجملہ ان دنوں کے ایک جمعہ کا دن ہے۔ یہ دن بھی بڑا ہی مبارک ہے۔ لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو جمعہ ہی کو پیدا کیا اور اسی دن ان کی توبہ منظور ہوئی تھی۔ اور بھی بہت سی برکات اور خوبیاں اس دن کی ماثور ہیں۔ ایسا ہی اسلام میں دو عیدیں ہیں۔ ان دونوں دنوں کو بھی بڑی خوشی کے دن مانا گیا ہے اور ان میں بھی عجیب عجیب برکات رکھی ہیں۔ لیکن یاد رکھو کہ یہ دن بیشک اپنی اپنی جگہ مبارک اور خوشی کے دن ہیں۔ لیکن ایک دن ان سب سے بھی بڑھ کر مبارک اور خوشی کا دن ہے۔ مگر افسوس سے دیکھا جاتا ہے کہ لوگ نہ تو اس دن کا انتظار کرتے ہیں اور نہ اس کی تلاش۔ ورنہ اگر اس کی برکات اور خوبیوں سے لوگوں کو اطلاع ہوتی یا وہ اس کی پروا کرتے تو حقیقت میں وہ دن ان کے لئے بڑا ہی مبارک اور خوش قسمتی کا دن ثابت ہوتا اور لوگ اُسے غنیمت سمجھتے۔

## عید اور جُمعہ سے بڑھ کر مُبارک دن یومِ توبہ ہے

وہ دن کونسا دن ہے جو جمعہ اور عیدین سے بھی بہتر اور مبارک دن ہے؟ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ وہ دن انسان کی توبہ کا دن ہے جو ان سب سے بہتر ہے اور ہر عید سے بڑھکر ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ اس دن وہ بد اعمال نامہ جو انسان کو جہنم کے قریب کرتا جاتا ہے اور اندر ہی اندر غضب الٰہی کے نیچے اُسے لا رہا تھا دھو دیا جاتا ہے اور اس کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ حقیقت میں اس سے بڑھ کر انسان کے لئے اور کونسا خوشی اور عید کا دن ہوگا جو اسے ابدی جہنم اور ابدی غضب الٰہی سے نجات دیدے۔ توبہ کرنے والا گنہگار جو پہلے خدا تعالیٰ سے دُور اور اُس کے غضب کا نشانہ بنا ہوا تھا۔ اب اس کے فضل سے اُس کے قریب ہوتا اور جہنم اور عذاب سے دُور کیا جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ان اللہ یحب التوابین و یحب المتطھرین[1]۔ بیشک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے اور ان لوگوں سے جو پاکیزگی کے خواہاں ہیں پیار کرتا ہے۔ اس آیت سے نہ صرف یہی پایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو اپنا محبوب بنا لیتا ہے بلکہ یہ بھی معلوم

[1] البقرۃ : ۲۲۳

ہوتا ہے کہ حقیقی توبہ کے ساتھ حقیقی پاکیزگی اور طہارت شرط ہے۔ ہر قسم کی نجاست اور گندگی سے الگ ہونا ضروری ہے۔ ورنہ نری توبہ اور لفظ کے تکرار سے تو کچھ فائدہ نہیں ہے۔ پس جو دن ایسا مبارک دن ہو کہ انسان اپنی بدکرتوتوں سے توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ سچا عہد صلح باندھ لے اور اس کے احکام کے لئے اپنا سر خم کر دے تو کیا شک ہے کہ وہ اس عذاب سے جو پوشیدہ طور پر اس کے بدعملوں کی پاداش میں تیار ہو رہا تھا۔ بچایا جاوے گا۔ اور اس طرح پر وہ وہ چیز پالیتا ہے جس کی گویا اسے توقع اور امید ہی نہ رہی تھی۔

تم خود قیاس کر سکتے ہو کہ ایک شخص جب کسی چیز کے حاصل کرنے سے بالکل مایوس ہو گیا ہے اور اس ناامیدی اور یاس کی حالت میں وہ اپنے مقصود کو پالے تو اسے کس قدر خوشی حاصل ہو گی۔ اس کا دل ایک تازہ زندگی پائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ احادیث میں اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ احادیث اور کتب سابقہ سے یہی پتہ لگتا ہے کہ جب انسان گناہ کی موت سے نکل کر توبہ کے ذریعہ نئی زندگی پاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی زندگی سے خوش ہوتا ہے۔ حقیقت میں یہ خوشی کی بات تو ہے ہی کہ انسان گناہوں کے نیچے دبا ہو اور ہلاکت اور موت ہر طرف سے اس کے قریب ہو۔ عذاب الٰہی اس کے کھا جانے کو تیار ہو کہ وہ یکایک ان بدیوں اور بدکاریوں سے جو بُعد اور ہجر کا موجب تھیں توبہ کر کے خدا تعالیٰ کی طرف آ جاوے وہ وقت خدا کی خوشی کا ہوتا ہے اور آسمان پر ملائکہ بھی خوشی کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ اس کا کوئی بندہ تباہ اور ہلاک ہو بلکہ وہ تو چاہتا ہے کہ اگر اس کے بندے سے کوئی غلطی اور کمزوری بھی ظاہر ہوئی ہے پھر بھی وہ توبہ کر کے امن میں داخل ہو۔ پس یاد رکھو کہ وہ دن جب انسان اپنے گناہوں سے توبہ کرتا ہے۔ بہت ہی مبارک دن ہے اور سب ایام سے افضل ہے۔ کیونکہ وہ اس دن نئی زندگی پاتا ہے اور خدا تعالیٰ کے قریب کیا جاتا ہے اور اس لحاظ سے یہ دن (جس میں تم میں سے بہتوں نے اقرار کیا ہے کہ میں آج اپنے تمام گناہوں سے توبہ کرتا ہوں اور آئندہ جہانتک میری طاقت اور سمجھ ہے گناہوں سے بچتا رہوں گا) یَوْمِ تَوْبَہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ

کے وعدہ کے موافق میں یقین رکھتا ہوں کہ ہر ایک شخص کے جس نے سچے دل سے توبہ کی ہے پچھلے گناہ بخش دیئے گئے اور وہ التائب من الذنب کمن لا ذنب لہٗ کے نیچے آگیا ہے۔ گویا کہ کہہ سکتے ہیں کہ اس نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ مگر ہاں میں پھر کہتا ہوں کہ اس کے لئے یہ شرط ہے کہ حقیقی پاکیزگی اور سچی طہارت کی طرف قدم بڑھایا جاوے اور یہ توبہ نری لفظی توبہ ہی نہ ہو بلکہ عمل کے نیچے آجاوے۔ یہ چھوٹی سی بات نہیں ہے کہ کسی کے گناہ بخش دیئے جاویں بلکہ ایک عظیم الشان امر ہے۔

دیکھو۔ انسانوں میں اگر کوئی کسی کا ذرا سا قصور اور خطا کرے تو بعض اوقات اس کا کینہ پشتوں تک چلا جاتا ہے وہ شخص نسلاً بعد نسلٍ تلاش حریف میں رہتا ہے کہ موقعہ ملے تو بدلہ لیا جاوے لیکن اللہ تعالےٰ بہت ہی رحیم کریم ہے۔ انسان کی طرح سخت دل نہیں جو ایک گناہ کے بدلے میں کئی نسلوں تک پیچھا نہیں چھوڑتا اور تباہ کرنا چاہتا ہے مگر وہ رحیم کریم خدا ستر برس کے گناہوں کو ایک کلمہ سے ایک لحظہ میں بخش دیتا ہے۔ یہ مت خیال کرو کہ وہ بخشنا ایسا ہے کہ اس کا فائدہ کچھ نہیں۔ نہیں وہ بخشنا حقیقت میں فائدہ رساں اور نفع بخش ہے اور اس کو وہ لوگ خوب محسوس کر سکتے ہیں جنہوں نے سچے دل سے توبہ کی ہو۔

## نزول بلا کی فلاسفی

بہت سے لوگ اس امر سے غافل ہیں کہ انسان پر جو بلائیں آتی ہیں وہ بلا وجہ یونہی آجاتی ہیں یا اُن کے نزول کو انسان کے اعمال سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ایسا خیال بالکل غلط ہے۔ یہ خوب یاد رکھو کہ ہر بلا جو اس زندگی میں آتی ہے یا جو مرنے کے بعد آئے گی جس کا ہمیں یقین ہے۔ اس کی اصل جڑ گناہ ہی ہے۔ کیونکہ گناہ کی حالت میں انسان اپنے آپ کو اُن انوار اور فیوض سے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے آتے ہیں پرے ہٹا دیتا ہے اور اس اصل مرکز سے جو حقیقی راحت کا مرکز ہے۔ ہٹ جاتا ہے۔ اس لئے تکلیف کا آنا اس حالت میں اس پر ضروری ہے۔

# اقسامِ بلا

یہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ انبیاء اور راستبازوں پر بھی بعض اوقات بلائیں آجاتی ہیں اور مصائب اور شدائد میں ڈالے جاتے ہیں لیکن یہ گمان کرنا کہ وہ مصائب اور بلائیں کسی گناہ کی وجہ سے آتی ہیں خطرناک غلطی اور گناہ ہے۔ ان بلاؤں میں جو خدا کے راستبازوں اور پیارے بندوں پر آتی ہیں اور ان بلاؤں میں جو خدا تعالیٰ کے نافرمانوں اور خطا کاروں پر آتی ہیں۔ زمین آسمان کا فرق ہے اس لئے کہ ان کے اسباب بھی مختلف ہیں۔ نبیوں اور راستبازوں پر جو بلائیں آتی ہیں اُن میں ان کو ایک صبرِ جمیل دیا جاتا ہے جس سے وہ بلا اور مصیبت اُن کے لئے مدرک الحلاوت ہو جاتی ہیں۔ وہ اس سے لذت اُٹھاتے ہیں۔ اور روحانی ترقیوں کے لئے ایک ذریعہ ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ ان کے درجات کی ترقی کے لئے ایسی بلاؤں کا آنا ضروری ہے جو ترقیات کے لئے زینہ کا کام دیتی ہیں۔ جو شخص ان بلاؤں میں نہیں پھنتا اور ان مصیبتوں کو نہیں اُٹھاتا وہ کسی قسم کی ترقی نہیں کر سکتا۔

دنیا کے عام نظام میں بھی تکالیف اور مشقتوں کا ایک سلسلہ ہے جس میں سے ہر ایسے شخص کو جو ترقی کا خواہاں ہے گذرنا پڑتا ہے۔ لیکن ان تکالیف اور شاقہ محنتوں میں باوجود تکالیف کے ایک لذت ہوتی ہے جو اُسے کشاں کشاں آگے لئے جاتی ہے۔ برخلاف اس کے وہ مصیبت اور تکالیف جو انسان کی اپنی بدکرداری کی وجہ سے اس پر آتی ہیں۔ وہ وہ مصیبت آتی ہے جس میں ایک درد اور سوزش ہوتی ہے جو اس کی زندگی اس کے لئے وبالِ جان کر دیتی ہے۔ وہ موت کو ترجیح دیتا ہے مگر نہیں جانتا کہ یہ سلسلہ مر کر بھی ختم نہیں ہوگا۔

غرض ان بلاؤں کے نزول میں ہمیشہ سے قانونِ قدرت یہی ہے کہ جو بلائیں شامتِ اعمال کی وجہ سے آتی ہیں وہ الگ ہیں اور خدا کے راستبازوں اور پیغمبروں پر جو بلائیں آتی ہیں وہ اُن کی ترقی درجات کے لئے ہوتی ہیں۔ بعض جاہل جو اس راز کو نہیں سمجھتے وہ جب

بلاؤں میں مبتلا ہوتے ہیں تو بجائے اس کے کہ اس بلا سے فائدہ اُٹھائیں اور کم از کم آئندہ کے لئے مفید سبق حاصل کریں اور اپنے اعمال میں تبدیلی پیدا کریں کہہ دیتے ہیں کہ اگر ہم پر مصیبت آئی تو کیا ہوا نبیوں اور پیغمبروں پر بھی تو آجاتی ہیں۔ حالانکہ ان بلاؤں کو انبیاء کی مشکلات اور مصائب سے کوئی نسبت ہی نہیں۔ جہالت بھی کیسی بُری مرض ہے کہ انسان اس میں قیاس مع الفارق کر بیٹھتا ہے۔ یہ بڑا دھوکہ واقع ہوتا ہے جو انسان تمام انبیاء کی مشکلات کو عام لوگوں کی بلاؤں پر حمل کر لیتا ہے۔

پس خوب یاد رکھو کہ جیسا کہ میں نے ابھی بیان کیا ہے انبیاء اور دوسرے اخیار و ابرار کی بلائیں محبت کی راہ سے ہیں۔ خدا تعالےٰ اُن کو ترقی دینا چاہتا ہے اور یہ بلائیں وسائل ترقی میں سے ہیں لیکن جب مفسدوں پر آتی ہیں تو اللہ تعالےٰ اُن کو اس عذاب سے تباہ کرنا چاہتا ہے۔ وہ بلائیں ان کے استیصال اور نیست و نابُود کرنے کا ذریعہ ہو جاتی ہیں۔ یہ ایسا فرق ہے کہ دلائل کا محتاج نہیں ہے کیونکہ جب اچھے آدمی جو خدا تعالےٰ کو مقدم کر لیتے ہیں اور یہ بھی نہیں جانتے کہ خدا تعالیٰ سے محبت کیوں کرتے ہیں۔ بہشت اور دوزخ ان کے دل میں نہیں ہوتا اور نہ بہشت کی خواہش اور دوزخ کا ذکر اُن کو خدا تعالےٰ کی اطاعت کا محرک ہوتا ہے بلکہ وہ طبعی جوش اور طبعی محبت سے خدا تعالیٰ سے محبت کرتے اور اس کی اطاعت میں محو ہوتے ہیں۔ ان پر جب کوئی بلا آتی ہے تو وہ خود محسوس کر لیتے ہیں کہ یہ از راہِ محبت ہے۔ وہ دیکھتے ہیں کہ ان بلاؤں کے ذریعہ ایک چشمہ کھولا جاتا ہے جس سے وہ سیراب ہوتے ہیں اور اُن کا دل لذّت سے بھر جاتا ہے اور خدا تعالےٰ کی محبت ایک فوارہ کی طرح جوش مارنے لگ جاتی ہے تب وہ چاہتے ہیں کہ یہ بلا زیادہ ہو تاکہ قرب الٰہی زیادہ ہو اور رضا کے مدارج جلد طے ہوں۔ غرض الفاظ وفا نہیں کرتے جو اس لذّت کو بیان کرسکیں جو اخیار و ابرار کو ان بلاؤں کے ذریعہ آتی ہے یہ لذّت تمام سفلی لذّتوں سے بڑھی ہوئی ہے اور فوق الفوق لذت ہوتی ہے۔ یہ مصیبت کیا ہے۔ ایک عظیم الشان دعوت ہے

جس میں قسم قسم کے انعام و اکرام اور پھل اور میوے پیش کئے جاتے ہیں۔ خدا اس وقت قریب ہوتا ہے۔ فرشتے ان سے مصافحہ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے مکالمہ کا شرف عطا کیا جاتا ہے اور وحی اور الہام سے اس کو تسلی اور سکینت دی جاتی ہے۔ لوگوں کی نظر میں یہ بلاؤں اور مصیبتوں کا وقت ہے مگر دراصل اس وقت اللہ تعالیٰ کے فیضان اور فیوض کی بارش کا وقت ہوتا ہے۔ سفلی اور سطحی خیال کے لوگ اس کو سمجھ نہیں سکتے۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ یہ بلاؤں اور غموں ہی کا وقت ہے جو مزا آتا ہے اور راحت ملتی ہے کیونکہ خدا جو انسان کا اصل مقصود ہے۔ اس وقت اپنے بندے کے بہت ہی قریب ہوتا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ قرآن جو دیا گیا ہے۔ غم کی حالت میں دیا گیا ہے پس تم بھی اس کو غم کی حالت میں پڑھو۔

غرض میں کہاں تک بیان کروں کہ ان بلاؤں میں کیا لذت اور مزا ہوتا ہے اور عاشق صادق کہاں تک ان سے محظوظ ہوتا ہے۔ مختصر طور پر یاد رکھو کہ ان بلاؤں کا پھل اور نتیجہ جو ابرار اور اخیار پر آتی ہیں جنت اور ترقی درجات ہے اور وہ بلائیں اور غم جو مفسدوں اور شریروں پر آتے ہیں۔ ان کی وجہ شامت اعمال اور تاریک زندگی ہے اور اس کا نتیجہ جہنم اور عذاب الٰہی ہے پس جو شخص آگ کے پاس جاتا ہے ضرور ہے کہ وہ اس کی سوزش سے حصہ لے اور اسے محسوس کرے اور اسے دکھ پہنچے۔ لیکن جو ایک باغ میں جاتا ہے یقینی امر ہے کہ اس کے پھلوں اور پھولوں کی خوشبو سے اور اس خوبصورت نظارہ کے مشاہدہ سے لذت پاوے۔

## عذابی بلا کا علاج

اب واضح رہے کہ جس حال میں وہ بلائیں جو شامت اعمال کی وجہ سے آتی ہیں۔ اور جن کا نتیجہ جہنمی زندگی اور عذاب الٰہی ہے ان بلاؤں سے جو ترقی درجات کے طور پر اخیار و ابرار کو آتی ہیں الگ ہیں۔ کیا کوئی ایسی صورت بھی ہے جو انسان اس عذاب سے نجات پاوے۔ اس عذاب اور دکھ سے رہائی کی بجز اس کے کوئی تجویز اور علاج نہیں ہے کہ انسان سچے دل سے توبہ کرے۔ جب تک سچی توبہ نہیں کرتا، یہ بلائیں جو عذاب الٰہی کے

رنگ میں آتی ہیں اس کا پیچھا نہیں چھوڑ سکتی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے قانون کو نہیں بدلتا جو اس بارے میں اس نے مقرر فرما دیا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ[1]۔ یعنی جب تک کوئی قوم اپنی حالت میں تبدیلی پیدا نہیں کرتی۔ اللہ تعالےٰ بھی اس کی حالت نہیں بدلتا۔

خدا تعالےٰ ایک تبدیلی چاہتا ہے اور وہ پاکیزہ تبدیلی ہے۔ جب تک وہ تبدیلی نہ ہو عذاب الٰہی سے رستگاری اور مخلصی نہیں ملتی۔ یہ خدا تعالےٰ کا ایک قانون اور سُنّت ہے اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوتی کیونکہ خود اللہ تعالےٰ نے ہی یہ فیصلہ کر دیا ہے۔ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰہِ تَبْدِیْلًا[2] سنّت اللہ میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ پس جو شخص چاہتا ہے کہ آسمان میں اس کے لئے تبدیلی ہو یعنی وہ ان عذابوں اور دکھوں سے رہائی پائے جو شامت اعمال نے اس کے لئے تیار کئے ہیں۔ اس کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ اپنے اندر تبدیلی کرے۔ جب وہ خود تبدیلی کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے موافق جو اس نے اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ[3] میں کیا ہے۔ اس کے عذاب اور دکھ کو بدلا دیتا ہے اور دُکھ کو سُکھ سے تبدیل کر دیتا ہے۔ جب انسان کے اندر تبدیلی کرتا ہے تو اس کے لئے ضرور نہیں ہے کہ وہ لوگوں کو بھی دکھاتا پھرے۔ وہ رحیم کریم خدا جو دلوں کا مالک ہے اس کی تبدیلی کو دیکھ لیتا ہے کہ یہ پہلا انسان نہیں ہے اس لئے وہ اس پر فضل کرتا ہے۔ تذکرۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ ایک شخص نماز۔ روزہ اور دوسرے اشغال اذکار سے ریا کرتا تھا تا کہ لوگ اُسے ولی سمجھیں۔ لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام لوگ اُسے ریاکار سمجھتے تھے یہانتک کہ بچے بھی جس راستہ سے وہ گذرتا تھا اس کو ریاکار اور فریبی کہا کرتے تھے۔ ایک وقت تک اس کی حالت ایسی ہی رہی۔ آخر اُس نے سوچا کہ اس طریق سے کوئی فائدہ تو نہیں ہوا بلکہ حالت بدتر ہی ہوئی ہے اس لئے اس کو چھوڑ دینا چاہیئے۔ پس اس نے چھوڑ دیا اور ملامتی فرقہ کا سا طریق اختیار کر لیا۔ مسلمانوں میں ملامتی ایک فرقہ ہے جو اپنی

[1] الرعد: ۱۲ [2] الاحزاب: ۶۳ [3] الرعد: ۱۲

نیکیوں کو چھپاتا ہے اور بدیوں کو ظاہر کرتا ہے تاکہ لوگ انہیں بُرا کہیں۔ اسی طرح پر وہ اپنی نیکیوں کو چھپانے لگا اور اندر ہی اندر اللہ تعالیٰ سے سچی محبت کرنے لگا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لکھا ہے کہ جس کوچہ سے گذرتا عام لوگ اور بچے بھی اُسے کہتے کہ بڑا نیک ہے۔ ولی ہے۔ بزرگ ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا مُشک اور عطر کی طرح ہے جو کسی طرح پر چھُپ نہیں سکتا۔ یہی تاثیریں ہیں سچی توبہ میں۔ جب انسان سچے دل سے توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالےٰ اس کے پہلے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔ پھر اُسے نیک اعمال کی توفیق ملتی ہے۔ اس کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ خدا اس کے دوستوں کا دوست اور اس کے دشمنوں کا دشمن ہو جاتا ہے اور وہ تقدیر جو شامتِ اعمال سے اس کے لئے مقرر ہوئی ہے وہ دُور کی جاتی ہے۔ اس امر کے دلائل بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ انسان اپنی اس مختصر زندگی میں بلاؤں سے محفوظ رہنے کا کس قدر محتاج ہے اور وہ چاہتا ہے کہ ان بلاؤں اور وباؤں سے محفوظ رہے جو شامتِ اعمال کی وجہ سے آتی ہیں اور یہ ساری باتیں سچی توبہ سے حاصل ہوتی ہیں۔ پس توبہ کے فوائد میں سے ایک یہ بھی فائدہ ہے کہ اللہ تعالےٰ اس کا حافظ و نگران ہو جاتا ہے اور ساری بلاؤں کو خدا دُور کر دیتا ہے اور اُن منصوبوں سے جو دشمن اس کے لئے تیار کرتے ہیں اُن سے محفوظ رکھتا ہے اور اس کا یہ فضل اور برکت کسی سے خاص نہیں بلکہ جس قدر بندے ہیں خدا تعالیٰ کے ہی ہیں۔ اس لئے ہر ایک شخص جو اُس کی طرف آتا ہے اور اس کے احکام اور اوامر کی پیروی کرتا ہے وہ بھی ویسا ہی ہو گا جیسے پہلا شخص توبہ کر چکا ہے وہ ہر ایک سچی توبہ کرنے والے کو بلاؤں سے محفوظ رکھتا ہے اور اس سے محبت کرتا ہے۔ پس یہ توبہ جو آج اس وقت کی گئی ہے یہ مبارک اور عید کا دن ہے اور یہ عید ایسی عید ہے جو کبھی میسر نہیں آئی ہو گی۔ ایسا نہ ہو کہ تھوڑے سے خیال سے ماتم کا دن بنا دو۔ عید کے دن اگر ماتم ہو تو کیسا غم ہوتا ہے کہ دوسرے خوش ہوں اور اس کے گھر

ماتم ہو۔ موت تو سب کو ناگوار معلوم ہوتی ہے۔ لیکن جس کے گھر عید کے دن موت ہو وہ کس قدر ناخوشگوار ہوگی۔

قاعدہ کی بات ہے کہ جب انسان ایک نعمت کی قدر نہیں کرتا وہ ضائع ہو جاتی ہے۔ دیکھو جن چیزوں کی تم قدر کرتے ہو اُن کو صندوقوں میں بڑی حفاظت سے رکھتے ہو۔ اگر ایسا نہ کرو تو وہ ضائع ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اس مال کا جو ایمان کا مال ہے چور شیطان ہے۔ اگر اس کو بچا کر دل کے صندوقوں میں احتیاط سے نہ رکھو گے تو چور آئے گا اور لے جائے گا۔ یہ چور بہت ہی خطرناک ہے۔ دوسرے چور جو اندھیری راتوں میں آکر نقب لگاتے ہیں وہ اکثر پکڑے جاتے ہیں اور سزا پاتے ہیں۔ لیکن یہ چور ایسا ہے کہ اس کی عمر نہیں ہے اور ابھی پکڑا نہ جائے گا۔ یہ اس وقت آتا ہے جب گناہ کی تاریکی پھیل جاتی ہے کیونکہ چور اور روشنی میں دشمنی ہے۔ جب انسان اپنا مُنہ خدا کی طرف رکھتا ہے اور اسی کی طرف رجُوع اور توجہ کرتا ہے تو وہ روشنی میں ہوتا ہے۔ اور شیطان کو کوئی موقعہ اپنی دستبرد کا نہیں ملتا۔

پس کوشش کرو کہ تمہارے ہاتھوں میں ہمیشہ روشنی رہے۔ اگر غفلت بڑھ گئی تو یہ چور آئے گا اور سارا اندوختہ لے جائے گا اور برباد ہو جاؤ گے۔ اس لئے اس اندوختہ کو احتیاط اور اپنی راستبازی اور تقویٰ کے ہتھیاروں سے محفوظ رکھو۔ یہ ایسی چیز نہیں ہے کہ اس کے ضائع ہونے سے کچھ حرج نہ ہو بلکہ اگر یہ اندوختہ جاتا رہا تو ہلاکت ہے اور ہمیشہ کی زندگی سے محروم ہو جاؤ گے۔

## تنبیہہ و تبلیغ

یاد رکھو۔ یہ طاعون کے دن ہیں معلوم نہیں ستمبر کے آخر اور اکتوبر کے شروع میں کیا ہو جہانتک خدا تعالیٰ نے مجھ پر ظاہر کیا ہے میں دیکھتا ہوں کہ بہت خطرناک دن آنیوالے ہیں۔ اس لئے ہر ایک شخص جو چاہتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے غضب سے محفوظ رہے وہ اسی وقت سے تیاری کرے جب تک غضب الٰہی نازل نہیں ہوتا اور اس کے آثار نمودار نہیں ہوتے۔ تو ہر

شخص واجب الرحم ہوتا ہے لیکن جب آثار نمودار ہو جاویں پھر عذاب نہیں ٹلتا۔ بہت سے لوگ بے باک اور جرأت کرنے والے ہوتے ہیں۔ وہ شوخی سے کہہ دیتے ہیں کہ صدہا وبائیں بلائیں اور ہیضے وغیرہ آتے ہیں۔ ایسا ہی طاعون بھی ہے۔ لیکن یہ اُن کی بدبختی اور شقاوت ہے جو ایسی جرأت پیدا ہوتی ہے۔ وہ نہیں جانتے کہ یہ بُرے دنوں کی نشانی ہے۔ جب بلائیں دُنیا میں آتی ہیں اور دنیا کو تباہ کرتی ہیں تو شامتِ اعمال سے ہی آتی ہیں۔ ہمیشہ سے گناہ ہوتا آیا ہے اور ہمیشہ ان صورتوں میں ہی عذاب اور بلا آئی ہے اور ان گناہوں کے بدلے میں سزا دی گئی ہے۔ پھر یہ شوخی اچھی نہیں۔ اس کا نتیجہ بہت ہی بُرا ہے۔ یہ وقت تو ایسا ہے کہ خدا تعالیٰ سے صلح کرو اور پاک تبدیلی کرو نہ یہ کہ شوخی و شرارت سے پیش آؤ۔

یاد رکھو یہ طاعون ایک خطرناک عذاب الٰہی ہے جو اس وقت نازل ہوا ہے اس کو حقیر مت سمجھو۔ اس کا انجام اچھا نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ کی کتابوں میں یہ ایک نشان مقرر کیا گیا ہے خدا تعالیٰ کے نشانوں کو جو شخص حقارت سے دیکھتا ہے وہ نقصان اُٹھاتا ہے۔ میں کھول کھول کر بیان کرتا ہوں کہ اس عذاب سے مخلصی کے لئے سچی توبہ اور پاک تبدیلی کی ضرورت ہے اور بجز اس کے چارہ نہیں۔ پس اسی وقت سے اس کے لئے تیاری کرو۔ شوخیوں اور شرارتوں سے باز آجاؤ۔

میں یہ بات بھی بیان کرنا چاہتا ہوں کہ مسیح موعود کے زمانہ کے دو بڑے نشان ہیں۔ جن میں سے ایک آسمان پر ظاہر ہوگا اور دوسرا زمین پر۔

آسمان کا نشان تو یہ تھا کہ اس کے زمانہ میں رمضان کے مہینہ میں مقررہ تاریخوں پر سُورج اور چاند کو گرہن ہوگا۔ چنانچہ کئی سال گذرے یہ نشان پورا ہو گیا اور نہ صرف اس ملک میں بلکہ دوسری مرتبہ امریکہ میں بھی پُورا ہوا۔

دوسرا نشان یہی طاعون کا نشان تھا جو زمینی ہے۔ یہ نشان بدن پر لرزہ ڈال دینے والا نشان ہے کئی سال سے یہ بلا اس مُلک میں نازل ہو رہی ہے مگر میں افسوس سے ظاہر کرتا ہوں

کہ ابھی تک غفلت اور بدمستی اسی طرح ترقی پر ہے۔ میں جانتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آخر اس طاعون کی اس قدر شدت ہو جائے گی کہ دس میں سے سات مر جائیں گے اور بعض بستیاں بالکل تباہ اور برباد ہو جائیں گی۔ جہانتک اللہ تعالیٰ نے مجھ پر ظاہر کیا ہے میں دیکھتا ہوں کہ ابھی بہت خطرناک دن آنے والے ہیں۔ اس لئے میں ہر ایک کو جو سنتا ہے کہتا ہوں کہ دیکھو اس وقت ہر ایک نفس کو چاہیئے کہ اپنے نفس، اپنے بیوی بچوں اور دوستوں پر رحم کرے۔ میں خوب جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ رجوع کرنے والوں پر اپنا فضل کر دیتا ہے اور یہ عذاب ٹل سکتا ہے۔ پس چاہیئے کہ ہر شخص کوشش کرے اور سچی توبہ اور پاک تبدیلی کے ساتھ خدا تعالیٰ سے دعائیں مانگے۔

## ایک اعتراض کا جواب

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ ہمارے سلسلہ میں بھی بعض آدمی طاعون سے مر گئے ہیں۔ ایسے معترضین کو یاد رکھنا چاہیئے کہ موت تو ہر نفس کے لئے مقرر ہے اور ایک نہ ایک دن سب کو مر جانا ہے اور طاعون سے صحابہؓ میں سے بھی بعض شہید ہو گئے تھے۔ غرض موت سے تو چارہ نہیں۔ امیر و غریب، ہندو مسلمان، زن و مرد سب مرتے ہیں۔ لیکن کسی موت پر اتنا رحم نہیں آتا جیسا اس موت پر کہ گھر کا گھر تباہ ہو جائے اور قفل لگ جاوے۔ اس لئے اوّل نسبت قائم کرو کہ ایسی موتیں کن لوگوں میں ہوئی ہیں۔

اس کے سوا یہ بھی یاد رکھو کہ ہماری جماعت میں داخل ہونے والوں کا صحیح علم کہ وہ ایمان میں کس درجہ تک ہیں اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ اب وہ دو لاکھ سے بھی زیادہ جماعت ہے ہمیں علم نہیں کہ کس حد تک کس کا ایمان ہے البتہ قیاسی طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ بعض کامل الایمان ہیں اور بعض اوسط درجہ کا ایمان رکھتے ہیں اور بعض ابھی ناقص درجہ پر ہیں۔

## ایمان کے تین درجے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ منھم ظالمٌ لنفسہٖ ومنھم مقتصدٌ ومنھم سابقٌ بالخیرات[1]

[1] فاطر: ۳۳

یعنی تین قسم کے مومن ہوتے ہیں۔ ایک تو ظالم لنفسہٖ ہوتے ہیں۔ ان میں گناہ کی آلائش موجود ہوتی ہے۔ بعض میانہ رو اور بعض سراسر نیک ہوتے ہیں۔ اب ہمیں کیا معلوم ہے کہ کون کس درجہ اور مقام پر ہے۔ ہر ایک شخص کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ الگ معاملہ ہے۔ جیسا کوئی اس سے تعلق رکھتا ہے ویسا ہی وہ اس سے معاملہ کرتا ہے۔ جو لوگ کامل الایمان ہیں۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اُسے امتیاز دے گا۔ کیونکہ مومن اور کافر کے درمیان ایک فرقان رکھا جاتا ہے۔ قرآن شریف میں مومن سے وہ مراد نہیں ہے کہ صرف زبان تک ہی اس کی قیل و قال محدود ہو اور صبح وہ ایمان کا کام کرے تو شام کو کُفر کرے۔ ایک لقمہ وہ تریاق کا کھاتا ہے اور دوسرا زہر کا بھی کھا لیتا ہے۔ ایسے شخص کو وہ فرقان اور امتیاز جو مومن کے لئے مقرر کیا گیا ہے نہیں دیا جاتا۔ تم خود ہی سوچ لو کہ وہ مریض جو پرہیز نہیں کرتا ہے خواہ اس کو کیسے ہی شفا بخش نسخے دیئے جاویں اور کتنے ہی مجرب کیوں نہ ہوں۔ لیکن اگر وہ پرہیز نہیں کرتا تو وہ نسخے اس کو فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔

پس یہی حال بیعت کا ہے۔ اگر کوئی شخص بیعت تو کرتا ہے لیکن شرائط بیعت کو پورا نہیں کرتا اور اپنے اندر پاک تبدیلی جو بیعت کا اصل مقصد ہے نہیں کرتا وہ اپنے لئے وبال جان ہو جاتا ہے۔ ہاں کامل الایمان اکسیر ہے۔ اس کے ساتھ فُرقان رکھا جاتا ہے اگر یہ امتیاز نہ ہوتا تو دنیا تباہ ہو جاتی اور خدا تعالیٰ پر ایمان مشکل ہو جاتا۔ اس قسم کے نشانوں سے ہی خدا تعالیٰ کی ہستی پر ایمان پیدا ہوتا ہے۔

## طاعون اور احمدی

اب میں پھر اس اعتراض کی طرف توجہ کرتا ہوں جو کہتے ہیں کہ ہماری جماعت میں سے بعض آدمی طاعون سے مرے ہیں۔ اس بات کو خوب یاد رکھو کہ صحابہؓ میں سے جو بعض طاعون سے شہید ہوئے وہ اُن کے لئے عذاب نہ تھی بلکہ صحابہؓ کا گروہ بڑھا اور اُن کے لئے مُوجب شہادت ہوئی۔ دوسروں کے لئے وہی طاعون تباہی اور بربادی کا باعث ہوئی

یہی فرق ہے۔ اگر کسی مومن کو طاعون ہو جاوے وہ اس کے لئے شہادت ہے اور دوسروں کے لئے تباہی کا موجب۔ بایں ہمہ جیسا میں نے پہلے بیان کیا ہے۔ مومن اور غیر مومن میں ایک امر فارق ہوتا ہے اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ مومن کے ساتھ ایسے معاملات ہوتے ہیں کہ خدا تعالےٰ اس کو ایک بیّن امتیاز عطا کرتا ہے اور اس کو تباہ کرنا نہیں چاہتا اس کی وہی مثال ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر بھی مصیبت آتی ہے اور دوسروں پر بھی جو اُن کے مخالف ہوتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام بڑھتے ہیں اور کامیاب ہوتے ہیں اور دوسرے تباہ اور ذلیل ہوتے ہیں۔ پس دہریوں کی طرح دھوکا مت کھاؤ۔ وہاں اور رنگ ہے۔ اور یہاں اور رنگ ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی خوب غور سے سُنو کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت میں لڑائیاں ہوتی تھیں اور وہ لڑائیاں عذاب کے رنگ میں تھیں کیونکہ کافر بار بار سوال کرتے تھے کہ آپ ہمیں قہری نشان اور معجزہ دکھاؤ کہ ہم پر پتھر برسیں۔ ان کے بار بار کے سوالات پر اُن کو وعدہ دیا گیا کہ میں قہری نشان دکھاؤں گا اور وعدہ دیا گیا کہ وہ نشان تلوار کے ذریعہ ظاہر ہوگا۔ اب صاف ثابت ہے کہ وہ عذاب کافروں کے واسطے تھا۔ مگر اس سے کون انکار کرسکتا ہے کہ ان جنگوں میں (جو قہری نشان کی صورت میں ظاہر ہوئے تھے) صحابہؓ بھی شہید ہوئے۔ اب کیا کوئی یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ صحابہؓ جو شہید ہوئے تھے معاذاللہ وہ تلوار اُن کے لئے بھی عذاب تھی؟ ہرگز نہیں بلکہ صحابہؓ کی شہادت تو قوم کی ترقی اور فتوحات کا باعث ہوئی۔ صحابہؓ کی قوم بڑھی اور بالمقابل مخالفوں کا نام ونشان مٹ گیا اور ستیاناس ہوگیا۔ اب کوئی پتہ دے سکتا ہے کہ ابوجہل کی اولاد کہاں ہے؟ اس کی بیخ کنی ہوگئی۔ یہی مثال سمجھنے کے لئے کافی ہے۔

اسی طرح پھر اس میں شک نہیں کہ طاعون عذاب کی صورت میں نازل ہوا ہے۔ اور اگر ہماری جماعت میں سے بعض آدمی طاعون سے فوت ہوئے ہیں تو اس پر شور مچانا یا اعتراض کرنا دانشمندی نہیں ہے بلکہ غور طلب یہ امر قرار دینا چاہیئے۔ کہ طاعون سے نقصان کس کا

ہوا۔ اور فائدہ کس کو پہنچا؟ میں یقیناً کہتا ہوں کہ جب طاعون شروع ہوئی ہے اس وقت
میری جماعت کی تعداد بہت تھوڑی تھی مگر اس وقت دو لاکھ سے بھی یہ جماعت بڑھی ہوئی ہے اور یہ ترقی ۲۲-۲۱
طاعون کے سبب سے بھی ہوئی ہے۔ طاعون نے میری جماعت کو بڑھایا ہے اور مخالفوں کو گھٹایا ہے مجھے وعدہ دیا گیا تھا
کہ طاعون تیری ترقی کا موجب ہوگی۔ سو اس وعدہ کے موافق یہ جماعت بڑھ رہی ہے اور دو
لاکھ تک بڑھی ہے۔ مگر مخالفوں کا تو دوہرا نقصان ہوا ہے۔ کچھ اُن میں سے قبروں میں گئے
ہیں اور کچھ ہمارے پاس آ گئے ہیں۔ اگر ہمارا نقصان اس سے ہوتا تو یہ جماعت جو بہت ہی مختصر
اور قلیل تھی بالکل تباہ ہو جاتی اور آج کوئی اس کو جاننے والا بھی نہ ہوتا۔ ان واقعات کو مدنظر رکھ
کر معترض کو چاہیئے کہ دیکھے کیا یہ اعتراض کوئی شئے ہے؟

طاعون کی خبر آج سے نہیں ۲۲ برس سے براہین احمدیہ میں شائع ہو چکی ہوئی ہے اور
اس لئے یہ معمولی نظر سے دیکھنے کے قابل نہیں ہے بلکہ یہ عظیم الشان قہری نشان ہے۔

غرض طاعون نے ہمیں نقصان نہیں پہنچایا بلکہ فائدہ ہی دیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی
میں یہ بھی ضرور کہتا ہوں کہ ایمان کے طبقات ہیں۔ جیسا کہ میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں۔ اس
لئے ان طبقات کے لحاظ سے جو شخص کامل الایمان ہے وہ نافع النّاس وجود ہے۔ تبلیغ دین
کرنے والا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابلِ قدر ہے وہ طاعون سے ضرور بچایا جائے گا۔
بعض آدمی جن کی ایمانی حالت کمزور ہوتی ہے اور وہ اس درجہ پر نہ پہنچے ہوئے ہوں جہاں
اللہ تعالیٰ کسی کو مومن کہتا ہے اور ان کی ضرورت بھی کم ہو پھر ان میں سے کوئی اگر فوت ہو
جاوے تو اس میں کیا حرج ہے میں یہ خوب جانتا ہوں کہ ایمان کے درجات ہیں اور ہر درجہ
پر برکت ملتی ہے لیکن ان میں باہم فرق ضرور ہوتا ہے۔ دیکھو اس وقت آفتاب کی روشنی
ہے۔ آنکھیں کھلی ہیں ہر ایک چیز دُور و نزدیک کی صاف اور واضح نظر آتی ہے جب آفتاب
کی سلطنت ختم ہو جائے گی تو رات آئے گی۔ اس وقت عالم ہی اَور ہوگا۔ اگرچہ اس وقت
چاند یا ستاروں کی روشنی ہوگی مگر ان روشنیوں میں زمین آسمان کا فرق ہوگا۔ ایسا ہی ایمان

کے مراتب میں فرق مزتک ہے۔ایمان بھی ایک روشنی ہے۔جس جس درجہ پر ایمان پہنچتا ہے اسی مرتبہ کے موافق روشنی اور پھل پاتا ہے جو چاہتا ہے کہ عمر زیادہ ہو اور اس قہری نشان میں ایک امتیاز پیدا کرے اس کو لازم ہے کہ وہ کامل الایمان ہو اور اپنے وجود کو قابل قدر بنادے اور اس کی یہی صورت ہے کہ لوگوں کو نفع پہنچادے اور دین کی خدمت کرے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے واما ماینفع الناس فیمکث فی الارض[1]۔ یہ خوب یاد رکھو۔ کہ عمر کھانے پینے سے لمبی نہیں ہو سکتی بلکہ اس کی اصل راہ وہی ہے جو میں نے بیان کی ہے۔ بہت سے لوگ ہیں جو صرف کھانے پینے کو ہی زندگی کی غرض وغایت سمجھتے ہیں۔ حالانکہ زندگی کی یہ غرض نہیں۔ سعدی کہتا ہے ؎

خوردن برائے زیستن و ذکر کردن است

تو معتقد کہ زیستن از بہر خوردن است

جب انسان کا ایک اصول ہو جاوے کہ زیستن از بہرِ خوردن است۔ اس وقت اس کی نظر ذکر پر نہیں رہتی بلکہ وہ دنیا کے کاروبار اور تجارت ہی میں منہمک ہو جاتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی طرف توجہ اور رجوع کا خیال بھی نہیں رہتا۔ اس وقت اس کی زندگی قابلِ قدر وجود نہیں ہوتی۔ ایسے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ[2]

یعنی میرا رب تمہاری پروا کیا رکھتا ہے۔ اگر تم اس کی بندگی نہ کرو۔

مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ اس ملک میں ہیضہ کی خطرناک وبا پڑی تھی۔ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک کشف کے ذریعہ یہ نظارہ دکھایا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک بڑا میدان ہے اور اس میں ایک بہت بڑی لمبی نالی ہے۔ جس پر قصابوں نے بھیڑیں لٹائی ہوئی ہیں اور چھریاں اُن کی گردنوں پر رکھی ہوئی ہیں۔ وہ آسمان کی طرف مُنہ کرکے دیکھ رہے ہیں گویا آسمانی حکم کا انتظار کرتے ہیں۔ میں پاس ہی ٹہل رہا ہوں اتنے میں مَیں

[1] الرعد: ۱۸ [2] الفرقان: ۷۸

نے یہی آیت پڑھی قل ما یعبؤا بکم ربی لولا دعاؤکم۔[1] یہ آیت سنتے ہی انہوں نے چھریاں پھیر دیں اور وہ بھیڑیں تڑپنے لگیں۔ اُن کو تڑپتے دیکھ کر وہ قصاب بولے کہ تم کیا ہو؟ گوہ کھانے والی بھیڑیں ہی ہو۔ غرض اس کے بعد ہیضہ کی وہ خطرناک وبا پڑی پس جو انسان خدا تعالیٰ کی طرف توجہ نہیں کرتا اس کا رُتبہ اور قدر اس سے زیادہ نہیں ہوتا۔

## کچھ اپنی نسبت

بالآخر میں پھر کہنا چاہتا ہوں کہ میری نسبت جو مخالف لوگ مخالفت کرتے ہیں، اور میرا انکار کرتے ہیں۔ اگر وہ دعائیں کرتے اور خدا تعالیٰ سے میری نسبت کشف حقائق چاہتے تو اُن کی آنکھیں کھُل جاتیں مگر افسوس ہے کہ انہوں نے مخالفت میں حد سے زیادہ حصہ لیا اور میرے دعاوی پر نہ غور کی اور نہ میری کتابوں کو پڑھا اور نہ میری باتوں کو تعصب سے خالی ہو کر سُنا۔ وہ مجھے دجّال اور مفتری تو کہتے ہیں مگر وہ اس امر پر غور نہیں کرتے کہ کیا دجال اور مفتری بھی اس قسم کی کامیابی حاصل کیا کرتے ہیں؟ یاد رکھو کہ اگر یہ انسان کا اپنا سلسلہ ہوتا تو کبھی کا تباہ ہو جاتا کیونکہ اس کے تباہ کرنے میں ہر طرف سے مخالفانہ کوشش ہو رہی ہے اور جب خدا تعالیٰ کے بھی خلاف ہوتا تو وہ بھی اس کا دشمن تھا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ یہ بجائے تباہ ہونے کے ترقی کر رہا ہے؟ اس کی وجہ یہی ہے کہ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے انسانی کاروبار نہیں ہے۔ تم جانتے ہو کہ میرا یہ دعویٰ آج نہیں ہوا ہے بلکہ چوبیس سال سے میں دعویٰ کر رہا ہوں کہ خدا تعالیٰ میرے ساتھ ہمکلام ہوتا ہے اور اس نے مجھے مامور کیا ہے۔

انسانی گورنمنٹ میں اگر کوئی شخص جھوٹا ملازم سرکار بنے تو وہ فوراً پکڑا جاتا ہے۔ اور سزا پاتا ہے۔ تو یہ کیسا اندھیر ہے کہ خدا تعالیٰ کی گورنمنٹ میں ایک شخص مامور ہونے کا مدعی ہے اور بجائے اس کے کہ وہ پکڑا جاتا اور تباہ کیا جاتا، اُسے ترقی مل رہی ہے۔ کوئی بتاوے کیا جھوٹوں کے ساتھ ایسا معاملہ ہوتا ہے۔ براہین احمدیہ چھپی ہوئی موجود ہے۔

[1] الفرقان: ۷۸

اس شہر میں اس کے بہت سے نسخے ہوں گے۔ اس کو پڑھو اور دیکھو کہ جو کچھ اس میں درج ہے کیا آج بہت سی باتیں ان میں سے پوری نہیں ہو چکیں ؟ اور کیا کوئی منصوبہ باز کر سکتا ہے کہ اس قدر عرصہ دراز پہلے جبکہ اپنی زندگی کا بھی اعتبار نہیں ہوتا ایک بات کہے اور پھر اتنے عرصہ کے بعد جس میں ایک بچہ پیدا ہو کر بھی صاحب اولاد ہو سکتا ہے وہ پوری ہو جاوے۔ میں جانتا ہوں کہ اسی شہر میں ایسے لوگ بھی ہیں جو جانتے ہیں کہ اس زمانہ میں مجھے جاننے والے کتنے تھے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ میں ایک گمنامی کی حالت میں تھا۔ سال بھر میں بھی کبھی ایک خط نہ آتا تھا۔ لیکن اس گمنامی کے زمانہ میں علیم و خبیر خدا نے مجھے خبر دی جو براہین احمدیہ میں موجود ہے کہ ایک زمانہ آنے والا ہے جبکہ فوج در فوج لوگ تیرے پاس آئیں گے۔ میں لوگوں کو کھینچ کھینچ کر لاؤں گا اور مالی نصرتیں بھی آئیں گی اور دنیا میں تیری شہرت ہو جائے گی جیسے لکھا ہے فَحَانَ اَنْ تُعَانَ وَ تُعْرَفَ بَیْنَ النَّاسِ اور پھر فرمایا یَاتُوْنَ مِن کُلِّ فَجٍّ عمیق اور یاتیک من کل فج عمیق۔

اور پھر فرمایا۔ لا تصعر لخلق اللہ و لا تسئم من الناس۔ یعنی اب وقت آگیا ہے کہ تو لوگوں میں شناخت کیا جاوے اور تیری مدد کی جاوے۔ تیرے پاس دور دور راہوں سے لوگ آئیں گے اور دور دراز جگہوں سے تجھے تحائف اور مالی نصرتیں آئیں گی۔

اور پھر فرمایا کہ تیرے پاس کثرت سے مخلوق آئے گی اس لئے تو تحمّل سے ان کو قبول کرنا اور ان کی کثرت سے تھک نہ جانا۔

غرض اس قسم کے بہت سے الہامات ہیں جو نہ صرف عربی زبان میں ہوئے بلکہ فارسی میں ہوئے۔ اُردو میں ہوئے اور انگریزی میں بھی ہوئے جس کو میں جانتا بھی نہیں اور ایک لمبا سلسلہ ان الہامات اور پیشگوئیوں کا چلا گیا ہے اور جہاں براہین ختم ہوتی ہے وہاں یہ الہام ہوا

دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا
اسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دے گا

مجھے حیرت آتی ہے جب میں ان لوگوں کے مُنہ سے سُنتا ہوں کہ کوئی نشان دکھاؤ۔ ان نشانات پر وہ غور نہیں کرتے اور ان کو حقیر سمجھتے ہیں افسوس! اور اَور نشان مانگتے ہیں۔ میں یقین کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ قادر ہے۔ وہ نشان پر نشان دکھا رہا ہے۔ لیکن یہ دانشمندی اور تقویٰ کا طریق نہیں ہے کہ پہلے نشانوں کو چھوڑ دیا جائے۔ ان نشانوں کو سرسری نظر سے نہ دیکھو۔ مولوی محمد حسین صاحب وہ شخص ہیں کہ اُن سے بڑھ کر کسی نے عداوت کا نمبر نہیں لیا۔ انہوں نے بنارس تک پھر کر کُفر کا فتویٰ حاصل کیا۔ اور ہر قسم کی مخالفت میں انہوں نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اور کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اب باوجود اس مخالفت کے اس کو قسم دیکر پوچھو کہ جب تم نے براہین احمدیہ پر ریویو لکھا اور یہ پیشگوئیاں اور نشان اس میں موجود تھے اس وقت ہمارا کیا حال تھا کہاں تک میری شہرت تھی اور کس قدر لوگوں کو تعلق تھا۔ اور کیا اب ان الہامات کے موافق یہ نشانات جو پورے ہوئے ہیں آپ بنائے گئے ہیں؟ اس وقت موجود تھے یا نہیں؟ اور انہوں نے پڑھے تھے یا نہیں؟ اگر پڑھے تھے تو پھر سچ سچ کہو کہ ایسے زمانہ میں جب یہ دعا سکھاتا ہے رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِيْنَ[1]۔ اور اس میں آپ گواہی دیتا ہے کہ میں اکیلا ہوں۔ وہ الہامات جو جماعت کی ترقی اور میری قبولیت کے متعلق ہیں عظیم الشان نشان ہیں یا نہیں؟ اگر تعصب اور سخت دل مانع نہ ہو تو اقرار کرنا پڑے گا۔

پھر اسی براہین میں یہ بھی موجود ہے کہ علماء مخالفت کریں گے کہ ترقی نہ ہو لیکن میں ترقی دُوں گا۔ اور پھر سب لوگ جانتے ہیں اور ہر روز دیکھتے ہیں کہ کس قدر مخالفت ہو رہی ہے۔ اور کیا اس مخالفت سے یہ سلسلہ رُک گیا یا اس نے ترقی کی؟ اگر کوئی ایسی نظیر دنیا میں موجود ہے اور کوئی شخص ایسی کتاب پیش کر سکتا ہے جس میں ایک عرصہ پہلے ایسی پیشگوئیاں درج ہوں اور وہ پوری ہوئی ہوں؟ یقیناً یاد رکھو کہ کسی مفتری یا کذاب سے ایسا سلوک نہیں کیا جاتا۔ اور اس قدر مہلت اور فرصت اسے نہیں دی جاتی۔ اگر کوئی ایسا مفتری یا کذاب پیش کیا جاوے

[1] الانبیاء: ۹۰

توہم قبول کریں گے۔ پھر ایسی مخالفت کے متعلق یہ خبر بھی دی گئی تھی کہ ہر مخالفت کرنے والا اپنے منصوبوں اور تجویزوں میں ناکام اور نامراد رہے گا۔ خواہ وہ مولوی ہو یا فقیر ہو یا امیر ہو کوئی ہو۔ اور اب تک واقعات نے اس امر کو سچا ثابت کر دکھایا ہے اور میں کھلے دل سے بیان کرتا ہوں کہ میں خدا تعالیٰ کی ان پیشگوئیوں اور ان مکالمات پر جو میرے ساتھ ہوتے ہیں ایسا ہی یقین رکھتا ہوں جیسا کہ خدا کی دوسری کتابوں پر ایمان لاتا ہوں۔ اس نے یہ بھی مجھے فرمایا ہے کہ میں تجھے بہت برکت دوں گا یہانتک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے وہ زمانہ خواہ کبھی آنے والا ہو لیکن میں یقین رکھتا ہوں کہ اسی طرح ہوگا۔ اس زمانہ کے لوگ دیکھیں گے یا اُن کے بیٹے یا اُن کے بیٹے۔ غرض یہ ہوگا ضرور۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ ایک نقطہ یا شوشہ نہ ٹلے گا۔

غرض یہ نشانات ہیں جن پر غور کرنا چاہیئے اور ٹھنڈے دل سے سوچو کہ مفتری کو یہ تائیدیں نہیں ملا کرتیں۔ پھر بعض لوگ یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ ہم نشانات کو کیا کریں۔ قرآن شریف کے خلاف مسائل پیش کئے جاتے ہیں۔ مجھے ایسا کہنے والوں پر بھی افسوس آتا ہے کہ اگر اُن کا قرآن شریف پر ایمان ہوتا تو ہرگز ایسی بات نہ کہتے۔ کیونکہ ہم نے بارہا ظاہر کیا ہے۔ اور کتابوں میں شائع کیا ہے کہ ہم قرآن شریف پر ایمان لاتے ہیں۔ اگر کوئی شخص ایک آیت کا بھی انکار کرے وہ گمراہ اور جہنمی ہے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا انکار کرے وہ کافر ہے مگر کیا کروں یہ لوگ بنی اسرائیل کی طرح جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کیا انہیں مانتے اور انکار کرتے ہیں۔ مجھ میں اور ان میں یہی اختلاف ہے کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ آیت یا عیسیٰ إنّی متوفیك و رافعك الیّ[1] کی ترتیب جو قرآن شریف میں ہے صحیح نہیں ہے مگر میں کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کے کلام کی نسبت ایسا اعتقاد رکھنا یا گمان کرنا خطرناک بے ادبی اور شوخی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس آیت کی ترتیب صحیح ہے اور اسی لئے اس کے یہ معنے ہیں کہ اے عیسیٰ میں تجھے وفات دینے والا ہوں اور اپنی طرف تیرا رفع کرنے والا ہوں۔ مگر یہ لوگ اس ترتیب کو غلط (معاذ اللہ) ٹھہراتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ رافعك

[1] آل عمران: ۵۶

الیّٰ کی جگہ رافعک الی السماء الثانیہ چاہیئے۔ گویا کہ ان کے اعتقاد کے موافق خدا تعالیٰ کو غلطی لگی۔ اس نے کہنا تو یہ تھا کہ یاعیسیٰ انّی رافعک الی السماء الثانیۃ ومتوفیکَ اور کہہ دیا یہ جو آیت میں درج ہے

اب میں قرآن کو چھوڑتا ہوں اور اس کے خلاف کہتا ہوں یا یہ خود کرتے اور کہتے ہیں انصاف سے بولو اگر یہ تحریف نہیں تو کیا ہے۔ اسی پر مجھے کہا جاتا ہے کہ یہ قرآن کے خلاف ہے۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ قرآن کی تحریف ہے جس سے یہودیوں پر لعنت پڑی اور وہ سُور اور بندر بنے۔ یہودی جو تحریف کرتے تھے۔ ان کے متعلق بھی یہی فرمایا ہے یحرفون الکلم عن مواضعہٖ[1]۔ اور جب تم بھی اس قسم کی تحریف کرتے ہو تو قرآن شریف پر تمہارا اچھا ایمان ہے۔ میں زور سے کہتا ہوں کہ کیا وہ دل خدا ترس ہے اور اس میں تقویٰ کا حصہ ہے جو خدا تعالیٰ کے کلام میں تصرف کرنا چاہتا ہے۔ اگر تم سچے ہو اور تحریف نہیں کرتے تو پھر وہ حدیث صحیح پیش کرو جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو کہ رافعک الی کی بجائے رافعک الی السماء الثانیۃ چاہیئے اور یہ متوفی سے پہلے ہے۔ قرآن شریف میں جو لکھا ہوا ہے وہ غلط ہے اور تم سُن رکھو کہ ہرگز ہرگز کوئی شخص ایسی حدیث صحیح پیش کرنے پر قادر نہ ہوگا۔

جس قدر صاحب یہاں موجود ہیں آخر ہوش و حواس رکھتے ہیں وہ انصاف سے کہیں کہ اگر کوئی شخص تمسک کو الٹ پلٹ کرتا ہے تو وہ جعلسازی کا مرتکب ہوتا ہے یا نہیں اور وہ اس جعلسازی کی سزا میں جیل میں بھیجا جاتا ہے۔ پھر یہ اندھیر کیوں روا رکھا جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے کلام کو اُلٹ پلٹ کیا جاوے۔ خدا تعالیٰ سے ڈرو یہ بہت خطرناک دلیری ہے۔ ہاں اگر صحیحین میں کوئی حدیث درج ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس طرح پر فرمایا ہے تو پیش کرو ہم مان لیں گے لیکن اگر تم پیش نہ کرو اور نہیں کرسکو گے تو یہ تقویٰ کے خلاف ہے کہ خود کہہ دو اور دوسری غلطیوں کو قرآن شریف کی شرح بنا لو۔ ہم بار بار تم سے پوچھیں گے کہ بخاری یا مسلم میں دکھاؤ کہ اس میں لکھا ہے کہ رافعک الی السماء الثانیۃ

[1] النساء: ۴۷

پڑھا کرو۔

دیکھو۔ ان باتوں پر غور کرو۔ میرا یہ مدعا نہیں کہ ہر ایک شخص محض اس وجہ سے کہ وہ میرے ساتھ عداوت رکھتا ہے اور تعصب نے اس کے جوش کو بڑھا دیا ہے بے اختیار بول اُٹھے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ میں صرف خدا تعالیٰ کے لئے کہتا ہوں۔ انسان کی جھوٹی منطق کبھی ختم نہیں ہوتی ہے۔ اس لئے میں مقابلہ کرنے کے لئے نہیں آیا ہوں۔ لیکن میں اپنے دل میں مخلوق کی ہمدردی اور بھلائی کے لئے ایک جوش رکھتا ہوں جو خدا تعالیٰ نے میرے دل میں ڈالا ہے۔ اس لئے سچے دل سے کہتا ہوں اور خدا تعالیٰ نے اپنے پاک کلمات سے مجھے خبر دی ہے۔ مت سمجھو کہ میں بیہودہ طور پر کہتا ہوں بلکہ سچ سچ یہی بات ہے۔ پس جلد بازی نہ کرو کہ جلدی صحیح نتیجہ پر پہنچنے سے روک دیتی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ بہت سے لوگ اپنے سینے اور دل کو تھام نہیں سکتے اور یہ مرض کثرت سے پھیل گیا ہے کہ مخالفت کی وجہ سے حق بات پر بھی غور نہیں کرتے اور یونہی کوئی بات مُنہ پر جھاگ آجاتی ہے اور پھر جو زبان پر آجاتا ہے کہہ دیتے ہیں۔ مگر یاد رکھو یہ امر تقویٰ کے خلاف ہے۔ متقی کی زبان ڈرتی ہے کہ بغیر سوچے سمجھے کوئی بات منہ سے نکالے

میرا معاملہ اگر سمجھ میں نہیں آتا تو طریق تقویٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگو تاکہ وہ خود تم پر اصل حقیقت کھول دے۔ خدا تعالیٰ کے کلام کی بے حرمتی نہ کرو ورنہ طریق نجات بھول جانے کا اندیشہ ہے۔ آج وقت ہے بصیرت سے کام لو۔

قرآن شریف قانون آسمانی اور نجات کا ذریعہ ہے۔ اگر ہم اس میں تبدیلی کریں تو یہ بہت ہی سخت گناہ ہے۔ تعجب ہوگا کہ ہم یہودیوں اور عیسائیوں پر بھی اعتراض کرتے ہیں اور پھر قرآن شریف کے لئے وہی روا رکھتے ہیں۔ مجھے اور بھی افسوس اور تعجب آتا ہے کہ وہ عیسائی جن کی کتابیں فی الواقعہ محرّف مبدّل ہیں وہ تو کوشش کریں کہ تحریف ثابت نہ ہو اور ہم خود تحریف کی فکر میں !!!

دیکھو افترار کرنے والا خبیث اور موذی ہوتا ہے اور خدا تعالےٰ کے کلام میں تحریف کرنا یہ بھی افترار ہے اس سے بچو۔

غرض قرآن شریف کی یہ آیت صاف طور پر مسیح کی وفات کا وعدہ دیتی ہے اور جس قدر وعدے اس آیت میں وافعلک الی سے شروع ہو کر آخر تک ہیں۔ وہ ہمارے مخالف بھی مانتے ہیں کہ پورے ہو گئے۔ حالانکہ وہ سب بعد وفات ہیں۔ پھر وفات کا انکار کیوں کیا جاتا ہے۔

علاوہ بریں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مخبر صادق ہیں جو مسلمان کہلا کر بھی آپ پر ایمان نہیں لاتا اور آپ کو مخبر صادق تسلیم نہیں کرتا وہ بڑی بدذاتی کرتا ہے۔ آپ نے تو فرمایا ہے کہ میں نے مسیح کو دوسرے آسمان پر یحییٰ کے پاس دیکھا ہے۔ اب کیا یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت ہے یا نہیں۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام درحقیقت وفات یافتہ نہ تھے بلکہ زندہ تھے تو پھر اس سوال کا کیا جواب ہے کہ ایک وفات یافتہ سے کیا تعلق ہے ان کی تو رُوح بھی ابھی قبض نہیں ہوئی تھی۔ ادنیٰ فہم کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ مردے کے پاس تو مردہ ہی ہو سکتا ہے پھر یہ کیا ہوا کہ مردہ کے پاس زندہ جا بیٹھا۔ یہ صرف اپنی ہی غلطی ہے۔ ورنہ سچ یہی ہے کہ حضرت مسیح بھی مر کر ہی یحییٰ علیہ السلام کے پاس گئے ہیں جس کو اللہ تعالےٰ نے اپنے قول سے یعنی قرآن شریف سے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے فعل یعنی رؤیت سے ثابت کر دیا۔ جو اس قول اور فعل کو نہیں مانتا اسے پھر میں کیا کہوں۔ ان دو گواہوں کے بعد اور کس گواہ کی حاجت ہے۔ پھر یہاں تک ہی بات نہیں۔ خود حضرت مسیح کا تو صاف اقرار بھی موجود ہے اور اس آیت فلمّا توفیتنی کنتَ انت الرقیب علیھم[1] سے تو اس سارے قصہ کا فیصلہ ہی ہو جاتا ہے۔ اس آیت سے پہلے آیتوں میں اس بات کا ذکر ہے کہ اللہ تعالےٰ حضرت مسیح سے قیامت کے دن سوال کرے گا کہ کیا تو نے کہا تھا کہ میری ماں کو اور مجھ کو خدا بنا لو۔

[1] المائدہ : ۱۱۸

حضرت عیسٰی اپنی بریت میں عرض کریں گے کہ میری کیا مجال تھی جو میں ایسی تعلیم دیتا۔ میں تو جب تک اُن میں رہا اُن کو تیری توحید ہی کی تعلیم دیتا رہا جو تو نے مجھے دی تھی لیکن جب تُو نے مجھ کو وفات دے دی پھر تو اُن پر نگران تھا۔

اب غور کا مقام ہے کہ انّی متوفیکَ میں جو وعدہ تھا وہ اس آیت فلمّا توفیتنی سے پورا ہوتا ہے۔

ماسوا اس کے یہ آیت حضرت مسیح کی موت اور ان کی دوبارہ آمد کے متعلق ایک فیصلہ کُن آیت ہے اور یہ اس قرآن کی آیت ہے جس کا حرف حرف محفوظ ہے اور جس کی حفاظت کا ذمہ دار خود اللہ تعالےٰ ہے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے انّا نحن نزلنا الذکر و انّا لہٗ لحافظون[۱]۔ افسوس مسلمانوں نے اس کتاب کی قدر نہیں کی۔ اس آیت میں حضرت مسیح نے اپنی بریت دو صورتوں سے کی ہے اوّل تو یہ کہ میری زندگی میں عیسائی نہیں بگڑے کیونکہ میں ان کو توحید کی تعلیم دیتا رہا۔ دوم جب مجھے وفات دے دی مجھے کچھ خبر نہیں۔

اب غور طلب امر یہ ہے کہ حضرت مسیح ابھی تک زندہ ہی ہیں۔ تو صاحبو! پھر اُن کے اس اقرار کے موافق یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ابھی تک عیسائی بگڑے بھی نہیں اور جو تعلیم وہ پیش کرتے ہیں وہ صحیح ہے حالانکہ یہ واقعات صحیح کے خلاف ہے۔ عیسائی ضرور بگڑ چکے ہیں۔

صاحبو! اگر مسلمانوں کے اس خیالی عقیدہ زندہ آسمان پہ جانے کو لیکر اور اس آیت کے موافق عیسائی مسلمانوں پر اعتراض کریں کہ ہماری تعلیم تمہارے اقرار کے موافق بگڑی نہیں ہے تو کیا جواب ہو سکتا ہے کیونکہ یہ امر تو حضرت مسیح کی زندگی سے وابستہ ہے اور زندگی تسلیم ہے تو پھر دوسری تعلیموں کے انکار کے لئے کیا عذر ہے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ مسلمانوں کی خیر اسی میں ہے کہ وہ قرآن شریف پر ایمان لاویں اور وہ یہی ہے کہ مسیح کی وفات پر ایمان لاویں۔

دوسری بات جو اس آیت میں فیصلہ کی گئی ہے وہ ان کی دوبارہ آمد کا مسئلہ ہے۔

[۱] الحجر: ۱۰

مسلمانوں میں غلطی سے یہ عقیدہ مشہور ہوگیا ہے جس کی کوئی اصل نہیں کہ وہی مسیح ابن مریم دوبارہ آسمان سے نازل ہوں گے اور چالیس برس تک اس دنیا میں رہیں گے۔ صلیبوں کو توڑیں گے اور کافروں سے جنگ کریں گے۔ وغیرہ وغیرہ۔

اب غور کا مقام ہے کہ ایک نبی صادق کی نسبت یہ عقیدہ رکھنا کہ اس نے جھوٹ بولا یہ تو بے ایمانی ہے۔ ایک شخص اگر عدالت کے سامنے جھوٹ بولے تو وہ حلف دروغی کی سزا پاتا ہے۔ پھر علیم وخبیر عالم الغیب خدا کے حضور قیامت کے دن کسی نبی کو جھوٹ بولنے کی جرأت کب ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ لیکن یہ عقیدہ جو میں نے ابھی بیان کیا ہے۔ تسلیم کر لیا جاوے اور اس کو صحیح مانا جاوے تو پھر قرآن شریف چھوڑنا پڑے گا اور حضرت مسیح کو معاذ اللہ خدا تعالیٰ کے حضور قیامت کے دن جھوٹ بولنے والا قرار دینا پڑے گا۔ کیونکہ اگر یہ سچ ہے کہ وہی مسیح اتر آئے گا تو پھر خدا تعالیٰ کے سامنے ان کا یہ جواب کہ فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم[1] صحیح نہیں۔ کیونکہ ان کو تو اس وقت یہ کہنا چاہیئے کہ چالیس سال تک آسمان سے اتر کر پھر زمین پر رہا اور میں نے جنگیں کیں۔ صلیبیں توڑیں۔ اور شریروں کو مارا۔ کفار کو مسلمان کیا حالانکہ ان کے جواب میں ان باتوں میں سے کسی کا کوئی اثر نہیں پایا جاتا۔ پھر خدا کے واسطے سوچ کر جواب دو۔ کیا تم یہ تجویز نہ کرو گے کہ حضرت مسیح نے معاذ اللہ جھوٹ بولا؟ اور کیا یہ نبی کی شان ہے کہ خدا تعالیٰ کے سامنے جھوٹ بولے؟ جو شخص یہ اعتقاد رکھتا ہے اور قرآن پر حملہ کرتا ہے وہ بدذات اور جہنمی ہے۔ ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ملعون ہیں جو رسمی بات کے لئے قرآن شریف پر حملہ کرتے ہیں۔

پس یہ آیت مسیح کی وفات اور ان کی دوبارہ آمد کے متعلق قول فیصل ہے۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ وہ وفات پا چکے ہیں اور وہ دوبارہ نازل نہیں ہوں گے اور قرآن شریف سچا اور حضرت مسیح کا جواب بھی سچا ہے۔ ہاں یہ امر کہ آنے والے مسیح سے پھر کیا مراد ہے تو یاد رکھو کہ جو کچھ خدا تعالیٰ نے مجھ پر ظاہر کیا اور اپنی تائیدوں اور نصرتوں اور نشانوں

[1] المائدۃ : ۱۱۸

کے ساتھ اُسے ثابت کیا۔ وہ یہی ہے کہ آنیوالا اسی امت کا ایک فرد کامل ہے اور خدا تعالےٰ کی کھُلی کھُلی وحی نے ظاہر کیا ہے کہ وہ آنے والا میں ہوں جو چاہے قبول کرے۔ میرا یہ دعویٰ نرا دعویٰ نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ زبردست ثبوت ہیں جو ایک سلیم الفطرت اور متقی کو فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔

## مامور کی صداقت ثابت کرنیکے تین ذرائع

یاد رکھو کہ اللہ تعالےٰ جب کسی مامور کو بھیجتا ہے تو تین ذریعوں سے اس کی سچائی کو ثابت کرتا اور اتمام حجت کرتا ہے

اوّل نصوص کے ذریعہ یعنی شہادتوں سے اتمام حجت کرتا ہے۔

دوم۔ نشانات کے ذریعہ جو اس کی تائید میں اور اس کے لئے ظاہر کئے جاتے ہیں۔

سوم۔ عقل کے ذریعہ

بعض اوقات یہ تینوں ذریعے جمع ہو جاتے ہیں اور اس وقت خدا تعالیٰ کے فضل سے یہ سب ذریعے میری سچائی کو ثابت کر رہے ہیں۔

پس نصوص کے لئے یاد رکھو کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بخاری اور مسلم میں جس آنے والے کی خبر دی ہے اس کے لئے یہی فرمایا ہے کہ وہ اسی امت میں سے ہوگا چنانچہ بخاری اور مسلم میں منکم کا لفظ موجود ہے کہیں بھی نہیں فرمایا کہ من بنی اسرائیل۔ اور قرآن شریف میں سورۂ نور میں استخلاف کے وعدہ میں بھی منکم ہی فرمایا ہے۔ اب بتاؤ کہ قرآن اور حدیث کے نصوص آنے والے کو اسی امت سے ٹھہراتے ہیں یا باہر سے لاتے ہیں۔ اور قرآن شریف یہی زمانہ مسیح موعود کے آنے کا ٹھہراتا ہے۔

دوم نشانات۔ وہ نشانات جو میری تائید میں ظاہر ہو چکے ہیں اور جو میرے ہاتھ پر پورے ہوئے ہیں۔ اُن کی تعداد بہت زیادہ ہے اور ان کے زندہ گواہ اس وقت لاکھوں انسان موجود ہیں۔ میں نے اپنی کتاب نزول المسیح میں ڈیڑھ سو کے قریب نشان لکھے ہیں اور بعض کا میں

نے ابھی ذکر بھی کیا ہے تاہم وہ نشان جو میرے لئے ظاہر ہوئے وہ بھی تھوڑے نہیں ہیں۔ اور انسانی طاقت میں یہ نہیں کہ وہ ان باتوں کو اپنے لئے خود جمع کر لے۔

قرآن شریف سے ثابت ہے کہ مسیح موعود اس وقت آئے گا جب چھ ہزار سال کا دَور ختم ہوگا اور عیسائیوں اور یہودیوں کے نزدیک وہ وقت آگیا ہے۔

پھر قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے اور احادیث صحیحہ اس کی تصدیق کرتی ہیں کہ مسیح موعود کے زمانہ میں ایک نئی سواری پیدا ہوگی جس سے اُونٹ بیکار ہو جائیں گے۔ جیسا کہ قرآن شریف میں ہے وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ[1] اور حدیث صحیح میں ہے ولیترکن القلاص فلا یسعیٰ علیھا۔ اب آپ لوگ جانتے ہیں کہ مکہ اور مدینہ کے درمیان بھی ریل تیار ہو رہی ہے۔ اس عظیم الشان پیشگوئی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک اخبار والے نے لکھا ہے کہ مکہ مدینہ بھی یہ نظارہ دیکھ لیں گے کہ اُونٹوں کی قطاروں کی بجائے ریل گاڑی وہاں چلے گی۔ قرآن شریف میں جو یہ فرمایا وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ۔ اس کے متعلق نواب صدیق حسن خاں نے لکھا ہے کہ عِشار حاملہ اونٹنی کو کہتے ہیں اس لئے یہ لفظ اللہ تعالیٰ نے اختیار فرمایا تاکہ یہ سمجھ آجاوے کہ اسی دنیا کے متعلق ہے کیونکہ حاملہ ہونا تو اسی دنیا میں ہوتا ہے

اسی طرح نہروں کا نکالے جانا۔ چھاپے خانوں کی کثرت اور اشاعت کتب کے ذریعوں کا عام ہونا، اس قسم کے بہت سے نشان ہیں جو اس زمانہ سے مخصوص تھے اور وہ پُورے ہو گئے ہیں۔ ایسا ہی کسوف خسوف کا نشان جو رمضان میں ہوا۔ یہ حدیث اکمال الدین اور دار قطنی میں موجود ہے۔ پھر حج کا بند ہونا بھی نشان تھا وہ بھی پُورا ہوا۔ ایک ستارہ نکلنے کی نشانی تھی وہ بھی نکل چکا۔ طاعون کا نشان تھا وہ بھی پورا ہوگیا۔

غرض میں کہاں تک بیان کرتا جاؤں یہ ایک لمبا سلسلہ ہے۔ طالب حق کے لئے اسی قدر کافی ہے۔

پھر تیسرا ذریعہ عقل ہے اگر عقل سے کام لیا جاوے اور زمانہ کی حالت پر نظر کی جاوے

[1] التکویر: ۵

توصاف طور پر ضرورت نظر آتی ہے۔ غور سے دیکھو اسلام کی حالت کیسی کمزور ہوگئی ہے۔ اندرونی طور پر تقویٰ طہارت اُٹھ گئی ہے۔ اوامر و احکام الٰہی کی بیحرمتی کی جاتی ہے اور ارکان اسلام کو ہنسی میں اُڑایا جاتا ہے اور بیرونی طور پر یہ حالت ہے کہ ہر قسم کے معترض اس پر حملہ کر رہے ہیں اور اپنی جگہ کوشش کرتے ہیں کہ اس کا نام و نشان مٹا دیں۔

غرض جس پہلو سے دیکھو۔ اسلام کمزور ہوگیا ہے۔ وہ اسلام جس میں ایک بھی مُرتد ہو جاتا تو قیامت آجاتی۔ اس میں تیس لاکھ مُرتد ہو چکا ہے کیا ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ کا وعدہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ[ل] پورا نہ ہوتا؟ اگر اب اسلام کی خبر نہ لی جاتی تو پھر اور کونسا وقت آنے والا تھا؟

پس از آنکہ من نہ مانم بچہ کار خواہی آمد

کیا خدا تعالیٰ اس وقت نصرت کرے گا جب یہ نام مٹ جائے گا؟ ایک طرف حدیث میں یہ وعدہ کہ ہر صدی پر مجدد آئے گا مگر اس وقت جو عین ضرورت کا وقت ہے کوئی مجدد نہ آئے؟ تعجب ہے تم کیا کہہ رہے ہو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تو وہ زمانہ کہ اس میں متواتر نبی آتے رہے اور یہ اُمت جو خیر الامت کہلاتی ہے اور خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اُمت ہے۔ باوجود امت مرحومہ کہلانے کے اس میں جب آئے تو دجّال آئے اور پھر ایک دو نہیں تیس دجّال۔ گویا خدا کو خطرناک دشمنی ہے۔ وہ اس کو ایسا تباہ کرنا چاہتا ہے کہ نام و نشان نہ رہے۔ افسوس میری مخالفت میں یہ لوگ ایسے اندھے ہوئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حضور شوخی اور بے ادبی کرنے سے باز نہیں آتے اس کو عملی طور پر وعدوں کا قرار[ٹ] دیتے ہیں۔ اور رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ہتک شان کرتے ہیں۔

ٹ ۔ اسی طرح لکھا ہے۔ غالباً "قرار" سے پہلے کوئی لفظ ڈائری نویس یا کاتب کی غلطی سے چھوٹ گیا ہے۔ مثلاً "وعدوں کا پورا نہ کرنے والا" یا "وعدوں کا خلاف کرنے والا" یا "وعدوں کا منکر قرار دیتے ہیں" ہونا چاہیئے۔ واللہ اعلم بالصواب (خاکسار مرتب)

ل الحجر: ۱۰

دیکھو میں کھول کر کہتا ہوں کہ تم اپنے نفسوں پر رحم کرو۔ اس پیغمبر کی شان میں جو افضل الرسل ہے یہ بے ادبی نہ کرو کہ حضرت مسیح کو اس سے افضل قرار دو۔ کیا تم نہیں جانتے کہ آپؐ کی وفات پر صحابہؓ کی کیا حالت ہوئی تھی۔ وہ دیوانہ وار پھرتے تھے۔ آپ کی زندگی ان کو اتنی عزیز تھی کہ حضرت عمرؓ نے تلوار کھینچ لی تھی کہ اگر کوئی آپ کو مُردہ کہے گا تو میں اس کا سر اُڑا دُوں گا۔ اس شور پر حضرت ابوبکرؓ آئے اور اُنہوں نے آگے بڑھ کر آپ کی پیشانی پر بوسہ دیا کہ آپ پر خدا تعالیٰ دو موتیں جمع نہ کرے گا اور پھر یہ آیت پڑھی وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل[1] یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بھی ایک رسُول ہیں۔ پہلے جس قدر رسُول آئے ہیں سب وفات پاگئے ہیں۔ صحابہؓ نے جب اس آیت کو سُنا تو انہیں ایسا معلوم ہوا کہ گویا یہ آیت اب اُتری ہے۔ اُنہوں نے معلوم کیا کہ آپ کے مقابلہ میں کوئی اَور زندہ نہیں ہے۔ تم میں وہ عشق اور محبت نہیں جو صحابہ کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے تھی۔ ورنہ تم یہ کبھی روا نہ رکھتے کہ مسیح کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مقابل زندہ کہتے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ اگر صحابہؓ کے سامنے اس وقت کوئی کہتا کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام زندہ ہیں تو اُن میں سے ایک بھی زندہ نہ رہتا وہ اس قدر آپ کے عشق اور محبت میں فنا شدہ تھے۔

حسان بن ثابت نے اس موقعہ پر ایک مرثیہ لکھا ہے جس میں وہ کہتے ہیں۔

کنت السواد لناظری    فعمی علیك الناظرُ

مَن شاء بعدك فلیمت    فعلیكَ کُنتُ احاذرُ

یعنی اے میرے پیارے نبی تُو تو میری آنکھوں کی پُتلی تھی اور میرے دیدوں کا نُور تھا پس میں تو تیرے مرنے سے اندھا ہوگیا۔ اب تیرے بعد میں دوسروں کی موت کا کیا غم کروں۔ عیسٰی مرے یا موسٰی مرے کوئی مرے۔ مجھے تو تیرے ہی مرنے کا غم تھا۔ صحابہ کی تو یہ حالت تھی۔ مگر اس زمانہ میں اپنے منہ سے اقرار کرتے ہیں کہ نہیں افضل الانبیاء وفات پا گئے اور حضرت مسیح زندہ ہیں۔ افسوس مسلمانوں کی حالت کیا سے کیا ہوگئی۔ میں خُوب جانتا

[1] آل عمران : ۱۴۵

ہوں اور اس واقعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کا پہلا اجماع مسیح کی وفات ہی پر ہوا تھا۔ پھر اُن کے خلاف کرنا یہ کونسی عقلمندی اور تقویٰ ہے۔ میں یہ مانتا ہوں۔ کہ یہ غلطیاں امتداد زمانہ کی وجہ سے ہیں۔ تقویٰ نہیں رہا۔ جہالت بڑھ گئی ہے۔ روبحق ہونا کم ہو گیا ہے۔ رہِ راست محجوب ہو گیا ہے اور یہی امور ہیں جو میری ضرورت کے داعی ہیں۔ میں آخر میں پھر کہتا ہوں کہ ان باتوں پر غور کرو۔ اپنے گھروں میں جا کر تنہائی میں سوچو کہ تم چاہتے ہو کہ اسلام اَور سو سال تک آفتوں کا نشانہ بنا رہے۔ اگر اب تک کوئی نہیں آیا تو پھر صدی کا سر تو چلا گیا۔ بائیس برس گذر چکے۔ اب اَور سو سال تک انتظار کرو۔ لیکن یاد رکھو کہ اگر مجھے قبول نہ کرو گے تو پھر تم کبھی بھی آنے والے موعود کو نہیں پاؤ گے۔

میں نے اتنی باتیں کی ہیں۔ بعض مخالفوں کو فائدہ کی بجائے جوش آئے گا اور وہ اذیت کی طرف توجہ کریں گے یہ نہیں کہ رو رو کر دعائیں کریں اور اللہ تعالیٰ سے توفیق اور مدد چاہیں۔ میری نصیحت ہے کہ تقویٰ کو ہاتھ سے نہ دو اور خدا ترسی سے ان باتوں پر غور کرو اور تنہائی میں سوچو اور آخر اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرو کہ وہ دعائیں سُنتا ہے۔

(الحکم جلد ۸ نمبر ۳۱ صفحہ ۱ تا ۶ مورخہ ۱۷؍ستمبر ۱۹۰۴ء)

---

۲؍ستمبر ۱۹۰۴ء

بمقام لاہور

بعد نماز جمعہ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام زائرین اور مشتاقانِ زیارت کے اصرار و خواہش پر اجلاس فرما ہوئے۔ حاضرین میں سے ہر ایک دوسرے سے پہلے آگے بڑھنا چاہتا تھا اس کے بڑھے ہوئے پُرجوش زیارت اور شوق ارادت میں انتظام کا ہونا آسان امر نہ تھا۔ دھکے پر دھکا کھاتے تھے اور آگے بڑھتے جاتے تھے۔ آخر جب حضرت کا حکم سُنا کہ بیٹھ جاؤ۔ جو جہاں کھڑا تھا۔ وہیں بیٹھ گیا۔ وہ نظارہ جن لوگوں نے دیکھا ہے

اس کا لطف اور اثر کچھ وہی دل محسوس کر سکتے ہیں۔ حضرت حجۃ اللہ کے انفاس طیبہ
کا کچھ ایسا اثر پڑ رہا تھا کہ اس مجمع پر نگاہ ڈالنے سے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال ۲۲-۲-۰۲
کا پتہ لگتا تھا اور صاف سمجھ میں آتا تھا کہ یہ جذب اور کشش کسی مفتری اور کذاب
کو نہیں دیا جاتا۔ آپ خاموش بیٹھے تھے کہ خاکسار ایڈیٹر الحکم نے ایک ارادتمند کیطرف
سے عرض کیا کہ وہ کچھ سنانا چاہتا ہے۔ فرمایا

**ہاں سنا دو**

اس پر اس شخص نے نہایت پُر درد اور پرجوش لہجہ میں بزبان پنجابی کچھ اشعار سنائے۔ جن میں حضرت حجۃ اللہ کی بعثت، آپ کی صداقت پر بحث تھی اور بالآخر اہل لاہور کو خطاب تھا کہ دیکھو مسیح موعود تمہارے گھر مہمان ہو کر آیا ہے تمہارا فرض تو یہ ہے کہ تم اس کا اکرام کرو نہ یہ کہ سب و شتم سے کام لو۔ مہمانوں کے ساتھ اس قسم کا سلوک مناسب نہیں۔ اور پھر طاعون کے نو آور حملوں سے ڈرایا تھا۔ یہ نظم بہت ہی مؤثر اور رقت خیز تھی جس کو سنکر اکثر حاضرین رو رہے تھے۔ نظم ختم ہو جانے کے بعد حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ذیل کی تقریر فرمائی (ایڈیٹر)

تمام مسلمان جو یہاں اکٹھے ہوئے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ ہر ایک کی غرض دین ہے۔ یہ میں جانتا ہوں کہ کوئی تھوڑا جوش رکھتا ہے کوئی زیادہ۔ لیکن کچھ نہ کچھ غرض دین کی رکھتا ضرور ہے۔ یقیناً سمجھو کہ ہر شخص اپنے اندازہ کے موافق عمر کا ایک حصہ کھا چکا ہے۔ بڑی عمر ہو گئی ہے تب بھی تھوڑے دن باقی ہیں اور تھوڑی ہے تب بھی تھوڑے ہی باقی ہیں۔ کیونکہ گذرنے والے زمانہ کو ہمیشہ تھوڑا خیال کیا جاتا ہے۔ پس یاد رکھو کہ انسان جو اس مسافر خانہ میں آتا ہے اس کی اصل غرض کیا ہے؟ اصل غرض انسان کی خلقت کی یہ ہے کہ وہ اپنے رب کو پہچانے۔ اور اس کی فرمانبرداری کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ماخلقت الجن والانس الّا لیعبدون[1] میں نے جن اور انس کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں مگر افسوس کی بات ہے

[1] الذّٰریٰت: ۵۷

کہ اکثر لوگ جو دنیا میں آتے ہیں بالغ ہونے کے بعد بجائے اس کے کہ اپنے فرض کو سمجھیں اور اپنی زندگی کی غرض اور غایت کو مدنظر رکھیں وہ خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر دنیا کی طرف مائل ہو جاتے ہیں اور دنیا کا مال اور اس کی عزتوں کے ایسے دلدادہ ہوتے ہیں کہ خدا کا حصہ بہت ہی تھوڑا ہوتا ہے اور بہت لوگوں کے دل میں تو ہوتا ہی نہیں صرف دنیا ہی میں منہمک اور فنا ہو جاتے ہیں انہیں خبر بھی نہیں ہوتی کہ خدا بھی کوئی ہے ہاں اس وقت پتہ لگتا ہے جب قابض ارواح آکر جان نکال لیتا ہے پس اس دھوکا سے خبردار رہو۔ ایسا نہ ہو کہ مرنے کا وقت آجاوے اور تم خالی کے خالی ہی رہو۔ یہ شعر اچھا کہا ہے ؎

مکن تکیہ بر عمر ناپائدار ✦ مباش ایمن از بازیٔ روزگار

ایک دفعہ ہی پیام موت آجاتا ہے اور پتہ نہیں لگتا۔ انسانی ہستی بہت ہی ناپائدار ہے۔ ہزارہا مرضیں لگی ہوئی ہیں۔ بعض ایسی ہیں کہ جب دامنگیر ہو جاتی ہیں تو اس جہان سے رخصت کر کے ہی رخصت ہوتی ہیں۔

جبکہ حالت ایسی نازک اور خطرناک ہے تو ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ اپنے خالق اور مالک خدا سے صلح کرلے۔ اسلام نے جو خدا پیش کیا ہے اور مسلمانوں نے جس خدا کو مانا ہے وہ رحیم، کریم، حلیم، توّاب اور غفار ہے۔ جو شخص سچی توبہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرتا ہے اور اس کے گناہ بخش دیتا ہے۔ لیکن دنیا میں خواہ حقیقی بھائی بھی ہو یا کوئی اور قریبی عزیز اور رشتہ دار ہو وہ جب ایک مرتبہ قصور دیکھ لیتا ہے۔ پھر وہ اس سے خواہ باز بھی آجاوے مگر اُسے عیبی ہی سمجھتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کیسا کریم ہے کہ انسان ہزاروں عیب کر کے بھی رجوع کرتا ہے تو بخش دیتا ہے۔ دنیا میں کوئی انسان ایسا نہیں ہے بجز پیغمبروں کے (جو خدا تعالیٰ کے رنگ میں رنگے جاتے ہیں) جو چشم پوشی سے اس قدر کام لے بلکہ عام طور پر تو یہ حالت ہے جو سعدی نے کہا ہے ؎

خدا داند و بپوشد و ہمسایہ نداند و بخروشد

پس غور کرو کہ اس کے کرم اور رحم کی کیسی عظیم الشان صفت ہے۔ یہ بالکل سچ ہے کہ اگر وہ مؤاخذہ پر آئے تو سب کو تباہ کر دے لیکن اس کا کرم اور رحم بہت ہی وسیع ہے اور اس کے غضب پر سبقت رکھتا ہے۔

## اسلام اور دُوسرے مذاہب

یہ دین یعنی اسلام جو سچا مذہب ہے اور جو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہم کو ملا ہے۔ اس کی سچائی کی یہ زبردست علامت ہے کہ انسانی ضمیر اور فطرت جس قسم کا خدا چاہتی ہے قرآن نے ویسا ہی خدا پیش کیا ہے یعنی اس قسم کے صفات سے متصف اسے بیان کیا ہے لیکن چونکہ مقابلہ کے بغیر کسی کی خوبی اور عمدگی کا پتہ نہیں لگ سکتا۔ اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ کسی قدر مقابلہ دوسرے مذاہب سے کیا جاوے۔ اگرچہ ہمارا یہ مذہب ہے کہ قرآن شریف سے ایسا ہی ثابت ہوتا ہے کہ کُل عالَم کا ایک ہی خدا ہے۔ لیکن جب ہم یہ کہتے ہیں کہ مثلاً ہندوؤں کا خدا۔ تو اس سے یہ غرض ہوتی ہے کہ وہ خدا جو اپنے خیالات اور عقائد کے موافق ہندوؤں نے پیش کیا ہے یا عیسائی جس قسم کا تسلیم کرتے ہیں۔ نعوذ باللہ یہ کبھی بھی خیال نہیں کرنا چاہیئے کہ وہ کسی اَور خدا کی مخلوق ہیں۔

غرض جب ہم اس خدا کا مقابلہ ان خداؤں سے (جو دوسرے مذاہب نے پیش کئے ہیں) کرتے ہیں تو صاف طور پر اقرار کرنا پڑتا ہے کہ وہ خدا جو قرآن شریف نے یا اسلام نے پیش کیا ہے وہی حقیقی خدا ہے۔ مثلاً اسی مسئلہ عفو گناہ سے متعلق جب ہم غور کرتے ہیں تو جیسا کہ ابھی میں نے بیان کیا ہے۔ خواہ انسان کتنے ہی گناہ کرے لیکن جب سچے دل سے توبہ کر لے اور آئندہ کے لئے گناہوں سے باز آجاوے تو اللہ تعالےٰ اس کی توبہ قبول کر لیتا اور اس کے گناہ بخش دیتا ہے۔ لیکن اس کے بالمقابل ہندوؤں نے جس خدا کو پیش کیا ہے وہ اس کے متعلق ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ وہ ایسا خدا ہے کہ وہ ایک گناہ کے بدلے کروڑوں جُونوں میں ڈالتا ہے اور جُونیں پشو۔ پنچھی۔ درند۔ چرند یہانتک کہ پانی اور ہوا کے کیڑے یہ سب انسان ہی ہیں۔

جو اپنی شامتِ اعمال کی وجہ سے سزائیں بھگتنے کے واسطے ان جُونوں میں آئے ہوئے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں یُوں کہو کہ جس قدر مخلوقات انسان کے سوا نظر آتی ہیں وہ سب انسان کے گناہوں کے طفیل ہے اور خدا تعالےٰ کو (معاذاللہ) اب تک اُن پر کوئی رحم نہیں آتا اور وہ ایسا سخت دل پرمیشر ہے کہ وہ رحم کر ہی نہیں سکتا۔

جب یہ عقیدہ رکھا جائے گا کہ ہر ایک گناہ کی سزا میں ضرور کئی کروڑ جُونوں میں جانا پڑیگا تو گناہ کی معافی اور رحم پرمیشر میں کہاں پایا گیا؟ کیونکہ جُونوں کے اس چکر سے تو کبھی نجات ہی نہیں ہے۔ حالانکہ فطرت انسانی ایک ایسا خدا چاہتی ہے جو انسانی کمزوریوں پر رحم کرتا ہو۔ اور انسان کے نادم اور تائب ہونے پر اس کے قصوروں کو معاف کر دے۔ کیونکہ خود انسان میں بھی یہ وصف ایک حد تک پایا جاتا ہے۔ پھر تعجب کی بات ہوگی کہ انسان تو توبہ اور معافی پر قصور معاف کر دے اور خدا تعالےٰ ایسا کینہ توز (معاذاللہ) ہو کہ اُسے کسی طرح رحم ہی نہ آوے؟ یہ خیال بالکل غلط اور باطل ہے بلکہ صحیح اعتقاد وہی ہے جو اسلام نے پیش کیا ہے کہ خدا تعالےٰ بڑا ہی کریم اور رحیم ہے اور وہ سچے رجوع اور حقیقی توبہ پر گناہ بخش دیتا ہے۔ اس کے بالمقابل عیسائی جو کچھ پیش کرتے ہیں وہ اَور بھی عجیب ہے۔ وہ خدا تعالےٰ کو رحیم تو مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ رحیم ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ رحم بلا مبادلہ نہیں کر سکتا جب تک بیٹے کو پھانسی نہ دے لے اس کا رحم کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ تعجب اور مشکلات بڑھ جاتی ہیں جب اس عقیدہ کے متعلق پہلوؤں پر نظر کی جاتی ہے اور پھر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے اپنے اکلوتے بیٹے کو پھانسی بھی دیا لیکن یہ نسخہ رحم پھر بھی خطا ہی گیا سب سے پہلے تو یہ کہ یہ نُسخہ اس وقت یاد آیا جب بہت سی مخلوق گناہ کی موت سے تباہ ہو چکی اور اُن پر کوئی رحم نہ ہو سکا کیونکہ پہلے کوئی بیٹا پھانسی پر نہ چڑھا اور علاوہ بریں اگرچہ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ زید کے سر میں درد ہو اور بکر اپنا سر پتھر سے پھوڑے اور یہ سمجھا جاوے کہ اس نسخہ سے زید کو آرام ہو جاوے گا لیکن اس کو بفرضِ محال مان کر بھی اس نسخہ کا جو اثر ہوا ہے وہ تو بہت

ہی خطرناک ہے۔ جب تک یہ نسخہ استعمال نہیں ہوا تھا۔ اکثر لوگ نیک تھے اور توبہ اور استغفار کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر چلنے کی کوشش کرتے تھے مگر جب یہ نسخہ گھڑا گیا کہ ساری دنیا کے گناہ خدا کے بیٹے کے پھانسی پانے کے ساتھ معاف ہو گئے تو اس سے بجائے اس کے کہ گناہ رُکتا، گناہ کا ایک اَور سیلاب جاری ہو گیا اور وہ بند جو اس سے پہلے خدا تعالیٰ کے خوف اور شریعت کا لگا ہوا تھا ٹوٹ گیا۔ جیسا کہ یورپ کے حالات سے پتہ لگتا ہے کہ اس مسئلہ نے وہاں کیا اثر کیا ہے اور فی الحقیقت ہونا بھی یہی چاہیئے تھا۔ پھر جب یہ بات ہے اور حالت ایسی ہے تو ہم کیونکر تسلیم کریں کہ وہ خدا جو اس رنگ میں دنیا کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ وہ حقیقی خدا ہے۔

اس قسم کی غلط تعلیمیں دنیا میں جاری ہو چکی ہیں اور حقیقی خدا کا چہرہ چھپا ہوا تھا۔ جو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ آپ نے آکر دنیا کے سامنے وہ خدا پیش کیا جو انسانی کانشنس اور فطرت چاہتی ہے اور اس کا پورا پورا بیان خدا تعالیٰ کی سچی کتاب قرآن مجید میں ہے

میں اس وقت دوسرے لوگوں کو جو مسلمان نہیں ہیں الگ رکھ کر صرف ان لوگوں کے متعلق کچھ کہوں گا جو مسلمان ہیں اور انہیں سے خطاب کروں گا

يَارَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا [1]

یاد رکھو قرآن شریف حقیقی برکات کا سرچشمہ اور نجات کا سچا ذریعہ ہے۔ یہ ان لوگوں کی اپنی غلطی ہے جو قرآن شریف پر عمل نہیں کرتے۔ عمل نہ کرنے والوں میں سے ایک گروہ تو وہ ہے جس کو اس پر اعتقاد ہی نہیں اور وہ اس کو خدا تعالےٰ کا کلام ہی نہیں سمجھتے۔ یہ لوگ تو بہت دُور پڑے ہوئے ہیں لیکن وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں کہ وہ خدا تعالےٰ کا کلام ہے۔ اور نجات کا شفا بخش نسخہ ہے۔ اگر وہ اس پر عمل نہ کریں تو کس قدر تعجب اور افسوس کی بات ہے۔ ان میں سے بہت سے تو ایسے ہیں جنہوں نے ساری عمر میں کبھی اُسے پڑھا ہی نہیں۔ پس ایسے آدمی جو

[1] الفرقان : ۳۱

خدا تعالےٰ کی کلام سے ایسے غافل اور لاپرواہیں اُن کی ایسی مثال ہے کہ ایک شخص کو معلوم ہے کہ فلاں چشمہ نہایت ہی مصفّٰی اور شیریں اور خنک ہے اور اس کا پانی بہت سی امراض کے واسطے اکسیر اور شفا ہے۔ یہ علم اس کو یقینی ہے لیکن باوجود اس علم کے اور باوجود پیاسا ہونے اور بہت سی امراض میں مبتلا ہونے کے وہ اس کے پاس نہیں جاتا تو یہ اس کی کیسی بدقسمتی اور جہالت ہے۔ اُسے تو چاہیئے تھا کہ وہ اس چشمہ پر مُنہ رکھ دیتا اور سیراب ہو کر اُس کے لُطف اور شفابخش پانی سے حظ اُٹھاتا۔ مگر وہ باوجود علم کے اس سے ویسا ہی دُور ہے جیسا کہ ایک بے خبر۔ اور اس وقت تک اُس سے دُور رہتا ہے جو موت آکر خاتمہ کر دیتی ہے۔ اس شخص کی حالت بہت ہی عبرت بخش اور نصیحت خیز ہے۔ مسلمانوں کی حالت اس وقت ایسی ہی ہو رہی ہے وہ جانتے ہیں کہ ساری ترقیوں اور کامیابیوں کی کلید یہی قرآن شریف ہے جس پر ہم کو عمل کرنا چاہیئے۔ مگر نہیں۔ اس کی پرواہ بھی نہیں کی جاتی۔ ایک شخص جو نہایت ہمدردی اور خیرخواہی کے ساتھ اور پھر نری ہمدردی ہی نہیں بلکہ خدا تعالےٰ کے حکم اور ایما سے اس طرف بُلادے تو اُسے کذّاب اور دجّال کہا جاتا ہے اس سے بڑھ کر اور کیا قابلِ رحم حالت اس قوم کی ہو گی۔

مسلمانوں کو چاہیئے تھا اور اب بھی اُن کے لئے یہی ضروری ہے کہ وہ اس چشمہ کو عظیم الشان نعمت سمجھیں اور اس کی قدر کریں۔ اس کی قدر یہی ہے کہ اس پر عمل کریں۔ اور پھر دیکھیں کہ خدا تعالےٰ کس طرح اُن کی مصیبتوں اور مشکلات کو دُور کر دیتا ہے۔ کاش مسلمان سمجھیں اور سوچیں کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے لئے یہ ایک نیک راہ پیدا کر دی ہے اور وہ اس پر چل کر فائدہ اُٹھائیں۔

یقیناً یاد رکھو کہ جو شخص سچے دل سے اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے اور اس کی پاک کتاب پر عمل کرتا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتا ہے تو اللہ تعالےٰ اس کو لاانتہا برکات سے حصہ دیتا ہے۔ ایسی برکات اُسے دی جاتی ہیں جو اس دنیا کی نعمتوں سے بہت ہی بڑھ کر

ہوتی ہیں۔ ان میں سے ایک عفوِ گناہ بھی ہے کہ جب وہ رجوع کرتا اور توبہ کرتا ہے تو خدا تعالےٰ اس کے گناہ بخش دیتا ہے۔ دوسرے لوگ اس نعمت سے بالکل بے بہرہ ہیں اس لئے کہ وہ اس پر اعتقاد ہی نہیں رکھتے کہ توبہ سے گناہ بھی بخشے جایا کرتے ہیں۔ اُن میں سے بعض تو یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو ہم کو جُونوں میں جانا پڑے گا اور معافی نہیں مل سکتی عیسائیوں کے اُصول کے موافق مسیح کے خون پر ایک بار ایمان لاکر اگر گناہ ہو جاوے تو پھر صلیب مسیح کوئی فائدہ نہیں دے سکتی کیونکہ مسیح دو مرتبہ صلیب پر نہیں چڑھے گا تو کیا یہ بات صاف نہیں ہے کہ ان دونو کے لئے بخشے جانے اور نجات کی راہ بند ہے کیونکہ صدور گناہ تو رُک نہیں سکتا اگر خدا تعالےٰ کی کسی نعمت کا شکر نہ کرے تو یہ بھی گناہ ہے اور غفلت کرے تو یہ بھی گُناہ ہے اور ان گناہوں پر بھی جُونوں میں جانا پڑے گا یا مسیح کو دوبارہ صلیب نہیں دیا جائے گا۔ اس لئے کلی طور پر مایوس ہونا پڑے گا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ تعلیم نہیں دی۔ ان کے لئے ہر وقت توبہ کا دروازہ کھلا ہے جب انسان اس کی طرف رجوع کرے اور اپنے پچھلے گناہوں کا اقرار کرکے اس سے خواستگار معافی ہو اور آئندہ کے لئے نیکیوں کا عزم کرے تو اللہ تعالیٰ اُسے معاف کر دیتا ہے۔ اس لئے میں کہتا ہوں کہ میری باتوں کو متوجہ ہو کر سُنو۔ ایسا نہ ہو کہ یہ باتیں صرف تمہارے کان تک ہی رہ جائیں اور تم اُن سے کوئی فائدہ نہ اُٹھاؤ اور یہ تمہارے دل تک نہ پہنچیں۔ نہیں بلکہ پُوری توجہ سے سُنو اور اُن کو دل میں جگہ دو اور اپنے عمل سے دکھاؤ کہ تم نے اُن کو سرسری طور پر نہیں سُنا اور اُن کا اثر اسی آن تک نہیں بلکہ گہرا اثر ہے۔

## گناہ اور اس کے نتائج اور ان سے نجات

اس بات کو بخوبی یاد رکھو کہ گناہ ایسی زہر ہے جس کے کھانے سے انسان ہلاک ہو جاتا ہے اور نہ صرف ہلاک ہی ہوتا ہے بلکہ وہ خدا تعالےٰ کا قرب حاصل کرنے سے رہ جاتا ہے اور اس قابل نہیں ہوتا کہ یہ نعمت اس کو مل سکے۔ جس جس قدر گناہ میں مبتلا ہوتا ہے اسی اسی قدر خدا تعالیٰ سے دُور ہوتا چلا جاتا ہے اور وہ مدد غیبی اور نُور جو خدا تعالیٰ کے قُرب میں اُسے ملتی

تھی اُس سے پرے ہٹتا جاتا ہے اور تاریکی میں پڑ کر ہر طرف سے آفتوں اور بلاؤں کا شکار ہو جاتا ہے۔ یہانتک کہ سب سے زیادہ خطرناک دشمن شیطان اس پر اپنا قابو پالیتا ہے اور اُسے ہلاک کر دیتا ہے۔ لیکن اس خطرناک نتیجہ سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک سامان بھی رکھا ہوا ہے۔ اگر انسان اس سے فائدہ اُٹھائے تو وہ اس ہلاکت کے گڑھے سے بچ جاتا ہے۔ اور پھر خدا تعالیٰ کے قُرب کو پاسکتا ہے۔ وہ سامان کیا ہے۔ رجُوع الی اللہ یا سچی توبہ۔ خدا تعالےٰ کا نام تواب ہے۔ وہ بھی رجُوع کرتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ انسان جب گناہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے دُور ہو جاتا ہے اور خدا تعالےٰ اس سے بعید ہوتا ہے۔ لیکن جب انسان رجوع کرتا ہے یعنی اپنے گناہوں سے نادم ہو کر پھر خدا تعالےٰ کی طرف جھکتا ہے۔ تو اس کریم رحیم خدا کا رحم اور کرم بھی جوش میں آتا ہے اور وہ اپنے بندہ کی طرف توجہ کرتا ہے اور رجوع کرتا ہے اس لئے اس کا نام تواب ہے۔ پس انسان کو چاہیئے کہ اپنے رب کی طرف رجوع کرے تاکہ وہ اس کی طرف رجوع برحمت کرے۔

## دُنیا کی تکلیفوں کی وجہ

انسان جس قدر مشکلات اور مصائب میں مبتلا ہوتا ہے اور دُنیا میں اس پر آفتیں آتی ہیں۔ یہ سب شامتِ اعمال ہی سے آتی ہیں۔ میں نے پہلے بھی بیان کیا تھا کہ لوگ ایک دھوکہ میں پڑ جاتے ہیں کہ ہم پر اگر مصیبتیں آئیں تو کیا ہوا؟ انبیاء علیہم السلام پر بھی مصیبتیں آئی ہیں۔ لیکن وہ نہیں جانتے کہ انبیاء علیہم السلام کی مصیبتوں اور تکلیفوں سے اُن کی مصائب اور مشکلات کو کوئی نسبت نہیں۔ انبیاء علیہم السلام کی مصائب میں لذت ہوتی ہے۔ وہ قُربِ الٰہی کے بڑھانے کا موجب ہوتی ہیں۔ ان سے محبت بڑھتی ہے اور ان کا فوق العادت استقلال اور رضا و تسلیم اعلیٰ درجہ کی معرفت کا باعث بنتا ہے۔ برخلاف اس کے یہ مصیبتیں اور بلائیں جو گناہ کی شامت سے آتی ہیں اُن میں درد اور تکلیف کے علاوہ خدا سے بُعد ہوتا ہے اور ایک تاریکی چھا جاتی ہے۔ آخر بالکل تباہی اور بربادی ہو

جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایک زہر ہے۔ زہر کھا کر کوئی بچ نہیں سکتا۔ پس گناہ کی زہر کھا کر یہ توقع کرنا کہ وہ بچ جائے گا خطرناک غلطی ہے۔ یقیناً یاد رکھو جو گناہ سے باز نہیں آتا وہ آخر مرے گا اور ضرور مرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء اور رُسل کو اسی لئے بھیجا اور اپنی آخری کتاب قرآن مجید اس لئے نازل فرمائی کہ دُنیا اس زہر سے ہلاک نہ ہو بلکہ اس کی تاثیرات سے واقف ہو کر بچ جاوے۔ قدیم سے سنت اللہ اسی طرح پر چلی آئی ہے کہ جب دُنیا پر گناہ کی تاریکی پھیل جاتی ہے اور انسانوں میں عبُودیت نہیں رہتی اور عبُودیت اور اُلوہیت کا باہمی رشتہ ٹوٹ جاتا ہے۔ انسان سرکشی اور بغاوت اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالےٰ محض اپنے فضل و کرم سے اُس کی آگاہی اور تنبیہہ کے لئے اپنا ایک مامور بھیج دیتا ہے وہ دنیا میں آکر اہلِ دنیا کو اس خطرناک عذاب سے ڈراتا ہے جو ان کی شرارتوں اور شوخیوں کی وجہ سے آنے والا ہوتا ہے اور اُن کو اس زہر سے جو گناہ کی زہر ہے۔ بچانا چاہتا ہے۔ جو سعید الفطرت ہوتے ہیں وہ اس کے ساتھ ہو جاتے ہیں اور سچی توبہ کر کے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ لیکن شریر النفس اپنی شرارتوں میں ترقی کرتے اور اس کی باتوں کو ہنسی ٹھٹھے میں اُڑا کر خدا تعالیٰ کے غضب کو بھڑکاتے ہیں اور آخر تباہ ہو جاتے ہیں۔ آجکل یہی زمانہ آیا ہوا ہے۔ خدا تعالیٰ کے ساتھ جو سچا تعلق عبُودیت کا ہونا چاہیئے اور جو محبت اپنے خالق سے ضروری ہے وہ کہاں ہے؟ ہر ایک شخص اپنی جگہ پہ غور کرے اور اپنے نفس پر قیاس کر کے دیکھے کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ اس کے تعلقات کس قدر ہیں آیا وہ دنیا اور اس کی شان و شوکت کو اپنا معبود سمجھتا ہے یا حقیقی خدا کو معبود مانتا ہے۔ اس کے تعلقات اپنے نفس، اہل و عیال اور دوسری مخلوق کے ساتھ کس قسم کے ہیں؟ ان میں خدا تعالےٰ کا کس درجہ تک ہے۔ ان باتوں پر جب آپ غور کرینگے اور خالی الذہن ہو کر غور کریں گے تو صاف معلوم ہو جائے گا کہ یہ وہ وقت آیا ہے کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ کوئی رشتہ اور پیوند رکھا ہی نہیں ہے۔ اکثر ایسے ہیں جو خدا تعالےٰ کے وجود اور ہستی ہی کا یقین نہیں رکھتے اور جو بعض مانتے ہیں کہ خدا ہے ان کا ماننا نہ ماننا

برابر ہو رہا ہے کیونکہ وہ تقویٰ اللہ اور خشیۃ اللہ جو خدا تعالیٰ پر ایمان لانے سے پیدا ہوتی ہے۔ اُن میں پائی نہیں جاتی۔ گناہ سے نفرت اور احکام الٰہی کی پابندی اور نواہی سے بچنا نظر نہیں آتا۔ پھر کیونکر تسلیم کر لیا جاوے کہ یہ لوگ فی الحقیقۃ خدا تعالیٰ پر ایمان لائے ہوئے ہیں[1]

اور ماسوا اس کے یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ جبتک کامل اور پُورا تعلق نہ ہو۔ وہ برکات اور فیوض جو اس تعلق کے لازمی نتائج ہیں حاصل نہیں ہوتے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ جہاں ایک پیالہ پانی کا پی کر سیر ہونا ہو وہاں ایک قطرہ کہاں تک مفید ہو سکتا ہے اور تشنہ لبی کو بجھا سکتا ہے اور جہاں دس تولہ دوا کھانی ہو وہاں ایک چاول یا ایک رتی سے کیا ہوگا؟ اسی طرح پر جب تک انسان پُورے طور پر خدا تعالیٰ کا مطیع اور وفادار بندہ نہیں بنتا اور کامل نیکی نہیں کرتا اس وقت تک اس کے انوار و برکات ظاہر نہیں ہوتے۔ ادھوری اور ناتمام باتوں سے بعض اوقات ٹھوکر لگتی ہے۔ ایک شخص نیکی کو اس کے کمال تک تو پہنچاتا نہیں اور اس سے ان ثمرات کی توقع کرتا ہے جو اس کے درجہ کمال پر پیدا ہوتے ہیں اور جب وہ نہیں ملتے تو اس سچی اور پاک تعلیم سے بدظن ہونے لگتا ہے اور کہتا ہے کہ کچھ بھی نہیں۔ بہت سے لوگ اسی طرح پر گمراہ ہوئے ہیں لیکن میں یقیناً کہتا ہوں کہ قرآن شریف نے جو تعلیم پیش کی ہے اور جس طریق پر نیکی کی راہیں بتائی ہیں ان پر اور اس درجہ تک عامل ہونے سے انسان وہ تمام کمالات اور برکات حاصل کر سکتا ہے جن کا وعدہ دیا گیا ہے۔ اسی پاک تعلیم کی سچی اور کامل پیروی سے ولی اللہ اور ابدال بنتے ہیں۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ ولی اللہ یا ابدال بننے کے لئے کوئی خاص راہ ہے جو قرآن شریف میں نہیں ہے۔ وہ سخت نادان اور غلطی پر ہیں۔ یہی وہ راہ ہے جس سے یہ درجے بھی حاصل ہوتے ہیں۔ ولی یا ابدال کیا کرتے ہیں؟ یہی کہ وہ سچی تبدیلی کر لیتے ہیں اور قرآن شریف کی تعلیم کا

---

[1] از ایڈیٹر۔ للہ درّ من قال۔

از عمل ثابت کُن آں نورے کہ در ایمان تُست
دل چو دادی یُوسفے را راہِ کنعاں را گزیں

(حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام)

سچا متبع اپنے آپ کو بناتے ہیں اور نیکی کو اس حد اور درجہ تک کرتے ہیں جو اس کے کمالات کے لئے مقرر ہے۔ یہی نماز، روزہ، زکوٰۃ، صدقات وغیرہ وہ بھی بجالاتے ہیں لیکن ان میں اور دوسرے لوگوں میں اس قدر فرق ہے کہ وہ اس حد تک ان اعمال صالحہ کو بجالاتے ہیں کہ اُن میں ایک قوت اور طاقت آجاتی ہے اور اُن سے وہ افعال سرزد ہوتے ہیں جو دوسروں کی نظر میں خوارق ہوتے ہیں اس کی وجہ کیا ہے؟ یہی کہ وہ اعمال صالحہ کو پُورے طور پر بجالاتے ہیں۔ پس جو شخص پُوری نیکی کرتا ہے اور اس کو ادھورا اور ناقص نہیں چھوڑتا اور قرآن شریف کی تعلیم کا پورا پابند اپنے آپ کو بنا لیتا ہے وہ یقیناً ولی اور ابدال ہو جاتا ہے۔ جو چاہے بن سکتا ہے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ اس کے واسطے بڑی دعاؤں کی ضرورت ہے۔ اور دعا کی تعلیم بھی قرآن شریف کی تعلیم ہے جس کیلئے جابجا ہدایت کی گئی ہے بلکہ اس کا شروع ہی دعا سے ہوا ہے۔ اس بات کو کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ جیسے اگر کسی شخص کو زندہ رکھنا مقصود ہے تو ضرور ہے کہ اس کو پُوری غذا دی جاوے چند دانوں پر اس کی زندگی کی امید کرنا خیالِ خام ہے۔ اسی طرح اللہ تعالےٰ میں زندگی حاصل کرنے کے لئے پُوری نیکیوں کا کرنا ضروری ہے جو اس طریق کو چھوڑتا ہے وہ آج نہیں کل مَرجاوے گا قرآن شریف نے اسی اصل کو بتایا ہے جو زیادہ حظ اُٹھانا چاہتا ہے اُسے چاہیئے کہ زیادہ توجہ کرے

## اپنی جماعت سے خطاب

ہماری جماعت (جس سے مخالف بغض رکھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ یہ جماعت ہلاک اور تباہ ہو جاوے) کو یاد رکھنا چاہیئے کہ میں اپنے مخالفوں سے باوجود اُن کے بغض کے ایک بات میں اتفاق رکھتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے چاہا ہے کہ یہ جماعت گناہوں سے پاک ہو اور اپنے چال چلن کا عمدہ نمونہ دکھاوے وہ قرآن شریف کی تعلیم پر سچی عامل ہو۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں فنا ہو جاوے۔ ان میں باہم کسی قسم کا بغض وکینہ نہ رہے۔ وہ خدا تعالیٰ کے ساتھ پوری اور سچی محبت کرنے والی جماعت ہو۔ لیکن اگر کوئی شخص اس جماعت میں داخل ہو کر بھی اس غرض کو پُورا نہیں کرتا اور سچی تبدیلی اپنے اعمال سے نہیں دکھاتا تو وہ یاد رکھے

کہ دشمنوں کی اس مراد کو پُورا کر دے گا وہ یقیناً ان کے سامنے تباہ ہو جاوے گا۔ خدا تعالیٰ کے ساتھ کسی کا رشتہ نہیں اور وہ کسی کی پروا نہیں کرتا۔ وہ اولاد جو انبیاء کی اولاد کہلاتی تھی۔ یعنی بنی اسرائیل جن میں کثرت سے نبی اور رسُول آئے اور خدا تعالیٰ کے عظیم الشان فضلوں کے وہ وارث اور حقدار ٹھہرائے گئے تھے۔ لیکن جب اس کی رُوحانی حالت بگڑی اور اُس نے راہِ مستقیم کو چھوڑ دیا۔ سرکشی اور فسق و فجور کو اختیار کیا۔ نتیجہ کیا ہوا؟ وہ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَ الْمَسْكَنَةُ[1] کی مصداق ہوئی۔ خدا تعالیٰ کا غضب ان پر ٹوٹ پڑا۔ اور ان کا نام سؤر اور بندر رکھا گیا۔ یہاں تک وہ گر گئے کہ انسانیت سے بھی اُن کو خارج کیا گیا۔ یہ کس قدر عبرت کا مقام ہے۔ بنی اسرائیل کی حالت ہر وقت ایک مفید سبق ہے۔ اسی طرح یہ قوم جس کو خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے وہ قوم ہے کہ خدا تعالیٰ اس پر بڑے بڑے فضل کرے گا۔ لیکن اگر کوئی اس جماعت میں داخل ہو کر خدا تعالیٰ سے سچی محبت اور رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سچی اور کامل اتباع نہیں کرتا وہ چھوٹا ہو یا بڑا کاٹ ڈالا جائے گا اور خدا تعالیٰ کے غضب کا نشانہ ہوگا۔ پس تمہیں چاہیئے کہ کامل تبدیلی کرو اور جماعت کو بدنام کرنے والے نہ ٹھہرو۔

## امتیازِ ذات

بعض نادان ایسے بھی ہیں جو ذاتوں کی طرف جاتے ہیں اور اپنی ذات پر بڑا تکبّر اور ناز کرتے ہیں۔ بنی اسرائیل کی ذات کیا کم تھی جن میں نبی اور رسُول آئے تھے لیکن کیا اُن کی اس اعلیٰ ذات کا کوئی لحاظ خدا تعالیٰ کے حضور ہوا۔ جب اس کی حالت بدل گئی۔ ابھی میں نے کہا ہے کہ ان کا نام سؤر اور بندر رکھا گیا اور اسے اس طرح پر انسانیت کے دائرہ سے خارج کر دیا۔ میں نے دیکھا ہے کہ بہت لوگوں کو یہ مرض لگا ہوا ہے خصوصاً سادات اس مرض میں بہت مبتلا ہیں۔ وہ دوسروں کو حقیر سمجھتے ہیں اور اپنی ذات پر ناز کرتے ہیں۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لئے ذات کچھ بھی چیز نہیں ہے اور اُسے ذرا بھی تعلق نہیں ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جو سیّد ولد آدم اور افضل الانبیاء ہیں۔ انہوں نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہ

[1] البقرة : ۶۲

رضی اللہ عنہا سے صاف طور پر فرمایا کہ اے فاطمہؓ تو اس رشتہ پر بھروسہ نہ کرنا کہ میں پیغمبر زادی ہوں قیامت کو یہ ہرگز نہیں پوچھا جاوے گا کہ تیرا باپ کون ہے۔ وہاں تو اعمال کام آئیں گے۔ میں یقیناً جانتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کے قرب سے زیادہ دور پھینکنے والی اور حقیقی نیکی کی طرف آنے سے روکنے والی بڑی بات یہی ذات کا گھمنڈ ہے کیونکہ اس سے تکبّر پیدا ہوتا ہے اور تکبّر ایسی شئے ہے کہ وہ محروم کر دیتا ہے۔ علاوہ ازیں وہ اپنا سارا سہارا اپنی غلط فہمی سے اپنی ذات پر سمجھتا ہے کہ میں گیلانی ہوں یا فلاں سیّد ہوں۔ حالانکہ وہ نہیں سمجھتا کہ یہ چیزیں وہاں کام نہیں آئیں گی۔ ذات اور قوم کی بات تو مرنے کے ساتھ ہی الگ ہو جاتی ہے۔ مرنے کے بعد اس کا کوئی تعلق باقی رہتا ہی نہیں۔ اس لئے اللہ تعالےٰ قرآن شریف میں یہ فرماتا ہے من یعمل مثقال ذرۃ شرًا یرہ[۱]۔ کوئی بُرا عمل کرے خواہ کتنا ہی کیوں نہ کرے اس کی پاداش اس کو ملے گی یہاں کوئی تخصیص ذات اور قوم کی نہیں اور پھر دوسری جگہ فرمایا ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم[۲] اللہ تعالےٰ کے نزدیک مکرم وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے

پس ذاتوں پر ناز اور گھمنڈ نہ کرو کہ یہ نیکی کے لئے روک کا باعث ہو جاتا ہے۔ ہاں ضروری یہ ہے کہ نیکی اور تقویٰ میں ترقی کرو۔ خدا تعالیٰ کے فضل اور برکات اسی راہ سے آتے ہیں۔ میں خوب جانتا ہوں کہ ہماری جماعت اور ہم جو کچھ ہیں اسی حال میں اللہ تعالےٰ کی تائید اور اس کی نصرت ہمارے شاملِ حال ہوگی کہ ہم صراطِ مستقیم پر چلیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی کامل اور سچی اتباع کریں۔ قرآن شریف کی پاک تعلیم کو اپنا دستور العمل بناویں اور ان باتوں کو ہم اپنے عمل اور حال سے ثابت کریں نہ صرف قال سے۔ اگر ہم اس طریق کو اختیار کریں گے۔ تو یقیناً یاد رکھو کہ ساری دنیا بھی مل کر ہم کو ہلاک کرنا چاہے تو ہم ہلاک نہیں ہو سکتے اس لئے کہ خدا ہمارے ساتھ ہوگا۔

لیکن اگر ہم خدا تعالیٰ کے نافرمان اور اس سے قطع تعلق کر چکے ہیں تو ہماری ہلاکت کے لئے کسی کو منصوبہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ کسی مخالفت کی حاجت نہیں۔ وہ سب سے پہلے خود ہم

[۱] الزلزال: ۹ [۲] الحجرات: ۱۴

کو ہلاک کر دے گا۔

ہمیشہ سے سنت اللہ اسی طرح پر چلی آئی ہے۔ جب بنی اسرائیل نے خدا تعالیٰ کی نافرمانی اختیار کی اور اس نے گناہ کیا۔ خدا تعالیٰ نے اس قوم کو ہلاک کیا۔ حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پیغمبر اُن میں موجود تھے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ گناہ سے سخت بیزار اور متنفر ہے۔ وہ کبھی پسند نہیں کر سکتا کہ ایک شخص بغاوت کرے اور اس کو سزا نہ دی جاوے۔

یہ بات بھی خوب یاد رکھو کہ گنہگار خدا تعالیٰ پر ایمان اور یقین نہیں رکھتا۔ اگر ایمان رکھتا تو ہرگز گناہ کرنے کی جرأت نہ کرتا۔ حدیث میں جو آیا ہے کہ چوری کرنے والا یا زانی یا بدکار اپنے فعل کے وقت مومن نہیں ہوتا۔ اس کا بھی یہی مطلب ہے کیونکہ سچا ایمان تو گناہ سے دُور کرتا ہے اور شیطان کی کشتی میں وہ شیطان پر غالب آجاتا ہے۔ لیکن جب ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شخص علانیہ بدکاری میں مبتلا ہے اور دوسری خطاکاریوں سے باوجودیکہ اُن کی بُرائی سے آگاہ ہے باز نہیں آتا تو پھر بجز اس کے اور کیا کہنا پڑے گا کہ وہ خدا تعالیٰ پر ایمان نہیں رکھتا۔ اگر ایمان رکھتا تو کیوں ان بدیوں سے نہ بچتا۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ خدا تعالیٰ گناہ سے سخت بیزار ہے اور اس کا نتیجہ بہت ہی بُرا اور تکلیف دہ ہے۔

## نفس کی تین حالتیں

نفس کی تین حالتیں ہیں، یا یہ کہو کہ نفس تین رنگ بدلتا ہے۔ بچپن کی حالت میں نفس زکیہ ہوتا ہے یعنی بالکل سادہ ہوتا ہے۔ اس عمر کے طے کرنے کے بعد پھر نفس پر تین حالتیں آتی ہیں۔ سب سے اوّل جو حالت ہوتی ہے اس کا نام نفس امارہ ہے۔ اس حالت میں انسان کی تمام طبعی قوتیں جوش زن ہوتی ہیں اور اس کی ایسی مثال ہوتی ہے جیسے دریا کا سیلاب آجاوے اس وقت قریب ہے کہ غرق ہو جاوے۔ یہ جوش نفس ہر قسم کی بے اعتدالیوں کی طرف لے جاتا ہے۔ لیکن پھر اس پر ایک حالت اور بھی آجاتی ہے جس کا نام نفس لوّامہ ہے۔ اس کا نام

لوآمہ اس لئے رکھا گیا ہے کہ وہ بدی پر ملامت کرتا ہے اور یہ حالت نفس کی روا نہیں رکھتی کہ انسان ہر قسم کی بے اعتدالیوں اور جوشوں کا شکار ہوتا چلا جاوے۔ جیسا کہ نفس امارہ کی صورت میں تھا بلکہ نفس لوآمہ اُسے بدیوں پر ملامت کرتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ نفس لوآمہ کی حالت میں انسان بالکل گناہ سے پاک اور بری نہیں ہوتا۔ مگر اس میں بھی کوئی کلام نہیں کہ اس حالت میں انسان کی شیطان اور گناہ کے ساتھ ایک جنگ ہوتی رہتی ہے۔ کبھی شیطان غالب آجاتا ہے اور کبھی وہ غالب آجاتا ہے۔ مگر نفس لوآمہ والا خدا تعالیٰ کے رحم کا مستحق ہوتا ہے۔ اس لئے کہ وہ بدیوں کے خلاف اپنے نفس سے جنگ کرتا رہتا ہے اور آخر اسی کشمکش اور جنگ وجدل میں اللہ تعالیٰ اس پر رحم کر دیتا ہے اور اُسے وہ نفس کی حالت عطا ہوتی ہے جس کا نام مطمئنہ ہے یعنی اس حالت میں انسان شیطان اور نفس کی لڑائی میں فتح پا کر انسانیت اور نیکی کے قلعہ کے اندر آ کر داخل ہو جاتا ہے اور اس قلعہ کو فتح کر کے مطمئن ہو جاتا ہے۔ اس وقت یہ خدا پر راضی ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ اس پر راضی ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ پورے طور پر اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت میں فنا اور محو ہو جاتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی مقادیر کے ساتھ اس کو پوری صلح اور رضا حاصل ہوتی ہے

یاایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الیٰ ربکِ راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی۔[1]

یعنی اے نفس آرام یافتہ جو خدا سے آرام پا گیا ہے اپنے خدا کی طرف واپس چلا آ۔ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی۔ پس میرے بندوں میں مل جا اور میرے بہشت کے اندر آجا۔

## رضا بالقضا

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ سچا رجوع اس وقت ہوتا ہے جبکہ خدا تعالیٰ کی رضا سے رضاء انسانی مل جاوے۔ یہ وہ حالت ہے جہاں انسان اولیاء اور ابدال اور مقربین کا درجہ پاتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں اللہ تعالیٰ سے مکالمہ کا شرف ملتا ہے اور وحی کی جاتی ہے۔ اور چونکہ وہ ہر قسم کی تاریکی اور شیطانی شرارت سے محفوظ ہوتا ہے۔ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی رضا میں

[1] الفجر : ۲۸ تا ۳۱

زندہ ہوتا ہے۔ اس لئے وہ ایک ابدی بہشت اور سرور میں ہوتا ہے۔ انسانی ہستی کا مقصد اعلیٰ اور غرض اسی مقام کا حاصل کرنا ہے اور یہی وہ مقصد ہے جو اسلام کے لفظ میں اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے کیونکہ اسلام سے سچی مراد یہی ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی رضا کے تابع اپنی رضا کرے۔

## دُعا کی ضرورت

مگر سچ یہ ہے کہ یہ مقام انسان کی اپنی قوت سے نہیں مل سکتا۔ ہاں اس میں کلام نہیں کہ انسان کا فرض ہے کہ وہ مجاہدات کرے لیکن اس مقام کے حصول کا اصل اور سچا ذریعہ دُعا ہے۔ انسان کمزور ہے۔ جب تک دُعا سے قوت اور تائید نہیں پاتا۔ اس دشوار گذار منزل کو طے نہیں کر سکتا۔ خود اللہ تعالیٰ نے انسان کی کمزوری اور اس کے ضعف حال کے متعلق ارشاد فرماتا ہے

خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيفًا

یعنی انسان ضعیف اور کمزور بنایا گیا ہے۔ پھر باوجود اس کی کمزوری کے اپنی ہی طاقت سے ایسے عالی درجہ اور ارفع مقام کے حاصل کرنے کا دعویٰ کرنا سراسر خام خیالی ہے۔ اس کے لئے دعا کی بہت بڑی ضرورت ہے۔ دعا ایک زبردست طاقت ہے جس سے بڑے بڑے مشکل مقام حل ہو جاتے ہیں اور دشوار گذار منزلوں کو انسان بڑی آسانی سے طے کر لیتا ہے کیونکہ دعا اس فیض اور قوت کے جذب کرنے والی نالی ہے جو اللہ تعالیٰ سے آتا ہے۔ جو شخص کثرت سے دُعاؤں میں لگا رہتا ہے وہ آخر اس فیض کو کھینچ لیتا ہے اور خدا تعالیٰ سے تائید یافتہ ہو کر اپنے مقاصد کو پا لیتا ہے۔ ہاں نری دُعا خدا تعالیٰ کا منشا نہیں ہے بلکہ اول تمام مساعی اور مجاہدات کو کام میں لائے! اور اس کے ساتھ دُعا سے کام لے! اسباب سے کام لے! اسباب سے کام نہ لینا اور نری دُعا سے کام لینا یہ آداب الدعا سے ناواقفی ہے اور خدا تعالیٰ کو آزمانا ہے اور نرے اسباب پر گر رہنا اور دُعا کو لاشئی محض سمجھنا یہ دہریت ہے۔ یقیناً سمجھو کہ دُعا بڑی دولت ہے۔ جو شخص دُعا کو نہیں چھوڑتا۔ اس کے دین اور دُنیا پر آفت نہ آئیگی۔ وہ ایک ایسے قلعے میں محفوظ ہے جس کے اردگرد مسلح سپاہی ہر وقت حفاظت کرتے ہیں لیکن جو دعاؤں سے لاپرواہ ہے وہ اس شخص کی طرح ہے جو خود بے ہتھیار ہے اور اس پر کمزور بھی ہے اور پھر ایسے جنگل

یں ہے جو درندوں اور مُوذی جانوروں سے بھرا ہؤا ہے۔ وہ سمجھ سکتا ہے کہ اسکی خیر ہرگز نہیں ہے۔ ایک لمحہ میں وہ مُوذی جانوروں کا شکار ہو جائے گا اور اس کی ہڈی بوٹی نظر نہ آئے گی۔ اس لئے یاد رکھو کہ انسان کی بڑی سعادت اور اس کی حفاظت کا اصل ذریعہ ہی یہی دُعا ہے۔ یہی دعا اس کے لئے پناہ ہے۔ اگر وہ ہر وقت اس میں لگا رہے۔

## اسلام کا خاص امتیاز

یہ بھی یقیناً سمجھو کہ یہ ہتھیار اور نعمت صرف اسلام ہی میں دی گئی ہے۔ دوسرے مذاہب اس عطیہ سے محروم ہیں۔ آریہ لوگ بھلا کیوں دعا کریں گے جبکہ اُن کا یہ اعتقاد ہے کہ تناسخ کے چکر میں سے ہم نکل ہی نہیں سکتے ہیں اور کسی گناہ کی معافی کی کوئی امید ہی نہیں ہے۔ ان کو دعا کی کیا حاجت اور کیا ضرورت اور اس سے کیا فائدہ؟ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آریہ مذہب میں دعا ایک بے فائدہ چیز ہے اور پھر عیسائی دعا کیوں کریں گے جبکہ وہ جانتے ہیں کہ دوبارہ کوئی گناہ بخشا نہیں جائے گا کیونکہ مسیح دوبارہ تو مصلوب ہو ہی نہیں سکتا۔ پس یہ خاص اکرام اسلام کے لئے ہے اور یہی وجہ ہے کہ یہ امت مرحومہ ہے۔ لیکن اگر آپ ہی اس فضل سے محروم ہو جاویں اور خود ہی اس دروازہ کو بند کر دیں تو پھر کس کا گناہ ہے۔ جب ایک حیات بخش چشمہ موجود ہے اور ہر وقت اس میں سے پانی پی سکتا ہے۔ پھر اگر کوئی اس سے سیراب نہیں ہوتا ہے تو خود طالب موت اور تشنہ ہلاکت ہے۔ اس صورت میں تو چاہیئے کہ اس پر منہ رکھ دے اور خوب سیراب ہو کر پانی پی لیوے۔ یہ میری نصیحت ہے جس کو میں ساری نصائح قرآنی کا مغز سمجھتا ہوں۔ قرآن شریف کے ۳۰ سپارے ہیں اور وہ سب کے سب نصائح سے لبریز ہیں لیکن ہر شخص نہیں جانتا کہ ان میں سے وہ نصیحت کونسی ہے جس پر اگر مضبوط ہو جاویں اور اس پر پُورا عملدرآمد کریں تو قرآن کریم کے سارے احکام پر چلنے اور ساری منہیات سے بچنے کی توفیق مل جاتی ہے۔ مگر میں تمہیں بتاتا ہوں کہ وہ کلید اور قوت دُعا ہے۔ دُعا کو مضبوطی سے پکڑ لو میں یقین رکھتا ہوں اور اپنے تجربہ

سے کہتا ہوں کہ پھر اللہ تعالیٰ ساری مشکلات کو آسان کر دے گا لیکن مشکل یہ ہے کہ لوگ دُعا کی حقیقت سے ناواقف ہیں۔ اور وہ نہیں سمجھتے کہ دعا کیا چیز ہے۔ دعا یہی نہیں ہے کہ چند لفظ منہ سے بڑبڑا لئے۔ یہ تو کچھ بھی نہیں۔ دعا اور دعوت کے معنی ہیں۔ اللہ تعالےٰ کو اپنی مدد کے لئے پکارنا۔ اور اس کا کمال اور مؤثر ہونا اس وقت ہوتا ہے جب انسان کمال دردِ دل اور قلق اور سوز کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف رجُوع کرے اور اس کو پکارے ایسا کہ اس کی روح پانی کی طرح گداز ہو کر آستانۂ اُلوہیت کی طرف بہہ نکلے یا جس طرح پر کوئی مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے اور وہ دوسرے لوگوں کو اپنی مدد کے لئے پکارتا ہے تو دیکھتے ہو کہ اس کی پکاریں کیسا انقلاب اور تغیر ہوتا ہے۔ اس کی آواز ہی میں وہ درد بھرا ہوا ہوتا ہے جو دوسروں کے رحم کو جذب کرتا ہے۔ اسی طرح وہ دُعا جو اللہ تعالیٰ سے کی جاوے۔ اس کی آواز، اس کا لب و لہجہ بھی اور ہی ہوتا ہے۔ اس میں وہ رقّت اور درد ہوتا ہے جو اُلوہیت کے چشمہ رحم کو جوش میں لاتا ہے اس دعا کے وقت آواز ایسی ہو کہ سارے اعضا اس سے متاثر ہو جاویں اور زبان میں خشوع خضوع ہو۔ دل میں درد اور رقّت ہو۔ اعضاء میں انکسار اور رجُوع الی اللہ ہو۔ اور پھر سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم پر کامل ایمان اور پوری امید ہو۔ اس کی قدرتوں پر ایمان ہو۔ ایسی حالت میں جب آستانۂ اُلوہیت پر گرے گا۔ نامراد واپس نہ ہوگا۔ چاہیئے کہ اس حالت میں بار بار حضورِ الٰہی میں عرض کرے کہ میں گنہگار اور کمزور ہوں۔ تیری دستگیری اور فضل کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔ تو آپ رحم فرما اور مجھے گناہوں سے پاک کر۔ کیونکہ تیرے فضل و کرم کے سوا کوئی اور نہیں ہے جو مجھے پاک کرے۔ جب اس قسم کی دعا میں مداومت کرے گا اور استقلال اور صبر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے فضل اور تائید کا طالب رہے گا تو کسی نامعلوم وقت پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نُور اور سکینت اس کے دل پر نازل ہوگی جو دل سے گناہ کی تاریکی دور کر دیگی۔ اور غیب سے ایک قوت عطا ہوگی جو گناہ سے بیزاری پیدا کر دے گی اور وہ اُن سے بچے گا۔ اس حالت میں دیکھے گا کہ میرا دل جذبات اور نفسانی خواہشوں کا ایسا اسیر اور گرفتار تھا کہ

گویا ہزاروں ہزار زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا جو بے اختیار اُسے کھینچ کر گناہ کی طرف لیجاتے تھے اور یا یک دفعہ وہ سب زنجیر کٹ گئے ہیں اور آزاد ہو گیا ہے اور جیسے پہلی حالت میں وہ محسوس اور مشاہدہ کرے گا کہ وہی رغبت اور رجوع اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔ گناہ سے محبت کی بجائے نفرت اور اللہ تعالیٰ سے وحشت اور نفرت کی بجائے محبت اور کشش پیدا ہوگی۔

یہ ایک زبردست صداقت ہے جو اسلام میں موجود ہے۔ اس کا انکار ہرگز نہیں ہو سکتا اس لئے کہ اس کا زندہ ثبوت ہر زمانہ میں موجود رہتا ہے۔ میں دعویٰ سے کہتا ہوں اور اپنے تجربہ سے کہتا ہوں کہ اگر انسان اس امر کو سمجھ لے اور وہ دعا کے راز سے آگاہ ہو جاوے تو اس میں اس کی بڑی ہی سعادت اور نیک بختی ہے اور اس صورت میں سمجھو کہ گویا اس کی ساری ہی مرادیں پوری ہو گئی ہیں ورنہ دُنیا کے ہمّ و غم تو اس قسم کے ہیں کہ انسان کو ہلاک کر دیتے ہیں۔

جو شخص رُو بدُنیا ہوتا ہے وہ تھوڑی دُور چل کر رہ جاتا ہے کیونکہ نامرادیاں اور ناکامیاں آخر آکر ہلاک کر دیتی ہیں۔ لیکن جو شخص ساری قوتوں اور طاقتوں کے ساتھ رُو بخدا ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ ہی کے لئے اس کی سب حرکات و سکنات ہوتی ہیں تو خدا تعالیٰ دنیا کو بھی ناک سے پکڑ کر اس کا خادم بنا دیتا ہے اگرچہ اس حالت میں بہت فرق ہوتا ہے۔ دنیادار تو دُنیا کا دیوانہ ہوتا ہے لیکن یہ رُو بخدا شخص جس کی دنیا خادم کی جاتی ہے دنیا اور اس کی لذتوں میں کوئی لذت نہیں پاتا۔ بلکہ ایک قسم کی بدمزگی ہوتی ہے کیونکہ وہ لُطف اور ذوق دنیا کی طرف نہیں ہوتا بلکہ کسی اَور طرف ہو جاتا ہے۔

انسان جب اللہ تعالیٰ کا ہو جاتا ہے اور ساری راحت اور لذت اللہ تعالیٰ ہی کی رضا میں پاتا ہے تو کچھ شک نہیں دنیا بھی اُس کے پاس آجاتی ہے۔ مگر راحت کے طریق اَور ہو جائیں گے وہ دُنیا اور اس کی راحتوں میں کوئی لذت اور راحت نہیں پاتا۔ اسی طرح پر انبیاء اور اولیاء کے قدموں پر دُنیا کو لا کر ڈال دیا گیا ہے مگر اُن کو دُنیا کا کوئی مزا نہیں آیا۔ کیونکہ اُن کا رُخ اَور طرف تھا۔ یہی قانون قدرت ہے۔ جب انسان دُنیا کی لذت چاہتا ہے تو وہ لذت اُسے نہیں ملتی

لیکن جب خدا تعالیٰ میں فنا ہو کر دنیا کی لذت کو چھوڑتا ہے اور اس کی آرزو اور خواہش باقی نہیں رہتی تو دُنیا ملتی ہے مگر اس کی لذت باقی نہیں رہتی یہ ایک مستحکم اصول ہے۔ اس کو بھولنا نہیں چاہیئے خدایابی کے ساتھ دنیا یابی وابستہ ہے۔ خدا تعالیٰ بار بار فرماتا ہے کہ جو تقویٰ اختیار کرے گا اُسے تمام مشکلات سے نجات ملے گی اور ایسے طور پر اسے رزق دے گا کہ اُسے علم بھی نہ ہوگا۔ یہ کس قدر برکت اور نعمت ہے کہ ہر قسم کی تنگی اور مشکل سے آدمی نجات پا جاوے۔ اور اللہ تعالیٰ اُس کے رزق کا کفیل ہو۔ لیکن یہ بات جیسا کہ خود اس نے فرمایا۔ تقویٰ کے ساتھ وابستہ ہے اور کوئی امر اس کے ساتھ نہیں بتایا کہ دنیوی مکروفریب سے یہ باتیں حاصل ہوں گی۔

اللہ تعالیٰ کے بندوں کی علامات میں سے یہ بھی ایک علامت ہے کہ وہ دُنیا سے طبعی نفرت کرتے ہیں۔ پس جو شخص چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہو جاوے اور دنیا اور آخرت کی راحت اُسے مِل جاوے وہ یہ راہ اختیار کرے۔ اگر اس راہ کو تو چھوڑتا ہے اور اَور راہیں اختیار کرتا ہے تو پھر ٹکریں مار کر دیکھ لے کہ کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ بہت سے لوگ ہوں گے جن کو نصیحت بُری لگے گی اور وہ ہنسی کریں گے لیکن وہ یاد رکھیں کہ آخر ایک وقت آجائے گا کہ وہ ان باتوں کی حقیقت کو سمجھیں گے اور پھر بول اُٹھیں گے کہ افسوس ہم نے یونہی عمر ضائع کی۔ لیکن اس وقت کا افسوس کچھ کام نہ دے گا۔ اصل موقعہ ہاتھ سے نکل جائے گا اور پیغام موت آجائے گا۔

میں پھر کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کو خوش کرنے کی فکر کرو۔ کیونکہ اگر خدا تعالیٰ مہربان ہو جاوے تو ساری دنیا مہربان ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر وہ ناراض ہو تو پھر کوئی بھی کام نہیں آسکتا۔ جب اس کا غضب آگیا تو دنیا میں کوئی مہربان نہ رہے گا خواہ کیسا ہی مکروفریب کرے۔ تسبیحیں ڈالے بھگوے اور سبز کپڑے پہنے۔ مگر دنیا اس کو حقیر ہی سمجھے گی۔ اگر چند روز دنیا دھوکہ کھا بھی لے۔ تو بھی آخر اس کی قلعی کُھل جائے گی اور اس کا مکروفریب ظاہر ہو جائے گا۔ لیکن جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے دنیا اُس کی کتنی ہی مخالفت کرے وہ اپنی مخالفت اور منصوبوں

میں کامیاب نہو گی۔ اس کو گالیاں دے لعنتیں بھیجے۔ لیکن ایک وقت آجائے گا کہ وہی دنیا اس کی طرف رجوع کرے گی اور اس کی سچائی کا اعتراف اسے کرنا پڑے گا۔ میں سچ کہتا ہوں کہ اللہ جس کا ہو جاتا ہے دنیا بھی اس کی ہو جاتی ہے۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ جو لوگ خدا تعالےٰ کی طرف سے آتے ہیں۔ ابتداءً اہلِ دُنیا اُن کے دشمن ہو جاتے ہیں اور اُسے قسم قسم کی تکلیفیں دیتے اور اس کی راہ میں روڑے اٹکاتے ہیں۔ کوئی پیغمبر اور مرسل نہیں آیا جس نے دُکھ نہ اُٹھایا ہو۔ مکار، فریبی، دکاندار اس کا نام نہ رکھا ہو۔ مگر باوجود اس کے کہ کروڑہا بندوں نے اس پر ہر قسم کے تیر چلانے چاہے۔ پتھر مارے۔ گالیاں دیں۔ انہوں نے کسی بات کی پروا نہیں کی۔ کوئی امر اُن کی راہ میں روک نہیں ہو سکا۔ وہ دنیا کو خدا تعالےٰ کی کلام سُناتے رہے اور وہ پیغام جو لے کر آئے تھے اس کے پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ ان تکلیفوں اور ایذارسانیوں نے جو نادان دنیاداروں کی طرف سے پہنچیں ان کو سُست نہیں کیا بلکہ وہ اور تیز قدم ہوتے یہانتک کہ وہ زمانہ آگیا کہ اللہ تعالیٰ نے وہ مشکلات ان پر آسان کر دیں اور مخالفوں کو سمجھ آنے لگی اور پھر وہی مخالف دنیا ان کے قدموں پر آگری اور اُن کی راستبازی اور سچائی کا اعتراف ہونے لگا۔ دل اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں وہ جب چاہتا ہے بدل دیتا ہے۔

یقیناً یاد رکھو۔ تمام انبیاء کو اپنی تبلیغ میں مشکلات آئی ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جو سب انبیاء علیہم السلام سے افضل اور بہتر تھے۔ یہانتک کہ آپ پر سلسلہ نبوت اللہ تعالیٰ نے ختم کر دیا یعنی تمام کمالاتِ نبوت آپ پر طبعی طور پر ختم ہو گئے۔ باوجود ایسے جلیل الشان نبی ہونے کے کون نہیں جانتا کہ آپ کو تبلیغ رسالت میں کس قدر مشکلات اور تکالیف پیش آئیں اور کفار نے کس حد تک آپ کو ستایا اور دُکھ دیا۔ اس مخالفت میں اپنی ہی قوم اور چچا اور دوسرے بزرگ سب سے بڑھ کر حصہ لینے والے تھے۔ آپ کی مصیبتوں اور تکلیفوں کا زمانہ اتنا لمبا ہوا کہ تیرہ برس تک اپنی قوم سے ہر قسم کے دُکھ اُٹھاتے رہے۔ اس حالت میں کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ شخص کامیاب ہو گا۔ کیونکہ ہر طرف مخالفت کا بازار گرم تھا اور خود اپنے رشتہ دار ہی تشنہ خون

ہو رہے تھے جدی اور برادری کے لوگوں نے جب قبول نہ کیا تو اوروں کو اور بھی مشکلات پیش آگئے۔ غرض اس طرح پر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مصیبتوں کا زمانہ دراز ہو گیا۔

## موسیٰ و مثیل موسیٰ علیہما السلام کی قومی تبلیغ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس قسم کے مشکلات پیش نہیں آئے کیونکہ حضرت موسیٰ کی قوم بنی اسرائیل نے ان کو فوراً فوراً قبول کر لیا تھا۔ اس لئے قوم کی طرف سے کوئی دکھ اور مصیبت یا روک ان کو پیش نہیں آئی لیکن برخلاف اس کے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنی ہی قوم سے مشکلات اور انکار کا مرحلہ پیش آیا۔ پھر ایسی صورت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی کامیابیاں کیسی اعلیٰ درجہ کی ثابت ہوئی ہیں جو آپ کے کمالات اور فضائل کا سب سے بڑھ کر ثبوت ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جب اللہ تعالیٰ کے اذن و امر سے تبلیغ شروع کی تو پہلے ہی آپ کو یہ مرحلہ پیش آیا کہ قوم نے انکار کیا۔ لکھا ہے کہ جب آپ نے قریش کی دعوت کی اور سب کو بُلا کر کہا کہ میں تم سے ایک بات پوچھتا ہوں۔ اس کا جواب دو یعنی میں اگر تمہیں یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک بڑی بھاری فوج پڑی ہوئی ہے اور وہ اس گھات میں بیٹھی ہوئی ہے کہ موقع پا کر تمہیں ہلاک کر دے تو کیا تم باور کرو گے۔ سب نے بالاتفاق کہا کہ بیشک ہم اس بات کو تسلیم کریں گے اس لئے کہ تو ہمیشہ سے صادق اور امین ہے۔ جب وہ یہ اقرار کر چکے تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دیکھو میں سچ کہتا ہوں کہ میں خدا تعالےٰ کا پیغمبر ہوں اور تم کو آنے والے عذاب سے ڈراتا ہوں۔ اتنی بات کہنی تھی کہ سب آگ ہو گئے اور ایک شریر بول اُٹھا۔ تبا لك سائر الیوم۔ افسوس جو بات ان کی نجات اور بہتری کی تھی ناعاقبت اندیش قوم نے اس کو ہی بُرا سمجھا اور مخالفت پر آمادہ ہو گئے۔ اب اس کے بالمقابل موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو دیکھو۔ بنی اسرائیل باوجودیکہ ایک سخت دل قوم تھی لیکن انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تبلیغ پر فوراً ہی اس کو قبول کر لیا۔ اور اس طرف موسیٰ علیہ السلام سے افضل کو قوم نے تسلیم نہ کیا اور مخالفت کے لئے تیار ہو گئے۔ مصائب کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ آئے دن قتل کے منصوبے ہونے لگے۔ اور یہ زمانہ اتنا لمبا ہو گیا کہ تیرہ برس تک برابر چلا گیا۔ ۱۳ برس کا زمانہ کم نہیں ہوتا۔ اس عرصہ میں آپ نے جس قدر دکھ اُٹھائے

ان کا بیان بھی آسان نہیں ہے۔ قوم کی طرف سے تکالیف اور ایذا رسانی میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی جاتی تھی اور ادھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے صبر اور استقلال کی ہدایت ہوتی تھی اور بار بار حکم ہوتا تھا کہ جس طرح پہلے نبیوں نے صبر کیا ہے تو بھی صبر کر۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کمال صبر کے ساتھ ان تکالیف کو برداشت کرتے تھے اور تبلیغ میں سُست نہ ہوتے تھے۔ بلکہ قدم آگے ہی بڑھتا تھا۔ اور اصل یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا صبر پہلے نبیوں کا سا نہ تھا کیونکہ وہ تو ایک محدود قوم کے لئے مبعوث ہو کر آتے تھے۔ اس لئے ان کی تکالیف اور ایذا رسانیاں بھی اسی حد تک محدود ہوتی تھیں[1]۔ لیکن اس کے مقابلہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا صبر بہت ہی بڑا تھا۔ کیونکہ سب سے اوّل تو اپنی ہی قوم آپ صلے اللہ علیہ وسلم کی مخالف ہو گئی اور ایذا رسانی کے درپے ہوئی اور پھر عیسائی بھی دشمن ہو گئے۔ جب اُن کو سُنایا گیا کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام صرف ایک خدا کے بندے اور رسُول تھے۔ تو اُن کو آگ لگ گئی۔ کیونکہ وہ تو اُن کو خدا بنائے بیٹھے تھے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اگر حقیقت کھول دی۔ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ انسان جس کو خدا بنا لیتا ہے اور اپنا معبود مانتا ہے۔ اس کا ترک کرنا آسان نہیں ہوتا بلکہ پھر اس کو چھوڑنا بہت ہی مشکل ہو جاتا ہے عیسائیوں کا یہ اعتقاد پختہ ہو گیا ہوا تھا۔ اس لئے جب انہوں نے سُنا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن کے مصنوعی خدا کو انسان بنا دیا تو وہ دشمن جان بن گئے اور اسی طرح پر یہودیوں میں بہت سی مشرکانہ رسُومات پیدا ہو گئی تھیں اور وہ حضرت مسیح کا بالکل انکار کرتے تھے جب اُن کو متنبہ کیا گیا تو وہ بھی مخالفت کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ تو حضرت مسیح کو معاذ اللہ مکار اور کذاب کہتے تھے۔ بالمقابل آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن کو بتایا کہ تم اُن کو کذاب کہنے میں خود کذاب ہو۔ وہ خدا تعالیٰ کا ایک برگزیدہ نبی ہے۔

اس کے علاوہ ان کی مخالفت کی ایک بڑی بھاری وجہ یہ ہوئی کہ وہ اپنی بے وقوفی اور

---

[1] الحکم جلد ۵ نمبر ۳۴ صفحہ ۱ تا ۵ مورخہ ۲۴ ستمبر ۱۹۰۱ء

کم فہمی سے یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ خاتم الانبیاء بنی اسرائیل میں سے آئے گا کیونکہ توریت میں جیسا کہ سُنّت اللہ ہے آخری نبی کے متعلق جو پیشگوئی ہے وہ ایسے الفاظ میں ہے جس سے اُن کو یہ شُبہ پیدا ہو گیا تھا وہاں لکھا ہے کہ تمہارے بھائیوں میں سے۔ وہ اس سے مراد بنی اسرائیل ہی لئے بیٹھے تھے حالانکہ اس سے مراد بنی اسمٰعیل تھی۔ پس جب انہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ سُنا کہ وہ خاتم الانبیاء ہیں تو اُن کی ساری امیدوں پر پانی پھر گیا۔ اور جو کچھ وہ توریت کی اس پیشگوئی کے موافق سمجھے بیٹھے تھے وہ غلط قرار دیا گیا۔ اس سے اُن کے آگ لگی اور وہ مخالفت کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے

## پیشگوئیوں کے متعلق سنت اللہ

اصل بات یہ ہے کہ خدا تعالےٰ کی پیشگوئیوں میں سنت اللہ یہی ہے کہ ان میں اخفاء اور ابتلا کا بھی ایک پہلو ہوتا ہے کیونکہ اگر یہ پہلو نہ رکھا جاوے تو پھر کوئی اختلاف ہی نہ رہے اور سب کا ایک ہی مذہب ہو جاتا۔ مگر خدا تعالیٰ نے امتیاز کے لئے ایسا ہی چاہا ہے۔ کہ پیشگوئیوں میں ایک ابتلا کا پہلو رکھ دیتا ہے۔ کوتاہ اندیش، ظاہر پرست اس پر اَڑ جاتے ہیں اور اصل مقصد سے دُور جا پڑتے ہیں۔ اسی طرح پر ان یہودیوں کو یہ مشکل پیش آئی۔ کہ وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق شک میں پڑ گئے۔ اگر توریت میں وہ پیشگوئی صاف الفاظ میں ہوتی کہ آنے والا بنی اسمٰعیل میں سے ہوگا اور اس کا نام محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) ہوگا۔ اس کے باپ کا نام عبداللہ بن عبدالمطلب ہوگا اور اس کی ماں کا نام آمنہ ہوگا تو یہودی کیونکر انکار کرتے۔ مگر ان کی بدقسمتی سے پیشگوئی میں ایسی صراحت نہ تھی۔ وہاں لکھا تھا کہ تیرے بھائیوں میں سے۔ وہ اس سے مراد بنی اسرائیل ہی سمجھتے رہے۔

## الیاس اور مسیح کی آمد ثانی کا فیصلہ

ایسا ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وقت بھی یہودیوں کو ٹھوکر لگی تھی۔ ملاکی نبی کی کتاب میں حضرت مسیح کے آنے سے پہلے ایلیاہ کے آنے کی پیشگوئی درج ہے۔ جب حضرت مسیح

آگئے اور انہوں نے دعویٰ کیا تو یہودی مخالفت کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے کہ پہلے الیاس کا آنا ضروری ہے۔ اس لئے وہ انکار کرنے لگے چنانچہ انہوں نے خود حضرت مسیح سے یہی سوال کیا کہ الیاس کا آنا جو مسیح سے پہلے ضروری ہے وہ کہاں ہے؟ حضرت مسیح نے کہا کہ آنے والا الیاس آگیا ہے یعنی وہ یوحنا ابن زکریا کے رنگ میں آیا ہے چاہو تو قبول کرو۔ مگر یہ بات اُن کی تسلی کا موجب کیونکر ہو سکتی تھی۔ وہ اس بات پر اَڑے رہے کہ وہاں کسی مثیل کے آنے کی خبر تو دی نہیں گئی۔ وہاں تو خود ایلیا کے آنے کا وعدہ ہے اس بنا پر وہ انکار کرتے رہے اور دُکھ اور تکلیفیں بھی پہنچاتے رہے۔ یہانتک کہ اب بھی یہودی یہی یقین رکھتے ہیں میرے پاس ایک فاضل یہودی کی کتاب ہے۔ اُس نے اس مسئلہ پر ایک لمبی بحث کی ہے اور کہا ہے کہ ہم اس مسیح کو کیونکر قبول کر سکتے ہیں جبکہ اس سے پہلے ایلیا نہیں آیا۔ یہ شخص جو یسوع مسیح ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ اس کا دعویٰ بناوٹی اور جھوٹا ہے کیونکہ وہ ایلیا کے دوبارہ آنے کی جھوٹی تاویل کرتا ہے۔ ہم اس کے خالہ زاد بھائی یحییٰ کو کیونکر ایلیا سمجھ لیں پھر وہ لوگوں کے سامنے اپیل کرتا ہے کہ ہم کس طرح پر اس شخص کے دعویٰ کو تسلیم کر لیں جبکہ ہمیں یہ خبر دی گئی تھی کہ پہلے ایلیا آئے گا۔ اس میں کسی مثیل کا وعدہ نہیں کیا گیا۔ آخر میں کہتا ہے کہ اگر خدا تعالیٰ قیامت کو ہم سے سوال کرے گا کہ کیوں اس مسیح کو قبول نہیں کیا تو ہم ملاکی نبی کی کتاب کھول کر اس کے سامنے رکھ دیں گے۔

اس قسم کے مشکلات ان لوگوں کو کیوں پیش آئے؟ اس کی وجہ بجز اس کے کچھ نہیں کہ انہوں نے خدا تعالیٰ کی پیشگوئیوں پر غور نہیں کیا اور ظاہر الفاظ پر اَڑے رہے۔ اسی قسم کے مشکلات اس وقت مسلمانوں کو پیش آئے ہیں لیکن اگر غور کیا جاوے تو اُن کے سامنے تو کوئی نظیر اور فیصلہ موجود نہ تھا لیکن ان کے سامنے تو دوبارہ آنے کا مقدمہ فیصل شدہ موجود ہے جو خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عدالت سے فیصل ہو چکا ہے۔ انہوں نے تاویل کر کے بتا دیا تھا کہ دوبارہ آنے والے شخص سے مراد وہی نہیں ہوتا۔ پھر کس قدر افسوس ہے ان پر کہ یہ اس فیصلہ

سے فائدہ نہیں اُٹھاتے۔ لایلدغ المومن من جحر واحد مرتین۔ یہودیوں کو جس پتھر سے ٹھوکر لگی اور وہ لعنتی ہو گئے۔ اسی پتھر سے یہ ٹھوکر کھاتے ہیں۔ یہودی اس وقت دنیا میں موجود ہیں۔ ان کی کتابیں موجود ہیں۔ اُن سے دریافت کر لو کہ کیا ان کا یہ عقیدہ تھا یا نہیں کہ مسیح سے پہلے الیاس آئے گا اور ملاکی نبی کی کتاب میں یہ پیشگوئی درج ہے یا نہیں؟ اور پھر عیسائیوں سے پوچھو اور انجیل میں اس فیصلہ کو پڑھو جو مسیح نے خود کیا ہے۔ مومن تو دوسرے کی مصیبت سے عبرت پکڑتا ہے لیکن ان مسلمانوں نے اس سے کیا سبق سیکھا؟ یہودی عقیدہ ہے جس کی وجہ سے یہودی واصل جہنم ہوئے۔ اب کیا یہ بھی یہی چاہتے ہیں؟ میں حیران ہوتا ہوں کہ ان عقلوں کو کیا ہو گیا۔ اگر حضرت مسیح کا وہ فیصلہ جو انہوں نے الیاس کے دوبارہ آنے کے متعلق کیا ہے صحیح نہیں ہے تو پھر مجھے جواب دیں کہ حضرت مسیح سچے پیغمبر کیونکر ہو سکتے ہیں؟ کیونکہ اس میں تو کوئی کلام اور شبہ ہی نہیں کہ اُن کے آنے سے پیشتر ایلیا کا آنا ضروری تھا اور ایلیا آسمان سے نہیں آیا۔ پھر حضرت مسیح کیونکر سچے نبی ٹھہریں گے؟

اس عقیدہ فاسدہ سے یہی نہیں کہ یہودیوں کی طرح حضرت عیسیٰ کی نبوت سے انکار کرنا پڑے گا بلکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت بھی معاذاللہ ہاتھ سے جائے گی۔ کیونکہ آپ (صلے اللہ علیہ وسلم) کی آمد اور بعثت حضرت مسیح کے بعد ہے اور جب ابھی تک مسیح بھی نہیں آیا تو پھر اسلام کیونکر صحیح ہوگا؟ سوچو اور غور کرو کہ تمہاری ذرا سی ٹھوکر کا اثر کہاں تک پہنچتا ہے۔ سُنو۔ اصل حقیقت یہی ہے اور سچا فیصلہ وہی ہے جو حضرت مسیح نے کر دیا تھا۔ اس سے منہ پھیرنا اچھا نہیں ہے۔ فسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون[۵]۔

غرض انبیاء علیہم السلام کو اپنی تبلیغ کی راہ میں بہت سی مشکلات ہوتی ہیں اور اُن کے مصائب میں سے یہ بھی بڑی مصیبت ہے کہ جس قدر دیر نبی کی کامیابی میں ہوگی۔ اسی قدر ہم و غم اس کا پڑے گا۔ میں ان مشکلات سے الگ نہیں ہو سکتا کیونکہ خدا تعالیٰ نے اس سلسلہ کو بھی منہاج نبوت پر قائم کیا ہے۔

[۵] انبیاء: ۸

# اپنی جماعت سے خطاب

ہماری جماعت کے لئے بھی اسی قسم کی مشکلات ہیں جیسے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت مسلمانوں کو پیش آئے تھے چنانچہ نئی اور سب سے پہلی مصیبت تو یہی ہے کہ جب کوئی شخص اس جماعت میں داخل ہوتا ہے تو معاً دوست، رشتہ دار اور برادری الگ ہوجاتی ہے یہاں تک کہ بعض اوقات ماں باپ اور بھائی بہن بھی دشمن ہوجاتے ہیں۔ السلام علیکم تک کے روادار نہیں رہتے اور جنازہ پڑھنا نہیں چاہتے۔ اس قسم کی بہت سی مشکلات پیش آتی ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ بعض کمزور طبیعت کے آدمی بھی ہوتے ہیں اور ایسی مشکلات پر وہ گھبرا جاتے ہیں۔ لیکن یاد رکھو کہ اس قسم کی مشکلات کا آنا ضروری ہے۔ تم انبیاء و رسل سے زیادہ نہیں ہو۔ ان پر اس قسم کی مشکلات اور مصائب آئیں اور یہ اسی لئے آتی ہیں کہ خدا تعالیٰ پر ایمان قوی ہو اور پاک تبدیلی کا موقعہ ملے۔ دعاؤں میں لگے رہو۔ پس یہ ضروری ہے کہ تم انبیاء و رسل کی پیروی کرو اور صبر کے طریق کو اختیار کرو۔ تمہارا کچھ بھی نقصان نہیں ہوتا۔ وہ دوست جو تمہیں قبول حق کی وجہ سے چھوڑتا ہے وہ سچا دوست نہیں ہے۔ ورنہ چاہیئے تھا کہ تمہارے ساتھ ہوتا تمہیں چاہیئے کہ وہ لوگ جو محض اس وجہ سے تمہیں چھوڑتے اور تم سے الگ ہوتے ہیں کہ تم نے خدا تعالیٰ کے قائم کردہ سلسلہ میں شمولیت اختیار کرلی ہے۔ اُن سے دنگہ یا فساد مت کرو بلکہ اُن کے لئے غائبانہ دُعا کرو کہ اللہ تعالےٰ ان کو بھی وہ بصیرت اور معرفت عطا کرے جو اُس نے اپنے فضل سے تمہیں دی ہے۔ تم اپنے پاک نمونہ اور عمدہ چال چلن سے ثابت کرکے دکھاؤ۔ کہ تم نے اچھی راہ اختیار کی ہے۔ دیکھو میں اس امر کے لئے مامور ہوں کہ تمہیں بار بار ہدایت کروں۔ کہ ہر قسم کے فساد اور ہنگامہ کی جگہوں سے بچتے رہو اور گالیاں سُن کر بھی صبر کرو۔ بدی کا جواب نیکی سے دو۔ اور کوئی فساد کرنے پر آمادہ ہو تو بہتر ہے کہ تم ایسی جگہ سے کھسک جاؤ اور نرمی سے جواب دو۔ بارہا ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص بڑے جوش کے ساتھ مخالفت کرتا ہے اور مخالفت میں وہ طریق اختیار کرتا ہے جو مفسدانہ طریق ہو جس سے سُننے والوں میں اشتعال کی تحریک

ہو لیکن جب سامنے سے نرم جواب ملتا ہے اور گالیوں کا مقابلہ نہیں کیا جاتا تو خود اُسے شرم آجاتی ہے اور وہ اپنی حرکت پر نادم اور پشیمان ہونے لگتا ہے۔ میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ صبر کو ہاتھ سے نہ دو۔ صبر کا ہتھیار ایسا ہے کہ توپوں سے وہ کام نہیں نکلتا جو صبر سے نکلتا ہے۔ صبر ہی ہے جو دلوں کو فتح کر لیتا ہے۔ یقیناً یاد رکھو کہ مجھے بہت ہی رنج ہوتا ہے جب میں یہ سُنتا ہوں کہ فلاں شخص اس جماعت کا ہو کر کسی سے لڑا ہے۔ اس طریق کو میں ہرگز پسند نہیں کرتا اور خدا تعالےٰ بھی نہیں چاہتا کہ وہ جماعت جو دنیا میں ایک نمونہ ٹھہرے گی وہ ایسی راہ اختیار کرے جو تقویٰ کی راہ نہیں ہے بلکہ میں تمہیں یہ بھی بتا دیتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ یہانتک اس امر کی تائید کرتا ہے کہ اگر کوئی شخص اس جماعت میں ہو کر صبر اور برداشت سے کام نہیں لیتا تو وہ یاد رکھے کہ وہ اس جماعت میں داخل نہیں ہے۔ نہایت کار اشتعال اور جوش کی یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ مجھے گندی گالیاں دی جاتی ہیں تو اس معاملہ کو خدا کے سپرد کر دو۔ تم اس کا فیصلہ نہیں کر سکتے۔ میرا معاملہ خدا پر چھوڑ دو۔ تم ان گالیوں کو سُنکر بھی صبر اور برداشت سے کام لو تمہیں کیا معلوم ہے کہ میں ان لوگوں سے کس قدر گالیاں سُنتا ہوں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ گندی گالیوں سے بھرے ہوئے خطوط آتے ہیں اور کھُلے کارڈوں میں گالیاں دی جاتی ہیں بیرنگ خطوط آتے ہیں جن کا محصول بھی دینا پڑتا ہے اور پھر جب پڑھتے ہیں تو گالیوں کا طومار ہوتا ہے۔ ایسی فحش گالیاں ہوتی ہیں کہ میں یقیناً جانتا ہوں کہ کسی پیغمبر کو بھی ایسی گالیاں نہیں دی گئی ہیں۔ اور میں اعتبار نہیں کرتا کہ ابوجہل میں بھی ایسی گالیوں کا مادہ ہو۔ لیکن یہ سب کچھ سُننا پڑتا ہے۔ جب میں صبر کرتا ہوں تو تمہارا فرض ہے کہ تم بھی صبر کرو۔ درخت سے بڑھ کر تو شاخ نہیں ہوتی۔ تم دیکھو کہ یہ کب تک گالیاں دیں گے۔ آخر یہی تھک کر رہ جائیں گے۔ اُن کی گالیاں، اُن کی شرارتیں اور منصوبے مجھے ہرگز نہیں تھکا سکتے اگر میں خدا تعالےٰ کی طرف سے نہ ہوتا تو بیشک میں اُن کی گالیوں سے ڈر جاتا لیکن میں یقیناً جانتا ہوں کہ مجھے خدا نے مامور کیا ہے۔ پھر میں ایسی خفیف باتوں کی کیا پروا

کروں۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ تم خود غور کرو کہ اُن کی گالیوں نے کس کو نقصان پہنچایا ہے اُن کو یا مجھے؟ ان کی جماعت گھٹی ہے اور میری بڑھی ہے۔ اگر یہ گالیاں کوئی روک پیدا کرسکتی ہیں تو دو لاکھ سے زیادہ جماعت کس طرح پیدا ہو گئی۔ یہ لوگ ان میں سے ہی آئے ہیں یا کہیں اور سے؟ انہوں نے مجھ پر کفر کے فتوے لگائے لیکن اس فتویٰ کفر کی کیا تاثیر ہوئی؟ جماعت بڑھی۔ اگر یہ سلسلہ منصوبہ بازی سے چلایا گیا ہوتا تو ضرور تھا کہ اس فتویٰ کا اثر ہوتا اور میری راہ میں وہ فتویٰ کفر بڑی بھاری روک پیدا کر دیتا۔ لیکن جو بات خدا تعالیٰ کی طرف سے ہو انسان کا مقدور نہیں ہے کہ اُسے پامال کر سکے جو کچھ منصوبے میرے مخالف کئے جاتے ہیں۔ پہچان کرنے والوں کو حسرت ہی ہوتی ہے۔ میں کھول کر کہتا ہوں کہ یہ لوگ جو میری مخالفت کرتے ہیں ایک عظیم الشان دریا کے سامنے جو اپنے پورے زور سے آرہا ہے اپنا ہاتھ کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ وہ اس سے رُک جاوے۔ مگر اس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ وہ رُک نہیں سکتا۔ یہ اُن گالیوں سے روکنا چاہتے ہیں مگر یاد رکھیں کہ کبھی نہیں رُکیگا۔ کیا شریف آدمیوں کا کام ہے کہ گالیاں دے۔ میں ان مسلمانوں پر افسوس کرتا ہوں کہ یہ کس قسم کے مسلمان ہیں۔ جو ایسی بیباکی سے زبان کھولتے ہیں۔ میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ایسی گندی گالیاں میں نے تو کبھی کسی چوڑھے چمار سے بھی نہیں سُنی ہیں جو ان مسلمان کہلانے والوں سے سُنی ہیں۔

ان گالیوں میں یہ لوگ اپنی حالت کا اظہار کرتے ہیں اور اعتراض[1] کرتے ہیں کہ وہ فاسق فاجر ہیں۔ خدا تعالیٰ ان کی آنکھیں کھولے اور ان پر رحم کرے (آمین)

ایسے گالیاں دینے والے خواہ ایک کروڑ ہوں خدا تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے یہ جانتے ہیں کہ ایک پیسہ کا کارڈ ہی ضائع ہو گا مگر نہیں جانتے کہ اس پیسہ کے نقصان کے ساتھ نامۂ اعمال بھی سیاہ ہو جائے گا۔ پھر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ گالیاں دی کیوں جاتی ہیں۔ کیا صرف اس لئے کہ میں کہتا ہوں کہ قرآن شریف کو نہ چھوڑو اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تکذیب

---

[1] یہ لفظ "اعتراف" ہے۔ سہو کتابت سے "اعتراض" لکھا گیا ہے۔ (مرتب)

نہ کرو۔ غضب کی بات ہے کہ قرآن شریف میں لکھا ہو کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام فوت ہو گئے اور پھر زمین پر نہیں آئیں گے مگر یہ ماننے میں نہیں آتے اور اس عقیدۂ مخالفت قرآن پر اڑتے ہیں اگر میں نہ آیا ہوتا اور خدا تعالےٰ نے ایک سلسلہ قائم نہ کیا ہوتا تو یہ جو کچھ چاہتے کہتے کیونکہ اُن کو بیدار کرنے والا اور آگاہ کرنے والا ان میں موجود نہ تھا۔ لیکن اب جبکہ خدا تعالیٰ نے مجھے مامور کر کے بھیجا ہے اور مَیں وہی ہوں جس کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حکم قرار دیا ہے تو پھر میرے فیصلہ پر چون وچرا کرنا ان کا حق نہیں تھا۔ طریق تقویٰ تو یہ تھا کہ میری باتوں کو سُنتے اور غور کرتے انکار کے لئے جلدی نہ کرتے۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ میرے آنے کے بعد اُن کا حق نہیں ہے کہ یہ زبان کھولیں۔ کیونکہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے آیا ہوں اور حَکَم ہو کر آیا ہوں۔[1]

ابھی بہت زمانہ نہیں گذرا کہ مقلد غیر مقلدوں کی غلطیاں نکالتے اور وہ ان کی غلطیاں ظاہر کرتے اور اس طرح پر دوسرے فرقے آپس میں درندوں کی طرح لڑتے جھگڑتے تھے۔ ایک دوسرے کو کافر کہتے اور نجس بتلاتے تھے۔ اگر کوئی تسلّی کی راہ موجود تھی۔ تو پھر اس قدر اختلاف اور تفرقہ ایک ہی قوم میں کیوں تھا؟ غلطیاں واقع ہو چکی تھیں اور لوگ حقیقت کی راہ سے دُور جا پڑے تھے۔ ایسے اختلاف کے وقت ضرور تھا کہ خدا تعالےٰ خود فیصلہ کرتا۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور ایک حَکَم اُن میں بھیج دیا۔ اب بتاؤ کہ میں نے کیا زیادتی کی ہے یا کیا قرآن شریف سے کم کر دیا ہے جو میری مخالفت کے لئے اس قدر جوش پیدا ہوا ہے؟

---

[1] اس مقام پر پہنچ کر حضرت حجۃ اللہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آواز اور تقریر میں ایک خاص جلال اور شوکت تھی جس سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت آپ کی عظمت جو آپ کے دل میں ہے معلوم ہوتی تھی۔ تقریر میں غیر معمولی زور تھا اور وہ پر زور دریا کی طرح بہہ رہی تھی پورے طور پر ہم قادر نہیں ہو سکے کہ اس حصہ کو قلمبند کر سکیں۔ تاہم جس قدر کوشش اور سعی سے ہو سکا قلمبند کیا ہے۔ (ایڈیٹر الحکم)

یہ سچ ہے کہ اس وحی کی بنا پر جو خدا تعالیٰ کی کامل اور مجید کتاب کی شرح میں ہے میں نے کہا کہ مسیح مرگیا ہے لیکن اس کی مخالفت کیوں کی جاتی ہے؟ کیوں یہ قرآن شریف کو غور سے نہیں پڑھتے۔ کیا ان کو شرم نہیں آتی ہے کہ یہ مسلمان کہلاتے ہیں۔ موحد کہلاتے ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو افضل الانبیاء اور خیر البشر تسلیم کرتے ہیں لیکن جب وہی لفظ توفی کا آپ پر آتا ہے تو اس کے معنے موت کرتے ہیں اور جب مسیح پر آتا ہے تو زندہ مع جسم آسمان پر اُٹھائے جاتے ہیں۔ اُن کی غیرت کو کیا ہوا؟ یہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ایسی ہتک کیوں روا رکھتے ہیں؟ کیا قرآن شریف میں نعدھم او نتوفینک رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے نہیں آیا؟ اور وہی لفظ مسیح کے لئے متوفیك اور فلما توفیتنی میں آیا ہے۔ پھر یہ کیا ہوگیا کہ ایک جگہ کچھ اور معنے اور ایک جگہ کچھ اور۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ایسا ہی کمزور نبی سمجھا ہے جو انہیں زمین میں دفن کرتے ہیں اور مسیح کو آسمان پر چڑھاتے ہیں۔ اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت ہوتی اور آپ کے جلال اور شوکت کے لئے غیرت ہے تو کیوں نہیں کہہ دیتے کہ وہ بھی زندہ آسمان پر اُٹھائے گئے ہیں۔ تب میں بھی سمجھ لیتا کہ یہ مسیح کی خصوصیت نہیں ٹھہراتے مگر موجودہ حالت میں میرا دل گوارا نہیں کرسکتا کہ میں قرآن شریف کے ایسے معنے کروں جو خود قرآن شریف اور لغت اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تفسیر کے خلاف ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک شان کا باعث ہوں۔

میں سچ کہتا ہوں کہ جس شخص نے یہ لکھا ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم زندہ نہیں وہ کافر ہے وہ سچ کہتا ہے۔

اس خصوصیت کے پیدا کرنے کا ہی یہ نتیجہ ہے کہ ۳۰ لاکھ مرتد ہوگیا۔ خدا کے واسطے اس قدر ظلم نہ کرو کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شان اور رتبہ کو گھٹایا جاوے۔ جو اس عقیدہ سے برابر گھٹتی ہے کہ وہ تو زمین میں دفن کئے گئے اور مسیح آسمان پر اُٹھایا گیا۔ مسیح ہرگز زندہ نہیں رہا۔ وہ مرگیا۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ نے فیصلہ کردیا کہ یاعیسٰی انی متوفیك[1] اور خود مسیح

[1] آل عمران : ۵۶

نے اقرار کرلیا فلمّا توفیتنی[1]

میں پھر کہتا ہوں کہ عیسائیوں کو اعتراض کا موقعہ نہ دو۔ میری باتوں کو سُنو اور غور سے سُنو اور پھر اپنی جگہ پر جا کر سوچو۔

(الحکم جلد ۸ نمبر ۳۲ صفحہ ۱ تا ۴ مورخہ ۲۰ ستمبر ۱۹۰۴ء)

۳؍ستمبر ۱۹۰۴ء

بمقام لاہور

حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تیسری تقریر جو حضور نے بارہ ہزار سے زائد آدمیوں کے مجمع میں حاضرین کی بیحد خواہش سے کی۔

میں آپ سب صاحبوں کا شکر کرتا ہوں کہ آپ نے نہایت صبر اور خاموشی کے ساتھ میرے لیکچر کو سُنا میں ایک مسافر آدمی ہوں اور کل صبح انشاء اللہ چلا جاؤں گا۔ لیکن میں اس شکر اور خوشی کو ساتھ لے جاؤں گا اور یاد رکھوں گا کہ باوجود اختلاف رائے کے (کہ جس کی وجہ سے عموماً جوش پیدا ہو جاتا ہے) آپ نے نیکی اور نیک اخلاقی اور آہستگی سے میرے مضمون کو سُنا۔ میں یہ جانتا ہوں اور خود محسوس کرتا ہوں کہ مدت کے خیالات کو چھوڑنا سہل اور آسان نہیں ہوتا خواہ وہ کتنے ہی غلط کیوں نہ ہوں۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل پر موقوف ہے کہ انسان اپنے اندر علمی یا عملی تبدیلی کر سکے۔ لیکن جو اخلاق آپ نے دکھائے ہیں وہ نہایت ہی قابلِ تعریف ہیں اور میں دُعا کرتا ہوں کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے عام طور پر یہ اجتماعی رنگ دکھایا ہے وہ ایسا وقت اور زمانہ بھی لاوے کہ دلوں میں بھی اتحاد اور اجتماع ہو اس ملک کے تفرقہ نے بہت نقصان پہنچایا ہے ایک زمانہ تھا کہ اس ملک کے ہندوؤں اور مسلمانوں میں بہت بڑا اتحاد اور اتفاق تھا اور باوجود اختلاف مذاہب بھی ان میں قابلِ قدر میل ملاپ تھا مگر اس زمانہ میں فرق آگیا اور خدا کرے کہ یہ دُور ہو جاوے۔

[1] المآئدۃ : ۱۱۸

یاد رکھو کہ یہ تنگ دلی اور تنگ ظرفی کا نشان ہے کہ انسان اختلاف شریعت و مذہب کی وجہ سے اخلاق کو بھی چھوڑ دے۔ اختلاف رائے اَور چیز ہے اور اخلاق اَور۔ یہ انسانی اخلاق کی خوبی اور کمال ہے کہ باوجود اختلاف رائے کے اخلاقی کمزوری نہ دکھائے۔ آج کے جلسہ نے مجھے ایک تازہ امید دلائی ہے کہ اگر اللہ تعالےٰ اپنا فضل کرے تو یہ میل جول ترقی کرے گا میں خوب جانتا ہوں کہ جب تک طبیعت میں یہ استعداد نہیں ہوتی کہ کوئی شخص صبر اور خوش خلقی سے ایک مخالف رائے کو سُن سکے وہ ایسی رائے کو سُنکر چُپ نہیں رہ سکتا۔ اسی لئے یہ خاموشی اور صبر مجھے امید دلاتا ہے کہ اچھے نتیجے پیدا ہوں گے۔ یہ بھی خوبی کی بات ہے کہ جب مخالف رائے کو سُنے تو فوراً جواب دینے کو تیار نہ ہو جائے کیونکہ یہ تو محض ہار جیت کی خواہش ہوگی۔ لیکن اس رائے کے صحیح نتیجہ پر پہنچنے کے لئے اس پر صبر سے فکر کرنا چاہیئے۔ اس سے علم و حکمت پیدا ہوتی ہے اور علم و حکمت ایسا خزانہ ہے جو تمام دولتوں سے اشرف ہے۔ دنیا کی تمام دولتوں کو فنا ہے۔ لیکن علم و حکمت کو فنا نہیں ہے۔ پس جو جلدی نہیں کرتا بلکہ فکر کرتا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے کہ اے اللہ اگر میں غلطی پر ہوں تو مجھے بصیرت اور معرفت عطا کر۔ وہ اس حکمت کے خزانہ کو محفوظ رکھتا ہے۔ پس میں چاہتا ہوں کہ آپ صاحبان اس خزانہ کے حاصل کرنے اور محفوظ رکھنے کی کوشش کریں۔

میں آپ صاحبوں کی خدمت میں ادب، عجز اور تواضع سے عرض کرتا ہوں کہ یہ جو کچھ سُنایا گیا ہے آپ اس پر توجہ کریں تاکہ میری محنت ضائع نہ ہو۔ جو کچھ میری قلم سے نکلا ہے اور میرے دوست مولوی عبدالکریم صاحب نے پڑھا ہے میں اللہ تعالےٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ کسی کی دل آزاری یا استخفاف مذہب کی نیّت سے نہیں لکھا بلکہ خدا گواہ ہے اور اس سے بہتر کون گواہ ہو سکتا ہے کہ میں نے سچے دل سے لکھا ہے اور بنی نوع انسان کی ہمدردی کے لئے لکھا ہے اور میں جانتا ہوں کہ ؎

سخن کز دِل بروں آید نشیند لاجرم بر دل

چونکہ فرصت بہت کم ہے۔ ممکن ہے کہ بعض نے نہ سُنا ہو اس لئے ہم نے چھپوا دیا ہے اور بشرطِ گنجائش مل سکتا ہے۔ پس اس کو پڑھ کر توجہ کریں اور مذہبی مخالفت کو عام مخالفت کا ذریعہ نہ بناویں۔ مذہب تو اس لئے ہوتا ہے کہ اخلاق وسیع ہوں جیسے خدا تعالیٰ کے اخلاق وسیع ہیں کوئی ہزاروں گالیاں اُسے دے وہ اس پر پتھر نہیں برسا دیتا۔ پس اسی طرح حقیقی مذہب والا تنگ ظرف نہیں ہو سکتا۔ تنگ ظرف خواہ ہندو ہو یا مسلمان یا عیسائی وہ دوسرے بزرگوں کو بھی بدنام کرتا ہے۔ میں اس سے منع نہیں کرتا کہ اختلاف مذہب بیان نہ کرو۔ بیشک نیک نیتی سے اختلاف بیان کرو۔ مگر اس میں تعصب اور کینہ کا رنگ نہ ہو۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے تعلقات دو چار سال سے نہیں بلکہ صدہا سال سے چلے آتے ہیں۔ اس لئے خدا کرے کہ بہت سے دلوں میں جوش ڈال دے کہ جو ان تعلقات کو دُور نہ ہونے دیں۔

یہ بھی یاد رکھو کہ مذہب صرف قیل و قال کا نام نہیں بلکہ جبتک عملی حالت نہ ہو کچھ نہیں خدا اس کو پسند نہیں کرتا۔ جس قدر بزرگ اسلام میں یا ہندوؤں میں اوتار وغیرہ گذرے ہیں ان کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے عمل سے اُن سچائیوں کو جن کا وہ وعظ کرتے تھے ثابت کر دکھایا ہے۔ قرآن شریف میں بھی یہی تعلیم ہے یایھا الذین اٰمنوا علیکم انفسکم۔[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اپنے آپ کو درست کرو۔ جس شخص کے اندر خود روشنی اور نور نہیں ہے وہ اگر زبان سے کام لے گا تو وہ مذہب کو بچوں کا کھیل بنا دے گا اور حقیقت میں ایسے ہی مصلحوں سے ملک کو نقصان پہنچا ہے۔ ان کی زبان پر تو منطق اور فلسفہ جاری رہتا ہے مگر اندر خالی ہوتا ہے۔

خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ میں نہایت خیر خواہی سے کہہ رہا ہوں خواہ کوئی میری باتوں کو نیک ظنی سے سُنے یا بدظنی سے، مگر میں کہوں گا کہ جو شخص مصلح بننا چاہتا ہے۔ اُسے چاہیئے کہ پہلے خود روشن ہو اور اپنی اصلاح کرے۔ دیکھو یہ سورج جو روشن ہے پہلے اس نے خود روشنی حاصل کی ہے۔ میں یقیناً سمجھتا ہوں کہ ہر ایک قوم کے معلم نے یہی تعلیم دی ہے۔ لیکن اب

[1] المائدۃ: ۱۰۶

دوسرے پر لاٹھی مارنا آسان ہے لیکن اپنی قربانی دینا مشکل ہو گیا ہے۔ پس جو چاہتا ہے کہ قوم کی اصلاح کرے اور خیر خواہی کرے وہ اس کو اپنی اصلاح سے شروع کرے۔ قدیم زمانہ کے رشی اور اوتار جنگلوں اور بنوں میں جا کر اپنی اصلاح کیوں کرتے تھے۔ وہ آج کل کے لیکچراروں کی طرح زبان نہ کھولتے تھے جب تک خود عمل نہ کر لیتے تھے۔ یہی خدا تعالیٰ کے قرب اور محبت کی راہ ہے۔ جو شخص دل میں کچھ نہیں رکھتا اس کا بیان کنارِ پرنالہ کے پانی کی طرح ہے۔ جو جھگڑے پیدا کرتا ہے اور جو نورِ معرفت اور عمل سے بھر کر بولتا ہے وہ بارش کی طرح ہے جو رحمت سمجھی جاتی ہے۔ اس وقت میری نصیحت یاد رکھیں۔ آج کے بعد آپ مجھے یہاں نہ دیکھیں گے اور میں نہیں جانتا کہ پھر موقعہ ہو یا نہ ہو لیکن ان تفرقوں کو مٹانے کی کوشش کرو۔ میری نسبت خواہ آپ کا کچھ ہی خیال ہو لیکن یہ سمجھ کر کہ ؎

مرد باید کہ گیرد اندر گوش
ور نوشت است پند بر دیوار

میری نصیحت پر عمل کرو۔ جو شخص خود زہر کھا چکا ہے وہ دوسروں کی زہر کا کیا علاج کرے گا۔ اگر علاج کرتا ہے تو خود بھی مرے گا اور دوسروں کو بھی ہلاک کرے گا۔ کیونکہ زہر اس میں اثر کر چکا ہے اور اس کے حواس چونکہ قائم نہیں رہے۔ اس لئے اس کا علاج بجائے مفید ہونے کے مُضر ہو گا۔ غرض جس قدر تفرقہ بڑھتا جاتا ہے اس کا باعث وہی لوگ ہیں جنہوں نے زبانوں کو تیز کرنا ہی سیکھا ہے۔

یہ بھی یاد رکھو کہ میرا یہ مذہب نہیں کہ اسلام کے سوا سب مذاہب بالکل جھوٹے ہیں میں یہ یقین رکھتا ہوں کہ وہ خدا جو مخلوق کا خدا ہے وہ سب پر نظر رکھتا ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ وہ ایک ہی قوم کی پروا کرے اور دوسروں پر نظر نہ کرے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ حاکم کے دورے کی طرح کبھی کسی قوم پر وہ وقت آجاتا ہے اور کبھی کسی پر۔ میں کسی کے لئے نہیں کہتا۔ خدا تعالیٰ نے مجھ پر ایسا ہی ظاہر کیا ہے کہ راجہ رام چندر اور کرشن جی وغیرہ بھی خدا کے راستباز

بندے تھے اور اس سے سچا تعلق رکھتے تھے۔ میں اس شخص سے بیزار ہوں جو ان کی نندیا یا توہین کرتا ہے۔ اس کی مثال کنوئیں کے مینڈک کی سی ہے جو سمندر کی وسعت سے ناواقف ہے۔ جہاں تک ان لوگوں کے صحیح سوانح معلوم ہوتے ہیں ان سے پایا جاتا ہے کہ ان لوگوں نے خدا تعالیٰ کی راہ میں مجاہدات کئے اور کوشش کی کہ اس راہ کو پائیں جو خدا تعالیٰ تک پہنچنے کی حقیقی راہ ہے۔ پس جس شخص کا یہ مذہب ہو کہ وہ راستباز نہ تھے وہ قرآن شریف کے خلاف کہتا ہے کیونکہ اس میں فرمایا ہے وَاِنْ مِّنْ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ[1] یعنی کوئی قوم اور اُمت ایسی نہیں گذری جس میں کوئی نذیر نہ آیا ہو۔ میں باوا نانک صاحب کو بھی خدا پرست سمجھتا ہوں اور کبھی پسند نہیں کرتا کہ اُن کو بُرا کہا جائے۔ میں ان کو ان لوگوں میں سے سمجھتا ہوں جن کے دل میں خدا تعالیٰ اپنی محبت آپ بٹھا دیتا ہے۔ پس ان لوگوں کی پیروی کرو اور دل کو روشن کرو۔ پھر دوسروں کی اصلاح کے لئے زبان کھولو۔ اس ملک کی شائستگی اور خوش قسمتی کا زمانہ تب آئے گا جب نری زبان نہ ہوگی، بلکہ دل پر دار و مدار ہوگا۔ پس اپنے تعلقات خدا تعالیٰ سے زیادہ کرو۔ یہی تعلیم سب نبیوں نے دی ہے اور یہی میری نصیحت ہے۔ اگر در خانہ کس است حرفے بس است

(الحکم جلد ۸ نمبر ۳۱ صفحہ ۷ مورخہ ۱۷ ستمبر ۱۹۰۴ء)

## ۱۷ اکتوبر ۱۹۰۴ء

### بمقام قادیان بعد نماز مغرب

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شہ نشین پر جلوہ افروز ہو کر فرمایا کہ

میرے سر کی حالت آج بھی اچھی نہیں۔ چکر آ رہا ہے۔ جب جماعت کا وقت آتا ہے۔ تو اس وقت خیال گذرتا ہے کہ سب جماعت ہوگی اور میں شامل نہ ہوں گا اور افسوس ہوتا ہے۔ اس لئے افتاں خیزاں چلا آتا ہوں۔

چند اصحاب اپنی مستورات کے علاج کے لئے لاہور تشریف لے گئے ہوئے تھے اور انجام کار

[1] فاطر : ۲۵

معلوم ہوا کہ بس ڈاکٹروں کے علاج سے کوئی فرق مرض میں معلوم نہیں ہوتا۔ اس لئے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ

چونکہ یہ لوگ متدیّن نظر نہیں آتے۔ اس لئے خطرہ ہے کہ کوئی اور تکلیف نہ بڑھ جاوے۔ ان کو کہدو کہ چلے آویں۔ شافی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ دائیوں کا دستور ہوتا ہے کہ محض روپیہ بٹورنے کی خاطر وہ مرض کو بڑھاتی جاتی ہیں۔ قادیان کی آب و ہوا لاہور کی نسبت بہت عمدہ ہے۔ اس سے اُن کو فائدہ ہوگا۔ ہم یہ اس لئے کہتے ہیں کہ جو بات دل میں آوے اُسے مخفی رکھا جاوے تو یہ ایک قسم کی خیانت ہے

عورتوں کے بعض امراض اس قسم کے ہوتے ہیں کہ اُن کے علاج کے لئے کھُلی ہوا کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے بعض رؤسا میں جو اشد درجہ کا پردہ رائج ہے میں اس کے خلاف ہوں۔ بعض عورتوں کو بعض وقت کھُلی ہوا میں پھرانا چاہیئے۔ دیکھو حضرت عائشہ صدیقہؓ رفع حاجت کے لئے باہر جایا کرتی تھیں کیا پھر آجکل کے رؤسا کی عورتیں اُن سے بڑھ کر ہیں؟

حضرت حکیم نورالدین صاحب نے فرمایا کہ تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ مراق کے تین علاج ہیں اوّل چلنا پھرنا۔ دوسرے بیکار نہ رہنا۔ کسی نہ کسی شغل میں مصروف رہنا۔ تیسرے ہیننگ اور افسنتین کا استعمال۔

حصول اولاد کے لئے اللہ تعالیٰ کے فضل ہی کی ضرورت ہے اور قرآن شریف اور تورات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی والدہ بہت ضعیف تھیں اور ان کی کوئی اولاد نہ تھی۔ ان کی نسبت تورات میں لکھا ہے کہ خداوند نے کہا۔ کہ میں نے اس کے رحم کو کھولا[1]۔ پس خدا تعالیٰ ہی کھولے تو کھُل سکتا ہے۔

(مگر یاد رہے کہ اس تقریر سے دائیوں کے علاج کی حُرمت نہ سمجھی جائے)

(البدر جلد ۳ نمبر ۴۰ صفحہ ۲ مورخہ ۲۴ اکتوبر ۱۹۰۴ء)

---

[1] پیدائش باب ۳۰ آیت ۲۲ (خاکسار مرتب)

۱۹ / اکتوبر ۱۹۰۴ء

سیالکوٹ سے احمدی جماعت کی طرف سے دعوت کا پیغام آیا۔ آپ نے فرمایا کہ

تین چار روز کے بعد جواب دوں گا۔

بعد میں معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام استخارہ کے بعد روانگی کی تاریخ مقرر کریں گے

(البدر جلد ۳ نمبر ۴۰ صفحہ ۲ مورخہ ۲۴ / اکتوبر ۱۹۰۴ء)

---

۲۰ / اکتوبر ۱۹۰۴ء (بوقت ظہر)

## تجارتی روپیہ پر منافع

ایک صاحب کی خاطر حضرت حکیم نورالدین صاحبؓ نے ایک مسئلہ حضرت اقدس علیہ السلام سے دریافت کیا کہ یہ ایک شخص ہیں جن کے پاس بیس بائیس ہزار کے قریب روپیہ موجود ہے ایک سکھ ہے وہ ان کا روپیہ تجارت میں استعمال کرنا چاہتا ہے اور ان کے اطمینان کے لئے اس نے تجویز کی ہے کہ یہ روپیہ بھی اپنے قبضہ میں رکھیں لیکن جس طرح وہ ہدایت کرے۔ اسی طرح ہر ایک شئے خرید کر جہاں کہے وہاں روانہ کریں اور جو روپیہ آوے وہ امانت رہے سال کے بعد وہ سکھ دو ہزار چھ سو روپیہ ان کو منافع کا دے دیا کرے گا۔ یہ اس غرض سے یہاں فتویٰ دریافت کرنے آئے ہیں۔ کہ یہ روپیہ جو اُن کو سال کے بعد ملے گا اگر سُود نہ ہو تو شراکت کر لی جاوے۔

حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا کہ

چونکہ انہوں نے خود بھی کام کرنا ہے اور ان کی محنت کو دخل ہے اور وقت بھی صرف کریں گے اس لئے ہر ایک شخص کی حیثیت کے لحاظ سے اس کے وقت اور محنت کی قیمت ادا ہوا کرتی ہے۔ دس دس ہزار اور دس دس لاکھ روپیہ لوگ اپنی محنت اور وقت کا معاوضہ لیتے ہیں لہٰذا میرے نزدیک تو یہ روپیہ جو اُن کو وہ دیتا ہے سُود نہیں ہے۔ اور میں اس کے جواز کا فتویٰ دیتا

ہوں۔ سُود کا لفظ تو اس روپیہ پر دلالت کرتا ہے جو مفت بلا محنت کے (صرف روپیہ کے معارضہ میں) لیا جاتا ہے۔ اب اس ملک میں اکثر مسائل زیر و زبر ہو گئے ہیں۔ کُل تجارتوں میں ایک نہ ایک حصّہ سُود کا موجود ہے۔ اس لئے اس وقت نئے اجتہاد کی ضرورت ہے[۱]۔

ظہر کی نماز سے پیشتر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کچھ روپے جن کی تعداد غالباً آٹھ یا دس ہو گی ایک مخلص مہاجر کو یہ کہکر دیئے کہ چونکہ موسم سرما ہے آپ کو کپڑوں کی ضرورت ہو گی۔ اس مہاجر کی طرف سے کوئی سوال نہ تھا۔ خود حضور علیہ السلام نے ان کی ضرورت کو محسوس کر کے یہ رقم عطا کی جس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ آپ کو مخلص خدام کی ضرورت کا کس قدر خیال ہے۔

گناہوں سے معصوم انبیاء ہیں۔ لیکن دوسرے لوگ توبہ و استغفار کے ذریعہ سے اُن سے مشابہت پیدا کر لیتے ہیں۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۴۲،۴۱ صفحہ ۳۲۵ مورخہ یکم و ۸ ر نومبر ۱۹۰۳ء)

۲۱ر اکتوبر ۱۹۰۳ء

## الٰہی رحمت سے مغفرت

ایک صاحب کے رشتہ دار کسی وجہ سے قید ہو گئے تھے۔ ان کے ذکر پر حضرت حکیم نورالدین

[۱] ۔ جو صاحب اس مسئلہ کو دریافت کرنے آئے تھے اُن کی دینداری واقعی قابل رشک ہے کہ اس وقت جبکہ مسلمانوں نے حلال و حرام کی تمیز کو خیرباد کہکر صرف زراندوزی کو اپنا مقصود بنا رکھا ہے یہ صاحب استفسار کے لئے اس قدر سفر دراز طے کر کے آئے۔ صرف اس غرض سے کہ کہیں اس لین دین میں سود نہ ہو جاوے۔ اللہ تعالیٰ اس زمانہ کے کُل اہل اسلام کو اس قسم کی توفیق دیوے کہ وہ اپنے معاملات میں دین کو مقدم رکھیں۔ آمین (ایڈیٹر)

صاحب نے عرض کی کہ میں نے اُن سے یہ کہا ہے کہ اُسے خود استغفار کی تاکید کی جاوے مگر حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا کہ

بعض لوگ جو استغفار کے لائق ہیں وہ تو استغفار کرتے ہیں اور دوسروں کو محض خدا کی رحمت سے بھی رسائی مل جایا کرتی ہے۔ جن کی طبیعت میں کجی ہے ان کے لئے اس کی رحمت وسیع ہے۔

## آنحضرتؐ کو فارسی میں الہام

ایک دفعہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے ایک نے دریافت کیا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے کبھی فارسی زبان میں بھی کلام کی ہے تو آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ ایک دفعہ یہ فقرہ الہام ہوا تھا سے

این مُشتِ خاک را گر نہ بخشم چہ کُنم

## رُوس وجاپان کی جنگ پر لطیفہ

اس جنگ کے ذکر پر حضرت حکیم نورالدین صاحب نے بیان کیا کہ اس قدر خونخوار جنگ ہے کہ ہزاروں آدمی ہلاک ہو رہے ہیں۔ حالانکہ دونو سلطنتوں کا مذہب ایسا ہے جس کی رُو سے اس جنگ کی مطلق نوبت ہی نہ آنی چاہیئے۔ جاپان کا بُدھ مذہب ہے اور اس کی رُو سے ایک چیونٹی کا مارنا بھی گناہ ہے۔ رُوس عیسائی ہے[ل] اور اُن کو چاہیئے کہ مسیح کی تعلیم کے بموجب اگر جاپان ایک مقام پر قبضہ کرے تو دوسرا مقام خود اس کے حوالہ کر دیں۔

## تین عیسائیوں کی مُلاقات

آج تین عیسائی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کے لئے تشریف لائے۔ ایک نوجوان تھے جو کہ ایک صاحب کے بیٹے تھے اور باقی میں سے ایک صاحب ڈاکٹر تھے

ل اُس وقت رُوس کا مذہب عیسائی تھا (مرتب)

جو کہ ضعیف العمر تھے اور ایک قاضی صاحب پشاوری جوان مرد تھے۔ ایک صاحب ان میں سے وہ تھے جنہوں نے تحقیق مذاہب کی بناء پر نیاز مندانہ طور پر حضرت اقدس سے کسی زمانہ میں خط و کتابت کی تھی جس کی وجہ سے کمال شوق حضور علیہ السلام کی زیارت کا تھا۔ خانقاہوں میں سے ایک مشہور خانقاہ ہے جہاں اکثر لوگ مشرکانہ عقائد کی بنا پر زیارت وغیرہ کے لئے جاتے ہیں۔ وہاں کی نسبت ایک عیسائی صاحب نے ذکر کیا کہ جالندھر کے ضلع کے لوگوں کیلئے علاوہ یہ کیا کرتے ہیں کہ ایک سفید کبوتر کی ٹانگیں کمزور کر کے قبر پر بٹھا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ صاحب مزار کی رُوح اس میں حلول کرآئی ہے

اس پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ

یہ کبوتر پیچھا نہیں چھوڑتا

اس کے بعد حضرت اقدس اور عیسائی صاحبوں میں ذیل کی گفتگو ہوئی جس میں اکثر روئے سخن ڈاکٹر صاحب کی طرف ہی تھا

**حضرت اقدس۔** ادھر آپ کا آنا کس تقریب پر ہوا؟

**ڈاکٹر صاحب۔** صرف زیارت کی غرض سے کیونکہ ایک عرصہ سے شوق تھا۔

**حضرت اقدس۔** مگر تاہم ایسی کونسی تقریب ہوئی کہ آپ ادھر آگئے؟

**ڈاکٹر صاحب۔** میں نے رخصت لی تھی اور بال بچوں کو لیکر آیا تھا۔ وہ لاہور میں ہیں اور خود ادھر آیا ہوں۔ بڑا باعث رخصت کا آپ کی ملاقات ہی تھی۔

**حضرت اقدس۔** اب رخصت کے کتنے دن باقی ہیں؟

**مفتی صاحب۔** (حساب کر کے) ۱۷ دن باقی ہیں۔

**حضرت اقدس۔** تو اب آپ کو یہ ایام یہاں ہمارے پاس ہی گذارنے چاہئیں۔

**حکیم نورالدین صاحب۔** یہ تو آج ہی رخصت ہوتے تھے مگر رات کو میں نے رکھ لیا ہے۔

**حضرت اقدس۔** جب رخصت ہمارے لئے لی تو پھر رخصت کے ایام ہمارے پاس گذارنے چاہئیں۔

**عیسائی قاضی صاحب۔** اتنی فرصت نہیں۔ زیارت مقصود تھی سو ہو گئی۔

حضرت اقدس۔ ڈاکٹر صاحب کو مخاطب کر کے۔ اب پھر کیا صلاح ہے۔ کتنے دن رہو گے؟

عیسائی قاضی صاحب نے پھر جلدی جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔

حضرت اقدس۔ یہ مہمانداری کے ادب کے خلاف ہے اور آپ کے ارادے کے بھی برخلاف ہے کہ اس قدر جلدی کی جاوے۔ میرا ارادہ جمعرات کو سیالکوٹ جانے کا ہے تب تک رہیں۔ پھر اکٹھے چلیں گے۔

اس اثنا میں نماز کا وقت ہو گیا۔ حضرت اقدس نے حکم فرمایا کہ ان کی خوابگاہ۔ اور بستر اور خوراک وغیرہ کا اہتمام بہت عمدہ طور سے کر دیا جاوے کہ کوئی تکلیف نہ ہو۔ اور ہر سہ صاحبان تشریف لے گئے۔ دوسرے دن احمدی عمارات اور کارخانوں کو دیکھ کر رخصت ہو گئے۔

(البدر جلد ۳ نمبر ۴۱ و ۴۲ صفحہ ۸ مورخہ یکم و ۸ر نومبر ۱۹۰۴ء)

---

## ۲۲ر اکتوبر ۱۹۰۴ء

ایک شخص بیمار کا ذکر ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ

انسان حالتِ تندرستی میں صحت کی قدر نہیں کرتا (کہ ان ایام میں اپنے تعلقات اللہ تعالیٰ سے مضبوط کرے تاکہ وہ ہر طرح اس کا حافظ و ناصر ہو)[1] اور جب بیمار ہوتا ہے تو پھر دوبارہ صحت اس لئے طلب کرتا ہے کہ انہی دنیا کے امور میں مبتلا ہو (اگر اس کا ارادہ خدمتِ دین ہو تو اس کا صحت طلب کرنا گویا منشائے الٰہی کے مطابق ہوگا)

اسی بیمار کی نسبت ذکر ہوا کہ اس نے کئی سو روپیہ لوگوں سے لینا ہے۔ مگر صرف چند روپوں کے کاغذات ہیں باقی تمام زبانی لین دین ہے اور اس کی دو لڑکیاں ہیں بعض

---

[1] بریکٹ کے اندر کی عبارت ایڈیٹر کی طرف سے معلوم ہوتی ہے ورنہ اگر حضور ہی کے فقرات ہوتے تو بریکٹ میں دینے کی ضرورت نہ تھی حضور کی ڈائریوں میں بالعموم یہ طریق چلتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (خاکسار مرتب)

احباب نے تجویز کیا کہ جو کچھ رقوم لوگوں کے ذمہ ہیں اور وہ تحریر میں نہیں آئیں تو چاہیئے کہ اب دو آدمی گواہ مقرر کر کے اس کی زندگی میں وہ رقمیں ان مقروضوں کی منوالی جاویں اور تحریر کرا لیا جاوے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ

اس کی ضرور کوشش کرنی چاہیئے۔ یہ بڑے ثواب کی بات ہے۔ ممکن ہے کہ اگر وہ مرجاوے تو بیچاری لڑکیوں کو ہی کچھ فائدہ پہنچ جاوے۔

اہل اسلام کی وحدت اور اخوت پر ذکر ہوا کہ عیسائیوں نے بھی اس خوبی کو تسلیم کیا ہے کہ مسلمان لوگ جب مسجد میں داخل ہو جاویں تو ان میں بادشاہ اور امیر و غریب کی کوئی تمیز نہیں رہتی اور کسی کو حق نہیں کہ کسی قسم کا امتیاز کرے حالانکہ عیسائیوں کے گرجے اس سے محروم ہیں۔ خاص انگریزوں کے گرجوں میں عام عیسائی لوگ داخل نہیں ہو سکتے۔ پھر گرجوں میں درجہ بدرجہ چوکیاں لگی ہوتی ہیں اور رومن کیتھولک تو نشستگاہوں پر نام بھی لکھ دیتے ہیں۔

اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ

مسلمانوں کے معبد میں یہ ایک بے نظیر نمونہ ہے کہ سب کو یکساں نظر سے دیکھا جاتا ہے۔

مولانا حکیم نورالدین صاحب نے عرض کی کہ ہماری مسجد میں تو خود امام الوقت بھی مقتدی بن کر نماز پڑھتا ہے۔

(اس میں یہ سِرّ ہے کہ امت محمدیہ کی اس قدر شان ہے کہ مسیح بھی اس کا مقتدی ہے اور اس امت کے صالح لوگ اس کے امام ہیں۔

## قادیان کے مہمانخانہ کے متعلق ضروری نوٹ

مہمان کی تواضع کے متعلق آپ نے فرمایا کہ

لنگر خانہ کے مہتمم کو تاکید کر دی جاوے کہ وہ ہر ایک شخص کی احتیاج کو مدنظر رکھے مگر چونکہ وہ اکیلا آدمی ہے اور کام کی کثرت ہے ممکن ہے کہ اُسے خیال نہ رہتا ہو اس لئے کوئی دوسرا شخص یاد دلا دیا کرے۔ کسی کے میلے کپڑے وغیرہ دیکھ کر اس کی تواضع سے دستکش نہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ مہمان تو سب یکساں ہی ہوتے ہیں۔ اور جو نئے ناواقف آدمی ہیں تو یہ ہمارا حق ہے کہ اُن کی ہر ایک ضرورت کو مدنظر رکھیں۔ بعض وقت کسی کو بیت الخلا کا ہی پتہ نہیں ہوتا تو اسے سخت تکلیف ہوتی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ مہمانوں کی ضروریات کا بڑا خیال رکھا جاوے۔ میں تو اکثر بیمار رہتا ہوں اس لئے معذور ہوں مگر جن لوگوں کو ایسے کاموں کے لئے قائمقام کیا ہے یہ ان کا فرض ہے کہ کسی قسم کی شکایت نہ ہونے دیں۔ کیونکہ لوگ صدہا اور ہزارہا کوس کا سفر طے کر کے صدق اور اخلاص کے ساتھ تحقیق حق کے واسطے آتے ہیں۔ پھر اگر اُن کو یہاں تکلیف ہو تو ممکن ہے کہ رنج پہنچے۔ اور رنج پہنچنے سے اعتراض بھی پیدا ہوتے ہیں۔ اس طرح سے ابتلا کا موجب ہوتا ہے۔ اور پھر گناہ میزبان کے ذمہ ہوتا ہے۔

بیان کیا گیا کہ حضور بعض لوگ جو مسافر خانہ میں نو واردوں سے مذہبی مناظرے شروع کر دیتے ہیں اور اس میں وہ اپنے خیال اور رائے کے موافق کلام کرتے ہیں جو کہ بعض اوقات بے محل اور حضور کے منشا کے خلاف بھی ہوتی ہے اور نو وارد متلاشی بھی اس سے اندازہ لگاتا ہے کہ یہاں کے لوگوں کا یہی مشرب ہوگا۔ حالانکہ یہ بالکل غلطی ہوتی ہے اور اس کا نتیجہ نو واردوں کے لئے ابتلا ہوتا ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تجویز فرمایا کہ

اس قسم کی کلام ہرگز نہ ہونی چاہیئے۔ ہمارے بعض مناظرین کو چونکہ نصاریٰ کے ساتھ کلام کرنی پڑتی ہے اور جب وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی کسر شان کرتے ہیں تو محل اور موقعہ کے لحاظ سے اُن کو یسوع کی نسبت اسی قسم کے ثبوت دینے پڑتے ہیں۔ اور وہ

مقتضائے وقت ہوتا ہے مگر ہر ایک آدمی اس کا اہل نہیں ہے اور دوسرے لوگ اکثر کسی نبی کی شان میں بھی کوئی کلمہ گستاخی یا بے ادبی کا استعمال کرتے ہیں تو وہ گناہ کرتے ہیں۔ یہ کبھی نہ گمان کرنا چاہیئے کہ حضرت مسیح یا دوسرے انبیاء ایک معمولی آدمی تھے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ اور مقرب تھے۔ قرآن شریف نے مصلحت اور موقعہ کے لحاظ سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت ایک لفظ اس قسم کا بیان فرمایا ہے کہ جہاں آپ کے بہت سے انوار و برکات اور فضائل بیان کئے ہیں وہاں بشر مثلکم[1] بھی کہدیا ہے مگر یہ اس کے ہرگز معنے نہیں ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فی الواقعہ ہی عام آدمیوں جیسے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ لفظ آپ کی شان میں اس لئے استعمال فرمایا کہ دوسرے انبیاء کی طرح آپ کی پرستش نہ ہو اور آپ کو خدا نہ بنایا جاوے۔ اس سے یہ مراد ہرگز نہیں ہے کہ آپ کے فضائل و مراتب ہی سلب کر دیئے جاویں۔

آخرکار تجویز ہوا کہ ایک صاحب ذی وجاہت و ذی اثر کے ہاتھ میں مہمانوں کی تواضع کا اہتمام دیا جاوے۔

(الحکم جلد ۸ نمبر ۴۰ صفحہ ۱ و ۲ مورخہ ۲۴ نومبر ۱۹۰۴ء)

نیز (البدر جلد ۳ نمبر ۴۱-۴۲ صفحہ ۹ مورخہ یکم و ۸ نومبر ۱۹۰۴ء)

---

**۲۳ اکتوبر ۱۹۰۴ء**

بوقت ظہر

## تصاویر کی طرف کثرتِ توجہ پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نارضامندی

ظہر کے وقت مفتی محمد صادق صاحب نے حضرت اقدس علیہ السلام کی خدمت

[1] الکہف: ۱۱۱

میں ایک شخص کی تحریری درخواست بذریعہ کارڈ کے ان الفاظ میں پیش کی۔ کہ یہ شخص حضور کی تصویر کو خط و کتابت کے کارڈوں پر چھاپنا چاہتے ہیں اور اجازت طلب کرتے ہیں۔

اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ

**میں تو اسے ناپسند کرتا ہوں**

یہ الفاظ جا کر میں نے اپنے کانوں سے سُنے۔ لیکن حضرت مولوی نورالدین صاحب اور حکیم فضل دین صاحب بیان کرتے ہیں کہ اس سے پیشتر آپ نے یہ الفاظ فرمائے کہ

**یہ بدعت بڑھتی جاتی ہے۔ میں اسے ناپسند کرتا ہوں**

(البدر جلد ۳ نمبر ۴۱-۴۲ صفحہ ۹ مورخہ یکم و ۸ نومبر ۱۹۰۴ء)

---

## ۲۷ اکتوبر ۱۹۰۴ء

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سیالکوٹ تشریف لے جا رہے تھے۔ بٹالہ ریلوے اسٹیشن پر جماعت بٹالہ نے آکر شرف نیاز حاصل کیا۔ ایک صاحب نے عرض کیا کہ ہم چاہتے ہیں کہ کوئی محنت و تکلیف نہ اُٹھانی پڑے اور کمال حاصل ہو جاوے

اس پر حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ[1]

## حصول کمال کے لئے مجاہدہ شرط ہے

اس قسم کے لوگ ہمیشہ گذرے ہیں جو چاہتے ہیں کہ بغیر کسی قسم کی محنت اور تکلیف اور سعی اور مجاہدہ کے وہ کمالات حاصل کر لیں جو مجاہدات سے حاصل ہوتے ہیں۔ صوفیاء

---

[1] بدر میں یہ ڈائری ان الفاظ میں ہے:۔

"بٹالہ اسٹیشن پر حضرت اقدس چہل قدمی فرما رہے تھے کہ ایک ضعیف العمر صاحب نے جن کو حضرت اقدس سے شاید کوئی دیرینہ تعارف ہوگا ملاقات کی طرز کلام سے جو مجھے سُننے

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کرام کے حالات میں لکھا ہے کہ بعض لوگوں نے آکر اُن سے کہا کہ کوئی ایسا انتظام ہو کہ ہم پھونک مارنے سے ولی ہو جاویں۔ ایسے لوگوں کے جواب میں انہوں نے یہی فرمایا کہ پھونک کے واسطے بھی تو قریب ہونے کی ضرورت ہے کیونکہ پھونک بھی دُور سے نہیں لگتی۔

قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لیس للانسان الّا ما سعیٰ [1] یعنی کوئی انسان

کا اتفاق ہوا۔ معلوم ہوتا ہے کہ روحانی فیوض کے حصول کے لئے وہ صاحب خواستگار تھے اور حضرت اقدس شاید اُن کو کہتے تھے کہ قادیان آرہو اور ان دنیاوی مخصوں کو ترک کر دو۔

اس پہاں صاحب نے کہا کہ آپ وہاں ہی دعا کر سکتے ہیں۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ

دعا تب کام کرتی ہے جب انسان کی کوشش بھی ساتھ ہو۔ بعض لوگ چاہتے ہیں کہ پھونک مار کر ولی بنا دیا جاوے۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ پھونک بھی اسی آدمی کو لگتی ہے جو نزدیک آوے۔ یہ خیال بالکل غلط ہے کہ بغیر انسان کی سعی کے کچھ ہو جاوے۔ قرآن شریف میں ہے لیس للانسان الّا ما سعیٰ [1] اور دل کی ہر ایک حالت کے لئے ایک ظاہری عمل کا نشان ضرور ہوتا ہے۔ جب دل پر غم کا غلبہ ہو تو آنسو نکل آتے ہیں۔ اسی لئے شریعت نے ثبوت کا مدار ایک شہادت پر نہیں رکھا جب تک دوسرا گواہ بھی نہ ہو۔ پس جب تک ظاہر و باطن ایک نہ ہو۔ تب تک کچھ نہیں بنتا۔

پوچھا کہ آپ کب واپس ہوں گے؟ فرمایا۔ رفتن بہ ارادت و آمدن بہ اجازت۔

طاعون کے ذکر پر فرمایا کہ

لوگوں کی شقاوت کی ایک یہ نشانی ہے کہ نزول بلا پر بجائے اس کے کہ استغفار کریں۔ جھوٹی تاویلوں سے دل کو تسلی دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میاں بیماری ہوا ہی کرتی ہے یہ دہریت کی علامت ہے یعنی وہ لوگ اس میں تصرف الٰہی کو نہیں مانتے۔ پھر یہ تاویل کرتے ہیں کہ دیکھو چین اور لنڈن میں نہیں۔ کم بختوں کو یہ خیال نہیں کہ اپنے نفس کی اصلاح اور فکر کریں اور چین اور لنڈن کی فکر پڑ جاتی ہے۔ (البدر جلد ۳ نمبر ۴۱، ۴۲ صفحہ ۱۰ مورخہ یکم و ۸ نومبر ۱۹۰۴ء)

[1] النجم: ۴۰

بغیر سعی کے کمال حاصل نہیں کر سکتا۔ یہ خدا تعالیٰ کا مقرر کردہ قانون ہے۔ پھر اس کے خلاف اگر کوئی کچھ حاصل کرنا چاہے تو وہ خدا تعالیٰ کے قانون کو توڑتا ہے اور اسے آزماتا ہے اس لئے محروم رہے گا۔ دنیا کے عام کاروبار میں بھی تو یہ سلسلہ نہیں ہے کہ پھونک مار کر کچھ حاصل ہو جائے یا بدوں سعی اور مجاہدہ کے کوئی کامیابی مل سکے۔ دیکھو۔ آپ شہر سے چلے تو سٹیشن پر پہنچے۔ اگر شہر سے ہی نہ چلتے تو کیونکر پہنچتے؟ پاؤں کو حرکت دینی پڑی ہے یا نہیں؟ اسی طرح سے جس قدر کاروبار دنیا کے ہیں سب میں اول انسان کو کچھ کرنا پڑتا ہے۔ جب وہ ہاتھ پاؤں ہلاتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ بھی برکت ڈال دیتا ہے۔ اسی طرح پر خدا تعالیٰ کی راہ میں وہی لوگ کمال حاصل کرتے ہیں جو مجاہدہ کرتے ہیں۔ اس لئے فرمایا ہے والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا[1]۔ پس کوشش کرنی چاہیئے کیونکہ مجاہدہ ہی کامیابیوں کی راہ ہے۔

(الحکم جلد ۸ نمبر ۳۸-۳۹ صفحہ ۳ مورخہ ۱۰ و ۱۷ نومبر ۱۹۰۴ء)

---

۲۸ اکتوبر ۱۹۰۴ء

## تقریر پُرتاثیر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

بعد نماز جمعہ

### بیعت تو اعمال صالحہ کا تخم ہے

میں ان لوگوں کے لئے جنہوں نے بیعت کی ہے چند نصیحت آمیز کلمات کہنا چاہتا ہوں یہ بیعت تخم ریزی ہے اعمال صالحہ کی۔ جس طرح کوئی باغبان درخت لگاتا ہے یا کسی چیز کا بیج بوتا ہے۔ پھر اگر کوئی شخص بیج بو کر یا درخت لگا کر وہیں اس کو ختم کر دے اور آئندہ آبپاشی اور حفاظت نہ کرے تو وہ تخم بھی ضائع ہو جاوے گا۔ اسی طرح انسان کے ساتھ شیطان لگا رہتا ہے۔ پس اگر انسان نیک عمل کر کے اس کے محفوظ رکھنے کی کوشش نہ کرے تو وہ عمل ضائع ہو جاتا ہے۔ تمام مخلوقات مثلاً مسلمان ہی سہی اپنے مذاہب کے فرائض میں پابند

[1] العنکبوت: ۷۰

ہیں مگر اس میں کوئی ترقی نہیں کرتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نیک عمل کے بڑھانے کا خیال اُن کو نہیں ہوتا اور رفتہ رفتہ وہ عمل رسم میں داخل ہو جاتا ہے۔ پس مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہوئے تو کلمہ پڑھنے لگے۔ ہندوؤں کے گھر میں ہوتے تو رام رام کرتے۔

یاد رکھو بیعت کے وقت توبہ کے اقرار میں ایک برکت پیدا ہوتی ہے۔ اگر ساتھ اُس کے دین کو دُنیا پر مقدم رکھنے کی شرط لگالے تو ترقی ہوتی ہے۔ مگر یہ مقدم رکھنا تمہارے اختیار میں نہیں بلکہ امداد الٰہی کی سخت ضرورت ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ والّذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا[1] کہ جو لوگ کوشش کرتے ہیں ہماری راہ میں انجامکار راہنمائی پر پہنچ جاتے ہیں جس طرح وہ دانہ تخم ریزی کا بدوں کوشش اور آبپاشی کے بے برکت رہتا بلکہ خود بھی فنا ہو جاتا ہے اسی طرح تم بھی اس اقرار کو ہر روز یاد نہ کرو گے اور دعائیں نہ مانگو گے کہ خدایا ہماری مدد کر تو فضل الٰہی وارد نہیں ہوگا اور بغیر امداد الٰہی کے تبدیلی ناممکن ہے۔ چور، بدمعاش، زانی وغیرہ جرائم پیشہ لوگ ہر وقت ایسے نہیں رہتے بلکہ بعض وقت ان کو ضرور پشیمانی ہوتی ہے۔ یہی حال ہر بدکار کا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان میں نیکی کا خیال ضرور ہے پس اس خیال کے واسطے اس کو امداد الٰہی کی بہت ضرورت ہے۔ اسی لئے پنجوقتہ نماز میں سورہ فاتحہ کے پڑھنے کا حکم دیا۔ اس میں اِیَّاکَ نَعبُدُ فرمایا اور پھر اِیَّاکَ نستعین۔ یعنی عبادت بھی تیری ہی کرتے ہیں اور مدد بھی تجھ ہی سے چاہتے ہیں۔ اس میں دو باتوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ یعنی ہر نیک کام میں قویٰ، تدابیر، جدوجہد سے کام لیں۔ یہ اشارہ ہے نَعْبُدُ کی طرف۔ کیونکہ جو شخص نری دعا کرتا اور جدوجہد نہیں کرتا وہ بہرہ یاب نہیں ہوتا۔ جیسے کسان بیج بو کر اگر جدوجہد نہ کرے تو پھل کا امیدوار کیسے بن سکتا ہے۔ اور یہ سُنّت اللہ ہے۔ اگر بیج بو کر صرف دعا کرتے ہیں تو ضرور محروم رہیں گے۔ مثلاً دو کسان ہیں ایک تو سخت محنت اور قلبہ رانی کرتا ہے یہ تو ضرور زیادہ کامیاب ہوگا۔ دوسرا کسان محنت نہیں کرتا یا کم کرتا ہے۔ اس کی پیداوار ہمیشہ ناقص رہے گی جس سے وہ شاید سرکاری محصول

[1] العنکبوت : ۷۰

بھی ادا نہ کر سکے اور وہ ہمیشہ مفلس رہے گا۔ اسی طرح دینی کام بھی ہیں۔ انہیں میں منافق، انہیں میں نکلے، انہیں میں صالح، انہیں میں ابدال، غوث، قطب بنتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کے نزدیک درجہ پاتے ہیں۔ اور بعض چالیس چالیس برس سے نماز پڑھتے ہیں مگر ہنوز روز اول ہی ہے۔ اور کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔ تیس روزوں سے کوئی فائدہ محسوس نہیں کرتے بہت لوگ کہتے ہیں کہ ہم بڑے متقی اور مدت کے نماز خواں ہیں مگر ہمیں امداد الٰہی نہیں ملتی۔ اس کا سبب یہ ہے کہ رسمی اور تقلیدی عبادت کرتے ہیں۔ ترقی کا کبھی خیال نہیں۔ گناہوں کی جستجو ہی نہیں۔ سچی توبہ کی طلب ہی نہیں۔ پس وہ پہلے قدم پر ہی رہتے ہیں۔ ایسے انسان بہائم سے کم نہیں۔ ایسی نمازیں خدا تعالےٰ کی طرف سے وَیل لاتی ہیں۔ نماز تو وہ ہے جو اپنے ساتھ ترقی لے آوے۔ جیسے طبیب کے زیر علاج ایک بیمار ہے۔ ایک نسخہ وہ دس روز استعمال کرتا ہے۔ پھر اس سے اس کو روز بروز نقصان ہو رہا ہے۔ جب اتنے دنوں کے بعد فائدہ نہ ہو تو بیمار کو شک پڑ جاتا ہے کہ یہ نسخہ ضرور میرے مزاج کے موافق نہیں۔ اور یہ بدلنا چاہیئے۔ پس رسم اور رسمی عبادت ٹھیک نہیں۔

## اپنی زبان میں دُعا کرو

نمازوں میں دعائیں اور درود ہیں۔ یہ عربی زبان میں ہیں۔ مگر تم پر حرام نہیں کہ نمازوں میں اپنی زبان میں بھی دعائیں مانگا کرو۔ ورنہ ترقی نہ ہوگی۔ خدا تعالےٰ کا حکم ہے کہ نماز وہ ہے جس میں تضرع اور حضور قلب ہو۔ ایسے ہی لوگوں کے گناہ دُور ہوتے ہیں چنانچہ فرمایا إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ[1] یعنی نیکیاں بدیوں کو دُور کرتی ہیں۔ یہاں حسنات کے معنے نماز کے ہیں اور حضور اور تضرع اپنی زبان میں مانگنے سے حاصل ہوتا ہے پس کبھی کبھی ضرور اپنی زبان میں دعا کیا کرو اور بہترین دعا فاتحہ ہے کیونکہ وہ جامع دُعا ہے۔ جب زمیندار کو زمینداری کا ڈھب آجاوے گا تو وہ زمینداری کے صراط مستقیم پر پہنچ جاوے گا اور کامیاب ہو جاوے گا۔ اسی طرح تم خدا تعالیٰ کے ملنے کی صراط مستقیم

[1] ھود : ۱۱۵

تلاشس کرو۔ اور دعا کرو کہ یا الٰہی میں تیرا گنہگار بندہ ہوں اور افتادہ ہوں۔میری راہنمائی کر ادنیٰ اور اعلیٰ سب حاجتیں بغیر شرم کے خدا سے مانگو کہ اصل معطی وہی ہے۔بہت نیک وہی ہے جو بہت دعا کرتا ہے۔کیونکہ اگر کسی بخیل کے دروازہ پر سوالی ہر روز جا کر سوال کرے گا تو آخر ایک دن اس کو بھی شرم آجاوے گی۔پھر خدا تعالیٰ سے مانگنے والا جو ہمیشہ کریم ہے کیوں نہ پائے؟ پس مانگنے والا کبھی نہ کبھی ضرور پا لیتا ہے۔نماز کا دوسرا نام دُعا بھی ہے۔جیسے فرمایا۔ادعونی استجب لکم[1]۔پھر فرمایا۔ واذا سألك عبادی عنّی فانّی قریبٌ اجیب دعوة الداع اذا دعانِ[2]۔جب میرا بندہ میری بابت سوال کرے۔ پس میں بہت ہی قریب ہوں۔میں پکارنے والے کی دعا کو قبول کرتا ہوں جب وہ پکارتا ہے بعض لوگ اس کی ذات پر شک کرتے ہیں۔پس میری ہستی کا نشان یہ ہے کہ تم مجھے پکارو اور مجھ سے مانگو۔میں تمہیں پکاروں گا اور جواب دوں گا اور تمہیں یاد کروں گا۔اگر یہ کہو کہ ہم پکارتے ہیں پر وہ جواب نہیں دیتا تو دیکھو کہ تم ایک جگہ کھڑے ہو کر ایک ایسے شخص کو جو تم سے بہت دُور ہے پکارتے ہو اور تمہارے اپنے کانوں میں کچھ نقص ہے وہ شخص تو تمہاری آواز سُنکر تم کو جواب دے گا مگر جب وہ دُور سے جواب دیگا تو تم بباعث بہرہ پن کے سُن نہیں سکو گے۔ پس جوں جوں تمہارے درمیانی پردے اور حجاب اور دُوری دُور ہوتی جائے گی تو تم ضرور آواز کو سُنو گے۔جب سے دنیا کی پیدائش ہوئی ہے اس بات کا ثبوت چلا آتا ہے کہ وہ اپنے خاص بندوں سے ہمکلام ہوتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو رفتہ رفتہ بالکل یہ بات نابُود ہو جاتی کہ اس کی ہستی ہے بھی۔ پس خدا تعالےٰ کی ہستی کے ثبوت کا سب سے زبردست ذریعہ یہی ہے کہ ہم اس کی آواز کو سُن لیں یا دیدار یا گفتار۔ پس آج کل کا گفتار قائمقام ہے دیدار کا۔ ہاں جب تک خدا کے اور اس سائل کے درمیان کوئی حجاب ہے اس وقت تک ہم سُن نہیں سکتے۔ جب درمیانی پردہ اُٹھ جاوے گا تو اُس کی آواز سُنائی دے گی۔

[1] المومن: ۶۱ [2] البقرة: ۱۸۷

بعض لوگ کہدیتے ہیں کہ تیرہ سو برس سے خدا کا مکالمہ مخاطبہ بند ہوگیا ہے۔ اس کا اصل میں مطلب یہ ہے کہ اندھا سب کو ہی اندھا سمجھتا ہے۔ کیونکہ اس کی اپنی آنکھوں میں جو نور موجود نہیں۔ اگر اسلام میں یہ شرف بذریعہ دعاؤں اور اخلاص کے نہ ہوتا تو پھر اسلام کچھ چیز بھی نہ ہوتا۔ اور یہ بھی اور مذاہب کی طرح مُردہ مذہب ہو جاتا۔

## اسلام کا خاص امتیاز

پس تم ان مُردوں کی طرف خیال مت کرو جو خود بھی مُردہ اور اسلام کو بھی مُردہ بتاتے ہیں۔ یہ تو درحقیقت ایسا مذہب ہے کہ جس میں انسان ترقی کرتا ہوا فرشتوں سے مصافحہ جا کرتا ہے۔ اور اگر یہ بات نہ تھی تو صراط الذین انعمت علیہم[1] کیوں سکھلایا؟ اس میں صرف جسمانی اموال کی طلب نہیں کی گئی بلکہ رُوحانی انعام کی درخواست ہے۔ پس اگر تم نے ہمیشہ اندھا ہی رہنا ہے تو پھر تم مانگتے کیا ہو؟ یہ دُعا فاتحہ ایسی جامع اور عجیب دُعا ہے کہ پہلے کبھی کسی نبی نے سکھلائی ہی نہیں۔ پس اگر یہ نرے الفاظ ہی الفاظ ہیں اور ان کو خدا تعالیٰ نے منظور نہیں کرنا تو ایسے الفاظ خدا تعالیٰ نے ہمیں کیوں سکھلائے۔ اگر ہمیں وہ مقام ملنا ہی نہیں تو ہم پانچ وقت کیوں ضائع کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی ذات میں بُخل نہیں اور نہ انبیاء اس لئے آتے ہیں کہ اُن کی پُوجا کی جاوے بلکہ اس لئے کہ لوگوں کو تعلیم دیں کہ ہماری راہ اختیار کرنے والے ہمارے ظل کے نیچے آجاویں گے جیسے فرمایا ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ[2]۔ یعنی میری پیروی میں تم خدا تعالیٰ کے محبوب بن جاؤ گے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر محبوب ہونے کی بدولت یہ سب اکرام ہوئے مگر جب کوئی اور شخص محبوب بنے گا تو اس کو کچھ بھی نہیں ملے گا؟ اگر اسلام ایسا مذہب ہے تو سخت بیزاری ہے ایسے اسلام سے مگر ہرگز اسلام ایسا مذہب نہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تو وہ مائدہ لائے ہیں کہ جو چاہے اسکو حاصل کرے۔ وہ نہ تو دنیا کی دولت لائے اور نہ مہاجن بنکر آئے تھے۔ وہ تو خدا تعالیٰ کی دولت لائے تھے اور خود

[1] الفاتحہ: ۷ [2] آل عمران: ۳۲

اس کے قاسم تھے۔ پس اگر وہ مال دنیا نہیں تھا تو کیا وہ گٹھڑی واپس نے گئے؟ پر سچ ہے جس اندھے کے پاس روشنی موجود نہیں وہ کیسے دعویٰ کر سکتا ہے کہ میں روشنی رکھتا ہوں اور تقسیم کر سکتا ہوں۔ دیکھو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ مَنْ کَانَ فِیْ ھٰذِہٖٓ اَعْمٰی فَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ اَعْمٰی وَاَضَلُّ سَبِیْلًا۔[1] انبیاء تو علیٰ وجہ البصیرۃ ہوتے ہیں۔ پس جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ بصیرت کسی کو نہیں ملے گی تو گویا یہ خود اس دنیا سے اندھے ہی جائیں گے۔

اگر ان کا ایمان آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر سچا ہوتا تو یہ یقین رکھتے کہ وہ آسمانی مال تقسیم کرنے آئے تھے اور ان کا عقیدہ یہ ہوتا کہ یہ اُمت تمام اُمتوں سے فوقیت حاصل کرے گی۔ حالانکہ مانتے ہیں کہ حضرت موسیٰ کی ماں کو وحی ہوتی تھی۔ اب بتاؤ کہ اُن کے مردوں کو بھی کبھی ایسی وحی ہوئی ہے۔ لاہور میں ایک مولوی سے میری بحث ہوئی محدث کے لفظ پر۔ کہ حدیثوں میں آیا ہے کہ محدث وہ ہے جو خدا سے مکالمہ کر سکے اور یہ بات حضرت عمرؓ کے متعلق تھی تو اس مولوی نے جواب دیا کہ چونکہ اسلام کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد مکالمہ الٰہی نصیب نہیں۔ اس لئے حضرت عمرؓ کو یہ عہدہ نصیب نہیں ہوا۔ گویا اس اُمت میں تو دجال ہی آتے رہیں گے۔

## کچھ اپنی نسبت

مسیح کے متعلق جس زمانہ کی اطلاع احادیث وغیرہ میں دی گئی ہے وہ یہی زمانہ ہے سورۂ نُور اور بخاری میں منکم کا لفظ صاف ہے۔ آثار تمام نمودار ہو گئے ہیں۔ کسوف و خسوف رمضان میں ہو گیا۔ طاعون آگئی۔ یہ کیسے کھلے نشان تھے۔ لیکن لوگ ہمیشہ یہی کہتے ہیں کہ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا آیا ہے۔ نہ تو یہ ہارتے ہیں اور نہ خدا ہارنے والا ہے۔ آخر تم جانتے ہو کہ نتیجہ کیا ہوگا یہی کہ وہ پاک خدا جیتے گا۔ باوجود اس قدر کھلے نشانات کے جواب یہ دیتے ہیں کہ تیس دجالوں میں سے یہ بھی ایک دجال ہے۔ اُف لکم ولما تفو۔ تمہارے حصہ میں دجال ہی دجال رہ گئے ہیں؟ بیرونی اور اندرونی بلائیں تم پر آئیں اور خدا تعالیٰ کی طرف سے

[1] بنی اسرائیل: ۷۳

بھی آیا تو دجّال ہی آیا۔ اوّل تو تم خود بخود مرتے جاتے تھے۔ اب ایسی حالت میں خدا تعالیٰ نے تم سے یہ سلوک کیا کہ مرتے کو مارنے کی تجویز ٹھہرائی۔ کیا خدا تعالیٰ کو تم سے کوئی ایسی ہی سخت عداوت تھی کہ سختی پر سختی کر رہا ہے۔ یہ انسانی غلطیاں ہیں تم لوگ ان سے ہوشیار رہو۔ خدا تعالیٰ بڑا کریم و رحیم ہے۔ جب کسی کپڑے پر ہفتہ گذر جاتا ہے تو فکر لگ جاتی ہے کہ اس کو صاف کرایا جاوے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ دنیا پر سو کی جگہ ایک سو بیس برس گذر گئے پر خدا تعالیٰ نے تجدید دین کی کوئی تجویز نہ کی اور بجائے تجدید کے دجّال بھیج کر اس کی تخریب کی۔ اس وقت ۲۰ لاکھ مسلمان عیسائی ہو چکا ہے۔ یہ وہ قوم تھی اگر اس میں سے ایک شخص بھی عیسائی ہوتا تھا تو حشر بپا ہو جاتا تھا۔ دوسری طرف ایک اور خبیث قوم نے سر اُٹھایا ہے وہ مسلمانوں کو پکڑ پکڑ کر آریہ بنا رہی ہے۔ مگر ان ہمارے مسلمانوں کو یہی خیال آتا ہے کہ ابھی ہمارے اندر دجّال ہی پیدا ہوا ہے اور خدا تعالیٰ نے بھی ان کے ساتھ دھوکا کیا کہ دجّال کو صدی کے سر پر بھیجا تاکہ اُن کی رہی سہی امید بھی باقی نہ رہے معلوم ہوا کہ تمہارے اندر بڑے بڑے خبث اور گناہ پوشیدہ ہیں جس کی تمہیں یہ سزا مل رہی ہے۔ خدا تعالیٰ نے تو فرمایا ہے انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون[1]۔ ہم ہی نے اس قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی محافظت کریں گے۔ یعنی جب اس کے معانی میں غلطیاں وارد ہوں گی تو اصلاح کے لئے ہمارے مامور آیا کریں گے۔ پس تم میرے اوپر خیال مت کرو بلکہ صدی کے ابتدا اور بیرونی حملوں اور اندرونی اعمال کو دیکھ کر تم خود غور اور فکر کرو کہ آیا دجال کی ضرورت ہے یا مہدی اور مسیح کی؟

تعصب بُری بلا ہوتی ہے۔ تعصب والوں نے تو کسی رسُول کو بھی نہیں مانا اور ان کو دکاندار قرار دیا ہے حالانکہ وہ خدا کی طرف بُلاتے رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوم ہمیشہ ساتھ رہی ہے اور رہے گی۔ قرآن کریم کی ابتدا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے ہے۔ رحمٰن بے مانگے دینے والا اور رحیم محنت کو نہ ضائع کرنے والا۔ پس اس وقت رحمانیت اور رحیمیت کہاں گئی؟ سوچو

[1] الحجر: ۱۰

تو سہی کہ یہ اس کے مناسب حال ہے یا کیا؟

اصل میں جب انسان تعصب پر آتا ہے تو آنکھ دھندلی ہو جاتی ہے اور جب اس میں ترقی کرتا ہے تو وہ نور چھین لیا جاتا ہے۔ پس ہدایت پانے کا طریق اشتہار بازی نہیں۔ ان لوگوں سے پوچھو کہ تم ایک دفعہ بھی میرے پاس آئے ہو اور اپنے اعتراضات کا جواب پوچھا ہے یا کم سے کم میری تصانیف کو ہی دیکھا ہے؟ تو جواب دیں گے کہ میاں ہم کو ان باتوں کی فرصت نہیں۔ پھر تم نے جھٹ دجال کا فتویٰ کیوں لگا دیا؟ پھر ہم نے دین میں کونسی تحریف کی ہے۔ تم منہ سے نماز اور روزہ کا نام لیتے ہو اور میں کہتا ہوں کہ اُن کی روحانیت لو۔ صرف میں ہی نہیں کہتا بلکہ وہ خدا کہتا ہے جس نے مجھے مامور کیا ہے اور یہ اس لئے کہ تمہارے پوست میں کیفیت داخل ہو جاوے۔

ہاں تمہارے درمیان مسیح کا جھگڑا ضرور ہے لیکن خدا تعالیٰ کی کلام سے زیادہ سچا گواہ اَور کوئی نہیں ہو سکتا۔ ہمیں دوسرے کے قول سے کیا غرض ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے قول حق اور سچ ہیں مگر جو قرآن کریم کے خلاف نہ ہوں۔ پس ہمیں ایمان محفوظ رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ ایسے قصوں پر جو احادیث میں درج ہیں قرآن کریم کو مقدم رکھیں۔ پس ہم تو قرآن کریم کو ترجیح دیں گے اور جو احادیث قوی اور صحیح ہیں وہ ضرور قرآن کے ساتھ ہیں اور ہمارے دعویٰ میں ہماری مؤید ہیں۔ پس ہمارا اور ان لوگوں کا اَور کوئی اختلاف نہیں۔ بجُز اس کے کہ یہ پوست پر قناعت کرتے ہیں اور ہم مغز کو چاہتے ہیں۔ مسیح کی موت کا قرآن نے خود فلما توفیتنی میں فیصلہ کر دیا ہے۔ اگر ہم قبول کرلیں کہ مسیح ناصری آج تک زندہ ہے تو ہمیں یہ بھی قبول کرنا پڑے گا کہ عیسائی بھی آج تک راہِ راست پر ہیں۔ اور اس کی قرآن کریم خود تردید کرتا ہے۔ تکاد السمٰوٰت یتفطرن منہ وتنشق الارض وتخر الجبال ھدًا ان دعوا للرحمٰن ولدًا۔[1] مجھے میرے خدا نے ہزارہا وحیوں میں مامور کیا ہے اور وہ وہی بات ہے جو تیرہ سو برس پہلے سے لکھی ہوئی تھی۔ ہمارا اور ان کا کوئی

[1] مریم: ۹۱، ۹۲

جھگڑا نہیں اگر شرم و حیا اور ایمان ہو۔ یہ بھی نہ سہی۔ کیا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کُل لوگ مسلمان ہو گئے تھے۔ نہیں مگر وہی کہ جن کے حق میں سعادت تھی۔ پس ہمارا کام تو سمجھاتا ہے۔ پس جو شخص مسیح کو زندہ مانتا ہے وہ جھُوٹا ہے اور خدا کا منکر ہے اور جس کو خدا تعالیٰ نے مامور کیا ہے اس کو تو تازہ علم اس کی وفات کا دیا ہے۔ پھر اگر انہوں نے مسیح کو ماننا تھا تو وہ حَکَم کس بات کا ہوگا اور ہر ایک مذہب والا اس کا فیصلہ کس طرح ماننے گا۔ حَکَم کا لفظ تو صاف دلالت کر رہا ہے کہ ضرور ان لوگوں میں اختلاف اور اغلاط ہوں گے جن کا وہ آکر فیصلہ کرے گا۔ پس ہم تو تم سے سچا اتباعِ نبی کریم اور ترک اغلاط طلب کرتے ہیں اور بس۔

پس ہمارے لوگ مخالفین سے سختی سے پیش نہ آیا کریں۔ ان کا درشتی کا نرمی سے جواب دیں اور ملاطفت سے سلوک کریں۔ چونکہ یہ خیالات مدتِ مدید سے ان کے دلوں میں ہیں رفتہ رفتہ ہی دُور ہوں گے اس لئے نرمی سے کام لیں۔ اگر وہ سخت مخالفت کریں تو اعراض کریں مگر اس بات کے لئے اپنے اندر قوت جاذبہ پیدا کرو۔ اور قوت جاذبہ اس وقت پیدا ہوگی جب تم صادق مومن ہو گے اور اگر تم صادق نہیں تو تمہاری نصیحت ایسی ہے جیسے پرنالہ کا پانی موجب فساد ہوتا ہے۔ پس صادق کے واسطے ورزش کی اشد ضرورت ہے۔ جیسے ایک پہلوان کے سامنے تمہاری کیا ہستی ہے کہ مقابلہ کر سکو۔ اگرچہ وہ بھی تمہارے جیسا آدمی تھا۔ جسمانی نشوونما میں اس نے ترقی اور ورزش کر کے یہ طاقت حاصل کی۔ پس تم روحانی قویٰ میں ورزش کر کے رُوحانی پہلوان یعنی صادق مومن بنو۔ جو شخص اپنا نشوونما نہیں کرتا وہ تو اپنے کنبہ کو بھی درست نہیں کر سکتا۔ پس قوت رُوحانی پیدا کرو۔ دیکھو نبی، رسول سب ایک ایک ہو کر ہی آئے ہیں مگر وہ صادق اور جاذب تھے۔ مال کی غریبی اور کمزوری اور چیز ہے۔ رُوحانی قوت ہونی چاہیئے۔ ہاں کشش میں بھی وہی سعادت مند ہوتے ہیں جن کو کچھ مناسبت ہوتی ہے۔ مثلاً انجن سرد ہے تو فائدہ نہیں دے سکتا ہے۔ اگر خوب گرم ہے تو

سو گاڑی بھی لے جاوے گا۔ پس گرم اور پُر تاثیر مومن بنو۔ اس ہماری جماعت کے واسطے خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ دنیا میں پھیلے گی۔ پھر اگر طاقت والے اور اس کے پھیلانے والے اور لوگ ہوں گے تو تم نے کیا حاصل کیا؟

## طاقت کیونکر آوے

اب سوال یہ ہوگا کہ طاقت کس طرح پیدا ہوتی ہے اسکا جواب یہ ہے کہ صادق اور پکا بندہ بن جاوے تاکہ کسی زلزلہ سے برگشتہ اور منہ پھیرنے والا نہ ہو۔ صحابہ کرامؓ سارے ہی باخدا اور عاقل تھے مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اُن سے بڑھ کر ایسے وفادار تھے کہ کوئی سمجھ ہی نہیں سکتا تھا۔ اسی لئے آپ کو سانپوں اور درندوں اور خاردار کانٹوں والا جنگل اس کے درندے، حیوانات انسانی شکل میں دکھلائے گئے۔ پھر ملک بھی ایسا اس کے سپرد کیا کہ جس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی شریر النفس نہ تھا۔ پھر آئے ایسے وقت پر کہ تمام مردہ اور فساد کی جڑھ تھے۔ جیسے فرمایا ظھر الفساد فی البرّ والبحر[۱] اور گئے ایسے وقت پر کہ فرمایا الیوم اکملتُ لکُم دینکم و اتممت علیکم نعمتی[۲] الآیۃ۔ اذا جاء نصر اللہ والفتح[۳] الآیۃ۔ اس کو معجزہ کہتے ہیں اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتنی محبت الٰہی اور قوت جاذبہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اندر تھی۔ پس خدا تعالیٰ کے خاص بندوں اور غیروں میں اتنا فرق ہوتا ہے کہ قوت ایمانی اور استقامت ایسی ہو۔ کہ کسی رکاوٹ شدید سے باز نہ رہے۔ اس صفت سے جس کو جتنا حصہ ملا ہے اتنا ہی وہ برکت کا موجب ہوگا۔ میرا مطلب یہ ہے کہ تم اپنی تبدیلی کے واسطے تین باتیں یاد رکھو۔

(۱) نفس امارہ کے مقابل پر تدابیر اور جدوجہد سے کام لو۔ (۲) دعاؤں سے کام لو (۳) سست اور کاہل نہ بنو اور تھکو نہیں۔

ہماری جماعت بھی اگر بیج کا بیج ہی رہے گی تو کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ جو ردی رہتے ہیں۔ خدا تعالیٰ اُن کو بڑھاتا نہیں۔ پس تقویٰ، عبادت اور ایمانی حالت میں ترقی کرو۔ اگر کوئی شخص

[۱] الروم : ۴۲ [۲] المائدۃ : ۴ [۳] النصر : ۲

مجھے دجال اور کافر وغیرہ ناموں سے پکارتا ہے تو تم اس بات کی کچھ بھی پروا نہ کرو۔ کیونکہ جب خدا تعالیٰ میرے ساتھ ہے تو مجھے ان کے ایسے بدکلمات اور گالیوں کا کیا ڈر ہے فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کافر کہا تھا۔ ایک زمانہ ایسا آگیا کہ پکار اُٹھا کہ میں اس خدا پر ایمان لایا جس پر موسیٰ اور اس کے متبع ایمان لائے ہیں۔ ایسے لوگ یاد رکھو کہ مخنث اور نامرد ہوتے ہیں۔ یہ تو ایسے ہوتے ہیں کہ جیسے ایک بچہ بعض اوقات اپنی ماں اور باپ کو بھی ناسمجھی کی وجہ سے گالی دے دیتا ہے مگر اس کے اس فعل کو کوئی بُرا نہیں سمجھتا۔

پس یاد رکھو کہ نری بیعت اور ہاتھ پر ہاتھ رکھنا کچھ بھی سود مند نہیں۔ جب کوئی شخص شدت پیاس سے مرنے کے قریب ہو جاوے یا شدت بھوک سے مرنے تک پہنچ جاوے تو کیا اس وقت ایک قطرہ پانی یا ایک دانہ کھانے کا اس کو موت سے بچالے گا؟ ہرگز نہیں جس طرح اس بدن کو بچانے کے واسطے کافی خوراک اور کافی پانی بہم پہنچانے کے سوائے مفر نہیں۔ اسی طرح پُورے جہنم سے تھوڑی سی نیکی سے تم بھی بچ نہیں سکتے۔ پس اس دھوکہ میں نہ رہو کہ ہم نے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا ہے اب ہمیں کیا غم ہے۔ ہدایت بھی ایک موت ہے۔ جو شخص یہ موت اپنے اُوپر وارد کرتا ہے اس کو پھر نئی زندگی دی جاتی ہے اور یہی اصفیاء کا اعتقاد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اسی ابتدائی حالت کے واسطے فرمایا۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ[1] یعنی پہلے اپنے آپ کو درست کرو۔ اپنے امراض کو دُور کرو۔ دوسروں کا فکر مت کرو۔ ہاں رات کو اپنے آپ کو درست کرو۔ اور دن کو دوسروں کو بھی ہدایت کر دیا کرو۔ خدا تعالیٰ تمہیں بخشے اور تمہارے گناہوں سے تمہیں مخلصی دے اور تمہاری کمزوریوں کو تم سے دُور کرے اور اعمال صالحہ اور نیکی میں ترقی کرنے کی توفیق دیوے۔ آمین۔

(الحکم جلد ۸ نمبر ۳۸-۳۹ صفحہ ۶ تا ۸ مورخہ ۱۰/۱۷ نومبر ۱۹۰۴ء)

---

[1] المآئدۃ : ۱۰۶

۲؍نومبر ۱۹۰۴ء

بمقام سیالکوٹ

## نصیحت بعد البیعت

اس بیعت کی اصل غرض یہ ہے کہ خدا تعالےٰ کی محبت میں ذوق وشوق پیدا ہو اور گناہوں سے نفرت پیدا ہو کر اس کی جگہ نیکیاں پیدا ہوں۔ جو شخص اس غرض کو ملحوظ نہیں رکھتا اور بیعت کرنے کے بعد اپنے اندر کوئی تبدیلی کرنے کے لئے مجاہدہ اور کوشش نہیں کرتا جو کوشش کا حق ہے اور پھر اس قدر دعا نہیں کرتا جو دعا کرنے کا حق ہے تو وہ اس اقرار کی جو خدا تعالیٰ کے حضور کیا جاتا ہے سخت بے حرمتی کرتا ہے اور وہ سب سے زیادہ گنہگار اور قابلِ سزا ٹھہرتا ہے۔ پس یہ ہرگز نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ بیعت کا اقرار ہی ہمارے لئے کافی ہے اور ہمیں کوشش نہیں کرنی چاہیئے۔ مثل مشہور ہے جوئندہ یابندہ جو شخص دروازہ کھٹکھٹاتا ہے اس کے لئے کھولا جاتا ہے اور قرآن شریف میں بھی فرمایا گیا ہے وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا[1] یعنی جو لوگ ہماری طرف آتے ہیں اور ہمارے لئے مجاہدہ کرتے ہیں ہم اُن کے واسطے اپنی راہ کھول دیتے ہیں۔ اور صراطِ مستقیم پر چلا دیتے ہیں۔ لیکن جو شخص کوشش ہی نہیں کرتا وہ کس طرح اس راہ کو پا سکتا ہے*۔ خدا یابی اور حقیقی کامیابی اور نجات کا بھی یہی گُر اور اصول ہے۔ انسان کو چاہیئے۔ کہ خدا تعالےٰ کی راہ میں مجاہدہ کرنے سے تھکے نہیں نہ درماندہ ہو اور نہ اس راہ میں کوئی کمزوری ظاہر کرے۔

تم لوگوں نے اس وقت خدا تعالیٰ کے حضور میرے ہاتھ پر اپنے گناہوں سے توبہ کی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ یہ توبہ تمہارے لئے باعثِ برکت ہونے کی بجائے لعنت کا موجب ہو جاوے۔ کیونکہ اگر تم لوگ مجھے شناخت کرکے بھی اور خدا تعالیٰ سے اقرار کرکے بھی

* الحکم جلد ۸ نمبر ۴۱-۴۲ صفحہ ۷ مورخہ ۳۰؍نومبر و ۱۰؍دسمبر ۱۹۰۴ء

[1] العنکبوت : ۷۰

اس عہد کو توڑتے ہو تو پھر تم کو دوہرا عذاب ہے کیونکہ عمداً تم نے معاہدہ کو توڑا ہے۔ دنیا میں جب کوئی شخص کسی سے عہد کر کے اُسے توڑتا ہے تو اس کو کس قدر ذلیل اور شرمندہ ہونا پڑتا ہے۔ وہ سب کی نظروں سے گر جاتا ہے۔ پھر جو شخص خدا تعالیٰ سے عہد اور اقرار کر کے توڑے وہ کس قدر عذاب اور لعنت کا مستحق ہوگا۔

پس جہانتک تم سے ہو سکتا ہے۔ اس اقرار اور عہد کی رعایت کرو۔ اور ہر قسم کے گناہوں سے بچتے رہو۔ پھر اس اقرار پر قائم اور مضبوط رہنے کے واسطے اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرتے رہو وہ یقیناً تمہیں تسلّی اور اطمینان دے گا اور تمہیں ثابت قدم کرے گا کیونکہ جو شخص سچے دل سے خدا تعالیٰ سے مانگتا ہے اُسے دیا جاتا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تم میں سے بعض ایسے بھی ہوں گے جن کو میرے ساتھ تعلق پیدا کرنے کے واسطے قسم قسم کے ابتلا اور مشکلات پیش آئیں گے۔ لیکن میں کیا کروں یہ ابتلا نئے نہیں۔ جب خدا تعالیٰ کسی کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور کوئی اس کی طرف جاتا ہے تو اس کے واسطے ضرور ہے۔ کہ ابتلاؤں میں سے ہو کر گذرے۔ دنیا اور اس کے رشتے عارضی اور فانی ہیں مگر خدا تعالیٰ کے ساتھ تو ہمیشہ کے لئے معاملہ پڑتا ہے پھر اس سے آدمی کیوں بگاڑے؟ دیکھو صحابہؓ کو کچھ تھوڑے ابتلا پیش آئے تھے۔ ان کو اپنا وطن، مال و دولت، اپنے عزیز رشتہ دار، سب چھوڑنے پڑے۔ لیکن انہوں نے خدا تعالیٰ کی راہ میں ان چیزوں کو مری ہوئی مکھی کے برابر بھی نہیں سمجھا۔ خدا تعالیٰ کو اپنے لئے کافی سمجھا۔ پر خدا تعالیٰ نے بھی ان کی کس قدر قدر کی۔ اس سے وہ خسارہ میں نہیں رہے بلکہ دنیا و آخرت میں انہوں نے وہ فائدہ پایا جو اس کے بغیر انہیں مل سکتا ہی نہیں تھا۔ اس لئے اگر کوئی ابتلا آوے تو گھبرانا نہیں چاہیئے۔ ابتلا مومن کے ایمان کو مضبوط کرنے کا ایک ذریعہ ہوتا ہے کیونکہ اس وقت رُوح میں عجز و نیاز اور دل میں ایک سوزش اور جلن پیدا ہوتی ہے جس سے وہ خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس کے آستانہ پر پانی کی طرح گداز ہو کر بہتا ہے۔ ایمان کامل

کا مزا ہم و غم ہی کے دنوں میں آتا ہے۔ اس وقت اپنے اعمال کی اصلاح کی فکر کرو۔ خدا تعالیٰ سے اب تمہارا نیا معاملہ شروع ہوا ہے کیونکہ وہ پچھلے گناہ سچی توبہ کے بعد بخش دیتا ہے اور توبہ سے یہ مراد نہیں کہ انسان زبان سے یہ کہدے اور اعمال میں اس کا اثر ظاہر نہ ہو۔ نہیں۔ توبہ یہی ہے کہ بدیوں اور خدا تعالےٰ کی نافرمانیوں کو قطعاً چھوڑ دے اور نیکیاں کرے اور اللہ تعالےٰ کی فرمانبرداری میں اپنی زندگی بسر کرے۔

اب بے فکر رہنے کے دن نہیں ہیں۔ خدا تعالےٰ کا تازیانہ ہوشیار کر رہا ہے۔ تم کو خوب معلوم ہے کہ طاعون نے اس ملک کو کیسا تباہ کیا ہے اور کس طرح پر فنا کا تصرف جاری ہے۔ اور ثابت ہو رہا ہے کہ دنیا فانی ہے۔ اب بھی اگر انسان اپنے اعمال کو درست نہ کرے تو یہ اس کی کیسی غفلت اور بدنصیبی ہے۔ میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ تم ہرگز ہرگز بے فکر نہ ہو۔ خدا تعالیٰ کے عذاب کا کچھ پتہ نہیں ہوتا کہ وہ کس وقت آجاوے اور وہ غافلوں کو ہلاک کر دیتا ہے جو دُنیا میں مست ہو جاتے ہیں اور خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر بیباک اور شوخی اختیار کرتے ہیں۔ تم جانتے ہو کہ طاعون کے دن آتے ہیں اور معلوم نہیں کہ کون اس کے حملہ سے بچے۔ ہاں اس قدر میں کہتا ہوں کہ خدا تعالےٰ ان لوگوں کو اپنے فضل و کرم سے محفوظ رکھتا ہے جو اپنے اندر سچی تبدیلی کر لیتے ہیں اور کسی قسم کا کھوٹ اور کجی دل میں باقی نہیں رکھتے۔ بسا اوقات جن شہروں میں طاعون پڑی ہے ان کا پیچھا نہیں چھوڑتی جب تک تباہ نہیں کر لیتی اور یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ اس کے دورے بڑے بڑے لمبے ہوتے ہیں۔ مجھ پر خدا تعالیٰ نے ایسا ہی ظاہر کیا ہے اور خدا تعالیٰ کی کتابوں سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ شامت اعمال سے آتی ہے۔ میں اس وقت دیکھتا ہوں کہ دنیا میں غفلت حد سے زیادہ بڑھ گئی ہے۔ شوخی اور بے باکی خدا تعالےٰ کی کتابوں اور باتوں سے بہت ہو گئی ہے۔ دنیا ہی دنیا لوگوں کا مقصود اور معبود ٹھہر گئی ہے۔ اس لئے جیسا کہ پہلے سے کہا گیا تھا اور نبیوں کی معرفت وعدہ دیا گیا تھا۔ میرے اس زمانہ

میں یہ طاعون لوگوں کو متنبہ کرنے کے لئے آئی ہے۔ مگر افسوس ہے کہ لوگ اس کو اب تک بھی ایک معمولی بیماری سمجھتے ہیں۔ مگر میں تمہیں کہتا ہوں کہ تم ان لوگوں کے ساتھ مت ملو بلکہ تم اپنے اعمال اور افعال سے ثابت کرکے دکھا دو کہ واقعی تم نے سچی تبدیلی کر لی ہے۔ تمہاری مجلسوں میں وہی ہنسی اور ٹھٹھا نہ ہو جو دوسرے لوگوں کی مجلسوں اور محفلوں میں پایا جاتا ہے۔ یقیناً سمجھو کہ زمین و آسمان کا خالق ایک خدا ہے۔ وہی خدا ہے جس کے قبضہ قدرت میں زندگی اور موت ہے۔ کوئی شخص دنیا میں کسی قسم کی راحت اور کوئی نعمت حاصل نہیں کر سکتا مگر اسی کے فضل و کرم سے۔ ایک پتہ بھی اس کے فضل کے بغیر ہرا نہیں رہ سکتا۔ اس لئے ہر وقت اسی سے سچا تعلق پیدا کرے اور اس کی رضا جوئی کی راہوں پر مضبوط قدم رکھے۔ اگر وہ اس بات کی پابندی کرے گا تو یقیناً اُسے کوئی غم نہیں ہے۔ ہر قسم کی راحت۔ صحت۔ عمر و دولت یہ سب اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں ہے۔ جب انسان کا وجود ایسا نافع اور سُود مند ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو ضائع نہیں کرتا۔ جیسے باغ میں کوئی درخت عمدہ پھل دینے والا ہو تو اسے باغبان کاٹ نہیں ڈالتا بلکہ اس کی حفاظت کرتا ہے۔ اسی طرح نافع اور مفید وجود کو اللہ تعالیٰ بھی محفوظ رکھتا ہے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے وَ اَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ[1]۔ جو لوگ دنیا کے لئے نفع رساں لوگ بنتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمریں بڑھا دیتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے وعدے ہیں جو سچے ہیں اور کوئی ان کو جھٹلا نہیں سکتا۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سچے اور فرمانبردار بندے ایسی بلاؤں سے محفوظ رہتے ہیں۔ پس اس بات کو کبھی نہیں بھولنا چاہیئے کہ نری بیعت اور اقرار سے کچھ نہیں بنتا۔ بلکہ انسان زیادہ ذمہ دار اور جوابدہ ہو جاتا ہے۔ اصل فائدہ کیلئے ضرورت ہے حقیقی ایمان اور پھر اُس ایمان کے موافق اعمال صالحہ کی۔ جب انسان یہ خوبی اپنے اندر پیدا کرتا ہے تو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ متقی حقیقی مومن اور اس

[1] الرعد : ۱۸

کے غیر میں ایک امتیاز رکھ دیا جاتا ہے۔ اُسے ممتاز کیا جاتا ہے اور اس امتیاز کا نام قرآن شریف کی اصطلاح میں فرقان ہے۔ آخرت میں بھی مومن اسی فرقان سے شناخت کئے جائیں گے۔ اس دنیا میں بھی دیکھا جاتا ہے کہ مومن ہمیشہ ممتاز رہتا ہے اس کے اندر ایک سکینت اور اطمینان بخش رُوح ہوتی ہے۔ اگرچہ مومن کو دُکھ بھی اُٹھانے پڑتے ہیں اور قسم قسم کے مصائب اور شدائد کے اندر سے گذرنا پڑتا ہے خواہ لوگ اس کے کتنے ہی بُرے نام رکھیں اور خواہ اس کے تباہ اور برباد کرنے کے لئے کچھ بھی ارادے کریں لیکن آخر وہ بچا لیا جاتا ہے۔ کیونکہ خدا تعالےٰ اس سے محبت کرتا ہے اور اُسے عزیز رکھتا ہے۔ اس لئے دنیا اس کو ہلاک نہیں کر سکتی۔ مومن اور اس کے غیر میں امتیاز ضرور ہوتا ہے اور یہ میزان خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ خدا تعالےٰ کی آنکھیں خوب دیکھتی ہیں کہ کون بد اور شریر ہے۔ خدا کو کوئی دھوکہ نہیں دے سکتا۔ پس تم دنیا کی پروا نہ کرو۔ بلکہ اپنے اندر کو صاف کرو۔ یہ دھوکا مت کھاؤ کہ ظاہری رسم ہی کافی ہے۔ نہیں۔ امن اس وقت آتا ہے جب انسان سچے طور سے خدا تعالیٰ کے حرم میں داخل ہو۔

پس اب بڑی تبدیلی کا وقت ہے اور خدا تعالیٰ سے سچی صلح کے دن ہیں بعض لوگ اپنی غلط فہمی اور شرارت سے اس سلسلہ کو بدنام کرنے کے لئے یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس سلسلہ میں سے بھی بعض آدمی طاعون سے ہلاک ہوئے ہیں۔ میں نے بارہا اس اعتراض کا جواب دیا ہے کہ یہ سلسلہ منہاج نبوت پر واقع ہوا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کفار پر جو عذاب آیا تھا وہ تلوار کا عذاب تھا۔ حالانکہ وہ اُن کے لئے مخصوص تھا۔ لیکن کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ صحابہؓ میں سے بعض شہید نہیں ہو گئے؟ اسی طرح پر یہ سچ ہے کہ اس سلسلہ میں سے بھی بعض لوگ طاعون سے شہید ہوئے ہیں مگر یہ بھی تو دیکھو کہ طاعون کے ذریعہ سے ہمارا نقصان ہوا ہے یا دوسروں کا؟ ہماری

جماعت کی تو ترقی ہوتی گئی ہے اور ہو رہی ہے اور میں پھر کہتا ہوں کہ جو لوگ نافع الناس ہیں اور ایمان، صدق و وفا میں کامل ہیں وہ یقیناً بچا لئے جاویں گے۔ پس تم اپنے اندر یہ خوبیاں پیدا کرو۔ اپنے رشتہ داروں اور بیوی بچوں کو بھی سمجھاؤ اور یہی تلقین کرو اور دوستوں کے ساتھ یہی شرط دوستی رکھو کہ وہ بدی سے بچیں۔

پھر میں یہ بھی کہتا ہوں کہ سختی نہ کرو اور نرمی سے پیش آؤ۔ جنگ کرنا اس سلسلہ کے خلاف ہے۔ نرمی سے کام لو اور اس سلسلہ کی سچائی کو اپنی پاک باطنی اور نیک چلنی سے ثابت کرو۔ یہ میری نصیحت ہے اس کو یاد رکھو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں استقامت بخشے۔ آمین۔

(الحکم جلد ۸ نمبر ۴۳، ۴۴ صفحہ ۳ و ۴ مورخہ ۲۴ و ۳۰ دسمبر ۱۹۰۴ء)

---

## ۳ نومبر ۱۹۰۴ء

(سیالکوٹ سے واپسی پر بمقام وزیر آباد ریلوے اسٹیشن)

وزیر آباد کے سٹیشن پر وہی ہجوم اور کثرت زائرین تھی جو پہلے تھی۔ حافظ غلام رسول صاحب نے پھر لیمونیڈ اور سوڈا واٹر کی دعوت اپنے بھائیوں کو دی۔

اس مرتبہ اس اسٹیشن پر ایک عجیب بات جو پیش آئی وہ یہ تھی کہ ڈسکہ کا مشنری پادری سکاٹ صاحب حضرت اقدس سے آکر ملا۔ پادری سکاٹ صاحب کے ساتھ ہمارے مکرم بھائی شیخ عبد الحق صاحب نومسلم کے بھی عیسائیت کے ایام میں دوستانہ تعلقات تھے۔ پادری صاحب نے حضرت اقدس کے پاس آکر پہلے سلسلہ کلام شیخ عبد الحق ہی سے شروع کیا کہ آپ نے ہمارا ایک لڑکا لے لیا۔ اس قسم کی باتیں ہو رہی تھیں۔ جبکہ ہم نے پہنچکر اس گفتگو کو قلمبند کرنا شروع کیا۔

**پادری سکاٹ۔** آپ میں اور عیسوی مذہب میں کیا اختلاف ہے؟

**حضرت اقدس۔** موجودہ عیسوی مذہب اور ہم میں تو زمین و آسمان کا فرق ہے۔ البتہ حضرت مسیح

علیہ السلام کی اصل تعلیم اور مذہب اور ہمارے مذہب کے اصولوں میں اختلاف نہیں ہے۔ وہ بھی خدا تعالیٰ کی پرستش کرتے اور اس کی توحید کا وعظ اور تبلیغ کرتے تھے۔ اور دوسرے تمام نبی بھی یہی تعلیم لے کر آئے تھے۔

**پادری سکاٹ۔** آپ لوگوں میں تو بہت سے فرقے موجود ہیں۔

**حضرت اقدس۔** مجھے تعجب ہے کہ آپ اسلام پر یہ اعتراض کرتے ہیں۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ عیسائیوں میں کس قدر فرقے ہیں جو ایک دوسرے کی تکفیر کرتے ہیں اور اصولوں میں بھی متفق نہیں۔ مسلمانوں کے فرقوں میں اگر کوئی اختلاف ہے تو فروعات اور جزئیات میں ہے۔ اصول سب کے ایک ہی ہیں۔

**پادری سکاٹ۔** ان عیسائی فرقوں میں سے آپ کس کو حق پر سمجھتے ہیں؟

**حضرت اقدس۔** میرے نزدیک تو راستباز وہی فرقہ تھا جو حضرت مسیح اور ان کے حواریوں کا تھا۔ اس کے بعد تو اس مذہب کی مرمت شروع ہوگئی اور کچھ ایسی تبدیلی شروع ہوئی کہ حضرت مسیح کے وقت کی عیسویت اور موجودہ عیسویت میں کوئی تعلق ہی نہیں رہا۔

**پادری۔** اس کی خبر آپ کو کہاں سے ملی؟

**حضرت اقدس۔** پیغمبروں کو خدا تعالیٰ ہی سے خبریں ملا کرتی ہیں۔ میں بھی خدا ہی سے خبریں پاتا ہوں اور اسی پر ایمان لاتا ہوں۔

**پادری۔** اس میں شک نہیں کہ پیغمبروں کو خدا سے ہی خبر ملتی ہے۔

اس مقام تک جب پہنچے تو پادری صاحب کی نظر ایڈیٹر الحکم پر پڑی جو اس گفتگو کو قلمبند کر رہا تھا۔ پادری صاحب اُسے دیکھ کر گھبرائے اور بولے کہ یہ کون نوٹ کر رہا ہے۔ جب ان کو یہ کہا گیا کہ یہ الحکم اخبار کا ایڈیٹر ہے جو اس سفر میں حضرت کے ساتھ ہے اور حالاتِ سفر قلمبند کر کے شائع کرے گا تو پادری صاحب بولے میں اب جاتا ہوں یہ تو شائع کر دیں گے۔ انہیں کہا گیا کہ کیا حرج ہے۔ دوسرے لوگوں کو فائدہ پہنچے گا۔ مگر ہم

سچ کہتے ہیں اور اس وقت جو لوگ موجود تھے وہ پادری صاحب کی گھبراہٹ کا اندازہ کرسکتے ہیں۔ ہر چند وہ چاہتے تھے کہ کسی طرح اس سلسلہ کلام کو یہاں چھوڑ دیں مگر حاضرین نے انہیں سلسلہ کلام جاری رکھنے پر اصرار کیا اور کہا کہ اگر آپ کو نہیں تو ہم لوگوں کو فائدہ پہنچ جاوے گا۔ اس اصرار پر انہوں نے سلسلہ کلام جاری رکھا اور پھر بولے تو یہ بولے ۔۔

پادری۔ تمہارے بہت سے چیلے ہیں یہ حملہ نہ کردیں۔

حضرت اقدس۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ آپ خواہ مخواہ ایک قوم پر جس کو نیک چلنی، انکسار اور تواضع کی تعلیم دی جاتی ہے حملہ کرتے ہیں۔ ایسی حالت میں کہ میں ان میں موجود ہوں۔ اور آپ دیکھتے ہیں کہ کوئی ان میں سے بولتا بھی نہیں آپ یہ امید کرسکتے ہیں۔ آپ جس طرح چاہیں جو چاہیں مجھ سے پوچھیں ان میں سے کوئی تمہیں مخاطب بھی نہیں کرے گا۔ ان کو یہ تعلیم نہیں دی جاتی۔

علاوہ ازیں چیلے کا لفظ ٹھیک نہیں ہے گو اس لفظ کے معنے اور مفہوم بُرا نہ ہو۔ لیکن ہر ایک قوم کو اسی لفظ اور نام سے پکارنا چاہیئے جو وہ اپنے لئے پسند کرتی ہے۔ یہ لفظ چیلے کا ہندوؤں کے ساتھ مختص ہے۔

پادری۔ میں نے سُنا ہے سیالکوٹ میں بڑی رونق تھی۔

حضرت اقدس۔ ہاں بہت بڑا مجمع تھا۔

پادری۔ آپ لوگوں کو صرف ہدایت دیتے ہیں یا فضل بھی؟

حضرت اقدس۔ میری ہدایت کچھ چیز نہیں جب تک اس کے ساتھ فضل نہ ہو۔ کوئی آدمی کبھی ہدایت نہیں پا سکتا جب تک آسمانی فضل بھی اس کی دستگیری نہیں کرتا ہے وہ میری شناخت اُسے عطا کرتا ہے تب وہ میرے پاس آتا ہے اور وہ ہدایت اور معرفت لیتا ہے جو مجھے خدا تعالےٰ نے دی ہے اور پھر اپنے فضل سے دی ہے۔

پادری۔ میں اس فضل کا ذکر نہیں کرتا جو آپ کو ملتا ہے بلکہ میں اس فضل کا ذکر کرتا ہوں جو ان کو ملتا ہے

حضرت اقدس علیہ السلام ۔ میں بھی تو اس فضل کا ذکر کرتا ہوں جو اُن کو ملتا ہے ۔ان کو پہلے تو وہ فضل ہی ہے جو میرے پاس لاتا ہے ۔ پھر جو فضل مجھے دیا جاتا ہے وہی فضل میری صحبت اور تعلق کی وجہ سے ان میں سرایت کرتا ہے ۔جس قدر اعتقاد بڑھے گا اسی قدر یہ لوگ اور ہر ایک مخلص ارادتمند اس فضل کو جذب کرے گا۔ ان لوگوں کا تعلق میرے ساتھ درخت کی شاخوں کی طرح ہے ۔جس جس قدر وہ شاخیں قریب ہیں اور اپنی سبزی اور زندگی میں تروتازہ ہیں اسی قدر زیادہ وہ اس غذا کو جو جڑ کے ذریعہ درخت حاصل کرتا ہے یہ جذب کرتی ہیں۔ اگر کوئی شاخ خشک ہو تو ہر چند وہ درخت کے ساتھ تعلق بھی رکھتی ہو لیکن اس غذا سے کوئی حصہ نہیں پا سکتی ۔ اسی طرح پر شاگرد اور مرید شاخوں کی طرح ہی ہوتے ہیں جس قدر کوئی تعلق ، محبت اور حُسنِ ایمان رکھتا ہے اور جس قدر زیادہ صحبت میں رہتا ہے اسی کے موافق وہ حصہ پاتے ہیں ۔ اوّل فضل خود اس درخت میں بھی ہونا چاہیئے ۔ اگر اس میں ہی کوئی قوت اور رُوح معرفت کی نہ ہوگی تو وہ دوسروں کو کیا پہنچا سکے گا ؟

پادری ۔ کس درخت کی شاخ ؟

حضرت اقدس علیہ السلام ۔ وہ درخت جس کو خدا لگاتا ہے جو خدا تعالےٰ کی طرف سے آتا ہے ۔ جیسے میں خدا کی طرف سے آیا ہوں اور خدا نے مجھے اپنے ہاتھ سے لگایا ہے ۔

پادری ۔ میں آپ کے دعویٰ کا اصل مطلب نہیں سمجھا ۔ کیا آپ مسیح کہلاتے ہیں ؟

حضرت اقدس علیہ السلام ۔ تعجب ہے ۔میرا دعویٰ تو عرصہ سے شائع ہو رہا ہے اور ولایت اور امریکہ تک لوگوں کو معلوم ہو گیا ہے ۔ آپ کہتے ہیں میں مطلب نہیں سمجھا ۔ ہاں میں مسیح کہلاتا ہوں اور خدا تعالیٰ نے مجھے مسیح کہا اور مسیح کر کے بھیجا ۔

پادری ۔ وہ تو ایک ہی مسیح ہے ۔

حضرت اقدس علیہ السلام ۔ اللہ تعالیٰ کی ذات میں بخل نہیں ہے وہ ہزاروں ہزار مسیح بنا سکتا ہے

## چنانچہ میں ایک نمونہ موجود ہوں جو زندہ مسیح ہے۔

پادری۔ انیس سو برس پیشتر آپ سے ایک مسیح دنیا میں آیا تھا اور وہی مسیح مشہور ہے جس کی طرف یہودیوں کے عہدنامے میں اشارہ ہے کہ مسیح آئے گا اور وہ اس کے منتظر تھے۔ اس کے سوا تو کوئی اور مسیح نہیں۔

حضرت اقدس علیہ السلام۔ ہاں۔ انیس سو برس پیشتر ایک مسیح آیا تھا۔ مگر جس مسیح کا آپ ذکر کرتے ہیں یا جس کو مانتے ہیں اس کا ذکر یہودیوں کے عہدنامے میں کہیں نہیں ہے۔ کیونکہ وہ کسی خدا مسیح کے منتظر نہ تھے بلکہ ایک نبی کے منتظر تھے۔ اگر وہ کسی خدا یا خدا کے بیٹے کے منتظر ہوتے تو وہ اس کو مان لیتے۔

علاوہ بریں یہودیوں کے عہدنامہ میں جس مسیح کا ذکر ہے وہ نشان دو مسیحوں کی طرف جاتا ہے۔ ایک وہ جو مجھ سے پہلے آیا دوسرا میں ہوں جو ساتویں ہزار میں آنے والا تھا۔ مسیح کی آمد ثانی کے تم لوگ بھی قائل ہو لیکن دوسری آمد کو تم نے اسی کی آمد سمجھ لیا ہے حالانکہ اس سے مراد کسی اور کا آنا تھا یعنی میرا آنا مراد تھا۔ دانیال نبی کی کتاب میں بھی بڑی وضاحت کے ساتھ اس امر کو بیان کیا ہے۔ یہ ساتواں ہزار ہے جو آپ کے دعویٰ کو باطل کرتا ہے کہ وہی آنے والا تھا۔ اس نے میری تصدیق کی چنانچہ بڑے عیسائی فاضلوں نے مسیح کے آنے کا یہی زمانہ قرار دیا ہے اور آخر مایوس ہو کر امریکہ وغیرہ میں ایسے رسائل بھی شائع ہو گئے کہ دوبارہ آنے کا خیال غلط ہے۔ آمد ثانی سے مراد صرف کلیسیا ہی ہے۔ اگر یہ وقت آنے کا نہ تھا تو ان لوگوں کو کیا مصیبت پیش آئی تھی کہ وہ ایسی تاویلیں کرتے یا انکار کرتے حقیقت میں آنے کا زمانہ یہی تھا۔ اور آنے والا آگیا مگر تھوڑے ہیں جو اسے دیکھتے ہیں۔ اب آپ خواہ قبول کریں یا نہ کریں اور کوئی مسیح تو آنے والا نہیں جس کا آپ کو انتظار ہے وہ مر چکا اور میں خدا تعالیٰ کے وعدہ کے موافق آگیا۔

پادری۔ جو دھوکہ یہودیوں کو تھا وہی آپ کو ہے کہ ایک مسیح دُکھ اُٹھائے گا۔ دوسرا بزرگی پائے گا۔

حضرت اقدس علیہ السلام۔ دراصل یہودیوں والا دھوکہ تو آپ کو لگا ہوا ہے کہ اگر آپ حضرت مسیح کے اپنے فیصلہ کو یاد رکھتے تو ٹھوکر نہ کھاتے۔ یہودیوں کو جو دھوکا لگا تھا۔ وہ یہی تو تھا کہ مسیح کے آنے سے پہلے ایلیا ہی کا آنا مانتے تھے اور اقرار کرتے تھے کہ وہی ایلیا آئے گا حالانکہ مسیح نے اس کا فیصلہ یہ کیا کہ آنے والا ایلیا یُوحنا کے رنگ میں آیا ہے چاہو تو قبول کرو۔ اب اگر دوبارہ آنا صحیح ہوتا تو پھر ایلیا ہی کو آنا چاہیئے تھا۔ اسی طرح مسیح کی آمد ثانی ہے اس سے مراد وہ آپ ہی کیونکر ہو سکتے ہیں۔ اسی واسطے میں کہتا ہوں کہ آپ کو یہودیوں والا دھوکہ لگا ہے ورنہ میں تو وہی مسیح ہوں جو آنے والا تھا اور میرا وہی فیصلہ ہے جو ایلیا کے حق میں مسیح نے کیا۔

پادری۔ وہ ایلیا تو آچکا۔

حضرت اقدس علیہ السلام۔ میں بھی تو یہی کہتا ہوں کہ آچکا مگر تم یہ بتاؤ کہ کیا یوحنّا کو ایلیا نہیں بنایا گیا۔ اب میرے معاملہ میں آپ کیوں ٹھوکر کھاتے ہیں اور مسیح کے فیصلہ کو حجت نہیں مانتے۔

پادری۔ آپ معاف کریں۔ میں جاتا ہوں۔

حضرت اقدس علیہ السلام۔ اچھا

اس کے بعد پادری صاحب تشریف لے گئے۔

(الحکم جلد ۸ نمبر ۴۳ و ۴۴ صفحہ ۵ و ۶ مورخہ ۱۷/۲۴ دسمبر ۱۹۰۴ء)

**۵ نومبر ۱۹۰۴ء**

بمقام قادیان۔ بعد نماز مغرب

طاعون کے ذکر پر فرمایا کہ

کسوف اور خسوف کے ساتھ ہی قرآن شریف میں این المفر آیا ہے۔ جس سے یہی مراد ہے کہ طاعون اس کثرت سے ہوگی کہ کوئی جگہ پناہ کی نہ رہے گی۔ میرے الہام میں عفتِ الدیار محلھا و مقامھا کے یہی معنے ہیں۔

---

## حضرت مسیح علیہ السلام کا وجود باعث ابتلا

حضرت مسیح علیہ السلام کے وجود کی نسبت فرمایا کہ

ان کا وجود دنیا کے لئے ابتلا ہی ثابت ہوا ہے یعنی ابتلا اور حضرت مسیح علیہ السلام کے وجود کا گہرا تعلق ہے کیونکہ جو منکر ہوئے وہ بھی دوزخی بنے اور جو ان پر ایماندار ہیں وہ بھی دوزخ کے کنارے ہیں۔ جیسے کہ عیسائیوں کے عقائد اور عملی حالت سے واضح ہے پھر مسلمان بھی ان پر ایمان رکھتے تھے وہ بھی غلو کر کے اور آسمان پر بٹھا کر مغضوب ہوئے۔ پس صرف مسیح کا وجود ہی اس قسم کا ہے کہ جس کا دوست بھی جہنم میں اور دشمن بھی جہنم میں۔ اس قسم کا ابتلا کسی اور نبی کے وجود کے ساتھ نہیں ہے۔

---

**۱۱ نومبر ۱۹۰۴ء**

ایک شخص کی طرف سے رقعہ پیش کیا گیا کہ یہ مولوی صاحب ہیں اور ان کا لڑکا فوت ہوگیا ہے۔ ان کو ہستی باری تعالیٰ پر شبہات پیدا ہو گئے ہیں۔ یہ اپنی اصلاح کی تدبیر دریافت کرتے ہیں۔ فرمایا۔

ان کی بے قراری کو اللہ تعالیٰ دُور کرے۔ دیکھو اگر کسی شخص کے سامنے دو بچے

ہوں۔ایک تو کسی اجنبی کا ہو اور دوسرا اس کا اپنا پیارا۔ تو کیا وہ اس اجنبی بچہ کی خاطر اپنے بچہ سے محبت چھوڑ دے گا۔نہیں۔بلکہ ہرگز نہیں۔پس جب انسان مسلمان کہلاتا ہے جس کے معنے ہیں بالکل خدا کا ہو جانا اور کسی حالت میں اس سے بیوفائی نہ کرنا۔پھر اولاد کے حق میں خدا تعالےٰ نے فرمایا ہے انّما اموالکم و اولادکم فتنۃ[1] ۔ فاحذروھم*[2] ۔ کہ مال اور اولاد تمہاری دشمن ہیں۔ان سے ڈرتے رہو کیونکہ اگر زندہ رہے تو ممکن ہے کہ نافرمان ہو۔مرتد ہو جاوے۔ بدکار ہو۔چور یا ڈاکو بن جاوے۔مرجاوے تو پھر ویسے ابتلا آجاتا ہے۔پس ہر حالت میں موجب فتنہ اور ابتلا ہوتی ہے مگر جب مومن کو خدا تعالیٰ سے تعلق ہوتا ہے تو وہ خوش ہوتا ہے کہ اگر یہ بچہ مرگیا ہے تو کیا ہوا۔اللہ تعالیٰ نے جو حکم دیا ہے ما ننسخ من اٰیۃ او ننسھا نأت بخیر منھا او مثلھا۔[3]

دیکھو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ۱۱ بچے فوت ہوئے۔ایمان تو وہ ہوتا ہے۔جس میں لغزش نہ ہو اور ایسے ایمان والا خدا تعالےٰ کو بہت محبوب ہوتا ہے۔ہاں اگر بچہ خدا سے زیادہ محبوب ہے تو میں نہیں سمجھ سکتا کہ ایسا شخص خدا تعالےٰ پر ایمان کا دعویٰ کر سکے۔اور وہ کیوں ایسا دعویٰ کرتا ہے۔ہم نہیں جان سکتے کہ ہماری اولادیں کیسی ہوں گی صالح ہوں گی یا بدمعاش۔اور نہ اُن کے ہم پر کوئی احسان ہیں اور خدا تعالیٰ کے تو ہم پر لاکھوں لاکھ احسان ہیں۔پس سخت ظالم ہے وہ شخص کہ اس خدا سے تعلق توڑ کر اولاد کی طرف تعلق لگاتا ہے۔ ہاں خدا تعالےٰ کے حقوق کے ساتھ مخلوق کے حقوق کا بھی خیال رکھو۔اگر خدا تعالیٰ پر تمہارا کامل ایمان ہو تو پھر تو تمہارا یہ مذہب ہونا چاہیئے کہ ؎

ہرچہ از دوست میرسد نیکوست

* ڈائری نویس نے غلطی سے فاحذروھم کا لفظ اس آیت کے ساتھ لکھ دیا ہے۔دراصل یہ لفظ اس سے پہلی آیت میں ہے جو یہ ہے۔ اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ وَ اَوْلَادِکُمْ عَدُوًّا لَّکُمْ فَاحْذَرُوْھُمْ (تغابن آیت ۱۵) (خاکسار مرتب)

[1] التغابن: ۱۶ [2] التغابن: ۱۵ [3] البقرۃ ۱۰۷

اور اس ایمان والے کے شیطان قریب بھی نہیں آتا۔ وہ بھی تو وہاں ہی آجاتا ہے جہاں اُس کو تھوڑی سی گنجائش مل جاتی ہے۔ جب خدا تعالیٰ کو مقدم رکھا جائے تو برکات کا نزول ہوتا ہے۔ ہر کسی دوست سے اگر تم ادنیٰ باتوں میں بدعہدی اور جھوٹ اور عہد شکنی سے کام لو تو وہ تمہیں کبھی عزیز نہیں رکھے گا۔ پھر وہ تو رب العالمین اور احکم الحاکمین اور رب العزت ہے
ولنبلونّکم بشیءٍ من الخوف والجوع ونقصٍ من الاموال والانفس والثمرات[1]
یعنی ثمرات سے مراد اولاد ہے اور یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ابتلا ہوتے ہیں اور یہی انسان کا امتحان ہوتا ہے۔ ہاں یہ باتیں اور کامل ایمان حاصل ہوتا ہے توبہ استغفار سے۔ اس کی کثرت کرو اور رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ[2] پڑھا کرو اور اس کی کثرت کرو۔ خدا تعالیٰ نعم البدل عطا کرے گا۔ خدا تعالیٰ کا دامن نہ چھوڑنے والا گنہگار ہو کر بھی بخشا جاتا ہے۔ ہاں تعلق توڑنا بُری بات ہے اور یہ زہر قاتل ہے۔ پس توبہ استغفار کرو۔ اور نمازوں میں دعائیں کرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ تمہارا پروردگار ہو۔ والسلام

(الحکم جلد ۸ نمبر ۳۸ و ۳۹ مورخہ ۱۰ و ۱۷ نومبر ۱۹۰۴ء)

نیز از البدر جلد ۳ نمبر ۴۴ و ۴۵ مورخہ ۲۴ نومبر و یکم دسمبر ۱۹۰۴ء)

---

بلا تاریخ

ذیابیطس کی مرض کا ذکر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ

اس سے مجھے سخت تکلیف تھی۔ ڈاکٹروں نے اس میں شیرینی کو سخت مضر بتلایا ہے آج میں اس پر غور کر رہا تھا تو خیال آیا کہ بازار میں جو شکر وغیرہ ہوتی ہے اسے تو اکثر فاسق فاجر لوگ بناتے ہیں اگر اس سے ضرر ہوتا ہے تو تعجب کی بات نہیں۔ مگر عسل (شہد) تو خدا تعالیٰ کی وحی سے تیار ہوا ہے۔ اس لئے اس کی خاصیت دوسری شیرینیوں کی سی ہرگز نہ ہوگی۔ اگر یہ ان کی طرح ہوتا تو پھر سب شیرینی کی نسبت شفاءٌ للناس[3] فرمایا جاتا۔

[1] البقرة: ۱۵۶ [2] الاعراف: ۲۴ [3] النحل

مگر اس میں صرف عسل ہی کو خاص کیا ہے۔ پس یہ خصوصیت اس کے نفع پر دلیل ہے اور چونکہ اس کی تیاری بذریعہ وحی کے ہے اس لئے مکھی جو پھولوں سے رس چوستی ہوگی تو ضرور مفید اجزا کو ہی لیتی ہوگی۔ اس خیال سے میں نے تھوڑے سے شہد میں کیوڑا ملا کر اُسے پیا تو تھوڑی دیر کے بعد مجھے بہت فائدہ حاصل ہوا حتیٰ کہ میں نے چلنے پھرنے کے قابل اپنے آپ کو پایا اور پھر گھر کے آدمیوں کو لے کر باغ تک چلا گیا اور وہاں دس رکعت اشراق نماز کی ادا کیں۔

---

خدا تعالیٰ کی ان صفات ربّ، رحمٰن، رحیم، مالک یوم الدین پر توجہ کی جاوے۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ کیسا عجیب خدا ہے۔ پھر جس کا ربّ ایسا ہو کیا وہ کبھی نامراد اور محروم رہ سکتا ہے؟ ربّ کے لفظ سے یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ دوسرے عالم میں بھی ربوبیّت کام کرتی رہے گی۔

جہاں اسباب غیر موثر ہوں وہاں دعا سے کام لے۔

(البدر جلد ۳ نمبر ۴۴، ۴۵ صفحہ ۳ مورخہ ۲۴ نومبر و یکم دسمبر ۱۹۰۴ء)

---

۲۴ نومبر ۱۹۰۴ء

بوقت ظہر۔

## رؤیا

حضرت اقدس علیہ السلام نے ذیل کی رؤیا سُنائی۔

میں نے ایک سفید تہہ بند باندھا ہوا ہے مگر وہ بالکل سفید نہیں ہے۔ کچھ کچھ مَیلا ہے کہ اس اثنا میں مولوی صاحب نماز پڑھانے لگے ہیں اور انہوں نے سورہ الحمد جہر سے پڑھی ہے اور اس کے بعد انہوں نے یہ پڑھا۔

اَلْفَارِقُ وَمَا اَدْرٰکَ مَا الْفَارِق

اس وقت مجھے یہی معلوم ہوا کہ قرآن شریف میں سے ہی ہے۔ اور ایک اور الہام ہوا۔

**روزِ نقصاں بر تو نہ آید**

حضرت حکیم نورالدین صاحب اور مولوی عبدالکریم صاحب نے عرض کی۔ بعض آریوں نے بہت ہی گندے کلمات قرآن شریف اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شان میں لکھے ہیں۔ فرمایا کہ

ہانڈی میں جب اُبال آتا ہے تو پھر بہت جلدی بیٹھ جایا کرتا ہے۔ یہی حالت ان لوگوں کی ہے۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ اسلام جیسا مذہب جس خدا نے پیش کیا ہے اُس کے مقابل پر اور بھی کوئی خدا مانا جا سکتا ہے۔ **اسلام کا خدا کل کمالات کا مالک ہے۔** اور جبکہ رُوح اور اس کے خواص سب خود بخود ہیں تو پھر وہ خدا کو کہہ سکتی ہے کہ تیرا مجھ پر کیا حق ہے جو تو مجھ کو کسی قسم کی سزا دے سکے۔ خدا شناسی میں ان لوگوں کی حالت دہریوں سے ملتی ہے اور نیوگ میں تو کنجروں کو مات کر دیا ہے۔

انہوں نے ہر ایک بات پر اعتراض کا ٹھیکہ لے لیا ہے حالانکہ ایک عارف آدمی اس بات کا ہرگز قائل نہ ہوگا کہ کُل اسرار الُوہیت کو کوئی سمجھ سکے مثلاً اس قدر جو مخلوقات موجود ہے اور قسم قسم کے پتھر، بُوٹیاں اور اشیاء ہیں کیا کوئی دعویٰ کر سکتا ہے کہ میں نے ہر ایک کے خواص پر احاطہ کر لیا ہے اور جو کچھ میں نے معلوم کیا ہے اس سے بڑھ کر اب اور کوئی حکمت الٰہی اس میں ہرگز نہیں۔ اس لئے حق کے طالب کو چاہیئے کہ وہ بات جس سے ایمان وابستہ ہوتا ہے اختیار کرے اور اُسے سمجھے اور دوسری باتوں کے لئے اپنے نقصِ عقل کو تسلیم کرے جُوں جُوں خدا تعالےٰ بصیرت دے گا تُوں تُوں اس کا علم بڑھے گا۔ یہ نادانی ہے کہ انسان کے جسم کے اندر جس قدر قویٰ ہیں ان کی حکمت اور خواص پر تو نظر نہ کی جاوے اور بالوں کے ٹیڑھے ہونے یا اور اس قسم کی باتوں پر اعتراض کیا جاوے۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۴۸۔۴۷ صفحہ ۲ مورخہ ۲۴ نومبر و یکم دسمبر ۱۹۰۳ء)

**۲۹ نومبر ۱۹۰۲ء**

افریقہ سے ڈاکٹر محمد علی خاں صاحب نے استفسار کیا کہ اگر ایک احمدی بھائی نماز پڑھ رہا ہو اور باہر سے اس کا افسر آجاوے اور دروازہ کو ہلا ہلا کر اور ٹھونک ٹھونک کر پکارے اور دفتر یا دوائی خانہ کی چابی مانگے تو ایسے وقت میں اسے کیا کرنا چاہیئے۔ اسی وجہ سے ایک شخص نوکری سے محروم ہو کر ہندوستان واپس چلا گیا ہے۔

**جواب۔** حضرت اقدس نے فرمایا کہ

ایسی صورت میں ضروری تھا کہ وہ دروازہ کھول کر چابی افسر کو دے دیتا (یہ ہسپتال کا واقعہ ہے اس لئے فرمایا[1]) کیونکہ اگر اس کے التوا سے کسی آدمی کی جان چلی جاوے تو یہ سخت معصیت ہوگی۔ احادیث میں آیا ہے کہ نماز میں چل کر دروازہ کھول دیا جاوے تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ ایسے ہی اگر لڑکے کو کسی خطرہ کا اندیشہ ہو یا کسی موذی جانور سے جو نظر پڑتا ہو ضرر پہنچتا ہو تو لڑکے کو بچانا اور جانور کو مار دینا اس حال میں کہ نماز پڑھ رہا ہے گناہ نہیں ہے اور نماز فاسد نہیں ہوتی۔ بلکہ بعضوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ گھوڑا کھل گیا ہو تو اُسے باندھ دینا بھی مفسد نماز نہیں ہے۔ کیونکہ وقت کے اندر نماز تو پھر بھی پڑھ سکتا ہے۔

**نوٹ[2]**۔ یاد رکھنا چاہئے کہ اشد ضرورتوں کے لئے نازک مواقع پر یہ حکم ہے۔ یہ نہیں کہ ہر ایک قسم کی رفع حاجت کو مقدم رکھ کر نماز کی پروا نہ کی جاوے اور اسے بازیچۂ طفلاں بنا دیا جاوے ورنہ نماز میں اشغال کی سخت ممانعت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر ایک دل اور نیت کو بخوبی جانتا ہے۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۴۴، ۴۵ صفحہ ۴ مورخہ ۲۴ نومبر و یکم دسمبر ۱۹۰۳ء)

---

[1] یہ نوٹ ڈائری نویس کا ہے۔ (مرتب)

[2] یہ نوٹ ایڈیٹر صاحب کا معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب (مرتب)

**۱۹ دسمبر ۱۹۰۴ء**

**بوقت ظہر**

حضرت اقدس بوقت ظہر تشریف لائے اور مولانا حکیم نورالدین صاحب کی علالت طبع کا حال خود ان سے دریافت کیا۔ غذا کے انتظام کے لئے تاکید فرمائی۔ حضرت مولوی صاحب نے عرض کی کہ ہر چند کوشش کی جاتی ہے مگر قدرت کی طرف سے کچھ ایسے اسباب پیدا ہو جاتے ہیں کہ جس سے انتظام قائم نہیں رہتا۔ شاید ارادہ الٰہی ابھی اس امر کا خواہاں نہیں ہے کہ آرام ہو۔

اس اثنا میں ایک صاحب جن کو حکیم صاحب موصوف سے نہایت محبت اور اخلاص اور نیازمندی کا تعلق ہے بول اُٹھے کہ آخر تدابیر کرنی چاہیئے۔ قرآن شریف میں آیا ہے فالمدبرات امرًا۔[1] اس پر حکیم صاحب نے ایک لطیف عارفانہ جواب یہ دیا کہ یہاں صیغہ مونث کا استعمال ہوا ہے فالمدبرون امرًا نہیں ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ اس کا بڑا تعلق اناث سے ہے (اور اُن میں ضرور نقص ہوتا ہے) بہرحال یہ ایک عجیب نکتہ ہے۔ اس بحث کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی دلچسپی سے سُنا اور پھر خوراک کا انتظام ایک خاص صاحب کے سپرد فرما کر زبان مبارک سے ارشاد فرمایا کہ

یہ سب لوگ سُنتے ہیں اور گواہ ہیں کہ ہم نے اب تم کو ذمہ دار بنا دیا ہے۔ اب اس کا ثواب یا عذاب تمہاری گردن پر ہے۔

(البدر جلد ۴ نمبر ۱ صفحہ ۲ مورخہ یکم جنوری ۱۹۰۵ء)

**۲۰ دسمبر ۱۹۰۴ء**

**بوقت ظہر**

ظہر کے وقت حضرت اقدس علیہ السلام تشریف لائے۔ مقدمہ کے ذکر پر فرمایا کہ

[1] النّٰزعٰت: ۶

خواہ کچھ ہی ہو ہم تو سب کچھ اللہ تعالےٰ کی طرف سے سمجھتے ہیں اور اس پر راضی ہیں

ے ہرچہ از دوست میرسد نیکوست

لیکن ہمارا ایمان جیسے خدا تعالیٰ کے ملائکہ اور کتب اور رُسل پر ہے ایسے ہی اس بات پر بھی ہے کہ انجام کار ہم ہی کامیاب ہوں گے اگرچہ ایک دنیا ہماری مخالف کیوں نہ ہو۔

آج کل کے عقلمندوں کے نزدیک تو کسی کو اپنا دشمن بنانا غلطی ہے۔ لیکن سچ پوچھو تو یہ بھی حقانیت کی ایک دلیل ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کسی ایک سے بھی نہ رکھی۔ سب سے بگاڑ لی۔ ان لوگوں کے نزدیک تو نعوذ باللہ آپ نے غلطی کی حالانکہ محض خدا تعالےٰ کے لئے سب سے بگاڑ لینا آپ کی صداقت کا بیّن ثبوت ہے کہ جس سے آپ کی قوت ایمانی کا حال معلوم ہوتا ہے۔ ایک طرف مسیح کو دیکھو کہ اس کی تعلیم سے جو کہ انجیلوں میں پائی جاتی ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مشرب کسی کو ناراض کرنے کا ہرگز نہیں تھا۔ یہودیوں کو سُنایا گیا کہ میں توریت کا ایک شوشہ تک زیر و زبر کرنے نہیں آیا۔ اس فقرہ سے ظاہر ہے کہ اُن کی خوشامد مدِّنظر تھی برخلاف اس کے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کو دیکھا جاوے تو کوئی بھی فرقہ اور مذہب رُوئے زمین پر ایسا نظر نہ آوے گا جس کو آپ نے دعوت نہ کی ہو اور جس کی غلطی نہ نکالی ہو (اور پھر ہر ایک کے مقابلہ پر اپنے مظفر و منصور ہونے کا دعویٰ بھی کیا) بھلا بتلاؤ۔ کہ جب تک خدا تعالےٰ پر پورا بھروسہ اور یقین نہ ہو کب کوئی اس طرح سے کر سکتا ہے۔

خیر بات یہ ہے کہ درمیان میں کیا کیا مکروہات ہوں ہمیں اس کا علم نہیں مگر انجام بہرحال نیک ہے۔ الہاموں کی ترتیب میں مَیں یہ امر مدِّنظر رکھتا ہوں کہ مکروہات کا مرتبہ اول رکھا جاتا ہے اور یہ سُنّت اللہ بھی ہے کیونکہ خوشحالی اور کامیابی بعد کو ہوا کرتی ہیں۔ اس لئے اُن کے الہامات کی ترتیب بھی بعد کو ہی ہوتی ہے۔

---

کچھ دنوں کا عرصہ گذرا کہ ایک صاحب بہت تھوڑی دیر کے لئے قادیان آئے۔ اور

جلدی رخصت ہونے لگے۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ
کچھ دن میرے پاس رہو اور عاقبت کا ذخیرہ تیار کرو دنیا کے کام تو کبھی ختم ہونے میں نہیں آتے ؎

خیرے کن اے فلاں و غنیمت شمار عمر
زاں پیشتر کہ بانگ بر آید فلاں نماند

(البدر جلد ۴ نمبر ۱ صفحہ ۳ مورخہ یکم جنوری ۱۹۰۵ء)

---

۲۹ دسمبر ۱۹۰۴ء

# تقریر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

جو کہ آپ نے ۲۹ دسمبر ۱۹۰۴ء کو سالانہ جلسہ کی تقریب پر بعد
نماز ظہر مسجد اقصیٰ میں فرمائی

## خاتمہ بالخیر ہو

میری طرف سے اپنی جماعت کو بار بار وہی نصیحت ہے جو میں پہلے بھی کئی دفعہ کر چکا ہوں کہ عمر چونکہ تھوڑی[1] اور عظیم الشان کام درپیش ہے اس لئے کوشش کرنی چاہیئے کہ خاتمہ بالخیر ہو جاوے۔

## تقسیم عمر

خاتمہ بالخیر ایسا امر ہے کہ اس کی راہ میں بہت سے کانٹے ہیں۔ جب انسان دنیا

---

[1] البدر سے:۔ " انسان کی عمر ناپائیدار ہے اس کا کچھ بھروسہ نہیں ہے "
(البدر جلد ۴ نمبر ۱ صفحہ ۱۰ مورخہ یکم جنوری ۱۹۰۵ء)

میں آتا ہے تو کچھ زمانہ اس کا بے ہوشی میں گذر جاتا ہے۔ یہ بے ہوشی کا زمانہ وہ ہے جبکہ وہ بچہ ہوتا ہے اور اس کو دنیا اور اس کے حالات سے کوئی خبر نہیں ہوتی۔ اس کے بعد جب ہوش سنبھالتا ہے تو ایک ایسا زمانہ آتا ہے کہ وہ بے ہوشی تو نہیں ہوتی۔ جو بچپن میں تھی لیکن جوانی کی ایک مستی ہوتی ہے جو اس ہوش کے دنوں میں بھی بے ہوشی پیدا کر دیتی ہے اور کچھ ایسا از خود رفتہ ہو جاتا ہے کہ نفس امارہ غالب آ جاتا ہے۔ اس کے بعد پھر تیسرا زمانہ آتا ہے[1] کہ علم کے بعد پھر لاعلمی آ جاتی ہے اور حواس میں اور دوسرے قویٰ میں فتور آنے لگتا ہے۔ یہ پیرانہ سالی کا زمانہ ہے۔ بہت سے لوگ اس زمانہ میں بالکل حواس باختہ ہو جاتے ہیں اور قویٰ بیکار ہو جاتے ہیں۔ اکثر لوگوں میں جنون کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے۔ ایسے بہت سے خاندان ہیں کہ ان میں ۶۰ یا ۷۰ سال کے بعد انسان کے حواس میں فتور آ جاتا ہے۔ غرض اگر ایسا نہ بھی ہو تو بھی قویٰ کی کمزوری اور طاقتوں کے ضائع ہو جانے سے انسان ہوش میں بے ہوش ہوتا ہے[2] اور ضعف و تکاہل اپنا اثر کرنے لگتا ہے۔ انسان کی عمر کی تقسیم انہیں تین زمانوں پر ہے اور یہ تینوں ہی خطرات اور مشکلات میں ہیں۔ پس اندازہ کرو کہ خاتمہ بالخیر کے لئے کس قدر مشکل مرحلہ ہے۔

بچپن کا زمانہ تو ایک مجبوری کا زمانہ ہے۔ اس میں سوائے لہو، لعب اور کھیل کود اور چھوٹی چھوٹی خواہشوں کے اور کوئی خواہش ہی نہیں ہوتی۔ ساری خواہشوں کا منتہا کھانا پینا ہی ہوتا ہے۔ دنیا اور اس کے حالات سے محض ناواقف ہوتا ہے۔ امور آخرت

---

[1] البدر سے :- "پس دو زمانے تو اس طرح مارے جاتے ہیں۔ پھر تیسرا زمانہ آتا ہے جو کہ پیرانہ سالی کا زمانہ ہوتا ہے" (البدر جلد ۴ نمبر۱ صفحہ ۱۰ مورخہ یکم جنوری ۱۹۰۵ء)

[2] البدر سے :- "اور بچپن کے سے خواص اُن میں پائے جاتے ہیں۔" (البدر حوالہ مذکور)

سے بکلی ناآشنا اور لاپروا ہوتا ہے۔ عظیم الشان امور کی اسے کوئی خبر ہی نہیں ہوتی۔ وہ نہیں جانتا کہ دنیا میں اس کے آنے کی کیا غرض اور مقصد ہے۔ یہ زمانہ تو یوں گذر گیا۔ اس کے بعد جوانی کا زمانہ آتا ہے۔ کچھ شک نہیں کہ اس زمانہ میں اس کے معلومات بڑھتے ہیں اور اس کی خواہشوں کا حلقہ وسیع ہوتا ہے مگر جوانی کی مستی اور نفس امارہ کے جذبات عقل مار دیتے ہیں اور ایسی مشکلات میں پھنس جاتا ہے اور ایسے ایسے حالات پیش آتے ہیں کہ اگر ایمان بھی لاتا ہے تب بھی نفس امارہ اور اس کے جذبات اپنی طرف کھینچتے ہیں اور اُسے ایمان اور اس کے ثمرات سے دُور پھینک دینے کے لئے حملے کرتے ہیں۔ اس کے بعد جو پیرانہ سالی کا زمانہ ہے وہ تو بجائے خود ایسا نکما اور ردی ہوتا ہے۔ جیسے کسی چیز سے عرق نکال لیا جاوے اور اس کا پھوگ باقی رہ جاوے۔ اسی طرح پر انسانی عمر کا پھوگ بڑھاپا ہے۔ انسان اس وقت نہ دنیا کے لائق رہتا ہے اور نہ دین کے مخبوط الحواس اور مضمحل سا ہو کر اوقات بسر کرتا ہے۔ قویٰ میں وہ تیزی اور حرکت نہیں ہوتی جو جوانی میں ہوتی ہے اور بچپن کے زمانہ سے بھی گیا گذرا ہو جاتا ہے۔ بچپن میں اگرچہ شوخی حرکت اور نشو و نما ہوتا ہے لیکن بڑھاپے میں یہ باتیں نہیں۔ نشو و نما کی بجائے اب قویٰ میں تحلیل ہوتی ہے اور کمزوری کی وجہ سے سُستی اور کاہلی پیدا ہونے لگتی ہے۔

بچہ اگرچہ نماز اور اس کے مراتب اور ثمرات اور فوائد سے ناواقف ہوگا یا ہوتا ہے لیکن اپنے کسی عزیز کو دیکھ کر ریس اور امنگ ہی پیدا ہو جاتی ہے مگر اس پیرانہ سالی کے زمانہ میں تو اس کے بھی قابل نہیں رہتا۔[1]

حواس باطنی میں جس طرح اس وقت فرق آجاتا ہے حواس ظاہری میں بھی معمر ہو کر بہت کچھ فتور پیدا ہو جاتا ہے۔ بعض اندھے ہو جاتے ہیں۔ بہرہ ہو جاتے ہیں۔ چلنے پھرنے سے عاری ہو جاتے ہیں۔ اور قسم قسم کی مصیبتوں اور دُکھوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ غرض یہ زمانہ بھی بڑا ہی ردی زمانہ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی زمانہ ہے

[1] حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو۔

جوان دونوں کے بیچ کا زمانہ ہے یعنی شباب کا جب انسان کوئی کام کر سکتا ہے کیونکہ اس وقت قویٰ میں نشوونما ہوتا ہے اور طاقتیں آتی ہیں لیکن یہی زمانہ ہے جبکہ نفس امارہ ساتھ ہوتا ہے اور وہ اس پر مختلف رنگوں میں حملے کرتا ہے اور اپنے زیر اثر رکھنا چاہتا ہے۔ یہی زمانہ ہے جو مؤاخذہ کا زمانہ ہے اور خاتمہ بالخیر کے لئے کچھ کرنے کے دن بھی یہی ہیں۔ لیکن ایسی آفتوں میں گھرا ہوا ہے کہ اگر بڑی سعی نہ کی جاوے تو یہی زمانہ ہے جو جہنّم میں لے جائے گا اور شقی بنا دے گا۔ ہاں اگر عمدگی اور ہوشیاری اور پوری احتیاط کے ساتھ اس زمانہ کو بسر کیا جاوے تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امید ہے کہ خاتمہ بالخیر ہو جاوے کیونکہ ابتدائی زمانہ تو بے خبری اور غفلت کا زمانہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کا مؤاخذہ نہ کرے گا جیسا کہ اس نے خود فرمایا لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا[۱]۔ اور آخری زمانہ میں گو بڑھاپے کی وجہ سے سُستی اور کاہلی ہوگی لیکن فرشتے اس وقت اس کے اعمال میں وہی لکھیں گے جو جوانی کے جذبات اور خیالات ہیں جوانی میں اگر نیکیوں کی طرف مستعد اور خدا تعالیٰ کا خوف رکھنے والا، اس کے احکام کی تعمیل کرنے والا اور نواہی سے بچنے والا ہے تو بڑھاپے میں گو ان اعمال کی بجاآوری میں کسی قدر سُستی بھی ہو جاوے لیکن اللہ تعالیٰ اسے معذور سمجھ کر ویسا ہی اجر دیتا ہے[شہ]

حاشیہ متعلقہ صفحہ گذشتہ۔ البدر سے :۔ "پیرانہ سالی میں کسل اور کاہلی اس کے لاحق حال ہو جاتے ہیں۔ جہاں پڑا وہیں پڑا رہتا ہے۔ جہاں بیٹھا وہیں بیٹھا رہتا ہے۔" (البدر جلد ۴ نمبر ۱ صفحہ ۱۰ مورخہ یکم جنوری ۱۹۰۵ء)

شہ البدر سے :۔

"اگر اس نے یہ زمانہ خدا کی بندگی، اپنے نفس کی آراستگی اور خدا تعالیٰ کی اطاعت میں گذارا ہوگا تو اس کا اسے یہ پھل ملے گا کہ پیرانہ سالی میں جبکہ وہ کسی قسم کی عبادت وغیرہ کے قابل نہ رہے گا اور کسل اور کاہلی اسے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۱ البقرۃ : ۲۸۷

ہر شخص بڈھے انسان کو دیکھتا ہے کہ وہ کیسا از خود رفتگی کا زمانہ ہے*۔ کوئی بات چشمدید کی طرح سمجھ میں نہیں آتی ہے۔ اس لئے ان لوگوں پر خدا تعالیٰ کا بڑا ہی فضل ہوتا ہے جو ابتدائی زمانہ میں اس زمانہ کے لئے سعی کرتے ہیں اور اس زمانہ میں ان کے لئے وہی تقوے اور خدا تعالیٰ کی بندگی لکھی جاتی ہے۔ غرض آخر وہی ایک زمانہ جو جوانی کے جذبات اور نفس امارہ کی شوخیوں کا زمانہ ہے کچھ کام کرنے کا زمانہ رہ جاتا ہے۔ اس لئے اب سوچنا چاہیئے کہ وہ کیا طریق ہے جس کو اختیار کر کے انسان کچھ آخرت کے لئے کما سکے۔

## جوانی کا زمانہ کیسے مفید ہو

اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ زمانہ جو شباب اور جوانی کا زمانہ ہے ایک ایسا زمانہ ہے کہ نفس امّارہ نے اس کو اندھا کیا ہوا ہے لیکن اگر کوئی کارآمد ایام میں تو یہی ایں حضرت یوسف علیہ السلام کی زبانی قرآن شریف میں درج ہے وما ابرّئ نفسی، انّ النفس لامّارۃ بالسّوء الّا ما رحم ربّی[1]۔ یعنی میں اپنے نفس کو بری نہیں ٹھہرا سکتا کیونکہ

حاشیہ: لاحق حال ہو جاوے گی تو فرشتے اس کے نامۂ اعمال میں وہی نماز روزہ تہجد وغیرہ لکھتے رہیں گے جو کہ وہ جوانی کے ایام میں بجا لاتا تھا اور یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہوتا ہے کہ اس کی ذات پاک اپنے بندہ کو معذور رجان کر باوجود اس کے کہ وہ عمل بجا نہیں لاتا پھر بھی وہی اعمال اس کے نام درج ہوتے رہتے ہیں۔ (البدر جلد ۹ نمبر ا صفحہ ۱ مورخہ یکم جنوری ۱۹۱۰ء)

* البدر سے :۔ " بوڑھوں کا دنیا میں موجود ہونا جوانوں کے لئے عبرت کا مقام ہے مگر انسان کے دل پر اس قسم کا حجاب ہوتا ہے کہ وہ باوجود دیکھنے کے نہیں دیکھتا اور باوجود سننے کے نہیں سنتا ورنہ اس قسم کے نظاروں کو دیکھ کر وہ اپنی جوانی کے ایام میں خدا تعالیٰ سے اپنے تعلقات مضبوط کر لے۔"

(البدر حوالہ مذکور)

[1] یوسف : ۵۴

نفسِ امارہ بدی کی طرف تحریک کرتا ہے۔ اس کی اس قسم کی تحریکوں سے وہی پاک ہو سکتا ہے جس پر میرا رب رحم کرے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ کی بدیوں اور جذبات سے بچنے کے واسطے نری کوشش ہی شرط نہیں بلکہ دعاؤں کی بہت بڑی ضرورت ہے نرا زہد ظاہری ہی (جو انسان اپنی سعی اور کوشش سے کرتا ہے) کارآمد نہیں ہوتا۔ جب تک خدا تعالیٰ کا فضل اور رحم ساتھ نہ ہو اور اصل تو یہ ہے کہ اصل زہد اور تقویٰ تو ہے ہی وہی جو خدا تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے۔ حقیقی پاکیزگی اور حقیقی تقویٰ اسی طرح ملتا ہے ورنہ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ بہت سے جامے بالکل سفید ہوتے ہیں اور باوجود سفید ہونے کے بھی وہ پلید ہو سکتے ہیں تو اس ظاہری تقویٰ اور طہارت کی ایسی ہی مثال ہے[1]۔ تاہم اس حقیقی پاکیزگی اور حقیقی تقویٰ اور طہارت کے حصول کے لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ اسی زمانہ شباب و جوانی میں انسان کوشش کرے جبکہ قویٰ میں قوت اور طاقت اور دل میں ایک امنگ اور جوش ہوتا ہے۔ اس زمانہ میں کوشش کرنا عقلمند کا کام ہے اور عقل اسی لئے اللہ تعالیٰ نے دی ہے۔[2]

## اوّل تدبیر کرو

اس مقصد کے حاصل کرنے کے واسطے (جیسا کہ میں پہلے کئی مرتبہ بیان کر چکا ہوں)

---

[1] البدر میں ہے:۔ "ہر ایک چیز کا ایک ظاہر ہوتا ہے اور اکثر لوگ بظاہر متقی اور زاہد ہوتے ہیں لیکن جب تک خدا تعالیٰ کا فضل اور رحم بھی انسان کے شامل حال نہ ہو تب تک وہ اس کے کام نہیں آسکتا۔" (البدر جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۱۰ مورخہ یکم جنوری ۱۹۰۸ء)

[2] البدر سے:۔ "عقلمند انسان کا یہ کام ہے اور اس کا فرض ہے کہ وہ اس زمانہ کے مفاسد پر غور کرے اور عقل اس لئے اُسے دی گئی ہے کہ وہ اس طوفان عظیم سے جو کہ لوگوں کی روحانیت کو تباہ کر رہا ہے اپنے آپ کو بچاوے۔" (البدر حوالہ مذکور)

اول ضروری ہے کہ انسان دیدہ دانستہ اپنے آپ کو گناہ کے گڑھے میں نہ ڈالے ورنہ وہ ضرور ہلاک ہوگا۔ جو شخص دیدہ دانستہ بدراہ اختیار کرتا ہے یا کنوئیں میں گرتا ہے اور زہر کھاتا ہے وہ یقیناً ہلاک ہوگا۔ ایسا شخص نہ دنیا کے نزدیک اور نہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابلِ رحم ٹھہر سکتا ہے اس لئے یہ ضروری اور بہت ضروری ہے خصوصاً ہماری جماعت کے لئے جس کو اللہ تعالیٰ نے نمونہ کے طور پر انتخاب کرتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ آنے والی نسلوں کے لئے ایک نمونہ ٹھہرے، کہ جہانتک ممکن ہے بدصحبتوں اور بدعادتوں سے پرہیز کریں[1]۔ اور اپنے آپ کو نیکی کی طرف لگائیں۔ اس مقصد کے حاصل کرنے کے واسطے جہانتک تدبیر کا حق ہے تدبیر کرنی چاہیئے اور کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرنا چاہیئے۔

یاد رکھو تدبیر بھی ایک مخفی عبادت ہے اس کو حقیر مت سمجھو۔ اسی سے وہ راہ کھل جاتی ہے جو بدیوں سے نجات پانے کی راہ ہے۔ جو لوگ بدیوں سے بچنے کی تجویز اور تدبیر نہیں کرتے ہیں وہ گویا بدیوں پر راضی ہوجاتے ہیں اور اس طرح پر خدا تعالےٰ اُن سے الگ ہوجاتا ہے[2]۔

[1] البدر سے :- "اس قسم کی مجلسوں اور صحبتوں اور رفیقوں اور دوستوں سے پرہیز کرے جو کہ اس کی روحانیت پر بُرا اثر ڈالتے ہیں"

(البدر جلد ۲ نمبر ۱ صفحہ ۱۰ مورخہ یکم جنوری ۱۹۰۳ء)

[2] البدر سے :- "تقویٰ اور نیکی کے حصول کے لئے تدابیر کی جستجو میں لگے رہنا یہ بھی ایک عبادت ہے اور جب انسان اس کوشش میں لگا رہتا ہے۔ تو عادت اللہ یہی ہے کہ اس کے لئے کوئی نہ کوئی راہ کھول دی جاتی ہے لیکن جو شخص بدی سے بچنے کی اور نیکی کو عمل میں لانے کی تدبیر نہیں کرتا۔ سمجھو کہ وہ بدی پر راضی ہوگیا ہے اور ایسے آدمی سے بدی کا چھوڑنا محال ہوجاتا ہے۔"

(البدر حوالہ مذکور)

میں سچ کہتا ہوں کہ جب انسان نفس امارہ کے پنجہ میں گرفتار ہونے کے باوجود بھی تدبیروں میں لگا ہوا ہوتا ہے تو اس کا نفس امارہ خدا تعالیٰ کے نزدیک لوّامہ ہو جاتا ہے اور ایسی قابلِ قدر تبدیلی پا لیتا ہے کہ گویا تو وہ امارہ تھا جو لعنت کے قابل تھا اور یا تدبیر اور تجویز کرنے سے وہی قابلِ لعنت نفس امارہ نفس لوّامہ ہو جاتا ہے جس کو یہ شرف حاصل ہے کہ خدا تعالیٰ نے بھی اس کی قسم کھاتا ہے[۱]۔ یہ کوئی چھوٹا شرف نہیں ہے۔ پس حقیقی تقویٰ اور طہارت کے حاصل کرنے کے واسطے اوّل یہ ضروری شرط ہے کہ جہاں تک بس چلے اور ممکن ہو تدبیر کرو اور بدی سے بچنے کی کوشش کرو۔ بدعادتوں اور بدصحبتوں کو ترک کر دو۔ ان مقامات کو چھوڑ دو جو اس قسم کی تحریکوں کا موجب ہو سکیں جس قدر دنیا میں تدبیر کی راہ کھلی ہے اس قدر کوشش کرو اور اس سے نہ تھکو نہ ہٹو۔

## دُوسرا طریق دُعا ہے

دوسرا طریق حقیقی پاکیزگی کے حاصل کرنے اور خاتمہ بالخیر کے لئے جو خدا تعالیٰ نے سکھایا ہے[۲] وہ دعا ہے اس لئے جس قدر ہو سکے دُعا کرو۔ یہ طریق بھی اعلیٰ درجہ کا مجرب

---

[۱] البدر سے :- "پہلے امارہ تھا کہ سوائے بدی کے اور اسے کچھ سوجھتا ہی نہ تھا اور اب اس کی جنگ شروع ہو گئی ہے۔ کبھی غالب ہوتا ہے کبھی مغلوب۔ ایک فعلِ بد کا ارتکاب کرتا ہے تو پھر اس پر پچھتاتا ہے اور سوچتا ہے کہ اس کی تلافی کیونکر ہو اور چونکہ وہ ملامت کرتا ہے اس لئے اس کا نام لوّامہ ہو جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے بھی اسی لئے اس کی قسم قرآن شریف میں کھائی ہے کیونکہ یہ اپنی حالت سے خدا تعالیٰ کی طرف ایک رجوع ظاہر کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کے قریب ہو جاوے"
(البدر جلد ۸ نمبر ۱ صفحہ ۱۰ مورخہ یکم جنوری ۱۹۰۸ء)

[۲] البدر سے :- "جو کہ در اصل سب سے مقدم ہے اور جس کی تعلیم خدا تعالیٰ نے بھی دی ہے" (البدر حوالہ مذکور)

اور مفید ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے خود وعدہ فرمایا ہے ادعونی استجب لکم۱؎۔ تم مجھ سے دعا کرو میں تمہارے لئے قبول کروں گا۔ دعا ہی ایک ایسی چیز ہے جس کے ساتھ مسلمانوں کو فخر کرنا چاہیئے۔* دوسری قوموں کو دعا کی کوئی قدر نہیں اور نہ انہیں اس پاک طریق پر کوئی فخر اور ناز ہو سکتا ہے۔

## اسلام کا خاص فخر

بلکہ یہ فخر اور ناز صرف اسلام ہی کو ہے دوسرے مذاہب اس سے بکلی بے بہرہ ہیں۔ مثلاً عیسائیوں نے جب یہ سمجھ لیا ہے کہ ایک انسان (جس کو انہوں نے خدا مان لیا) نے ہمارے لئے قربانی دے دی ہے۔ انہوں نے اس پر بھروسہ کر لیا اور سمجھ لیا کہ ہمارے سارے گناہ اس نے اٹھا لئے ہیں۔ پھر وہ کونسا امر ہے جو اس کو دعا کے لئے تحریک کرے گا۔ ناممکن ہے کہ وہ گدازشِ دل کے ساتھ دعا کرے۔ دعا تو وہ کرتا ہے جو اپنی ذمہ داری اور جوابدہی کو سمجھتا ہے لیکن جو شخص اپنے آپ کو بری الذمہ تصور کرتا ہے وہ دعا کیوں کرے گا۔ اس نے تو پہلے ہی سمجھ لیا ہے کہ گناہ دوسرے شخص نے اُٹھا لئے ہیں اور اس طرح پر اس کے ذمہ کوئی جوابدہی نہیں تو اس کے دل میں تحریک کس طرح ہوگی۔ اس نے اور شئے پر بھروسہ کر لیا ہے اور اس طرح پر اس طریق سے جو دُعا کا طریق ہے وہ دُور چلا گیا ہے۔⊠

غرض ایک عیسائی کے نزدیک دعا بالکل بے سود ہے اور وہ اس پر عمل نہیں کر

---

* البدر سے:۔ "اصل بات یہ ہے کہ لوگ دعا کی حقیقت سے بیخبر ہیں۔ اور مسلمانوں نے بھی اس میں سخت ٹھوکر کھائی ہے کہ دعا جیسی شئے کو ہاتھ سے چھوڑ بیٹھے ہیں۔" (البدر جلد ۸ نمبر ۱ صفحہ ۱۰ مورخہ یکم جنوری ۱۹۰۵ء)

⊠ البدر سے:۔ "پس جسے کسی دوسری راہ پر بھروسہ ہے وہ دعا کی راہ پر کب آوے گا۔" (البدر جلد ۴ نمبر ۲ صفحہ ۲ مورخہ ۱۰ جنوری ۱۹۰۵ء)

۱؎ المومن: ۶۱

سکتا۔ اس کے دل میں وہ رقّت اور جوش جو دعا کے لئے حرکت پیدا کرتا ہے نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح پر ایک آریہ جو تناسخ کا قائل ہے اور سمجھتا ہے کہ توبہ قبول ہی نہیں ہو سکتی اور کسی طرح پر اس کے گناہ معاف نہیں ہو سکتے وہ دُعا کیوں کرے گا؟ اس نے تو یہ یقین کیا ہوا ہے کہ جُونوں کے چکر میں جانا ضروری ہے اور بیل۔ گھوڑا۔ گدھا۔ گائے۔ کُتا۔ سؤر وغیرہ بننا ہے۔ وہ اس راہ کی طرف آئے گا ہی نہیں۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دعا اسلام کا خاص فخر ہے اور مسلمانوں کو اس پر بڑا ناز ہے۔

مگر یہ یاد رکھو کہ یہ دُعا زبانی بک بک کا نام نہیں ہے بلکہ یہ وہ چیز ہے کہ دل خدا تعالیٰ کے خوف سے بھر جاتا ہے اور دعا کرنے والے کی رُوح پانی کی طرح بہہ کر آستانہ اُلوہیت پر گرتی ہے اور اپنی کمزوریوں اور لغزشوں کے لئے قوی اور مقتدر خدا سے طاقت اور قوت اور مغفرت چاہتی ہے اور یہ وہ حالت ہے کہ دوسرے الفاظ میں اس کو موت کہہ سکتے ہیں۔ جب یہ حالت میسر آجاوے تو یقیناً سمجھو کہ باب اجابت اس کے لئے کھولا جاتا ہے اور خاص قوت اور فضل اور استقامت بدیوں سے بچنے اور نیکیوں پر استقلال کے لئے عطا ہوتی ہے یہ ذریعہ سب سے بڑھ کر زبردست ہے۔

## دعا اور اہل زمانہ

مگر بڑی مشکل یہ ہے کہ لوگ دعا کی حقیقت اور حالت سے محض ناواقف ہیں۔ اور اسی وجہ سے اس زمانہ میں بہت سے لوگ اس سے منکر ہو گئے ہیں کیونکہ وہ ان تاثیرات کو نہیں پاتے اور منکر ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ جو کچھ ہونا ہے وہ تو ہونا ہی ہے۔ پھر دعا کی کیا حاجت ہے۔ مگر میں خوب جانتا ہوں کہ یہ تو نرا بہانہ ہے انہیں چونکہ دعا کا تجربہ نہیں اس کی تاثیرات پر[1] اطلاع نہیں اس لئے اس طرح کہہ دیتے ہیں۔ ورنہ اگر وہ ایسے ہی متوکل ہیں تو پھر بیمار ہو کر علاج کیوں کرتے ہیں؟ خطرناک امراض

---

[1] الحکم جلد ۹ نمبر ۱ صفحہ ۲ و ۳ مورخہ ۱۰ رجنوری ۱۹۰۵ء

میں مبتلا ہوتے ہیں تو طبیب کی طرف دوڑے جاتے ہیں بلکہ میں سچ کہتا ہوں کہ سب سے زیادہ چارہ کرنے والے یہی ہوتے ہیں۔ سید احمد خاں بھی دعا کے منکر تھے۔ لیکن جب اُن کا پیشاب بند ہوا تو دہلی سے معالج ڈاکٹر کو بُلایا۔ یہ نہ سمجھ لیا کہ خود بخود ہی پیشاب کھل جاوے گا۔ حالانکہ وہی خدا ہے جس کے ملکوت میں ظاہری دنیا ہے جبکہ دوسرے اشیاء میں تاثیرات موجود ہیں تو کیا وجہ ہے کہ باطنی دنیا میں تاثیرات نہ ہوں۔[1] جن میں سے دُعا ایک زبردست چیز ہے۔ یہ سچ ہے کہ خدا تعالیٰ کے قضا و قدر میں سب کچھ ہے مگر کوئی یہ تو بتائے کہ خدا تعالیٰ نے وہ فہرست کس کو دی ہے جس سے معلوم ہو جاوے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ ان اسرار پر کوئی فتح نہیں پا سکتا۔ ظاہر میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شخص قبض سے بیمار ہے تو تربد یا کسٹرائیل جب اس کو دیا جاوے گا تو اسے اسہال آجاویں گے۔ اور قبض کھل جائے گی۔ کیا یہ اس امر کا بیّن ثبوت نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ نے تاثیرات رکھی ہوئی ہیں۔

اسی طرح پر اَور تدابیر کرنے والے ہیں۔ مثلاً زراعت کرنے والے اور یہی معالجات کرنے والے وہ خوب جانتے ہیں کہ ان تدابیر کی وجہ سے انہوں نے فائدہ اُٹھایا ہے۔ اور اشیاء میں مختلف اثر دیکھے ہیں۔ پھر جبکہ ان چیزوں میں تاثیرات موجود ہیں تو کیا وجہ ہے کہ دعاؤں میں جو وہ بھی مخفی اسباب اور تدابیر ہیں اثر نہ ہوں؟ اثر ہیں اور ضرور ہیں لیکن تھوڑے لوگ ہیں جو ان تاثیرات سے واقف اور آشنا ہیں اس لئے انکار کر بیٹھتے ہیں۔ میں یقیناً جانتا ہوں کہ چونکہ بہت سے لوگ دنیا میں ایسے ہیں جو اس نقطہ سے جہاں دُعا اثر کرتی ہے دُور رہ جاتے ہیں اور وہ تھک کر دُعا

---

[1] البدر سے :۔ "ایک پہلو میں اس کی قدرت کے تصرفات مانتے ہیں اور دوسرے میں جا کر انکار کرتے ہیں۔"
(البدر جلد ۴ نمبر ۲ صفحہ ۲ کالم اول مورخہ ۱۰ جنوری ۱۹۰۵ء)

چھوڑ دیتے ہیں اور خود ہی یہ نتیجہ نکال لیتے ہیں کہ دعاؤں میں کوئی اثر نہیں ہے میں کہتا ہوں کہ یہ تو اُن کی اپنی غلطی اور کمزوری ہے۔ جب تک کافی وزن نہ ہو خواہ زہر ہو یا تریاق اس کا اثر نہیں ہوتا۔ کسی کو بھوک لگی ہوئی ہو اور وہ چاہے۔ کہ ایک دانہ سے پیٹ بھرلے یا تولہ بھر غذا کھالے تو کیا ہو سکتا ہے کہ وہ سیر ہو جاوے؟ کبھی نہیں۔ اسی طرح جس کو پیاس لگی ہوئی ہے ایک قطرہ پانی سے اس کی پیاس کب بُجھ سکتی ہے۔ بلکہ سیر ہونے کے لئے چاہیئے کہ وہ کافی غذا کھاوے اور پیاس بجھانے کے واسطے لازم ہے کہ کافی پانی پیوے۔ تب جاکر اس کی تسلی ہو سکتی ہے۔

اسی طرح پر دعا کرتے وقت بے دلی اور گھبراہٹ سے کام نہیں لینا چاہیئے اور جلدی ہی تھک کر نہیں بیٹھنا چاہیئے بلکہ اس وقت ہٹنا نہیں چاہیئے جب تک دُعا اپنا پورا اثر نہ دکھائے۔ جو لوگ تھک جاتے اور گھبرا جاتے ہیں وہ غلطی کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ محروم رہ جانے کی نشانی ہے۔ میرے نزدیک دعا بہت عمدہ چیز ہے۔ اور میں اپنے تجربہ سے کہتا ہوں خیالی بات نہیں۔ جو مشکل کسی تدبیر سے حل نہ ہوتی ہو۔ اللہ تعالیٰ دُعا کے ذریعہ اُسے آسان کر دیتا ہے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ دعا بڑی زبردست اثر والی چیز ہے۔ بیماری سے شفا اس کے ذریعہ ملتی ہے۔ دنیا کی تنگیاں مشکلات اس سے دُور ہوتی ہیں۔ دشمنوں کے منصوبے سے یہ بچا لیتی ہے اور وہ کیا چیز ہے جو دُعا سے حاصل نہیں ہوتی۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ انسان کو پاک یہ کرتی ہے اور خدا تعالیٰ پر زندہ ایمان یہ بخشتی ہے۔ گناہ سے نجات دیتی ہے۔ اور نیکیوں پہ استقامت اس کے ذریعہ سے آتی ہے[1]۔ بڑا ہی خوش قسمت وہ شخص ہے جس کو دعا پر ایمان ہے

[1] البدر سے:- "انسان ہر وقت ایک سیلاب میں پڑا ہوا ہے۔ اور دُعا ہی ایک ایسی شئے ہے جو کہ اس سے اس کو نجات دلا سکتی ہے۔"

(البدر جلد ۴ نمبر ۲ صفحہ ۲ مورخہ ۱۰ر جنوری ۱۹۰۵ء)

کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی عجیب در عجیب قدرتوں کو دیکھتا ہے اور خدا تعالیٰ کو دیکھ کر ایمان لاتا ہے کہ وہ قادر کریم خدا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے شروع قرآن ہی میں دُعا سکھائی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بڑی عظیم الشان اور ضروری چیز ہے۔ اس کے بغیر انسان کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے الحمد لله رب العلمين - الرحمن الرحيم - مالك يوم الدين۔[1] اس میں اللہ تعالیٰ کی چار صفات کو جو ام الصفات ہیں بیان فرمایا ہے۔ رب العالمین ظاہر کرتا ہے کہ وہ ذرہ ذرہ کی ربوبیت کر رہا ہے۔ عالَم اسے کہتے ہیں جس کی خبر مل سکے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی چیز دُنیا میں ایسی نہیں ہے جس کی ربوبیت نہ کرتا ہو۔ ارواح اجسام وغیرہ سب کی ربوبیت کر رہا ہے۔ وہی ہے جو ہر ایک چیز کے حسب حال اس کی پرورش کرتا ہے۔ جہاں جسم کی پرورش فرماتا ہے وہاں رُوح کی سیری اور تسلّی کے لئے معارف اور حقائق وہی عطا فرماتا ہے۔

پھر فرمایا ہے کہ وہ رحمٰن ہے یعنی اعمال سے بھی پیشتر اس کی رحمتیں موجود ہیں۔ پیدا ہونے سے پہلے ہی زمین، چاند، سورج، ہوا، پانی وغیرہ جس قدر اشیاء انسان کے لئے ضروری ہیں موجود ہوتی ہیں۔

اور پھر وہ اللہ رحیم ہے یعنی کسی کے نیک اعمال کو ضائع نہیں کرتا بلکہ پاداشِ عمل دیتا ہے۔

پھر مالک یوم الدین ہے یعنی جزا وہی دیتا ہے اور وہی یوم الجزاء کا مالک ہے۔ اس قدر صفات اللہ کے بیان کے بعد دعا کی تحریک کی ہے۔ جب انسان اللہ تعالیٰ کی ہستی اور ان صفات پر ایمان لاتا ہے تو خواہ مخواہ رُوح میں ایک جوش اور تحریک ہوتی ہے اور دُعا کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف جُھکتی ہے۔ اس کے بعد اھدنا الصراط المستقیم کی ہدایت فرمائی۔* اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی تجلیات

[1] الفاتحہ: ۲ تا ۴ *حاشیہ اگلے صفحہ پر

اور رحمتوں کے ظہور کے لئے دعا کی بہت بڑی ضرورت ہے۔ اس لئے اس پر ہمیشہ کمربستہ رہو اور کبھی مت تھکو۔

غرض اصلاح نفس کے لئے اور خاتمہ بالخیر ہونے کے لئے نیکیوں کی توفیق پانے کے واسطے دوسرا پہلو دعا کا ہے۔ اس میں جس قدر توکل اور یقین اللہ تعالیٰ پر کریگا۔ اور اس راہ میں نہ تھکنے والا قدم رکھے گا اسی قدر عمدہ نتائج اور ثمرات ملیں گے۔ تمام مشکلات دُور ہو جائیں گی اور دعا کرنے والا تقویٰ کے اعلیٰ محل پر پہنچ جائے گا۔ یہ بالکل سچی بات ہے کہ جب تک خدا تعالیٰ کسی کو پاک نہ کرے کوئی پاک نہیں ہو سکتا نفسانی جذبات پر محض خدا تعالیٰ کے فضل اور جذبہ ہی سے موت آتی ہے اور یہ فضل اور جذبہ دعا ہی سے پیدا ہوتا ہے اور یہ طاقت صرف دعا ہی سے ملتی ہے۔

میں پھر کہتا ہوں کہ مسلمانوں اور خصوصاً ہماری جماعت کو ہرگز ہرگز دعا کی بے قدری نہیں کرنی چاہیئے کیونکہ یہی دعا تو ہے جس پر مسلمانوں کو ناز کرنا چاہیئے۔ اور دوسرے مذاہب کے آگے تو دعا کے لئے گندے پتھر پڑے ہوئے ہیں[ا] اور وہ توجہ نہیں کر

---

حاشیہ متعلقہ صفحہ گذشتہ :- البدر سے :-

"ان صفات کے بیان کے بعد دعا کی تحریک کی ہے کہ تو جو رب۔ رحمان اور رحیم ہے میری مشکل کشائی فرما اور صراط مستقیم دکھا جو تو اپنے پیارے برگزیدوں کو دکھاتا رہا ہے ہم تیری راہ بجُز تیرے فضل کے نہیں پا سکتے۔"

(البدر جلد ۲ نمبر ۲ صفحہ ۲ مورخہ ۱۰ ؍ جنوری ۱۹۰۳ء)

[ا] البدر میں یوں لکھا ہے :- "دوسرے مسلمانوں کی طرح ہماری جماعت کو ہرگز دعا کی بے قدری نہ کرنی چاہیئے اور ان تمام پتھروں کو راستہ میں سے دُور کر دینا چاہیئے جو کہ اس کی روک بنے ہوئے ہیں جیسے پانی کے آگے پتھر ہوں تو وہ رُک جاتا ہے۔ ایسے ہی دوسرے لوگوں نے گندے پتھر دُعا کی راہ میں ڈالے ہوئے

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سکتے۔ میں نے ابھی بیان کیا ہے کہ ایک عیسائی جو خون مسیح پر ایمان لاکر سارے گناہوں کو معاف شدہ سمجھتا ہے۔ اسے کیا ضرورت پڑی ہے کہ وہ دعا کرتا رہے۔ اور ایک ہندو جو یقین کرتا ہے کہ توبہ قبول ہی نہیں ہوتی اور تناسخ کے چکر سے رہائی ہی نہیں ہے وہ کیوں دعا کے واسطے ٹکریں مارتا رہے گا وہ تو یقیناً سمجھتا ہے کہ کُتے بلے بندر۔ سؤر بننے سے چارہ ہی نہیں ہے۔ اس لئے یاد رکھو کہ یہ اسلام کا فخر اور ناز ہے کہ اس میں دعا کی تعلیم ہے اس میں کبھی سُستی نہ کرو اور نہ اس سے تھکو۔

پھر دعا خدا تعالےٰ کی ہستی کا زبردست ثبوت ہے چنانچہ خدا تعالےٰ ایک جگہ فرماتا ہے۔ واذا سألك عبادى عنى فانى قريبٌ اجيب دعوة الداع اذا دعانِ[1]۔ یعنی جب میرے بندے تجھ سے سوال کریں کہ خدا کہاں ہے اور اس کا کیا ثبوت ہے تو کہدو کہ وہ بہت ہی قریب ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ جب کوئی دعا کرنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اسے جواب دیتا ہوں۔ یہ جواب کبھی رؤیا صالحہ کے ذریعہ ملتا ہے اور کبھی کشف اور الہام کے واسطے سے۔ اور علاوہ بریں دعاؤں کے ذریعہ خدا تعالےٰ کی قدرتوں اور طاقتوں کا اظہار ہوتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایسا قادر ہے کہ مشکلات کو حل کر دیتا ہے۔

غرض دعا بڑی دولت اور طاقت ہے اور قرآن شریف میں جا بجا اس کی ترغیب دی ہے اور ایسے لوگوں کے حالات بھی بتائے ہیں جنہوں نے دُعا کے ذریعہ اپنی مشکلات سے نجات پائی۔ انبیاء علیہم السلام کی زندگی کی جڑ اور ان کی کامیابیوں کا اصل اور سچا ذریعہ یہی دعا ہے۔ پس میں نصیحت کرتا ہوں کہ اپنی ایمانی اور عملی طاقت کو بڑھانے کے واسطے دعاؤں میں لگے رہو۔ دعاؤں کے ذریعہ سے ایسی تبدیلی ہوگی جو خدا کے فضل سے خاتمہ بالخیر ہو جاوے گا۔

"دعا خدا سے آتی ہے اور خدا ہی کی طرف جاتی ہے۔ دعا سے خدا ایسا نزدیک ہو جاتا ہے جیسا کہ تمہاری جان تم سے نزدیک ہے۔ دعا کی پہلی نعمت یہ ہے کہ انسان میں پاک تبدیلی پیدا ہوتی ہے۔ پھر اس تبدیلی سے خدا بھی اپنی صفات میں تبدیلی کرتا ہے اور اس کے صفات غیر متبدل ہیں مگر تبدیلی یافتہ کے لئے اس کی ایک الگ تجلی ہے جس کو دنیا نہیں جانتی گویا وہ اور خدا ہے حالانکہ اور کوئی خدا نہیں مگر نئی تجلی نئے رنگ میں اس کو ظاہر کرتی ہے۔ تب اس خاص تجلی کی شان میں اس تبدیل یافتہ کے لئے وہ کام کرتا ہے جو دوسروں کے لئے نہیں کرتا۔ یہی وہ خوارق ہیں۔

غرض دعا وہ اکسیر ہے جو ایک مشتِ خاک کو کیمیا کر دیتی ہے اور وہ ایک پانی ہے جو اندرونی غلاظتوں کو دھو دیتا ہے۔ اس دعا کے ساتھ روح پگھلتی ہے اور پانی کی طرح بہہ کر آستانہ حضرت احدیت پر گرتی ہے۔ وہ خدا کے حضور میں کھڑی بھی ہوتی ہے اور رکوع بھی کرتی ہے اور سجدہ بھی کرتی ہے اور اسی کی ظل وہ نماز ہے جو اسلام نے سکھلائی ہے۔

ہیں اور وہ اُن کی اپنی بدکاریاں اور بد عقیدگیاں ہیں۔ لیکن تم لوگوں کو ان کی مثال نہ ہونا چاہیئے اور تمہارا کوئی کاروبار دعا کے سوا نہ ہوا کرے۔ چلتے پھرتے، اُٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے دعا کی عادت ڈالو اور اس سے غافل ہرگز نہ ہو جیسائیوں کی طرح ہرگز مت ہو کہ جنہوں نے کفارہ پر بھروسہ کرکے دعا کی ضرورت کو معدوم کر دیا ہے"

(البدر جلد ۲ نمبر ۲ صفحہ ۲ مورخہ ۱۰ر جنوری ۱۹۰۳ء)

[1] البقرۃ: ۱۸۷

کا اصل اور سچا ذریعہ یہی دعا ہے۔ پس میں نصیحت کرتا ہوں کہ اپنی ایمانی اور عملی طاقت کو بڑھانے کے واسطے دعاؤں میں لگے رہو۔ دعاؤں کے ذریعہ سے ایسی تبدیلی ہوگی جو خدا تعالیٰ کے فضل سے خاتمہ بالخیر ہو جاوے گا۔

## تیسرا پہلو صحبت صادقین ہے

تیسرا پہلو* جو قرآن سے ثابت ہے وہ صحبت صادقین ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کونوا مع الصادقین[1] یعنی صادقوں کے ساتھ رہو۔ صادقوں کی صحبت میں ایک خاص اثر ہوتا ہے۔ ان کا نورِ صدق و استقلال دُوسروں پر اثر ڈالتا ہے اور اُن کی کمزوریوں کو دُور کرنے میں مدد دیتا ہے۔

یہ تین ذریعے ہیں جو ایمان کو شیطان کے حملوں سے محفوظ رکھتے ہیں اور اُسے طاقت دیتے ہیں اور جب تک ان ذرائع سے انسان فائدہ نہیں اُٹھاتا اس وقت تک اندیشہ رہتا ہے کہ شیطان اس پر حملہ کر کے اس کے متاعِ ایمان کو چھین نہ لے جاوے اسی لئے بہت بڑی ضرورت اس امر کی ہے کہ مضبوطی کے ساتھ اپنے قدم کو رکھا جاوے اور ہر طرح سے شیطانی حملوں سے احتیاط کی جاوے۔ جو شخص ان تینوں ہتھیاروں سے اپنے آپ کو مسلح نہیں کرتا ہے مجھے اندیشہ ہے کہ وہ کسی اتفاقی حملہ سے نقصان اُٹھاوے۔

* البدر سے :۔ "تیسرا پہلو حصولِ نجات اور تقویٰ کا صادقوں کی معیت ہے جس کا حکم قرآن شریف میں ہے کونوا مع الصادقین یعنی اکیلے نہ رہو کہ اس حالت میں شیطان کا داؤ انسان پر ہوتا ہے بلکہ صادقوں کی معیت اختیار کرو اور اُن کی جمعیت میں رہو تا کہ ان کے انوار اور برکات کا پرتو تم پر پڑتا رہے۔ اور خانۂ قلب کے ہر ایک خس و خاشاک کو محبت الٰہی کی آگ سے جلا کر نورِ الٰہی سے بھر دے۔"

(البدر جلد ۷ نمبر ۲ صفحہ ۲ مورخہ ۱۰ر جنوری ۱۹۰۸ء)

[1] التوبۃ : ۱۱۹

## دفعِ شر و کسبِ خیر

لیکن یہ بات یاد رکھو کہ کتابوں میں جب لکھا جاتا ہے کہ بدیاں چھوڑ دو اور نیکیاں کرو تو بعض آدمی اتنا ہی سمجھ لیتے ہیں کہ نیکیوں کا کمال اسی قدر ہے کہ جو مشہور بدیاں ہیں مثلاً چوری، زنا، غیبت، بددیانتی، بدنظری وغیرہ موٹی موٹی بدیوں سے بچتے ہیں تو اپنے آپ کو سمجھنے لگتے ہیں کہ ہم نے نیکی کے تمام مدارج حاصل کر لئے ہیں اور ہم بھی کچھ ہو گئے ہیں۔ حالانکہ اگر غور کر کے دیکھا جاوے تو یہ کچھ بھی چیز نہیں ہے۔ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو چوری نہیں کرتے ہیں۔ بہت سے ایسے ہیں جو ڈاکے نہیں مارتے یا خون نہیں کرتے یا بدنظری یا بدکاری کی بدعادتوں میں مبتلا نہیں ہیں۔ زیادہ سے زیادہ اسے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس نے ترکِ شر کیا ہے خواہ وہ عدمِ قدرت ہی کی وجہ سے ہو۔ قرآن شریف صرف اتنا ہی نہیں چاہتا کہ انسان ترکِ شر کر کے سمجھ لے کہ بس اب میں صاحبِ کمال ہو گیا۔ بلکہ وہ تو انسان کو اعلیٰ درجہ کے کمالات اور اخلاقِ فاضلہ سے متصف کرنا چاہتا ہے کہ اس سے ایسے اعمال و افعال سرزد ہوں جو بنی نوع کی بھلائی اور ہمدردی پر مشتمل ہوں اور اُن کا نتیجہ یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جاوے۔ میں اس بات کو بار بار کہتا ہوں کہ تم میں سے کوئی اپنی ترقی اور کمالِ روحانی کی یہی انتہا نہ سمجھ لے کہ میں نے ترکِ بدی کی ہے۔ صرف ترکِ بدی نیکی کے کامل مفہوم اور منشا کو اپنے اندر نہیں رکھتی۔ بار بار ایسا تصور کرنا کہ میں نے خون نہیں کیا خوبی کی بات نہیں کیونکہ خون کرنا ہر ایک شخص کا کام نہیں ہے۔ یا یہ کہنا کہ زنا نہیں کیا کیونکہ زنا کرنا تو کنجروں کا کام ہے نہ کہ کسی شریف انسان کا۔ ایسی بدیوں سے پرہیز زیادہ سے زیادہ انسان کو بدمعاشوں کے طبقے سے خارج کر دے گا۔[1]

---

[1] البدر میں ہے :۔ "جو شخص ان باتوں سے یہ سمجھتا ہے کہ وہ کچھ بن گیا ہے تو وہ سخت غلطی پر ہے کیونکہ جو چوری اور زنا نہیں کرتا تو آخر وہ اُن کے بُرے انجام اور عذاب سے بھی تو محفوظ رہتا ہے اس کا احسان کسی پر نہیں۔ اگر

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ مگر وہ جماعت (جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں کیا ہے کہ انہوں نے ایسے اعمال صالحہ کئے کہ خدا تعالیٰ اُن سے راضی ہوگیا اور وہ خدا تعالیٰ سے راضی ہو گئے) صرف ترکِ بدی ہی سے نہ بنی تھی۔ انہوں نے اپنی زندگیوں کو خدا تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے ہیچ سمجھا۔ خدا تعالیٰ کی مخلوق کو نفع پہنچانے کے واسطے اپنے آرام و آسائش کو ترک کر دیا۔ تب جا کر وہ ان مدارج اور مراتب پر پہنچے کہ آواز آگئی رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ وَ رَضُوۡا عَنۡہُ[1]

مگر میں دیکھتا ہوں کہ اس وقت مسلمانوں کی یہ حالت ہو رہی ہے کہ کسبِ خیر تو بڑی بات ہے اور وہی اصل مقصد ہے لیکن وہ تو ترکِ بدی میں بھی سُست نظر آتے ہیں اور ان کاموں کا تو ذکر ہی کیا ہے جو صلحاء کے کام ہیں۔

پس تمہیں چاہیئے کہ تم ایک ہی بات اپنے لئے کافی نہ سمجھ لو۔ ہاں اوّل بدیوں سے پرہیز کرو۔ اور پھر ان کی بجائے نیکیوں کے حاصل کرنے کے واسطے سعی اور مجاہدہ سے کام لو اور پھر خدا تعالیٰ کی توفیق اور اس کا فضل دعا سے مانگو۔ جب تک انسان ان دونو صفات سے متصف نہیں ہوتا یعنی بدیاں چھوڑ کر نیکیاں حاصل نہیں کرتا وہ اس وقت تک مومن نہیں کہلا سکتا۔ مومن کامل ہی کی تعریف میں تو اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡھِمۡ فرمایا گیا ہے اب غور کرو کہ کیا اتنا ہی انعام تھا کہ وہ چوری چکاری رہزنی نہیں کرتے تھے یا اس سے

کرتا تو دُکھ پاتا۔ بدمعاشوں میں لکھا جاتا۔ کنجر کہلاتا۔ کیونکہ زنا کاری کنجروں کا کام ہے۔ اگر اس نے ان کاموں کو نہیں کیا تو صرف اتنی بات ہوئی کہ بدمعاشوں کے رجسٹر سے اس کا نام کٹ گیا لیکن نیکوں کے طبقے اور رجسٹر میں داخل بھی نہیں ہوا۔ اسی لئے خدا تعالیٰ نے عملِ صالح کی تاکید کی ہے کہ اگر وہ بدی سے بچتا ہے تو عملِ صالح کرکے نیکوں میں داخل ہو۔"

(البدر جلد ۴ نمبر ۲ صفحہ ۳ مورخہ ۱۰ر جنوری ۱۹۰۵ء)

[1] المائدۃ : ۱۲۰

کچھ بڑھ کر مراد ہے؟ نہیں۔ انعمت علیھم میں تو وہ اعلیٰ درجہ کے انعامات رکھے گئے ہیں جو مخاطبہ اور مکالمہ الٰہیہ کہلاتے ہیں۔*

اگر اسی قدر مقصود ہوتا جو بعض لوگ سمجھ لیتے ہیں کہ موٹی موٹی بدیوں سے پرہیز کرنا ہی کمال ہے تو انعمت علیھم کی دعا تعلیم نہ ہوتی جس کا انتہائی اور آخری مرتبہ اور مقام خدا تعالیٰ کے ساتھ مکالمہ اور مخاطبہ ہے۔ انبیاء علیہم السلام کا اتنا ہی تو کمال نہ تھا۔ کہ وہ چوری چکاری نہ کیا کرتے تھے بلکہ وہ خدا تعالےٰ کی محبت، صدق، وفا میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے۔ پس اس دعا کی تعلیم سے یہ سکھایا کہ نیکی اور انعام ایک الگ شئے ہے۔ جب تک انسان اُسے حاصل نہیں کرتا اس وقت تک وہ نیک اور صالح نہیں کہلا سکتا اور منعم علیہ کے زمرہ میں نہیں آتا۔ اس سے آگے فرمایا غیر المغضوب علیھم ولا الضالین۔ اس مطلب کو قرآن شریف نے دوسرے مقام پر یوں فرمایا ہے کہ مومن کے نفس کی تکمیل دو شربتوں کے پینے سے ہوتی ہے ایک شربت کا نام کافوری ہے اور دوسرے کا نام زنجبیلی ہے کافوری شربت تو یہ ہے کہ اس کے پینے سے نفس بالکل ٹھنڈا ہو جاوے اور بدیوں کے لئے کسی قسم کی حرارت اس میں محسوس نہ ہو۔ جس طرح پہ کافور میں یہ خاصہ ہوتا ہے کہ وہ زہریلے مواد کو دبا دیتا ہے اسی لئے اُسے کافور کہتے ہیں۔ اسی طرح پر یہ کافوری شربت گناہ اور بدی کی زہر کو دبا دیتا ہے اور وہ موادِ ردّیہ جو اُٹھ کر انسان کی روح کو ہلاک کرتے ہیں اُن کو اُٹھنے نہیں دیتا بلکہ بے اثر کر دیتا ہے۔ دوسرا شربت شربتِ زنجبیلی ہے جس کے ذریعہ سے انسان میں نیکیوں کے لئے ایک قوت اور طاقت آتی ہے اور پھر حرارت پیدا ہوتی ہے پس اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم تو اصل مقصد اور غرض ہے یہ گویا زنجبیلی شربت ہے۔ اور غیر المغضوب علیھم ولا الضالین کافوری شربت ہے۔

* الحکم جلد ۹ نمبر ۲ صفحہ ۲ و ۳ مورخہ ۱۷ جنوری ۱۹۰۵ء

اب ایک اور مشکل ہے کہ انسان موٹی موٹی بدیوں کو تو آسانی سے چھوڑ بھی دیتا ہے لیکن بعض بدیاں ایسی باریک اور مخفی ہوتی ہیں کہ اول تو انسان مشکل سے انہیں معلوم کرتا ہے اور پھر ان کا چھوڑنا اُسے بہت ہی مشکل ہوتا ہے۔ اس کی ایسی ہی مثال ہے کہ محرقہ بھی گو سخت تپ ہے مگر اس کا علاج کھُلا کھُلا ہو سکتا ہے لیکن تپدق جو اندر ہی کھاتا ہے اس کا علاج بہت ہی مشکل ہے۔ اسی طرح پر یہ باریک اور مخفی بدیاں ہوتی ہیں جو انسان کو فضائل کے حاصل کرنے سے روکتی ہیں۔ یہ اخلاقی بدیاں ہوتی ہیں جو ایک دوسرے کے ساتھ میل ملاپ اور معاملات میں پیش آتی ہیں اور ذرا ذرا سی بات اور اختلاف رائے پر دلوں میں بغض، کینہ، حسد، ریا، تکبر پیدا ہو جاتا ہے اور اپنے بھائی کو حقیر سمجھنے لگتا ہے چند روز اگر نماز سنوار کر پڑھی ہے اور لوگوں نے تعریف کی تو ریا اور نمود پیدا ہو گیا اور وہ اصل غرض جو اخلاص تھی جاتی رہی۔ اور اگر خدا تعالیٰ نے دولت دی ہے یا علم دیا ہے یا کوئی خاندانی وجاہت حاصل ہے تو اس کی وجہ سے اپنے دوسرے بھائی کو جس کو یہ باتیں نہیں ملی ہیں، حقیر اور ذلیل سمجھتا ہے۔ اور اپنے بھائی کی عیب چینی کے لئے حریص ہوتا ہے۔ اور تکبر مختلف رنگوں میں ہوتا ہے۔ کسی میں کسی رنگ میں اور کسی میں کسی طرح سے۔ علماء علم کے رنگ میں اُسے ظاہر کرتے ہیں اور علمی طور پر نکتہ چینی کر کے اپنے بھائی کو گرانا چاہتے ہیں۔ غرض کسی نہ کسی طرح عیب چینی کر کے اپنے بھائی کو ذلیل کرنا اور نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔ رات دن اس کے عیبوں کی تلاش میں رہتے ہیں اس قسم کی باریک بدیاں ہوتی ہیں جن کا دور کرنا بہت مشکل ہوتا ہے اور شریعت ان باتوں کو جائز نہیں رکھتی ہے۔ ان بدیوں میں عوام ہی مبتلا نہیں ہوتے بلکہ وہ لوگ جو متعارف اور موٹی موٹی بدیاں نہیں کرتے ہیں اور خواص سمجھے جاتے ہیں وہ بھی اکثر مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ان سے خلاصی پانا اور مرنا ایک ہی بات ہے۔ اور جب تک ان بدیوں سے نجات حاصل نہ کر لے۔ تزکیۂ نفس کامل طور پر نہیں ہوتا اور انسان ان کمالات اور انعامات

کا وارث نہیں بنتا جو تزکیہ نفس کے بعد خدا تعالےٰ کی طرف سے آتے ہیں۔ بعض لوگ اپنی جگہ سمجھ لیتے ہیں کہ ان اخلاقی بدیوں سے ہم نے خلاصی پالی ہے۔ لیکن جب کبھی موقعہ آ پڑتا ہے اور کسی سفیہ سے مقابلہ ہو جاوے تو انہیں بڑا جوش آتا ہے اور پھر وہ گند ان سے ظاہر ہوتا ہے جس کا وہم وگمان بھی نہیں ہوتا۔ اس وقت پتہ لگتا ہے کہ ابھی کچھ بھی حاصل نہیں کیا اور وہ تزکیہ نفس جو کامل کرتا ہے میسّر نہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ تزکیہ جس کو اخلاقی تزکیہ کہتے ہیں بہت ہی مشکل ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کے فضل کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس فضل کے جذب کرنے کے لئے بھی وہی تین پہلو ہیں۔ اوّل مجاہدہ اور تدبیر۔ دوم دُعا۔ سوم صحبت صادقین۔

یہ فضل الٰہی انبیاء علیہم السلام پر بدرجہ کمال ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ اوّل اُن کا تزکیہ اخلاقی کامل طور پر خود کر دیتا ہے۔ ان میں بداخلاقیوں اور رذائل کی آلائش رہ ہی نہیں جاتی۔ ان کی حالت تو یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ سلطنت پا کر بھی وہ فقیر ہی رہتے ہیں۔ اور کسی قسم کا کبر ان کے پاس نہیں آتا۔

درحقیقت یہ گند جو نفس کے جذبات کا ہے اور بد اخلاقی۔ کبر۔ ریا وغیرہ صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے اس پر موت نہیں آتی جب تک اللہ تعالےٰ کا فضل نہ ہو اور یہ مواد ردّیہ جل نہیں سکتے۔ جب تک معرفت کی آگ اُن کو نہ جلائے جس میں یہ معرفت کی آگ پیدا ہو جاتی ہے وہ ان اخلاقی کمزوریوں سے پاک ہونے لگتا ہے اور بڑا ہو کر بھی اپنے آپ کو چھوٹا سمجھتا ہے اور اپنی ہستی کو کچھ حقیقت نہیں پاتا۔ وہ اس نور اور روشنی کو جو انوار معرفت سے اُسے ملتی ہے اپنی کسی قابلیت اور خوبی کا نتیجہ نہیں مانتا اور نہ اسے اپنے نفس کی طرف منسوب کرتا ہے بلکہ وہ اُسے خدا تعالیٰ ہی کا فضل اور رحم یقین کرتا ہے جیسے ایک دیوار پر آفتاب کی روشنی اور دھوپ پڑ کر اُسے منور کر دیتی ہے لیکن دیوار اپنا کوئی فخر نہیں کر سکتی کہ یہ روشنی میری قابلیت کی وجہ سے

ہے۔ یہ ایک دوسری بات ہے کہ جس قدر وہ دیوار صاف ہوگی اسی قدر روشنی زیادہ صاف ہوگی۔ لیکن کسی حال میں دیوار کی ذاتی قابلیت اس روشنی کے لئے کوئی نہیں بلکہ اس کا فخر آفتاب کو ہے اور ایسا ہی وہ آفتاب کو یہ بھی نہیں کہہ سکتی کہ تو اس روشنی کو اٹھا لے۔ اسی طرح پر انبیاء علیہم السلام کے نفوس صافیہ ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فیضان اور فیوض سے معرفت کے انوار ان پر پڑتے ہیں اور ان کو روشن کر دیتے ہیں اسی لئے وہ ذاتی طور پر کوئی دعویٰ نہیں کرتے بلکہ ہر ایک فیض کو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف منسوب کرتے ہیں اور یہی سچ بھی ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کیا آپ اعمال سے داخل جنت ہوں گے تو یہی فرمایا کہ ہرگز نہیں[۱] خدا تعالیٰ کے فضل سے۔ انبیاء علیہم السلام کبھی کسی قوت اور طاقت کو اپنی طرف منسوب نہیں کرتے وہ خدا ہی سے پاتے ہیں اور اسی کا نام لیتے ہیں۔

ہاں ایسے لوگ ہیں جو انبیاء علیہم السلام سے حالانکہ کروڑوں حصہ نیچے کے درجہ میں ہوتے ہیں جو دو دن نماز پڑھ کر تکبر کرنے لگتے ہیں اور ایسا ہی روزہ اور حج سے بجائے تزکیہ کے ان میں تکبر اور نمود پیدا ہوتی ہے[۲]۔ یاد رکھو تکبر شیطان سے آیا ہے اور شیطان بنا دیتا ہے۔ جب تک انسان اس سے دور نہ ہو۔ یہ قبول حق اور فیضانِ اُلوہیت کی راہ میں روک ہو جاتا ہے کسی طرح سے بھی تکبر نہیں کرنا چاہیئے نہ علم کے

---

۱؎ البدر میں ہے:۔ "بلکہ خدا تعالیٰ کے فضل سے" (البدر جلد ۴ نمبر ۲ صفحہ ۳)

۲؎ البدر میں ہے:۔

"ہاں انبیاء سے نیچے جو لوگ ہوتے ہیں ان میں کوئی رگ تکبر کی رہ جاوے تو عجب نہیں کیونکہ یہ تو وہ بلا ہے کہ انسان کا پیچھا نہیں چھوڑتی۔ بعض لوگ حاجی بھی بن آتے ہیں مگر تکبر اور نخوت ان میں بدستور پائی جاتی ہے۔"

(البدر جلد ۴ نمبر ۲ صفحہ ۳ مورخہ ۱۰ جنوری ۱۹۰۵ء)

لحاظ سے نہ دولت کے لحاظ سے نہ وجاہت کے لحاظ سے نہ ذات اور خاندان اور حسب نسب کی وجہ سے۔ کیونکہ زیادہ تر انہیں باتوں سے یہ تکبر پیدا ہوتا ہے اور جب تک انسان ان گھمنڈوں سے اپنے آپ کو پاک صاف نہ کرے گا۔ اس وقت تک وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک برگزیدہ نہیں ہو سکتا اور وہ معرفت جو جذبات کے مواد ردّیہ کو جلا دیتی ہے اس کو عطا نہیں ہوتی کیونکہ یہ شیطان کا حصہ ہے اس کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا۔ شیطان نے بھی تکبر کیا تھا اور آدم سے اپنے آپ کو بہتر سمجھا اور کہدیا۔ انا خیر منہ خلقتنی من نار وخلقتہ من طین[1]۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ خدا تعالیٰ کے حضور سے مردود ہو گیا اور آدم لغزش پر (چونکہ اسے معرفت دی گئی تھی) اپنی کمزوری کا اعتراف کرنے لگا۔ اور خدا تعالےٰ کے فضل کا وارث ہوا۔ وہ جانتے تھے کہ خدا تعالےٰ کے فضل کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا اس لئے دُعا کی ربنا ظلمنا انفسنا و ان لم تغفر لنا و ترحمنا لنکونن من الخاسرین[2]۔ یہی وہ سِرّ ہے جو حضرت عیسٰی علیہ السلام کو کہا گیا کہ اے نیک اُستاد۔ تو انہوں نے کہا کہ تو مجھے نیک کیوں کہتا ہے۔ اس پر آج کل کے نادان عیسائی تو یہ کہتے ہیں کہ ان کا مطلب اس فقرہ سے یہ تھا کہ تو مجھے خدا کیوں نہیں کہتا۔ حالانکہ حضرت مسیح نے بہت ہی لطیف بات کہی تھی جو انبیاء علیہم السلام کی فطرت کا خاصہ ہے۔ وہ جانتے تھے کہ حقیقی نیکی تو خدا تعالےٰ ہی سے آتی ہے۔ وہی اس کا چشمہ ہے اور وہیں سے وہ اترتی ہے۔ وہ جس کو چاہے عطا کرے اور جب چاہے سلب کر لے۔ مگر ان نادانوں نے ایک عمدہ اور قابلِ قدر بات کو معیوب بنا دیا اور حضرت عیسٰی کو متکبر ثابت کیا حالانکہ وہ ایک منکسر المزاج انسان تھے۔

## پاک ہونے کا ایک طریق

پس میرے نزدیک پاک ہونے کا یہ عمدہ طریق ہے اور ممکن نہیں کہ اس سے بہتر کوئی اور طریق مل سکے کہ انسان کسی قسم کا تکبر اور فخر نہ کرے نہ علمی، نہ خاندانی، نہ مالی۔

[1] الاعراف: ۱۳ [2] الاعراف: ۲۴

جب خدا تعالیٰ کسی کو آنکھ عطا کرتا ہے تو وہ دیکھ لیتا ہے کہ ہر ایک روشنی جو ان ظلمتوں سے نجات دے سکتی ہے وہ آسمان سے ہی آتی ہے اور انسان ہر وقت آسمانی روشنی کا محتاج ہے آنکھ بھی دیکھ نہیں سکتی جب تک سورج کی روشنی جو آسمان سے آتی ہے نہ آئے۔ اسی طرح باطنی روشنی جو ہر ایک قسم کی ظلمت کو دُور کرتی ہے اور اس کی بجائے تقویٰ اور طہارت کا نور پیدا کرتی ہے آسمان ہی سے آتی ہے۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ انسان کا تقویٰ، ایمان، عبادت، طہارت، سب کچھ آسمان سے آتا ہے۔ اور یہ خدا تعالیٰ کے فضل پر موقوف ہے وہ چاہے تو اس کو قائم رکھے اور چاہے تو دور کر دے۔

پس سچی معرفت اسی کا نام ہے کہ انسان اپنے نفس کو مسلوب اور لاشئی محض سمجھے۔ اور آستانۂ الوہیت پر گر کر انکسار اور عجز کے ساتھ خدا تعالیٰ کے فضل کو طلب کرے۔ اور اس نورِ معرفت کو مانگے جو جذباتِ نفس کو جلا دیتا ہے اور اندر ایک روشنی اور نیکیوں کے لئے قوت اور حرارت پیدا کرتا ہے۔ پھر اگر اس کے فضل سے اس کو حصہ مل جاوے اور کسی وقت کسی قسم کا بسط اور شرح صدر حاصل ہو جاوے تو اس پر تکبّر اور ناز نہ کرے بلکہ اس کی فروتنی اور انکسار میں اور بھی ترقی ہو۔ کیونکہ جس قدر وہ اپنے آپ کو لاشئی سمجھے گا اسی قدر کیفیات اور انوار خدا تعالیٰ سے اُتریں گے جو اس کو روشنی اور قوت پہنچائیں گے۔ اگر انسان یہ عقیدہ رکھے گا تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اُس کی اخلاقی حالت عمدہ ہو جائے گی۔ دنیا میں اپنے آپ کو کچھ سمجھنا بھی تکبّر ہے اور یہی حالت بنا دیتا ہے۔ پھر انسان کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ دوسرے پر لعنت کرتا ہے اور اُسے حقیر سمجھتا ہے۔

میں یہ سب باتیں بار بار اس لئے کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے جو اس جماعت کو بنانا چاہا ہے تو اس سے یہی غرض رکھی ہے کہ وہ حقیقی معرفت جو دنیا میں گم ہو چکی ہے اور وہ حقیقی تقویٰ و طہارت جو اس زمانہ میں پائی نہیں جاتی۔ اسے

دوبارہ قائم کرے۔

عام طور پر تکبر دنیا میں پھیلا ہوا ہے۔ علماء اپنے علم کی شیخی اور تکبر میں گرفتار ہیں فقراء کو دیکھو تو ان کی بھی حالت اور ہی قسم کی ہو رہی ہے۔ ان کو اصلاح نفس سے کوئی کام ہی نہیں رہا۔ ان کی غرض و غایت صرف جسم تک محدود ہے۔ اس لئے اُن کے مجاہدے اور ریاضتیں بھی کچھ اور ہی قسم کی ہیں جیسے ذکر ارہ وغیرہ جن کا چشمہ نبوت سے پتہ نہیں چلتا۔ میں دیکھتا ہوں کہ دل کو پاک کرنے کی طرف ان کی توجہ ہی نہیں۔ صرف جسم ہی جسم باقی رہا ہوا ہے۔ جس میں رُوحانیت کا کوئی نام و نشان نہیں۔ یہ مجاہدے دل کو پاک نہیں کر سکتے اور نہ کوئی حقیقی نور معرفت کا بخش سکتے ہیں پس یہ زمانہ اب بالکل خالی ہے۔ نبوی طریق جیسا کہ کرنے کا تھا وہ بالکل ترک کر دیا گیا ہے اور اس کو بھلا دیا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ وہ عہد نبوت پھر آجاوے اور تقویٰ اور طہارت پھر قائم ہو۔ اور اس کو اس نے اس جماعت کے ذریعہ چاہا ہے۔

پس فرض ہے کہ حقیقی اصلاح کی طرف تم توجہ کرو اسی طرح پر جس طرح پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اصلاح کا طریق بتایا ہے۔

## شریعت کے دو پہلو

شریعت کے دو ہی بڑے حصے اور پہلو ہیں جن کی حفاظت انسان کو ضروری ہے۔ ایک حق اللہ، دوسرے حق العباد۔ حق اللہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت اس کی اطاعت، عبادت، توحید، ذات اور صفات میں کسی دوسری ہستی کو شریک نہ کرنا۔ اور حق العباد یہ ہے کہ اپنے بھائیوں سے تکبر، خیانت اور ظلم کسی نوع کا نہ کیا جاوے۔ گویا اخلاقی حصہ میں کسی قسم کا فتور نہ ہو۔ سُننے میں تو یہ دو ہی فقرے ہیں لیکن عمل کرنے میں بہت ہی مشکل ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا بڑا ہی فضل انسان پر ہو تو وہ ان دونوں پہلوؤں پر قائم ہو سکتا ہے کسی میں قوتِ غضبی بڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ جب وہ جوش مارتی ہے تو نہ اس کا دل پاک رہ سکتا ہے اور نہ زبان۔ دل سے اپنے بھائی کے خلاف ناپاک منصوبے کرتا ہے اور زبان سے گالی دیتا ہے۔ اور پھر کینہ پیدا کرتا ہے۔ کسی میں قوت شہوت غالب ہوتی ہے اور وہ اس میں گرفتار ہو کر حدود اللہ کو توڑتا ہے۔ غرض جب تک انسان کی اخلاقی حالت بالکل درست نہ ہو وہ کامل الایمان جو منعم علیہ گروہ میں داخل کرتا ہے اور جس کے ذریعہ سچی معرفت کا نور پیدا ہوتا ہے اس میں داخل نہیں ہو سکتا۔ پس دن رات یہی کوشش ہونی چاہیئے کہ بعد اس کے جو انسان سچا موحد ہو اپنے اخلاق کو درست کرے۔ میں دیکھتا ہوں کہ اس وقت اخلاقی حالت بہت ہی گری ہوئی ہے۔ اکثر لوگوں میں بدظنی کا مرض بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ وہ اپنے بھائی سے نیک ظنی نہیں رکھتے اور ادنیٰ ادنیٰ سی بات پر اپنے دوسرے بھائی کی نسبت بُرے بُرے خیالات کرنے لگتے ہیں اور ایسے عیوب اس کی طرف منسوب کرنے لگتے ہیں کہ اگر وہی عیب اس کی طرف منسوب ہوں تو اس کو سخت ناگوار معلوم ہو۔ اس لئے اوّل ضروری ہے کہ حتی الوسع اپنے بھائیوں پر بدظنی نہ کی جاوے اور ہمیشہ نیک ظن رکھا جاوے کیونکہ اس سے محبت بڑھتی ہے اور انس پیدا ہوتا ہے اور آپس میں قوت پیدا ہوتی ہے اور اس کے باعث انسان بعض دوسرے عیوب مثلاً کینہ۔ بغض۔ حسد وغیرہ سے بچا رہتا ہے

پھر میں دیکھتا ہوں کہ بہت سے ہیں جن میں اپنے بھائیوں کے لئے کچھ بھی ہمدردی نہیں۔ اگر ایک بھائی بھوکا مرتا ہو تو دوسرا توجہ نہیں کرتا اور اس کی خبر گیری کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ یا اگر وہ کسی اور قسم کی مشکلات میں ہے تو اتنا نہیں کرتے کہ اس کے لئے اپنے مال کا کوئی حصہ خرچ کریں۔ حدیث شریف میں ہمسایہ کی خبر گیری اور اس کے ساتھ ہمدردی کا حکم آیا ہے۔ بلکہ یہانتک بھی ہے کہ اگر تم گوشت پکاؤ تو شوربا زیادہ

کرلو تاکہ اُسے بھی دے سکو۔ اب کیا ہوتا ہے اپنا ہی پیٹ پالتے ہیں۔ لیکن اس کی کچھ پروا نہیں۔ یہ مت سمجھو کہ ہمسایہ سے اتنا ہی مطلب ہے جو گھر کے پاس رہتا ہو۔ بلکہ جو تمہارے بھائی ہیں وہ بھی ہمسایہ ہی ہیں خواہ وہ سو کوس کے فاصلے پر بھی ہوں۔

ہر شخص کو ہر روز اپنا مطالعہ کرنا چاہیئے کہ وہ کہانتک ان امور کی پروا کرتا ہے اور کہانتک وہ اپنے بھائیوں سے ہمدردی اور سلوک کرتا ہے۔ اس کا بڑا بھاری مطالبہ انسان کے ذمہ ہے۔ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ قیامت کے روز خدا تعالےٰ کہیگا کہ میں بھوکا تھا تم نے مجھے کھانا نہ کھلایا۔ میں پیاسا تھا اور تونے مجھے پانی نہ دیا۔ میں بیمار تھا۔ تم نے میری عیادت نہ کی۔ جن لوگوں سے یہ سوال ہوگا وہ کہیں گے کہ اے ہمارے ربّ تو کب بھوکا تھا جو ہم نے کھانا نہ دیا۔ تو کب پیاسا تھا جو پانی نہ دیا اور تو کب بیمار تھا جو تیری عیادت نہ کی۔ پھر خدا تعالےٰ فرمائے گا کہ میرا فلاں بندہ جو ہے وہ ان باتوں کا محتاج تھا مگر تم نے اس کی کوئی ہمدردی نہ کی۔ اس کی ہمدردی میری ہی ہمدردی تھی ایسا ہی ایک اَور جماعت کو کہیگا کہ شاباش! تم نے میری ہمدردی کی۔ میں بھوکا تھا تم نے مجھے کھانا کھلایا۔ میں پیاسا تھا تم نے مجھے پانی پلایا وغیرہ۔ وہ جماعت عرض کرے گی کہ اے ہمارے خدا ہم نے کب تیرے ساتھ ایسا کیا؟ تب اللہ تعالیٰ جواب دے گا کہ میرے فلاں بندہ کے ساتھ جو تم نے ہمدردی کی وہ میری ہی ہمدردی تھی۔ دراصل خدا تعالےٰ کی مخلوق کے ساتھ ہمدردی کرنا بہت ہی بڑی بات ہے اور خدا تعالےٰ اس کو بہت پسند کرتا ہے۔ اس سے بڑھ کر اَور کیا ہوگا کہ وہ اس سے اپنی ہمدردی ظاہر کرتا ہے۔ عام طور پر دنیا میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص کا خادم کسی اس کے دوست کے پاس جاوے اور وہ شخص اس کی خبر بھی نہ لے تو کیا وہ آقا جس کا کہ وہ خادم ہے اس اپنے دوست سے خوش ہوگا؟ کبھی نہیں۔ حالانکہ اس کو تو کوئی تکلیف اس نے نہیں دی۔ مگر نہیں۔ اس نوکر کی خدمت اور اس کے ساتھ

حسن سلوک گویا مالک کے ساتھ حسن سلوک ہے۔ خدا تعالیٰ کو بھی اس طرح پر اس بات کی چڑ ہے کہ کوئی اس کی مخلوق سے سرد مہری برتے۔ کیونکہ اس کو اپنی مخلوق بہت پیاری ہے۔ پس جو شخص خدا تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ ہمدردی کرتا ہے وہ گویا اپنے خدا کو راضی کرتا ہے۔

غرض اخلاق ہی ساری ترقیات کا زینہ ہے۔ میری دانست میں یہی پہلو حقوق العباد کا ہے جو حقوق اللہ کے پہلو کو تقویت دیتا ہے۔ جو شخص نوع انسان کے ساتھ اخلاق سے پیش آتا ہے خدا تعالیٰ اس کے ایمان کو ضائع نہیں کرتا۔ جب انسان خدا تعالیٰ کی رضا کے لئے ایک کام کرتا ہے اور اپنے ضعیف بھائی کی ہمدردی کرتا ہے تو اس اخلاص سے اس کا ایمان قوی ہو جاتا ہے۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ نمائش اور نمود کے لئے جو اخلاق برتے جائیں وہ اخلاق خدا تعالیٰ کے لئے نہیں ہوتے اور ان میں اخلاص کے نہ ہونے کی وجہ سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ اس طرح پر تو بہت سے لوگ سرائیں وغیرہ بنا دیتے ہیں۔ ان کی اصل غرض شہرت ہوتی ہے۔ اور اگر انسان خدا تعالیٰ کے لئے کوئی فعل کرے تو خواہ وہ کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ اُسے ضائع نہیں کرتا اور اس کا بدلہ دیتا ہے۔ میں نے تذکرۃ الاولیاء میں پڑھا ہے کہ ایک ولی اللہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ بارش ہوئی اور کئی روز تک رہی۔ ان بارش کے دنوں میں میں نے دیکھا کہ ایک اسّی برس کا بوڑھا گبر ہے جو کوٹھے پر چڑیوں کے لئے دانے ڈال رہا ہے۔ میں نے اس خیال سے کہ کافر کے اعمال حبط ہو جاتے ہیں اس سے کہا کہ کیا تیرے اس عمل سے تجھے کچھ ثواب ہوگا؟ اس گبر نے جواب دیا کہ ہاں ضرور ہوگا۔ پھر وہی ولی اللہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ جو میں حج کو گیا تو دیکھا کہ وہی گبر طواف کر رہا ہے۔ اس گبر نے مجھے پہچان لیا اور کہا کہ دیکھو ان دانوں کا مجھے ثواب مل گیا یا نہیں؟ یعنی وہی دانے میرے اسلام تک لانے کا موجب ہو گئے۔

حدیث میں بھی ذکر آیا ہے کہ ایک صحابیؓ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ایام جاہلیت میں مَیں نے بہت خرچ کیا تھا۔ کیا اس کا ثواب بھی مجھے ہوگا؟ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کو جواب دیا کہ یہ اسی صدقہ وخیرات کا ثمرہ تو ہے کہ تو مسلمان ہوگیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کسی کے ادنیٰ فعل اخلاص کو بھی ضائع نہیں کرتا۔ اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مخلوق کی ہمدردی اور خبرگیری حقوق العباد کی حفاظت کا باعث ہوجاتی ہے۔

پس مخلوق کی ہمدردی ایک ایسی شئے ہے کہ اگر انسان اُسے چھوڑ دے اور اس سے دور ہوتا جاوے تو رفتہ رفتہ پھر وہ درندہ ہوجاتا ہے۔ انسان کی انسانیت کا یہی تقاضا ہے اور وہ اسی وقت تک انسان ہے جب تک اپنے دوسرے بھائی کے ساتھ مروت، سلوک اور احسان سے کام لیتا ہے اور اس میں کسی قسم کی تفریق نہیں ہے جیسا کہ سعدی نے کہا ہے ؎

بنی آدم اعضائے یک دیگر اند

یاد رکھو ہمدردی کا دائرہ میرے نزدیک بہت وسیع ہے۔ کسی قوم اور فرد کو الگ نہ کرے۔ میں آج کل کے جاہلوں کی طرح یہ نہیں کہنا چاہتا کہ تم اپنی ہمدردی کو صرف مسلمانوں سے ہی مخصوص کرو۔ نہیں میں کہتا ہوں کہ تم خدا تعالےٰ کی ساری مخلوق سے ہمدردی کرو۔ خواہ وہ کوئی ہو۔ ہندو ہو یا مسلمان یا کوئی اَور۔ میں کبھی ایسے لوگوں کی باتیں پسند نہیں کرتا جو ہمدردی کو صرف اپنی ہی قوم سے مخصوص کرنا چاہتے ہیں۔ ان میں بعض اس قسم کے خیالات بھی رکھتے ہیں کہ اگر ایک شیرے کے مٹکے میں ہاتھ ڈالا جاوے اور پھر اس کو تلوں میں ڈال کر تل لگائے جاویں تو جس قدر تل اس کو لگ جاویں اس قدر دھوکا اور فریب دوسرے لوگوں کو دے سکتے ہیں۔ ان کی ایسی بے ہودہ اور خیالی باتوں نے بہت بڑا نقصان پہنچایا ہے اور اُن کو قریباً وحشی اور درندہ بنا دیا ہے۔ مگر میں

تمہیں بار بار یہی نصیحت کرتا ہوں کہ تم ہرگز ہرگز اپنی ہمدردی کے دائرہ کو محدود نہ کرو۔ اور ہمدردی کے لئے اس تعلیم کی پیروی کرو جو اللہ تعالیٰ نے دی ہے یعنی اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی[1]۔ یعنی اول نیکی کرنے میں تم عدل کو ملحوظ رکھو۔ جو شخص تم سے نیکی کرے تم بھی اس کے ساتھ نیکی کرو۔

اور پھر دوسرا درجہ یہ ہے کہ تم اس سے بھی بڑھ کر اس سے سلوک کرو یہ احسان ہے۔ احسان کا درجہ اگرچہ عدل سے بڑھا ہوا ہے اور یہ بڑی بھاری نیکی ہے لیکن کبھی نہ کبھی ممکن ہے احسان والا اپنا احسان جتلا دے مگر ان سب سے بڑھ کر ایک درجہ ہے کہ انسان ایسے طور پر نیکی کرے جو محبت ذاتی کے رنگ میں ہو جس میں احسان نمائی کا بھی کوئی حصہ نہیں ہوتا ہے جیسے ماں اپنے بچہ کی پرورش کرتی ہے وہ اس پرورش میں کسی اجر اور صلے کی خواستگار نہیں ہوتی بلکہ ایک طبعی جوش ہوتا ہے جو بچے کے لئے اپنے سارے سکھ اور آرام قربان کر دیتی ہے یہاں تک کہ اگر کوئی بادشاہ کسی ماں کو حکم دیدے کہ تو اپنے بچہ کو دودھ مت پلا اور اگر ایسا کرنے سے بچہ ضائع بھی ہو جاوے تو اس کو کوئی سزا نہیں ہوگی تو کیا ماں ایسا حکم سُنکر خوش ہوگی؟ اور اس کی تعمیل کرے گی؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ وہ تو اپنے دل میں ایسے بادشاہ کو کوسے گی کہ کیوں اس نے ایسا حکم دیا۔ پس اس طریق پر نیکی ہو کہ اسے طبعی مرتبہ تک پہنچایا جاوے۔ کیونکہ جب کوئی شئے ترقی کرتے کرتے اپنے طبعی کمال تک پہنچ جاتی ہے اس وقت وہ کامل ہوتی ہے۔

✻ البدر سے :- "طبعی جوش سے نوع انسان کی ہمدردی کا نام ایتاء ذی القربیٰ ہے اور اس ترتیب سے خدا تعالیٰ کا یہ منشاء ہے کہ اگر تم پورا نیک بننا چاہتے ہو تو اپنی نیکی کو ایتاء ذی القربیٰ یعنی طبعی درجہ تک پہنچاؤ۔ جب تک کوئی شئے ترقی کرتی کرتی اپنے اس طبعی مرکز تک نہیں پہنچتی تب تک وہ کمال کا درجہ حاصل نہیں کرتی۔"

(البدر جلد ۴ نمبر ۲ صفحہ ۴ مورخہ ۱۰ر جنوری ۱۹۰۵ء)

[1] النحل : ۹۱

یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ نیکی کو بہت پسند کرتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ اس کی مخلوق سے ہمدردی کی جاوے۔ اگر وہ بدی کو پسند کرتا تو بدی کی تاکید کرتا مگر اللہ تعالیٰ کی شان اس سے پاک ہے (سبحانہ تعالیٰ شانہٗ)

## آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لڑائیوں پر نظر

بعض لوگ جن کو حق کے ساتھ دشمنی ہوتی ہے جب ایسی تعلیم سنتے ہیں تو اَور کچھ نہیں تو یہی اعتراض کر دیتے ہیں کہ اسلام میں ہمدردی اگر ہوتی تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے لڑائیاں کیوں کی تھیں؟ وہ نادان اتنا نہیں جانتے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جو جنگ کئے وہ تیرہ برس تک خطرناک دُکھ اُٹھانے کے بعد کئے اور وہ بھی مدافعت کے طور پر۔ تیرہ برس تک اُن کے ہاتھوں سے آپ تکالیف اُٹھاتے رہے۔ مسلمان مرد اور عورتیں شہید کی گئیں۔ آخر جب آپ مدینہ تشریف لے گئے اور وہاں بھی ان ظالموں نے پیچھا نہ چھوڑا۔ تو خدا تعالیٰ نے مظلوم قوم کو مقابلہ کا حکم دیا اور وہ بھی اس لئے کہ شریروں کی شرارت سے مخلوق کو بچایا جائے اور ایک حق پرست قوم کے لئے راہ کھُل جائے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کے لئے بدی نہیں چاہی۔ آپ تو رحم مجسم تھے۔ اگر بدی چاہتے تو جب آپ نے پُورا تسلط حاصل کر لیا تھا اور شوکت اور غلبہ آپ کو مل گیا تھا تو آپ اُن تمام آئمۃ الکفر کو جو ہمیشہ آپ کو دُکھ دیتے رہتے تھے۔ قتل کروا دیتے اور اس میں انصاف اور عقل کی رُو سے آپ کا پلّہ بالکل پاک تھا۔ مگر باوجود اس کے کہ عُرف عام کے لحاظ سے اور عقل اور انصاف کے لحاظ سے آپ کو حق تھا کہ ان لوگوں کو قتل کروا دیتے مگر نہیں، آپ نے سب کو چھوڑ دیا۔ آج کل جو لوگ غداری کرتے ہیں اور باغی ہوتے ہیں انہیں کون پناہ دے سکتا ہے۔ جب ہندوستان میں غدر ہو گیا تھا اور اس کے بعد انگریزوں نے تسلّط عام حاصل کر لیا تو تمام شریر باغی ہلاک کر دیئے گئے اور ان کی یہ سزا بالکل انصاف پر مبنی تھی۔ باغی کے لئے کسی قانون میں رہائی نہیں۔ لیکن یہ آپ ہی کا حوصلہ

تھا کہ اس دن آپ نے فرمایا کہ جاؤ تم سب کو بخش دیا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو نوع انسان سے بہت بڑی ہمدردی تھی ایسی ہمدردی کہ اس کی نظیر دنیا میں نہیں مل سکتی۔ اس کے بعد بھی اگر کہا جاوے کہ اسلام دُوسروں سے ہمدردی کی تعلیم نہیں دیتا تو اس سے بڑھ کر ظلم اَور کیا ہوگا؟ یقیناً یاد رکھو کہ مومن متقی کے دل میں شر نہیں ہوتا۔ جس قدر انسان متقی ہوتا جاتا ہے اسی قدر وہ کسی کی نسبت سزا اور ایذا کو پسند نہیں کرتا۔ مسلمان کبھی کینہ ور نہیں ہو سکتا۔ ہم خود دیکھتے ہیں کہ ان لوگوں نے ہمارے ساتھ کیا کیا ہے کوئی دُکھ اور تکلیف جو وہ پہنچا سکتے تھے انہوں نے پہنچایا ہے لیکن پھر بھی ان کی ہزاروں خطائیں بخشنے کو اب بھی تیار ہیں۔

پس تم جو میرے ساتھ تعلق رکھتے ہو۔ یاد رکھو کہ تم ہر شخص سے خواہ وہ کسی مذہب کا ہو ہمدردی کرو اور بلاتمیز ہر ایک سے نیکی کرو کیونکہ یہی قرآن شریف کی تعلیم ہے۔ وَ یطعمون الطعام علی حبہ مسکینا و یتیما و اسیرا۔[1] وہ اسیر اور قیدی جو آتے تھے اکثر کفار ہی ہوتے تھے۔ اب دیکھ لو کہ اسلام کی ہمدردی کی انتہا کیا ہے۔ میری رائے میں کامل اخلاقی تعلیم بجز اسلام کے اور کسی کو نصیب ہی نہیں ہوئی۔ مجھے صحت ہو جاوے تو میں اخلاقی تعلیم پر ایک مستقل رسالہ لکھوں گا کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ جو کچھ میرا منشا ہے وہ ظاہر ہو جاوے اور وہ میری جماعت کے لئے ایک کامل تعلیم ہو اور ابتغاء مرضات اللہ کی راہیں اس میں دکھائی جائیں۔ مجھے بہت ہی رنج ہوتا ہے جب میں آئے دن یہ دیکھتا اور سُنتا ہوں کہ کسی سے یہ سرزد ہوا اور کسی سے وہ۔ میری طبیعت ان باتوں سے خوش نہیں ہوتی۔ میں جماعت کو ابھی اس بچہ کی طرح پاتا ہوں جو دو قدم اُٹھاتا ہے تو چار قدم گرتا ہے۔ لیکن میں یقین رکھتا ہوں کہ خدا تعالےٰ اس جماعت کو کامل کر دے گا۔ اس لئے تم بھی کوشش، تدبیر، مجاہدہ اور دعاؤں میں لگے رہو کہ خدا تعالےٰ اپنا فضل کرے کیونکہ اس کے فضل کے بغیر کچھ بنتا ہی نہیں۔ جب اس کا فضل ہوتا ہے تو وہ ساری

[1] الدھر: ۹

راہیں کھول دیتا ہے۔

(الحکم جلد ۹ نمبر ۳ صفحہ ۲ تا ۴ مورخہ ۲۴ جنوری ۱۹۰۵ء)

---

۳۰ دسمبر ۱۹۰۴ء

# تقریر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

## جو آپ نے بعد نماز جمعہ مسجد اقصیٰ میں فرمائی

چونکہ خاکسار ایڈیٹر کچھ دیر سے پہنچا تھا اس لئے جس قدر ضبط ہو سکا وہ ہدیہ ناظرین ہے بسلسلہ تقریر سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انقطاع دنیا اور حصول قرب الی اللہ کے متعلق مضمون تھا۔ اور وہ تقریر یہ ہے:۔

انسان کو چاہیئے کہ حسنات کا پلڑا بھاری رکھے۔ مگر جہانتک دیکھا جاتا ہے اس کی مصروفیت اس قدر دنیا میں ہے کہ یہ پلڑا بھاری ہوتا نظر نہیں آتا۔ رات دن اسی فکر میں ہے کہ وہ کام دنیا کا ہو جاوے۔ فلانی زمین مل جاوے، فلاں مکان بن جاوے۔ حالانکہ اُسے چاہیئے کہ افکار میں بھی دین کا پلڑا دنیا کے پلڑے سے بھاری رکھے۔ اگر کوئی شخص رات دن نماز روزہ میں مصروف ہے تو یہ بھی اس کے کام ہرگز نہیں آسکتا جب تک کہ خدا کو اس نے مقدم نہیں رکھا ہوا۔ ہر بات اور فعل میں اللہ تعالیٰ کو نصب العین بنانا چاہیئے ورنہ خدا کی قبولیت کے لائق ہرگز نہ ٹھہرے گا۔ دنیا کا ایک بُت ہوتا ہے جو کہ ہر وقت انسان کی بغل میں ہوتا ہے۔ اگر وہ مقابلہ اور موازنہ کر کے دیکھے گا تو اُسے معلوم ہو گا کہ طرح طرح کی نمائش اس نے دنیا کے لئے بنا رکھی ہے اور دین کا پہلو بہت کمزور ہے حالانکہ عمر کا اعتبار نہیں اور نہ علم ہے کہ اس نے ایک پَل کے بعد زندہ بھی رہنا ہے کہ نہیں۔ شیخ سعدی نے کیا عمدہ فرمایا ہے ؎

## مکن تکیہ بر عمر ناپائدار

اس وقت جس قدر لوگ کھڑے ہیں کون کہہ سکتا ہے کہ ایک سال تک میں ضرور زندہ رہوں گا لیکن اگر خدا تعالےٰ کی طرف سے علم ہو جاوے کہ اب زندگی ختم ہے تو ابھی سب ارادے باطل ہو جاتے ہیں۔ پس خوب یاد رکھو کہ مومن کو دنیا کا بندہ نہ ہونا چاہیئے۔ ہمیشہ اس امر میں کوشاں رہنا چاہیئے کہ کوئی بھلائی اس کے ہاتھ سے ہو جاوے۔ خدا تعالےٰ بڑا رحیم کریم ہے اور اس کا ہرگز یہ منشا نہیں ہے کہ تم دکھ پاؤ۔ لیکن یہ خوب یاد رکھو کہ جو اس سے عمداً دُوری اختیار کرتا ہے اس پر اس کا قہر ضرور ہوتا ہے۔ عادت اللہ اسی طرح سے چلی آتی ہے۔ نوحؑ کے زمانہ کو دیکھو اور لُوط کے زمانہ کو دیکھو۔ موسیٰ کے زمانہ کو دیکھو اور پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کو دیکھو کہ اس وقت جن لوگوں نے عمداً خدا تعالیٰ سے بُعد اختیار کیا ان کا کیا حال ہوا۔ ان لمبی آرزوؤں نے انسان کو ہلاک کر دیا ہے۔

اللہ تعالےٰ بھی فرماتا ہے الھٰکم التکاثر حتّٰی زرتم المقابر[۱] کہ اے لوگو جو تم خدا تعالیٰ سے غافل ہو۔ دنیا طلبی نے تم کو غافل کر دیا ہے یہاں تک کہ تم قبروں میں داخل ہو جاتے ہو مگر غفلت سے باز نہیں آتے۔ کلّا سوف تعلمون[۲] مگر اس غلطی کا تم کو عنقریب علم ہو جائے گا۔ ثم کلّا سوف تعلمون[۳]۔ پھر تم کو اطلاع دی جاتی ہے۔ کہ عنقریب تم کو علم ہو جاوے گا کہ جن خواہشات کے پیچھے تم پڑے ہو وہ ہرگز تمہارے کام نہ آویں گی اور حسرت کا موجب ہوں گی۔ کلّا لو تعلمون علم الیقین[۴]۔ اگر تم کو یقینی علم حاصل ہو جاوے تو تم علم کے ذریعہ سے سوچکر اپنے جہنم کو دیکھ لو اور تم کو پتہ لگ جاوے کہ تمہاری زندگی جہنمی زندگی ہے اور جن خیالات میں تم رات دن لگے ہوئے ہو وہ بالکل ناکارہ ہیں۔ میں ہرچند کوشش کرتا ہوں کہ کسی طرح یہ باتیں لوگوں کے دلنشیں ہو جاویں مگر آخر کار یہی کہنا پڑتا ہے کہ اپنے اختیار میں کچھ نہیں ہے جب تک خدا تعالےٰ خود ایک واعظ دل میں نہ پیدا کرے تب تک فائدہ نہیں ہوتا۔ جب انسان

۱ تا ۴ التکاثر: ۲-۶

کی سعادت اور ہدایت کے دن آتے ہیں تو دل کے اندر ایک واعظ خود پیدا ہو جاتا ہے۔ اور اس وقت اس کے دل کو ایسے کان مل جاتے ہیں کہ وہ دوسرے کی بات کو سنتا ہے۔ راتوں کو اور دنوں کو خوب سوچکر دیکھو تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ انسان بہت ہی بے بنیاد شئے ہے اور اس کے وجود کی کوئی کَل بھی اس کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ ایک آنکھ ہی پر نظر کرو کہ کس قدر باریک عضو ہے اگر ایک ذرا پتھر آلگے تو فوراً نابینا ہو جاوے۔ پھر اگر یہ خدا کی نعمت نہیں ہے تو کیا ہے۔ کیا کسی نے ٹھیکہ لیا ہوا ہے کہ خدا تعالیٰ اُسے ضرور بینا ہی رکھے گا اور اسی پر سب قویٰ کا قیاس کرو کہ اگر آج کسی میں فرق آجاوے تو انسان کی کیا پیش چل سکتی ہے۔ غرضکہ ہر آن اور پَل میں اس کی طرف رجوع کی ضرورت ہے اور مومن کا گذارہ تو ہو ہی نہیں سکتا جب تک اس کا دھیان ہر وقت اس کی طرف لگا نہ رہے۔ اگر کوئی ان باتوں پر غور نہیں کرتا اور ایک دینی نظر سے اُن کو وقعت نہیں دیتا تو وہ اپنے دنیوی معاملات پر ہی نظر ڈال کر دیکھے۔ کہ کیا خدا تعالےٰ کی تائید اور فضل کے سوا کوئی کام اس کا چل سکتا ہے؟ اور کوئی منفعت دنیا کی وہ حاصل کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ دین ہو یا دنیا ہر ایک امر میں اُسے خدا تعالےٰ کی ذات کی بڑی ضرورت ہے اور ہر وقت اس کی طرف احتیاج لگی ہوئی ہے۔ جو اس کا منکر ہے سخت غلطی پر ہے۔ خدا تعالیٰ کو تو اس بات کی مطلق پروا نہیں ہے کہ تم اس کی طرف میلان رکھو یا نہ۔ وہ فرماتا ہے قل ما یعبؤا بکم ربّی لولا دعاؤکم[1] کہ اگر اس کی طرف رجوع رکھو گے تو تمہارا ہی اس میں فائدہ ہوگا۔ انسان جس قدر اپنے وجود کو مفید اور کار آمد ثابت کرے گا اسی قدر اس کے انعامات کو حاصل کرے گا دیکھو کوئی بَیل کسی زمیندار کا کتنا ہی پیارا کیوں نہ ہو مگر جب وہ اس کے کسی کام بھی نہ آویگا نہ گاڑی میں جُتے گا نہ زراعت کرے گا نہ کنوئیں میں لگے گا تو آخر سوائے ذبح کے اور کسی کام نہ آوے گا۔ ایک نہ ایک دن مالک اُسے قصاب کے حوالہ کر دے گا۔ ایسے

[1] الفرقان: ۷۸

ہی جو انسان خدا کی راہ میں مفید ثابت نہ ہوگا تو خدا تعالیٰ اس کی حفاظت کا ہرگز ذمہ دار نہ ہوگا۔ ایک پھل اور سایہ دار درخت کی طرح اپنے وجود کو بنانا چاہیئے تاکہ مالک بھی خبر گیری کرتا رہے۔ لیکن اگر اس درخت کی مانند ہوگا کہ جو نہ پھل لاتا ہے اور نہ پتے رکھتا ہے کہ لوگ سایہ میں آبیٹھیں تو سوائے اس کے کہ کاٹا جاوے اور آگ میں ڈالا جاوے اور کس کام آسکتا ہے۔

خدا تعالیٰ نے انسان کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ اس کی معرفت اور قرب حاصل کرے۔ ماخلقت الجنّ والانس الّا لیعبدون[1]۔ جو اس اصل غرض کو مدنظر نہیں رکھتا اور رات دن دنیا کے حصول کی فکر میں ڈوبا ہوا ہے کہ فلاں زمین خرید لوں۔ فلاں مکان بنا لوں۔ فلاں جائداد پر قبضہ ہو جاوے تو ایسے شخص سے سوائے اس کے کہ خدا تعالیٰ کچھ دن مہلت دے کر واپس بُلالے اور کیا سلوک کیا جاوے۔

انسان کے دل میں خدا تعالیٰ کے قرب کے حصول کا ایک درد ہونا چاہیئے جس کی وجہ سے اس کے نزدیک وہ ایک قابل قدر شئے ہو جاوے گا۔ اگر یہ درد اس کے دل میں نہیں ہے اور صرف دنیا اور اس کے مافیہا کا ہی درد ہے تو آخر تھوڑی سی مہلت پاکر وہ ہلاک ہو جاوے گا۔ خدا تعالیٰ مہلت اس لئے دیتا ہے کہ وہ علیم ہے لیکن جو اس کے حلم سے خود ہی فائدہ نہ اُٹھاوے تو اُسے وہ کیا کرے۔ پس انسان کی سعادت اسی میں ہے کہ وہ اس کے ساتھ کچھ نہ کچھ ضرور تعلق بنائے رکھے۔ سب عبادتوں کا مرکز دل ہے۔ اگر عبادت تو بجا لاتا ہے مگر دل خدا تعالےٰ کی طرف رجوع نہیں ہے تو عبادت کیا کام آوے گی۔ اس لئے دل کا رجوع تام اس کی طرف ہونا ضروری ہے۔ اب دیکھو کہ ہزاروں مساجد ہیں۔ مگر سوائے اس کے کہ ان میں رسمی عبادت ہو اور کیا ہے؟ ایسے ہی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت یہودیوں کی حالت تھی کہ رسم اور عادت کے طور پر عبادت کرتے تھے اور دل کا حقیقی میلان جو کہ عبادت کی رُوح ہے ہرگز نہ تھا۔ اس لئے خدا تعالیٰ

[1] الذاریات : ۵۷

نے ان پر لعنت کی۔ پس اس وقت بھی جو لوگ پاکیزگی قلب کی فکر نہیں کرتے تو اگر رسم و عادت کے طور پر وہ سینکڑوں ٹکریں مارتے ہیں ان کو کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ اعمال کے باغ کی سرسبزی پاکیزگی قلب سے ہوتی ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قد افلح من زکّٰھا وقد خاب من دسّٰھا[1] کہ وہی بامراد ہوگا جو کہ اپنے قلب کو پاکیزہ کرتا ہے اور جو اُسے پاک نہ کرے گا بلکہ خاک میں ملا دے گا یعنی سفلی خواہشات کا اُسے مخزن بنا رکھے گا۔ وہ نامراد رہے گا۔ اس بات سے ہمیں انکار نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف آنے کے لئے ہزارہا روکیں ہیں۔ اگر یہ نہ ہوتیں تو آج صفحۂ دنیا پر نہ کوئی ہندو ہوتا نہ عیسائی سب کے سب مسلمان نظر آتے۔ لیکن ان روکوں کو دور کرنا بھی خدا تعالیٰ کے فضل سے ہوتا ہے وہی توفیق عطا کرے تو انسان نیک و بد میں تمیز کر سکتا ہے۔ اس لئے آخرکار بات پھر اسی پر آٹھہرتی ہے کہ انسان اسی کی طرف رجوع کرے تاکہ قوت اور طاقت دلوے۔

دنیا میں جس قدر مشورے نفس پرستی اور شہوت پرستی وغیرہ کے ہوتے ہیں۔ اُن سب کا ماخذ نفس امّارہ ہی ہے لیکن اگر انسان کوشش کرے تو اسی امّارہ سے پھر وہ لوامہ بن جاتا ہے کیونکہ کوشش میں ایک برکت ہوتی ہے اور اس سے بھی بہت کچھ تغیرات ہو جاتے ہیں۔ پہلوانوں کو دیکھو کہ وہ ورزش اور محنت سے بدن کو کیا کچھ بنا لیتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ محنت اور کوشش سے نفس کی اصلاح نہ ہو سکے۔ نفس امّارہ کی مثال آگ کی ہے جو کہ مشتعل ہو کر ایک جوش طبیعت میں پیدا کرتا ہے جس سے انسان حدّ اعتدال سے گذر جاتا ہے لیکن جیسے پانی آگ سے گرم ہو کر آگ کی مثال تو ہو جاتا ہے اور جو کام آگ سے لیتے ہیں وہ اس سے بھی لے لیتے ہیں مگر جب اسی پانی کو آگ کے اُوپر گرایا جائے تو وہ اس آگ کو بجھا دیتا ہے کیونکہ ذاتی صفت اس کی آگ کو بجھاتا ہے۔ وہ وہی رہے گی۔ ایسے ہی اگر انسان کی رُوح نفس امّارہ کی آگ سے خواہ کتنی ہی گرم کیوں نہ ہو مگر جب وہ نفس سے مقابلہ کرے گی اور اس کے اُوپر گرے گی تو اسے مغلوب

[1] الشمس: ۱۰، ۱۱

کر کے چھوڑے گی۔ بات صرف اتنی ہے کہ خدا تعالیٰ کو ہر ایک بات پر قادرِ مطلق جانا جاوے اور کسی قسم کی بدظنی اس پر نہ کی جاوے۔ جو بدظنی کرتا ہے وہی کافر ہوتا ہے۔ مومن کی صفات میں سے ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو غایت درجہ قادر جانے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بہت نیکیاں کرنے سے انسان ولی بنتا ہے۔ یہ نادانی ہے۔ مومن کو تو خدا تعالیٰ نے اول ہی ولی بنایا ہے جیسے کہ فرمایا ہے اللّٰہ ولی الّذین اٰمنوا[1]۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ہزاروں عجائبات ہیں اور انہیں پر کھلتے ہیں جو دل کے دروازے کھول کر رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بخیل نہیں ہے لیکن اگر کوئی شخص مکان کا دروازہ خود ہی نہیں کھولتا تو پھر روشنی کیسے اندر آئے۔ پس جو شخص خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کریگا تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی طرف رجوع کریگا۔ ہاں ضروری ہے کہ جہانتک بس چل سکے وہ اپنی طرف سے کوتاہی نہ کرے۔ پھر جب اس کی کوشش اس کے اپنے انتہائی نقطہ پر پہنچے گی تو وہ خدا تعالیٰ کے نور کو دیکھ لے گا۔ والّذین جاھدوا فینا لنھدینّھم سبلنا[2] میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ جو حق کوشش کا اس کے ذمہ ہے اسے بجا لائے۔ یہ نہ کرے کہ اگر پانی ۲۰ ہاتھ نیچے کھودنے سے نکلتا ہے تو وہ صرف دو ہاتھ کھود کر ہمت ہار دے۔ ہر ایک کام میں کامیابی کی یہی جڑ ہے کہ ہمت نہ ہارے۔ پھر اس امت کے لئے تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اگر کوئی پورے طور سے دعا و تزکیہ نفس سے کام لے گا تو سب وعدے قرآن شریف کے اس کے ساتھ پورے ہو کر رہیں گے۔ ہاں جو خلاف کرے گا وہ محروم رہے گا کیونکہ اس کی ذات غیور ہے۔ اس نے اپنی طرف آنے کی راہ ضرور رکھی ہے لیکن اس کے دروازے تنگ بنائے ہیں۔ پہنچتا وہی ہے جو تلخیوں کا شربت پی لیوے۔ لوگ دنیا کی فکر میں درد برداشت کرتے ہیں حتیٰ کہ بعض اسی میں ہلاک ہو جاتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے لئے ایک کانٹے کی درد بھی برداشت کرنا پسند نہیں کرتے جب تک اس کی طرف سے صدق اور صبر اور وفاداری کے آثار ظاہر نہ ہوں تو اُدھر سے رحمت کے آثار کیسے ظاہر ہوں۔

[1] البقرۃ : ۲۵۸ [2] العنکبوت : ۷۰

ابراہیم علیہ السلام نے صدق دکھلایا تو اُن کو ابوالانبیاء بنا دیا۔ میرے کہنے کا مدعا یہ ہے کہ دن بہت سخت ہیں اور کسی نے اب تک نہیں سمجھا تو آئندہ سمجھ لیوے۔

مجھے الہام ہوا تھا

## عفت الدیار محلھا ومقامھا

یہ ایک خطرناک کلمہ ہے جس میں طاعون کی خبر دی گئی ہے کہ انسان کے لئے کوئی مفر اور کوئی جائے پناہ نہ رہے گی۔ اس لئے میں تم سب کو گواہ رکھتا ہوں کہ اگر کوئی سچی تبدیلی نہ کرے گا تو وہ ہرگز اس لائق نہ ہوگا کہ مجھ کو دُعا کے لئے لکھے۔ جو لوگ خدا تعالیٰ کے بتلائے ہوئے صراط مستقیم پر چلیں گے وہی محفوظ رہیں گے۔ خدا تعالیٰ کا وعدہ ایسے ہی لوگوں کی حفاظت کا ہے جو سچی تبدیلی اپنے اندر کرتے ہیں۔ مطلق بیعت انسان کے کیا کام آسکتی ہے۔ پورا نسخہ جب تک نہ پئے تو مریض کو فائدہ نہیں ہوا کرتا۔ اسی لئے پُوری تبدیلی کرنی چاہیئے۔ جہانتک ہو سکے دعا کرو اور اللہ تعالیٰ سے کہو کہ وہ تم کو ہر ایک قسم کی توفیق عطا کرے۔

(البدر جلد ۴ نمبر ۳ صفحہ ۲ و ۳ مورخہ ۲۰ر جنوری ۱۹۰۵ء)

و (الحکم جلد ۹ نمبر ۴ صفحہ ۲، ۳ مورخہ ۳۱ر جنوری ۱۹۰۵ء)

---

### ۳۱ر دسمبر ۱۹۰۴ء

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جناب مفتی محمد صادق صاحب کی علالت طبع کا حال استفسار فرماتے ہوئے فرمایا کہ

اگر دودھ ہضم ہونے لگ جاوے تو بخار اُس سے بھی ٹوٹ جاتا ہے

(البدر جلد ۴ نمبر ۲ صفحہ ۵ مورخہ ۱۰ر جنوری ۱۹۰۵ء)

---

## یکم جنوری ۱۹۰۵ء

ایڈیٹر البدر نے ایک خاکروب کاتب کی درخواست پیش کی کہ اس کا مذہب بھی خاکروبوں کا ہی ہے مگر فنِ کتابت سے واقف ہے اور کارخانہ البدر میں آنا چاہتا ہے چونکہ میری طبیعت کراہت کرتی ہے اس لئے حضور سے مشورتاً پوچھتا ہوں۔ آپ نے تبسم فرما کر فرمایا کہ

کہ بات تو واقعی مکروہ معلوم ہوتی ہے

(البدر جلد ۴ نمبر ۲ صفحہ ۵ مورخہ ۱۰ جنوری ۱۹۰۵ء)

---

## ۶ جنوری ۱۹۰۵ء

حضرت حکیم نورالدین صاحب کی طبیعت بہت علیل رہی چنانچہ اسی وجہ سے آپ کو درسِ قرآن ملتوی رکھنا پڑا۔ حکیم صاحب کی طبیعت کی ناسازی دیکھ کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آپ کی صحت کے لئے کثرت سے دعا شروع کی تو جمعہ کو آپ نے تشریف لا کر فرمایا کہ میں دعا کر رہا تھا کہ یہ الہام ہوا۔

اِن کُنتم فی ریبٍ مّمّا نزّلنا علیٰ عبدنا فاتوا بشفاءٍ مِن مثلہٖ ۔

یہ الہام ایک بار حضور کو اول بھی ہوا تھا۔

(البدر جلد ۴ نمبر ۲ صفحہ ۵ مورخہ ۱۰ جنوری ۱۹۰۵ء)

---

## ۱۴ جنوری ۱۹۰۵ء

بوقت عصر

محبّی قاضی غلام حسین صاحب وٹرنری اسسٹنٹ حصار نے عرض کی کہ میری تنخواہ

میں ؏ روپے اضافہ ہوا ہے اور بنگال سے ایک درخواست آئی ہے کہ انسپکٹری کی پوسٹ خالی ہے مع روپیہ ماہوار ملیں گے اس لئے مشورۃً استفسار ہے۔ کہ کونسی جگہ منظور کی جاوے۔ آپ نے فرمایا کہ

استخارہ مسنونہ کے بعد جس طرف طبیعت کا میلان ہو وہ منظور کر لو۔

(البدر جلد ۴ نمبر ۴ صفحہ ۲ مورخہ یکم فروری ۱۹۰۵ء)

---

۱۵؍جنوری ۱۹۰۵ء

بوقت ظہر

ظہر کے وقت مقدمہ کی پیشگوئی کا اپنے الفاظ پر پورے ہونے کا ذکر رہا کہ خدا تعالیٰ نے جو جو بات جس جس طرح الہام فرمائی ویسی ہی پوری ہو کر رہی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ

ان سب الہاموں کو الگ الگ ترتیب دے کر اور کچھ لکھ کر پھر دنیا کے سامنے پیش کیا جاوے تو امید ہے کہ کسی کی ہدایت کا موجب ہوں۔

(البدر جلد ۴ نمبر ۴ صفحہ ۲ مورخہ یکم فروری ۱۹۰۵ء)

---

۱۷؍جنوری ۱۹۰۵ء

مفتی محمد صادق صاحب نے ولایت سے آیا ہوا ایک خط پیش کیا جو ایک یورپین شخص پال کلاتیوس کی طرف سے انگریزی میں تھا اور جس میں اس نے لکھا تھا کہ میں نے اور میری بیوی نے آپ کی مرسلہ کتب کو سوائے اُس حصہ کے جو کہ عربی یا ہندوستانی (کیونکہ مجھے ٹھیک علم نہیں) خط میں تھا اور جس کے لئے میری زباندانی کی قابلیت سردست نامکمل ہے بڑی دلچسپی سے پڑھا ہے۔ ہمارا تعلق ایک چھوٹے

سے گروہ سے ہے جس نے کہ یسوع کے خدائی کے خیال کو استعفی دے دیا ہے اور اسے صرف ایک ہادی خیال کرتا ہے اور اگرچہ یہ ایک چھوٹا سا گروہ ہے۔لیکن بحمد للہ کہ ترقی کر رہا ہے جو خیال ہمارا یسوع کی نسبت ہے۔ وہی زردشت۔ بدھ۔ محمد (دائمی برکت اور رحمت خدا کی اس پر نازل ہو) کی نسبت ہے۔ ہم ان گستاخ پادریوں کو کسی قسم کی مدد نہیں دیتے جو کہ لوگوں کو عیسائی بنانے کے لئے بھیجے جاتے ہیں حالانکہ ان لوگوں کا مذہب پادریوں کے مذہب سے بہتر نہیں تو اُن ہی جیسا ضرور ہے۔

پرائمر جو کہ میں ارسال کروں گا۔ اگر آپ اس کے جواب میں مجھے کچھ زیادہ معلومات اپنے نئے مسیح کی نسبت اور خصوصیت سے کشمیر میں مسیح کی قبر کے ثبوت کی نسبت ارسال کریں گے تو میں بہت ہی مشکور ہوں گا۔

حضرت اقدس نے اس پر فرمایا کہ

دراصل اب عیسویت سے دست برداری دنیا میں شروع ہو گئی ہے اور اس مذہب کو جلا دینے والی آگ بھڑک اُٹھی ہے۔ آگ کا دستور ہے کہ وہ اول ذراسی شروع ہو کر پھر آہستہ آہستہ بڑھتی جاتی ہے۔ یہی حال اب عیسائیت کا ہوگا۔

(البدر جلد ۴ نمبر ۴ صفحہ ۲ مورخہ یکم فروری ۱۹۰۵ء)

---

## ۲۸ جنوری ۱۹۰۵ء

حضور علیہ السلام فجر کے وقت تشریف لائے تو چند ایک احباب نے شرف بیعت حاصل کیا۔ بعد ازاں حضرت مولانا عبد اللطیف صاحب شہید علیہ الرحمۃ کی جماعت مریدین کا تذکرہ ہوتا رہا کہ اب بعض لوگ ان میں سے آ کر بیعت کرتے جاتے ہیں۔ اس پر حضور علیہ السلام نے اظہار مسرت فرمایا کیونکہ اس طریق سے ان کے وحشیانہ

خیالات کی خود بخود اصلاح ہو رہی ہے۔

(البدر جلد ۴ نمبر ۵ صفحہ ۲ مورخہ ۸ رفروری ۱۹۰۵ء)

---

یکم فروری ۱۹۰۵ء

بوقت ظہر

ظہر کے وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے تو ذیل کے الہامات و رؤیا سنائے :-

الہام

۱۔ اِنّی لاجدُ ریح یوسف لولا ان تفندون۔

۲۔ اِنّی مع الروح معکَ و مع اھلکَ۔

رؤیا

ایک کاغذ دکھایا گیا جس میں کچھ سطور فارسی خط میں ہیں اور سب انگریزی میں لکھا ہوا ہے۔ مطلب جن کا یہ سمجھ میں آیا کہ جس قدر روپیہ نکلتا ہے سب دے دیا جاوے گا۔

اس کے بعد سردی کی شدت کا ذکر رہا کہ رات کو برف جم گئی اور اکثر لڑکوں نے اس سے قلفیاں بنا کر کھائیں جس سے اکثر بیمار ہو گئے ہیں۔ اس لئے آپ نے فرمایا کہ

اس کا استعمال اس موسم میں بہت مضر ہے

---

## برکت چاہنا

ایک شخص نے بیعت کی اور درخواست کی کہ تبرکاً مجھے کچھ پڑھایا جاوے۔ جسے میں پڑھتا رہوں۔ حضور علیہ السّلام نے اپنی زبان مبارک سے اُسے

سورۃ الحمد ساری پڑھا دی۔

(البدر جلد ۴ نمبر ۵ صفحہ ۲ مورخہ ۸؍ فروری ۱۹۰۵ء)

---

۸؍ فروری ۱۹۰۵ء

بوقت ظہر۔

ظہر کے وقت حضور علیہ السلام تشریف لائے تو آپ کے ایک خادم آمدہ از کشمیر نے سربسجود ہو کر خدا تعالیٰ کے کلام اسجدوا لاٰدم کو اس کے ظاہری الفاظ پر پورا کرنا چاہا۔ اور نہایت گریہ وزاری سے اظہار محبت کیا۔ مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے اس حرکت سے منع فرمایا اور کہا کہ

یہ مشرکانہ باتیں ہیں ان سے پرہیز چاہیئے

---

ایک شخص کی درخواست مباحثہ پر فرمایا کہ

حسب اعلام الٰہی ہم نے مباحثہ کا دروازہ بند کر دیا ہوا ہے۔ لیکن ہاں جس کا جی چاہے ازالہ شبہات کے لئے ہم سے کلام یا تحریر کر سکتا ہے۔ بحث میں تو فریقین کو ہار جیت کا خیال ہوتا ہے مگر اس میں یہ خیال نہیں ہوتا۔ بحث کے بند کرنے سے ہماری یہ غرض نہیں ہے کہ اگر کوئی شخص کوئی اعتراض کرے یا سوال کرے یا اُسے کچھ وساوس ہوں تو اس کی طرف توجہ ہی نہ کی جاوے بلکہ اس سے مراد یہ تھی کہ جواب اور جواب الجواب اور پھر ہار جیت کا جو خیال لوگوں کو ہوتا ہے اس سے وہ احقاق حق سے دُور جا پڑتے ہیں ورنہ سوالات اور ازالہ وساوس کے لئے دروازہ کھلا ہے جس کا جی چاہے ہم سے پوچھ سکتا ہے۔

(البدر جلد ۴ نمبر ۶ صفحہ ۳ مورخہ ۱۸؍ فروری ۱۹۰۵ء) و (الحکم جلد ۹ نمبر ۷ صفحہ ۲ مورخہ ۲۴؍ فروری ۱۹۰۵ء)

۹ر فروری ۱۹۰۵ء

ظہر کے وقت تشریف لا کر طاعون کے ذکر پر فرمایا کہ

سردی کی شدت میں یہ کم ہو جایا کرتی تھی مگر اب سردی کی شدت کے ساتھ اس کی بھی شدت ترقی کر رہی ہے۔ حالانکہ ابھی اس کی مزید ترقی کے ایام آنیوالے ہیں۔

(البدر جلد ۴ نمبر ۶ صفحہ ۳ مورخہ ۱۸ر فروری ۱۹۰۵ء)

و (الحکم جلد ۹ نمبر ۷ صفحہ ۲ مورخہ ۲۴ر فروری ۱۹۰۵ء)

---

۱۱ر فروری ۱۹۰۵ء

بعد نماز ظہر

ظہر کی نماز ادا فرما کر حضرت اقدس تشریف لے گئے۔ لیکن جناب صاحبزادہ سراج الحق صاحب نعمانی کے اقارب میں سے ایک صاحب مولوی احمد سعید صاحب انصاری سہارنپوری برادر زادہ و شاگرد خلیفہ محی السنتہ و قامع البدعۃ حافظ حدیث جناب مولانا شیخ محمد انصاری سہارنپوری مولدًا مکی مہاجرًا مرحوم، احقاق حق کے خیال سے تشریف لائے ہوئے تھے۔ اس لئے صاحبزادہ صاحب نے حضور اقدس سے ان کی ملاقات کی درخواست کی جس پر حضور علیہ السلام اسی وقت تشریف لے آئے اور تھوڑی دیر مجلس فرمائی۔

بعد استفسار اسم و سکونت و مختلف اذکار کے مسئلہ جہاد کا تذکرہ ہوا۔ جس میں ضمناً بعض ان گروہوں کا ذکر بھی آگیا جو کہ ہر ایک کافر کو بذریعہ تلوار قتل کر دینے کو غزا قرار دیتے ہیں اور انگریزوں کے ملکوں میں رہنا بدعت اور کفر خیال کرتے ہیں۔ اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ

اُن کا یہ خیال کہ ہم کفر کے اثر سے بچنے کے لئے الگ رہتے ہیں اور اگر انگریزوں

کی رعیت ہو کر رہیں تو آنکھوں سے کفر اور شرک کے کام دیکھنے پڑیں اور مشرکانہ کلام کان سے سُننے پڑیں۔ میرے نزدیک درست نہیں ہے کیونکہ اس گورنمنٹ نے مذہب کے بارے میں ہر ایک کو اب تک آزادی دے رکھی ہے اور ہر ایک کو اختیار ہے کہ وہ امن اور سلامت روی سے اپنے اپنے مذہب کی اشاعت کرے۔ مذہبی تعصب کو گورنمنٹ ہرگز دخل نہیں دیتی۔ اس کی بہت سی زندہ نظیریں موجود ہیں۔ ایک دفعہ خود عیسائی پادریوں نے ایک جھوٹا مقدمہ خون کا مجھ پر بنایا۔ ایک انگریز اور عیسائی حاکم کے پاس ہی وہ مقدمہ تھا اور اس وقت کا ایک لفٹیننٹ گورنر بھی ایک پادری مزاج آدمی تھا مگر آخر اس نے فیصلہ میرے حق میں دیا اور بالکل بری کر دیا بلکہ یہانتک کہا کہ میں پادریوں کی خاطر انصاف کو ترک نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد ابھی ایک مقدمہ فیصلہ ہوا ہے۔ پہلے تو وہ ہندو مجسٹریٹوں کے پاس تھا۔ نہیں معلوم کہ انہوں نے کس رُعب میں آکر بہت ہی واضح اور بیّن وجوہات کو نظر انداز کر دیا اور مجھ پر جرمانہ کیا۔ لیکن آخر جب اس کی اپیل ایک انگریز حاکم کے پاس ہوئی تو اس نے بَری کر دیا اور مجسٹریٹ کی کارروائی پر افسوس کیا اور کہا کہ جو مقدمہ اپنے ابتدائی مرحلہ پر خارج ہونے کے قابل تھا اس پر اس قدر وقت ضائع کیا گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں میں ابھی تک عدل اور انصاف کا مادہ موجود ہے۔ اگر کسی قسم کا مذہبی تعصب یا بغض ہوتا تو کم از کم میرے ساتھ تو ضرور برتا جاتا۔ تین لاکھ کے قریب جماعت ہے۔ پھر افغانستان کے لوگ بھی آ آکر بیعت کرتے رہتے ہیں اور ایک نیا فرقہ ہونے کی وجہ سے بھی گورنمنٹ کی نظر اور توجہ اس طرف ہونی چاہیئے تھی مگر دیکھ لو کہ قریب آٹھ کے ہمارے مقدمات ہوئے ہیں جن میں سے سوائے ایک دو کے باقی کل مخالفین کی طرف سے ہم پر تھے مگر سب میں کامیابی ہم کو ہی حاصل ہوئی ہے۔ اور انگریزوں نے ہی ہمارے حق میں فیصلے دیئے ہیں۔ اگرچہ ہم ان سب کامیابیوں کو خدا تعالیٰ کی طرف سے ہی سمجھتے ہیں۔

کیونکہ اگر وہ نہ چاہتا تو یہ لوگ کیا کر تے۔ مگر جن لوگوں کے ذریعہ اور ہاتھوں سے اس کی نصرت ہمارے شامل حال ہوئی وہ بھی قابل شکر کے ہیں۔ جہانتک میرا خیال بلکہ یقین ہے وہ یہ ہے کہ ابھی تک ان لوگوں میں تعصب نہیں ہے اور آئندہ کا حال خدا تعالیٰ کو معلوم ہے اور اسی لئے میں کہتا ہوں کہ اگر ان لوگوں کو خدمت دین ہی مطلوب ہے اور ان کی غرض خدا تعالےٰ کو راضی کرنا ہے تو چھپ کر بیٹھ رہنے سے کیا فائدہ؟ ان کو چاہیئے کہ خدمت دین کا ایک پہلو ہاتھ میں لیں۔ گورنمنٹ کی طرف سے کسی قسم کی سختی ہرگز نہیں ہے لوگوں کو تبلیغ اور اتمام حجت کریں۔ یہ خیال بالکل غلط ہے کہ واعظ لوگوں کو گورنمنٹ گرفت کرتی ہے۔ ہرگز نہیں۔ ہاں جو لوگ مفسد ہوتے ہیں وہ ضرور خود ہی گرفت کے قابل ہوتے ہیں گورنمنٹ کا اس میں کیا قصور؟ اب تو عیسائیت کا یہ حال ہے کہ اس پر خود بخود موت آرہی ہے خود اُن کے بڑے بڑے عالم اور فاضل تثلیث کے پکے دشمن ہو گئے ہیں اور نئی تعلیم نے اُن کے دلوں میں یہ بات کُوٹ کر بھر دی ہے کہ بناوٹی خدا اب کام نہیں آسکتا۔ پادریوں کی یہ حالت ہے کہ صرف ٹکڑے کی خاطر کام کر رہے ہیں۔ ایک دن تنخواہ دیر ہو جاوے تو کام چھوڑ دیتے ہیں اور خود عیسائی مذہب کے ردّ میں کتابیں لکھتے ہیں۔ اب یہ زمانہ کسر صلیب کا ہے۔ تقریر کے مقابلہ پر تلوار سے کام لینا بالکل نادانی ہے۔ خدا تعالےٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے کہ جس طرح اور جن آلات سے کفار لوگ تم پر حملہ کرتے ہیں۔ انہی طریقوں اور آلات سے تم ان لوگوں کا مقابلہ کرو۔ اب ظاہر ہے کہ ان لوگوں کے حملے اسلام پر تلوار سے نہیں ہیں بلکہ قلم سے ہیں۔ لہذا ضرور ہے کہ اُن کا جواب قلم سے دیا جاوے اگر تلوار سے دیا جاوے گا تو یہ اعتدا ہو گا جس سے خدا تعالےٰ کی صریح ممانعت قرآن شریف میں موجود ہے۔ ان اللہ لا یحب المعتدین۔[1] پھر اگر عیسائیوں کو قتل بھی کر دیا جاوے تو اس سے وہ وساوس ہرگز دور نہ ہوں گے جو کہ دلوں میں بیٹھے ہوئے ہیں بلکہ وہ اور پختہ ہو جاویں گے اور لوگ کہیں گے کہ واقعی میں اہل اسلام کے پاس اپنے

---

[1] البقرۃ : ۱۹۱

مذہب کی حقانیت کی دلیل کوئی نہیں ہے لیکن اگر شیریں کلامی اور نرمی سے ان کے وساوس کو دُور کیا جاوے تو امید ہے کہ وہ سمجھ جاویں گے اور ہم نے دیکھا ہے کہ بعض عیسائی لوگ جو یہاں آتے ہیں ان کو جب نرمی سے سمجھایا جاتا ہے تو اکثر سمجھ جاتے ہیں اور تبدیل مذہب کر لیتے ہیں (جیسے کہ ماسٹر عبدالحق صاحب نومسلم) پس ہماری رائے تو یہ ہے کہ جہانتک ہو سکے کمربستہ ہو کر دین کی خدمت میں مصروف ہوں کیونکہ یہ وقت اسی کام کے لئے ہے اگر اب کوئی نہیں کرتا تو اَور کب کرے گا؟

---

بعض ایسے لوگ جن تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت اور دعاوی کی مفصل کیفیت نہیں پہنچی تاہم وہ حُسنِ ظن رکھتے ہیں اور بسبب دور ہونے کے یقینی فیصلہ نہیں کر سکتے۔ اُن کے ذکر پر آپ نے فرمایا کہ

نیک لوگوں کا یہی شیوہ ہوتا ہے کیونکہ ان کو کامل علم نہیں ہے۔ اور علم اصل میں اسی کو کہتے ہیں جبکہ انسان کی واقفیت رؤیت کے قائمقام ہو۔

---

الہامات کے ذکر پر فرمایا کہ

قضاء و قدر کے اسرار چونکہ عمیق در عمیق ہوتے ہیں اس لئے بعض وقت الہامات اور رؤیا کی تفہیم میں انسان کو غلطی لگ جاتی ہے۔

مذکورہ بالا تقریر فرما کر حضرت اقدس تشریف لے گئے مگر پھر بہت جلد تشریف لائے اور فرمایا کہ

عصر کا وقت ہو گیا ہے۔ اذان دے دی جائے

خاں صاحب شادی خاں اذان دینے گئے اور حضور علیہ السلام نے مجلس فرمائی۔ چونکہ اس وقت اہلِ اسلام میں سے بھی بعض مخالف اور منکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام الہام

کے مدعی ہیں اور وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم کو حضرت مرزا صاحب کے کاذب اور دجال ہونے کے بارے میں خدا تعالیٰ سے وحی ہوئی ہے اور ادھر بعض مذاہب غیراز اسلام میں بھی ایسے لوگ پیدا ہوگئے ہیں جو کہ اپنے مذہب کی تصدیق کے بذریعہ الہام مدعی ہیں اس لئے ایسے دعاوی کے جواب میں حضور علیہ السلام نے ایک لطیف تقریر فرمائی جو کہ بہت ہی غور اور توجہ کے قابل ہے۔

## اقوالِ الٰہی میں اختلاف ہو تو افعالِ الٰہی سے نتیجہ نکالو

ہر ایک شخص اپنی حالت کے لحاظ سے معذور ہوتا ہے اس لئے ان میں فیصلہ کا ایک موٹا طریق ہے جسے ہم پیش کرتے ہیں۔ اس وقت مختلف اقوام جن کا اسلام سے بھی کوئی تعلق نہیں ہے الہام کے مدعی ہیں۔ دس سال کا عرصہ گذرا کہ ایک دفعہ امرتسر سے ایک سکھ کا خط آیا کہ مذہب سکھ کے سچا ہونے کی نسبت مجھے الہام ہوا ہے۔ اور ایسے ہی ایک انگریز نے الہ آباد سے لکھا کہ مجھے عیسویت کے سچا ہونے کی نسبت الہام کے ذریعہ سے اطلاع دی گئی ہے۔ اور ایک مولوی عبداللہ صاحب غزنوی جن کو میں نیک جانتا ہوں ان کی اولاد امرتسر میں ہے۔ اُن کو[1] بھی دعویٰ الہام کا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ ہمیں الہام ہوتا ہے کہ یہ سلسلہ جھوٹا ہے اور مرزا صاحب کاذب اور دجال ہیں۔ پھر ادھر ہماری جماعت میں بھی ہزارہا ایسے آدمی ہیں جن کو الہام اور رؤیا کے ذریعہ سے یہ اطلاع ملی ہے اور خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے زبان مبارک سے تصدیق کی ہے کہ یہ سلسلہ منجانب اللہ ہے اور یہی ذریعہ ان کی بعیت کا ہوا ہے تو اب ان مختلف اقسام کے الہاموں میں جلدی سے فیصلہ کرنا تقویٰ سے بعید ہے۔ اس لئے میں جلدی کو پسند نہیں کرتا۔ انسان کو چاہئیے کہ صبر اور دعا سے کام لے اور تقویٰ کے پہلو کو ہاتھ سے نہ چھوڑے۔

---

[1] یعنی مولوی عبداللہ صاحب غزنوی مرحوم کی اولاد کو (مرتب)۔

ان اللہ مع الذین اتقوا[1]۔ اس وقت خود اسلام میں کئی فرقے موجود ہیں۔ جو کہ ایک دوسرے کی تردید کر رہے ہیں۔ پھر دوسرے مذاہب کے حملے الگ ہیں۔ ایک کتاب ترکِ اسلام لکھی گئی تھی اور اب ایک تہذیب الاسلام لکھی گئی ہے جس میں پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم پر سخت فحش اور شرمناک حملے کئے گئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کل مذاہب اور فرقوں میں ایک جنگ چل رہی ہے اور ہر ایک کا دعویٰ یہی ہے کہ ہم حق پر ہیں۔ پس ایسی حالت میں فیصلہ کرنا ایک آسان امر نہیں ہے۔ یا تو اللہ تعالےٰ اپنے فضل سے کسی کو فہم دے اور رشد عطا کرے اور یا انسان خود جلدی نہ کرے اور صبر اور دُعا سے کام لے تاکہ وقت پر حقیقت کھُل جاوے کہ خدا تعالےٰ کی تائید اور نُصرت کس کے شاملِ حال ہے کیونکہ جھُوٹے مذہب کے ساتھ اس کی نُصرت اور تائید کبھی شامل نہیں ہو سکتی۔ اگر جھوٹے مذہب کی بھی وہی خاطر خدا تعالےٰ کو ہو جو کہ سچے مذہب کی ہوتی ہے تو پھر سچ اور جھوٹ کا امتیاز کرنا محال ہو جائے گا۔ اس لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جیسا کہ قرآن شریف میں درج ہے یہ جواب دیا کہ اعملوا علیٰ مکانتکم انی عامل[2] کہ اگر تم لوگوں پر میرا سچا ہونا مشتبہ ہے تو تم بھی اپنی اپنی جگہ عمل کرو۔ میں بھی کرتا ہوں انجام پر دیکھ لینا کہ خدا تعالےٰ کی تائید اور نصرت کس کے شامل حال ہے جو امر خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوگا وہ بہرحال غالب ہو کر رہے گا۔ واللہ غالبٌ علیٰ امرہٖ[3]۔ ان مختلف الہامات کے فیصلہ کے لئے بھی دراصل یہی معیار ہے کیونکہ ایک طرف تو اہل اسلام الہام کے مدعی ہیں دوسری طرف سکھ وغیرہ بھی۔ پس اگر یہ سب الہامات خدا تعالےٰ کی طرف سے سمجھے جائیں تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ خدا بھی بہت سے ہیں کیونکہ اگر وہ سب ایک ہی کا کلام ہے تو آپس میں ایک دوسرے کی ضد کیوں ہیں کہ وہی خدا ایک کو کہتا ہے کہ فلاں شخص سچا ہے اور دوسرے کو کہتا ہے کہ جھُوٹا ہے۔ پس اس میں فیصلہ کی جو آسان ترین راہ ہے وہ یہ ہے کہ ایک قول ہوتا ہے اور ایک فعل۔ اگر قول

۱ النحل : ۱۲۹   ۲ الانعام : ۱۳۶   ۳ یوسف : ۲۲

میں اختلاف ہے تو اب فعل کی انتظار چاہیئے۔ قول پر اگر فیصلہ کا مدار رکھا جاوے تو اس کی نظیر دوسری جگہ نکل آتی ہے اور دوسرا کہتا ہے کہ مجھے یہ الہام ہوا ہے کہ تم کذاب ہو۔ لیکن فعل کو کہاں چھپائیں گے۔ اس کی مثال تو ایک سورج کی ہے جس کی رؤیت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا ہے۔ قول سے مراد ہماری وحی الٰہی ہے اور فعل سے نصرت اور تائیدات الٰہیہ۔ لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ فعل کو دکھلاؤ تو یاد رہے کہ اس کا جلدی ظاہر کرنا ہمارا اپنا اختیار نہیں ہے اور کسی نبی کے اختیار میں بھی یہ بات نہیں ہوتی کہ وہ آیات اللہ کو جب چاہے دکھا دیوے۔ ہاں خلق اللہ کی خاطر ان کو اس قسم کے اضطراب ضرور ہوتے ہیں اور وہ خواہاں ہوتے ہیں مگر آخر آیات خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں اور وہ اپنے مصالح سے ان کو کھولتا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی بڑا اضطراب تھا تو خدا تعالیٰ نے وحی کی کہ تو آسمان پر زینہ لگا کر جا اور اُن کو نشان لادے۔

اگر ہم کذاب اور دجال ہیں تو صبر کرو۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ ان یك کاذباً فعلیه کذبهٗ وان یك صادقاً یصبکم بعض الذی یعدکم[ؑ]۔ جب سے دنیا قائم ہوئی ہے یہ کبھی اتفاق نہیں ہوا کہ خدا تعالیٰ نے کاذب کی تائید کر کے سچوں کو شکست دی ہو۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں آپ کے مقابلہ پر الہام کے مدعی موجود تھے اور وہ آپ کو جھوٹا خیال کرتے تھے۔ مسیلمہ کذاب بھی انہی میں تھا۔ اگر قول پر مدار ہوتا تو اشتباہ رہتا مگر آخر فعلِ الٰہی نے فیصلہ کر دیا۔ دیکھ لو کہ اب کس کے دین کا نقارہ بج رہا ہے۔ کس کا نام روشن ہے۔ جو خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اس کو برکت دی جاتی ہے وہ بڑھتا ہے وہ پھلتا اور پھولتا ہے اور اس کے دشمنوں پر اُسے فتح پر فتح ملتی ہے لیکن جو خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہوتا وہ مثل جھاگ کے ہوتا ہے جو کہ بہت جلد نابود ہو جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ کو کوئی دھوکہ نہیں دے سکتا۔ جس کا مدار تقویٰ پر ہوگا اور جس کے خدا تعالیٰ کے ساتھ پاک تعلقات ہوں گے اسی کی نصرت ہوگی۔ یہ صرف ہمارے

ؑ المومن: ۲۹

ساتھ ہی نہیں ہے کہ اس وقت اور ملہم ہیں جھوٹا قرار دیتے ہیں بلکہ عیسٰی علیہ السلام اور موسٰی علیہ السلام کے زمانہ میں بھی ایسے لوگ موجود تھے جو کہ ملہم تھے اور وہ ان نبیوں کی تکذیب کرتے تھے تو اس وقت کے داناؤں نے یہی فیصلہ دیا تھا کہ جو سچا ہوگا اس کا کاروبار بابرکت ہوگا۔ پس اب بجز اس بات کے اور فیصلہ نہیں نظر آتا کہ اگر قول میں پیچیدگی ہے تو فعل کو دیکھو۔ لیکن میں پھر کہتا ہوں کہ مجھ سے یہ درخواست کہ فعل ظاہر ہو عبث ہے۔ میں تو ایک عاجز بندہ ہوں، یہ خدا کا کام ہے کہ جو فعل وہ چاہے ظاہر کر دے۔ میں کیا ہوں۔ خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہی جواب دیا کہ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰہِ[1]، اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ[2]۔ انبیاؤں کا کام بازیگروں کی طرح چھٹے بٹے دکھانا نہیں ہوتا۔ وہ تو خدا تعالیٰ کے پیغام رساں ہوتے ہیں۔ علمی بحث الگ ہے اور الہامی بحث الگ ہے مختصر فیصلہ یہی ہے کہ اگر قول میں تعارض ہے تو فعل خود فیصلہ کر دے گا۔ ایک مفتری تحصیلدار گورنمنٹ سے عزت نہیں پا سکتا اور گرفتار کیا جاتا ہے تو مفتری علی اللہ کیسے اُس کا محبوب ہو سکتا ہے اور وہ کب اس کی تائید کر سکتا ہے۔ اگر سچے کی عزت بھی ویسی ہو جیسے کہ جھوٹے کی تو پھر دنیا سے امان اُٹھ جاوے گا۔

پس یاد رکھو کہ قول کے اشتباہ فعل سے ہی دُور ہو سکتے ہیں۔ میرے ساتھ جو وعدے خدا تعالیٰ کے ہیں وہ ۲۵ - ۳۰ سال پیشتر براہین میں درج ہو چکے ہیں اور بہت سے پورے ہو گئے ہیں۔ جو باقی ہیں چاہو تو ان کا انتظار کرو۔

الہام میں دخل شیطانی بھی ہوتا ہے جیسے کہ قرآن شریف سے بھی ظاہر ہے۔ مگر جو شخص شیطان کے اثر کے نیچے ہو اُسے نصرت نہیں ملا کرتی۔ نُصرت اُسے ہی ملا کرتی ہے جو رحمان کے زیر سایہ ہو۔ ہم اپنی زبان سے کسی کو مفتری نہیں کہتے جبکہ وحی شیطانی بھی ہوتی ہے تو ممکن ہے کہ کسی سادہ لوح کو دھوکا لگا ہو۔ اس لئے ہم فعلِ الٰہی کی سند پیش کرتے ہیں۔ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ پیش کی تھی اور خدا تعالیٰ نے فعل پر بہت

[1] الانعام: ۱۱۰

مدار رکھا ہے۔ ولو تقول علینا بعض الاقاویل لاخذنا منہ بالیمین[1] میں فعل ہی کا ذکر ہے۔ پس جبکہ یہ مسنون طریق ہے تو اس سے کیوں گریز ہے۔ ہم لوگوں کے سامنے ہیں۔ اور اگر فریب سے کام کر رہے ہیں تو خدا تعالیٰ ایسے عذاب سے ہلاک کرے گا کہ لوگوں کو عبرت ہو جاوے گی اور اگر یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے اور ضرور خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے تو پھر دوسرے لوگ ہلاک ہو جاویں گے۔

(البدر جلد ۴ نمبر ۶ صفحہ ۳ و ۴ مورخہ ۱۸ار فروری ۱۹۰۵ء)

و (الحکم جلد ۹ نمبر ۷ صفحہ ۲ و ۳ مورخہ ۲۴ر فروری ۱۹۰۵ء)

---

## ۱۹ر فروری ۱۹۰۵ء

**بعد نماز مغرب**

آج کا دن اپنی شان میں ایک مبارک دن تھا کیونکہ غالباً ، ماہ کے بعد حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے مغرب اور عشا کے درمیان مجلس فرمائی اور جو رسالہ دربارہ فتح مقدمہ حضور تصنیف فرما رہے ہیں۔ اس کے مجوزہ مضامین کا مختصر تذکرہ فرمایا۔

اس کے بعد ایک صاحب نے دریافت کیا کہ ایک شخص اپنی منکوحہ سے مہر بخشوانا چاہتا تھا۔ مگر وہ عورت کہتی تھی تو اپنی نصف نیکیاں مجھے دیدے تو بخش دوں۔ خاوند کہتا رہا کہ میرے پاس حسنات بہت کم ہیں۔ بلکہ بالکل ہی نہیں ہیں۔ اب وہ عورت مر گئی ہے خاوند کیا کرے۔

حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا کہ

اسے چاہیئے کہ اس کا مہر اس کے وارثوں کو دیدے۔ اگر اس کی اولاد ہے تو وہ بھی وارثوں سے ہے۔ شرعی حصہ لے سکتی ہے اور علیٰ ہذا القیاس خاوند بھی لے سکتا ہے

---

[1] الحاقۃ : ۴۵-۴۶

## لطیفہ

حضرت مولوی نورالدین صاحب نے اثنار گفتگو میں ذکر کیا کہ یہ ایک لطیف بات ہے۔ کہ جس قدر مجدد گذرے ہیں ان کے نام کی محمد یا احمد کی جزو ضروری ہوتی رہی ہے قسطنطنیہ میں عجیب قسم کے نام لوگوں کے ہوتے ہیں مگر وہ مہدی جس نے قسطنطنیہ کو فتح کیا تھا اس کے نام میں بھی محمد کا لفظ تھا۔

## معجزات میں افراط و تفریط

موجودہ زمانے کے حالات پر ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ

ایک گروہ تو معجزات سے قطعی منکر ہے جیسے کہ نیچری اور آریہ وغیرہ۔ اس نے تفریط کا پہلو اختیار کیا ہے اور ایک گروہ وہ ہے جو کہ افراط کی طرف چلا گیا ہے جیسے کہ بعض لوگ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ کے معجزات بیان کیا کرتے ہیں کہ ۱۲ برس کی ڈوبی ہوئی کشتی نکالی اور حضرت عزرائیل کے ہاتھ سے آسمان پر جا کر قبض شدہ ارواح چھین لیں۔

دراصل بات یہ ہے کہ دونو فریقوں نے معجزہ کی حقیقت کو نہیں سمجھا ہے۔ معجزہ سے مراد فرقان ہے جو حق اور باطل میں تمیز کر کے دکھاوے اور خدا تعالےٰ کی ہستی پر شاہد ناطق ہو۔

(البدر جلد ۱ نمبر ۷ صفحہ ۲ مورخہ ۵ مارچ ۱۹۰۵ء)

(الحکم جلد ۹ نمبر ۸ صفحہ مورخہ ۱۰ مارچ ۱۹۰۵ء)

۲۰ فروری ۱۹۰۵ء (قبل از عشاء)

## ہدایت اور ضلالت خدا کے ہاتھ میں ہے

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عشاء کی نماز سے کچھ پیشتر تشریف لا کر مجلس فرمائی۔ خدا

تعالیٰ کے احسانات اور انعامات کا تذکرہ رہا۔ بعض کفار کی حالت پر آپ نے فرمایا کہ جب تک خدا تعالیٰ کا فضل انسان کے شاملِ حال نہ ہو تب تک اُسے ہدایت کی راہ نصیب نہیں ہوتی۔ بعض لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ موت تک کفر ہی پر راضی رہتے ہیں اور کبھی اُن کے دل میں یہ خیال نہیں گذرتا کہ ہم غلطی پر ہیں حتیٰ کہ اسی میں مرجاتے ہیں۔

اس پر حضرت مولوی عبدالکریم صاحب نے بیان کیا کہ چند یوم ہوئے ایک دوست بیان کرتے تھے کہ ان کے گاؤں کی آبادی ۴۰۰ باشندوں کی تھی۔ طاعون جو پڑی تو سب کے سب ہلاک ہو گئے صرف ۴۰ شخص بچے۔ اور ان میں سے بھی صرف ۹ کس تندرست تھے اور باقی کچھ نہ کچھ مریض ہی تھے ان ۹ میں اُن کا چچا بھی تھا۔ اُن کے دل میں آیا کہ اس قدر عبرتناک حادثہ موت کا چونکہ گاؤں میں گذرا ہے ممکن ہے کہ چچا کا دل رقیق ہوا ہو۔ چلو اُسے چل کر تبلیغ کر آویں شاید ہدایت نصیب ہو۔ باوجود اس کے کہ لوگوں نے اس طاعون زدہ گاؤں میں جانے سے روکا مگر تبلیغ حق کے جوش میں وہ چلے گئے اور جا کر اپنے چچا کو اس سلسلہ کی صداقت کی نسبت سمجھایا۔ چچا نے یہ جواب دیا کہ اگر یہ طاعون مرزے کی مخالفت کی وجہ سے ہے تو مجھے خوشی سے اس سے مرجانا قبول ہے۔ بیشک مجھے طاعون ہو۔ انجام یہ ہوا کہ وہ اور اس کا تمام بال بچہ تباہ اور ہلاک ہو گیا مگر مخالفت پر برابر آمادہ رہا اور مرتے دم تک نہ مانا۔

(البدر جلد ۴ نمبر ۷ صفحہ ۲ مورخہ ۵ر مارچ ۱۹۰۵ء)
و (الحکم جلد ۹ نمبر ۸ صفحہ ۷ مورخہ ۱۰ر مارچ ۱۹۰۵ء)

## ۲۱ر فروری ۱۹۰۵ء

### مابین مغرب وعشاء

حسب دستور قریب ایک گھنٹہ کے حضور نے مجلس فرمائی۔ اول رسالہ زیرِ تصنیف

کا ذکر رہا۔

## فارغ نشینی اچھی نہیں

فرمایا کہ

اول تو بوجہ علالت طبع کے فارغ نشینی رہی۔ اب خدا تعالیٰ نے کچھ صحت عطا فرمائی ہے تو قلم میں بھی قوت آ گئی ہے۔ اگر خدا تعالےٰ صحت رکھے تو فارغ نشینی اچھی نہیں ہے۔ بندہ اگر خدمت ہی کرتا رہے تو خوب ہے۔

---

## دہریت کا علاج نبوت ہے

فرمایا کہ

دہریہ پن کو اگر کوئی شئے جلا سکتی ہے تو وہ صرف انبیاء کا وجود ہے۔ ورنہ عقلی دلائل سے وہاں کچھ نہیں بنتا کیونکہ عقل کی حد سے تو پیشتر ہی گذر کر وہ دہریہ بنتا ہے۔ پھر عقل کی پیش اس کے آگے کب چل سکتی ہے۔

---

## خدانمائی کی ضرورت

فرمایا کہ

آج کل خدا نمائی کی بڑی ضرورت ہے۔ دراصل اگر دیکھا جاوے تو خدا تعالےٰ کی ہستی سے انکار ہو رہا ہے۔ بہت لوگوں کو یہ خیال ہے کہ کیا ہم خدا تعالےٰ کی ہستی کے قائل نہیں ہیں۔ وہ اپنے زعم میں تو سمجھتے ہیں کہ خدا تعالےٰ کو وہ مانتے ہیں لیکن ذرا غور سے ایک قدم رکھیں تو ان کو معلوم ہو کہ وہ درحقیقت قائل نہیں ہیں کیونکہ اور اشیاء کے وجود کے قائل ہونے سے جو حرکات اور افعال ان سے صادر ہوتے ہیں وہ خدا کے وجود کے قائل ہونے سے کیوں صادر نہیں ہوتے۔ مثلاً جب کہ وہ سم الفار سے واقف ہے کہ اس

کے کھانے سے آدمی مرجاتا ہے تو وہ اس کے نزدیک نہیں جاتا اور نہیں کھاتا کیونکہ اُسے یقین ہے کہ میں اگر کھا لوں گا تو مرجاؤں گا۔ پس اگر خدا تعالیٰ کی ہستی پر بھی یقین ہوتا تو وہ اسے مالک، خالق اور قادر جان کر نافرمانی کیوں کرتا؟ پس ظاہر ہے کہ بڑا ضروری مسئلہ ہستی باری تعالیٰ کا ہے اور قابلِ قدر وہی مذہب ہو سکتا ہے جو کہ اسے نئے نئے لباس میں پیش کرتا رہے تاکہ دلوں پر اثر پڑ سکے۔ دراصل یہ مسئلہ ام المسائل ہے اور اسلام اور غیر مذاہب میں ایک فرقان ہے۔

عیسائیوں نے بھی فرقان کا دعویٰ کیا ہے کہ انجیل نے ایمانداروں کی فلاں فلاں علامت قرار دی ہے مگر اب وہ کسی میں بھی پائی نہیں جاتیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں ایمان کا نام و نشان نہیں مگر اسلام میں فرقان کی سب علامات موجود ہیں۔

---

## براہین احمدیہ عہد عتیق ہے

جو براہین احمدیہ کا حصہ چھپ چکا ہے اس پر ذکر چلا۔ فرمایا کہ

اس میں خدا تعالیٰ کی حکمت تھی۔ ورنہ اگر وہ چاہتا تو اسے ہم لکھتے ہی رہتے لیکن خدا تعالیٰ نے اب اول حصہ کو منقطع کر کے بائبل کے عہد عتیق کی طرح الگ کر دیا ہے کیونکہ جو پیشگوئیاں اس میں درج ہیں وہ اب اس اثنا میں پوری ہو رہی ہیں اور جو حصہ اس کا طبع ہوگا وہ عہد جدید ہوگا جس میں سابقہ حصہ کے حوالے ہوں گے کہ خدا تعالیٰ نے یوں فرمایا تھا اور وہ اس طرح پورا ہو کر رہا۔

## سادگی سچائی کی دلیل ہے

براہین میں ہم نے لکھا ہے کہ حضرت مسیحؑ آسمان سے آویں گے۔ اس پر لوگوں نے اعتراض کئے کہ تناقض ہے وہ یہ نہیں دیکھتے کہ اسی براہین میں ہم نے تمام الہامات بھی درج کئے ہیں جن میں ہمارا نام مسیح رکھا گیا ہے اور پھر صرف نام ہی نہیں بلکہ جو کام مسیح

نے آکر کرنا ہے اس کی نسبت بھی الہامات میری نسبت ہی درج ہیں۔ پس یہ تناقض تو سچائی کی دلیل ہے۔ کیونکہ اگر بناوٹ ہوتی تو تناقض نہ جمع کیا جاتا۔ کم بختوں کی نظر انسان کی غلطی پر تو پڑتی ہے اور خدا تعالیٰ کے کلام پر جو اس میں درج ہے نہیں پڑتی۔

---

## الہام

کل یا پرسوں آپ کو الہام ہوا۔

انما امرک اذا اردت شیئًا ان تقول لهٗ کُن فیکون

(البدر جلد ۴ نمبر ۷ صفحہ ۲ مورخہ ۵ مارچ ۱۹۰۵ء)

و (الحکم جلد ۹ نمبر ۸ صفحہ ۷ مورخہ ۱۰ مارچ ۱۹۰۵ء)

---

۳ مارچ ۱۹۰۵ء

قبل ظہر

حافظ غلام رسول صاحب وزیر آبادی نے مولوی محمد ابراہیم صاحب کو حضرت اقدس حجۃ اللہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور پیش کیا۔ مولوی صاحب موصوف نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے چند استفسار کئے۔ حضور نے اس کے جواب میں جو کچھ فرمایا درج ذیل ہے:۔

سائل۔ اطمینان قلب کیونکر حاصل ہو سکتا ہے؟

حضرت اقدس۔ قرآن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ایسی شئے ہے جو قلوب کو اطمینان عطا کرتا ہے جیسا کہ فرمایا۔ الا بذکر اللّٰہ تطمئن القلوب[1]۔ پس جہاں تک ممکن ہو ذکر الٰہی کرتا رہے اسی سے اطمینان حاصل ہوگا۔ ہاں اس کے واسطے صبر اور محنت درکار ہے۔ اگر گھبرا جاتا اور تھک جاتا ہے تو پھر یہ اطمینان نصیب نہیں ہو سکتا

[1] الرعد: ۲۹

دیکھو۔ ایک کسان کس طرح پر محنت کرتا ہے اور پھر کس صبر اور حوصلہ کے ساتھ باہر اپنا غلہ بکھیر آتا ہے۔ بظاہر دیکھنے والے یہی کہتے ہیں کہ اس نے دانے ضائع کر دیئے۔ لیکن ایک وقت آجاتا ہے کہ وہ ان بکھرے ہوئے دانوں سے ایک خرمن جمع کرتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ پر حسن ظن رکھتا ہے اور صبر کرتا ہے۔ اسی طرح پر مومن جب اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک تعلق پیدا کر کے استقامت اور صبر کا نمونہ دکھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس پر مہربانی کرتا ہے اور اُسے وہ ذوق شوق اور معرفت عطا کرتا ہے جس کا وہ طالب ہوتا ہے۔

یہ بڑی غلطی ہے جو لوگ کوشش اور سعی تو کرتے نہیں اور پھر چاہتے ہیں کہ ہمیں ذوق شوق اور معرفت اور اطمینان قلب حاصل ہو جبکہ دنیوی اور سفلی امور کے لئے محنت اور صبر کی ضرورت ہے تو پھر خدا تعالیٰ کو پھونک مار کر کیسے پا سکتا ہے۔ دنیا کے مصائب اور مشکلات سے کبھی گھبرانا نہیں چاہیئے۔ اس راہ میں مشکلات کا آنا ضروری ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مصائب کا سلسلہ دیکھو۔ کس قدر لمبا تھا۔ تیرہ سال تک مخالفوں سے دُکھ اُٹھاتے رہے۔ مکہ والوں کے دُکھ اُٹھاتے اُٹھاتے طائف گئے اور وہاں سے پتھر کھا کر بھاگے۔ پھر اور کوئی شخص ہے جو ان مصائب کے سلسلہ سے الگ ہو کر خداشناسی کی منزلوں کو طے کر لے؟

جو لوگ چاہتے ہیں کہ ہمیں کوئی محنت اور مشقت نہ کرنی پڑے وہ بیہودہ خیال کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں صاف فرمایا ہے والّذین جاھدوا فینا لنھدینّھم سبلنا[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کے دروازوں کے کھلنے کے لئے مجاہدہ کی ضرورت ہے اور وہ مجاہدہ اسی طریق پر ہو جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے بتلایا ہے اس کے لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا نمونہ اور اسوہ حسنہ ہے۔ بہت سے لوگ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اُسوہ حسنہ کو

[1] العنکبوت : ۷۰

کو چھوڑ دیتے ہیں اور پھر سبز پوش یا گیروے پوش فقیروں کی خدمت میں جاتے ہیں کہ پھونک مار کر کچھ بنا دیں یہ بیہودہ بات ہے۔ ایسے لوگ جو شرعی امور کی پابندیاں نہیں کرتے اور ایسے بیہودہ دعوے کرتے ہیں وہ خطرناک گناہ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسُول سے بھی اپنے مراتب کو بڑھانا چاہتے ہیں کیونکہ ہدایت دینا اللہ تعالےٰ کا فضل ہے اور وہ مُشت خاک ہو کر خود ہدایت دینے کے مدعی ہوتے ہیں۔ اصل راہ اور گُر خدا شناسی کا دعا ہے اور پھر صبر کے ساتھ دُعاؤں میں لگا رہے۔ ایک پنجابی فقرہ ہے۔

؎ جو منگے سو مر رہے مرے سو منگن جا

حقیقت میں جب تک انسان دعاؤں میں اپنے آپ کو اس حالت تک نہیں پہنچا لیتا۔ کہ گویا اس پر موت وارد ہو جاوے اس وقت تک باب رحمت نہیں کُھلتا۔ خدا تعالیٰ میں زندگی ایک موت کو چاہتی ہے۔ جب تک انسان اس تنگ دروازہ سے داخل نہ ہو کچھ نہیں۔ خدا جوئی کی راہ میں لفظ پرستی سے کچھ نہیں بنتا بلکہ یہاں حقیقت سے کام لینا چاہیئے۔ جب طلب صادق ہو گی تو میں یقین رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اسے محروم نہ کریگا۔

سائل۔ استقامت بھی تو ملنی چاہیئے۔

حضرت اقدس۔ ہاں یہ سچ ہے کہ استقامت ہونی چاہیئے اور یہ استقامت بھی اللہ تعالیٰ کے فضل اور کرم ہی سے ملتی ہے۔ ایک ادنیٰ درجہ کا فقیر بھی ایک بخیل سے بخیل انسان کے دروازے پر جب دھرنا مارتا ہے تو کچھ نہ کچھ لیکر ہی اُٹھتا ہے۔ پھر اللہ تعالےٰ تو کریم رحیم خدا ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ کوئی اس کے دروازے پر گرے اور خالی اُٹھے اگر چاہتے ہو کہ ساری مرادیں پُوری ہو جاویں تو یہ تو اُس کے ہی فضل سے ہوں گی۔ بعض اوقات انسان کو یہ بھی دھوکا لگتا ہے کہ فلاں مراد پُوری نہیں ہوئی حالانکہ بات یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ احتیاج سے ہی انسان کو بَری کر دیتا ہے۔

لکھا ہے کہ ایک بادشاہ کا گذر ایک فقیر پر ہوا جس کے پاس صرف ستر پوشی کو چھوٹا سا پارچہ تھا مگر وہ بہت خوش تھا۔ بادشاہ نے اس سے پوچھا کہ تو اس قدر خوش کیوں ہے ؟ فقیر نے جواب دیا کہ جس کی ساری ہی مرادیں پوری ہو جاویں وہ خوش نہ ہو تو اور کون ہو ؟ بادشاہ کو بڑی حیرانی ہوئی۔ اس نے پوچھا کہ کیا تیری ساری مرادیں پوری ہو گئی ہیں ؟ فقیر نے کہا کہ کوئی مراد ہی نہیں رہی۔ حقیقت میں حصول دو ہی قسم کا ہوتا ہے یا پالے یا ترک۔

غرض بات یہی ہے کہ خدایابی اور خداشناسی کے لئے ضروری امر یہی ہے کہ انسان دعاؤں میں لگا رہے۔ زنانہ حالت اور بزدلی سے کچھ نہیں ہوتا۔ اس راہ میں مردانہ قدم اُٹھانا چاہیئے۔ ہر قسم کی تکلیفوں کے برداشت کرنے کو تیار ہونا چاہیئے خداتعالیٰ کو مقدم کرے اور گھبرائے نہیں۔ پھر امید کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل دستگیری کرے گا اور اطمینان عطا فرمائے گا۔ ان باتوں کے لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ انسان تزکیہ نفس کرے جیسا فرمایا ہے

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا [1]

سائل۔ دعا جب تک دل سے نہ اُٹھے کیا فائدہ ہوگا ؟

حضرت اقدس۔ میں اسی لئے تو کہتا ہوں کہ صبر کرنا چاہیئے۔ اور اس سے گھبرانا نہیں چاہیئے خواہ دل چاہے یا نہ چاہے۔ کشاں کشاں مسجد میں لے آؤ۔ کسی نے ایک بزرگ سے پوچھا کہ میں نماز پڑھتا ہوں مگر وساوس رہتے ہیں۔ اس نے کہا کہ تو نے ایک حصہ پر تو قبضہ کر لیا۔ دوسرا بھی حاصل ہو جائے گا۔ نماز پڑھنا بھی تو ایک فعل ہے اس پر مداومت کرنے سے دوسرا بھی انشاء اللہ مل جائے گا۔

اصل بات یہ ہے کہ ایک فعل انسان کا ہوتا ہے اس پر نتیجہ مرتب کرنا ایک دوسرا فعل ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کا فعل ہے۔ سعی کرنا، مجاہدہ کرنا یہ تو انسان کا اپنا فعل

[1] الشمس : ۱۰

ہے۔ اس پر پاک کرنا، استقامت بخشنا یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ بھلا جو شخص جلدی کرے گا کیا اس طریق پر وہ جلد کامیاب ہو جائے گا؟ یہ جلد بازی انسان کو خراب کرتی ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ دنیا کے کاموں میں بھی اتنی جلدی کوئی امر نتیجہ خیز نہیں ہوتا۔ آخر اس پر کوئی وقت اور میعاد گذرتی ہے۔ زمیندار بیج بو کر ایک عرصہ تک صبر کے ساتھ اس کا انتظار کرتا ہے۔ بچہ بھی نو مہینے کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ پہلی ہی خلوت کے بعد بچہ پیدا ہو جاوے تو لوگ اسے بیوقوف کہیں گے یا نہیں؟ پھر جب دنیوی امور میں قانون قدرت کو اس طرح دیکھتے ہو تو یہ کیسی غلطی اور نادانی ہے کہ دینی امور میں انسان بلا محنت و مشقت کے کامیاب ہو جاوے۔ جس قدر اولیاء، ابدال، مرسل ہوئے ہیں انہوں نے کبھی گھبراہٹ اور بزدلی اور بے صبری ظاہر نہیں کی۔ وہ جس طریق پر چلے ہیں اسی راہ کو اختیار کرو اگر کچھ پانا ہے۔ بغیر اس راہ کے تو کچھ مل نہیں سکتا۔ اور میں یقیناً کہتا ہوں۔ اپنے تجربہ سے کہتا ہوں کہ انبیاء علیہم السلام کو اطمینان جب نصیب ہوا ہے تو ادعونی استجب لکم[1] پر عمل کرنے سے ہی ہوا ہے۔ مجاہدات عجیب اکسیر ہیں۔ سید عبدالقادر رضی اللہ عنہ نے کیسے کیسے مجاہدات کئے۔ ہندوستان میں جو اکابر گذرے ہیں جیسے معین الدین چشتی اور فریدالدین رحمہم اللہ تعالیٰ۔ اُن کے حالات پڑھو تو معلوم ہو کہ کیسے کیسے مجاہدات ان کو کرنے پڑے ہیں۔ مجاہدہ کے بغیر حقیقت کُھلتی نہیں۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ فلاں فقیر کے پاس گئے اور اس نے توجہ کی تو قلب جاری ہو گیا یہ کچھ بات نہیں۔ ایسے ہندو فقراء کے پاس بھی جاری ہوتے ہیں۔ توجہ کچھ چیز نہیں ہے۔ یہ ایک ایسا عمل ہے جس کے ساتھ تزکیہ نفس کی کوئی شرط نہیں ہے۔ نہ اس میں کفر و اسلام کا کوئی امتیاز ہے۔ انگریزوں نے اس فن میں آج کل وہ کمال کیا ہے کہ کوئی دوسرا کیا کرے گا۔ میرے نزدیک یہ بدعات اور محدثات ہیں۔

[1] المومن : ۶۱

شریعت کی اصل غرض تزکیہ نفس ہوتی ہے اور انبیاء علیہم السلام اسی مقصد کو لے کر آتے ہیں۔ اور وہ اپنے نمونہ اور اسوہ سے اس راہ کا پتہ دیتے ہیں جو تزکیہ کی حقیقی راہ ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی محبت دلوں میں پیدا ہو اور شرح صدر حاصل ہو۔ میں بھی اسی منہاج نبوت پر آیا ہوں۔ پس اگر کوئی یہ چاہتا ہے کہ میں کسی ٹوٹکے سے قلب جاری کر سکتا ہوں تو یہ غلط ہے۔ میں تو اپنی جماعت کو اسی راہ پر لے جانا چاہتا ہوں جو ہمیشہ سے انبیاء علیہم السلام کی راہ ہے جو خدا تعالیٰ کی وحی کے ماتحت تیار ہوئی ہے۔ پس اور راہ وغیرہ کا ذکر ہماری کتابوں میں آپ نہ پائیں گے اور نہ اس کی ہم تعلیم دیتے ہیں اور نہ ضرورت سمجھتے ہیں۔ ہم تو یہی بتاتے ہیں کہ نمازیں سنوار سنوار کر پڑھو اور دعاؤں میں لگے رہو۔

**سائل۔** حضور نمازیں پڑھتے ہیں۔ مگر منہیات سے باز نہیں رہتے اور اطمینان حاصل نہیں ہوتا ہے۔

**حضرت اقدس۔** نمازوں کے نتائج اور اثر تو تب پیدا ہوں جب نمازوں کو سمجھ کر پڑھو بجز کلام الٰہی اور ادعیہ ماثورہ کے اپنی زبان میں بھی دعائیں کرو اور پھر ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھو یہی ایک امر ہے جس کی بار بار تاکید کرتا ہوں کہ تھکو اور گھبراؤ نہیں۔ اگر استقلال اور صبر سے اس راہ کو اختیار کرو گے تو انشاء اللہ یقیناً ایک نہ ایک دن کامیاب ہو جاؤ گے ہاں یہ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہی کو مقدم کرو اور دین کو دنیا پر ترجیح دو جبتک انسان اپنے اندر دنیا کا کوئی حصہ بھی پاتا ہے وہ یاد رکھے کہ ابھی وہ اس قابل نہیں کہ دین کا نام بھی لے۔ یہ بھی ایک غلطی لوگوں کو لگی ہوئی ہے کہ دنیا کے بغیر دین حاصل نہیں ہوتا۔ انبیاء علیہم السلام جب دنیا میں آئے ہیں۔ کیا انہوں نے دنیا کے لئے سعی اور مجاہدہ کیا ہے یا دین کے لئے؟ اور باوجود اس کے کہ اُن کی ساری توجہ اور کوشش دین ہی کے لئے ہوتی ہے۔ پھر کیا وہ دنیا میں نامراد رہے ہیں۔ کبھی نہیں۔ دنیا خود اُن

کے قدموں پر آ کر گری ہے۔ یہ یقیناً سمجھو کہ انہوں نے دنیا کو گویا طلاق دے دی تھی لیکن یہ ایک عام قانون قدرت ہے کہ جو لوگ خدا تعالیٰ کی طرف سے آتے ہیں وہ دنیا کو ترک کرتے ہیں۔ اس سے یہ مراد ہے کہ وہ دنیا کو اپنا مقصود اور غائت نہیں ٹھہراتے اور دنیا ان کی خادم اور غلام ہو جاتی ہے۔ جو لوگ برخلاف اس کے دنیا کو اپنا اصل مقصود ٹھہراتے ہیں خواہ وہ دنیا کو کسی قدر بھی حاصل کر لیں مگر آخر ذلیل ہوتے ہیں۔ سچی خوشی اور اطمینان اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے عطا ہوتا ہے۔ یہ مجرد دنیا کے حصول پر منحصر نہیں ہے۔ اس لئے ضروری امر ہے کہ ان اشیاء کو اپنا معبود نہ ٹھہراؤ۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ اور اسی کو یگانہ و یکتا معبود سمجھو۔ جب تک انسان ایمان نہیں لاتا۔ کچھ نہیں اور ایسا ہی نماز روزہ میں اگر دنیا کو کوئی حصہ دیتا ہے تو وہ نماز روزہ اُسے منزل مقصود تک نہیں لے جا سکتا۔ بلکہ محض خدا کے لئے ہو جاوے قل ان صلوٰتی و نسکی و محیای و مماتی للّٰہ ربّ العالمین[1] کا سچا مصداق ہو تب مسلمان کہلائے گا۔ ابراہیم کی طرح صادق اور وفادار ہونا چاہیئے۔ جس طرح پر وہ اپنے بیٹے کو ذبح کرنے پر آمادہ ہو گیا اسی طرح انسان ساری دنیا کی خواہشوں اور آرزوؤں کو جب تک قربان نہیں کر دیتا کچھ نہیں بنتا۔ میں سچ کہتا ہوں کہ جب انسان اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف اس کو ایک جذبہ پیدا ہو جاوے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ خود اس کا متکفل اور کارساز ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ پر کبھی بدظنی نہیں کرنی چاہیئے اگر نقص اور خرابی ہو گی تو ہم میں ہو گی۔

پس یاد رکھو کہ جب تک انسان خدا تعالیٰ کا نہ ہو جاوے بات نہیں بنتی اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے لئے ہو جاتا ہے اس میں شتابکاری نہیں رہتی۔ مشکل یہی ہے کہ لوگ جلد گھبرا جاتے ہیں اور پھر شکوہ کرنے لگتے ہیں۔

سائل۔ ابتدائی منزل اس مقصد کے حصول کی کیا ہے؟

---

[1] الانعام: ۱۶۳

حضرت اقدس ۔ ابتدائی منزل یہی ہے کہ جسم کو اسلام کا تابع کرے۔ جسم ایسی چیز ہے جو ہر طرف لگ سکتا ہے۔ بتاؤ زمینداروں کو کون سکھاتا ہے جو جیٹھ ہاڑ کی سخت دھوپ میں باہر جا کر کام کرتے ہیں اور سردیوں میں آدھی آدھی رات کو اُٹھ کر باہر جاتے اور ہل چلاتے ہیں۔ پس جسم کو جس طریق پر لگاؤ اسی طریق پر لگ جاتا ہے۔ ہاں اس کیلئے ضرورت ہے عزم کی۔

کہتے ہیں کہ ایک بادشاہ مٹی کھایا کرتا تھا۔ بہت تجویزیں کی گئیں مگر وہ باز نہیں رہ سکتا تھا۔ آخر ایک طبیب آیا اس نے دعویٰ کیا کہ میں اس کو روک دوں گا۔ چنانچہ اس نے بادشاہ کو مخاطب کر کے کہا۔

ایها الملكُ این عزم الملوكِ

یعنی اے بادشاہ۔ وہ بادشاہوں والا عزم کہاں گیا؟ یہ سُنکر بادشاہ نے کہا اب میں مٹی نہیں کھاؤں گا۔ پس عزم مومن بھی تو کوئی چیز ہے۔

سائل۔ عزم کرتے تو آپ کی کیا ضرورت ہے؟

حضرت اقدس۔ بات یہ ہے کہ جب نفوس صافیہ کا جذب ہوتا ہے تو ممد و معاون بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ صحابہ کے دل اچھے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایک رسول بھی پیدا کر دیا۔ ایسا ہی کہتے ہیں کہ مکہ سے جو مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ اس میں بھی یہی سِر تھا کہ وہاں کے اصلاح پذیر قلوب کا ایک جذب تھا۔

(الحکم جلد ۹ نمبر ۲۴ صفحہ ۹، ۱۰ مورخہ ۱۰ جولائی ۱۹۰۵ء)

۱۰ر مارچ ۱۹۰۵ئہ
بوقت شب

# وحی اور کشف میں فرق

## اور

## کشف غیر مُسلم کو بھی ہو سکتا ہے

ایک صاحب نے عرض کی کہ ایک عرصہ سے میرے دل میں خواہش ہے کہ کشف کی حالت طاری ہو اور اگرچہ میں اپنے علم کی رو سے جانتا ہوں کہ اس کا حاصل ہونا کوئی کمالات میں سے نہیں ہے مگر تاہم اس کا خیال ہرگز دُور نہیں ہوتا۔ اس لئے کچھ شفاعت فرماویں۔ اس پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ

اس کا تعلق مجاہدات اور ریاضات سے ہے۔ لیکن اب آپ کی عمر ان کی متحمل نظر نہیں آتی۔ عالم شباب میں ایسے مجاہدات اور ریاضات انسان کر سکتا ہے جس سے اس پر یہ حالت جلد طاری ہو۔ پیرانہ سالی میں قویٰ ضعیف ہو جاتے ہیں۔ معدہ کام کرنے سے رہ جاتا ہے۔ اس لئے مجاہدات میں استقامت حاصل نہیں ہوتی۔ آپ کے مناسب حال اگر کوئی مجاہدہ ہے تو میری رائے میں یہ ہے کہ خلوت کے درمیان ذکر الٰہی اور توجہ الی اللہ کی کثرت کریں۔ غیر اللہ کو قلب سے دفع کرنا اور اللہ تعالےٰ کو اس کا مسکن بنا لینا آسان کام نہیں ہے یہی بڑا مجاہدہ ہے۔ بیہودہ مجلسوں اور قیل و قال سے الگ رہیئے۔ اور غفلت کے پردہ کو جو کہ انسان کی زندگی پر پڑے ہوئے ہیں اُن کو دُور کرنے کی کوشش کریں پیرانہ سالی کے لحاظ سے یہ عمدہ مجاہدہ ہے جس سے تزکیہ نفس ہو سکتا ہے کیونکہ اب اس عمر میں نوافل اور روزے وغیرہ کی برداشت مشکل ہے۔ اس کا مطلب اس شعر

میں خوب بیان ہے :-

لب بہ بند د گوش بند و چشم بند
گر نہ بینی نور حق ۔ بر ما بخند

کہ انسان اپنی زبان کو اور کانوں اور آنکھوں کو اپنے قابو میں ایسا کرے کہ سوائے رضائے حق کے اور اُن سے کوئی فعل صادر نہ ہو۔ انسانی زندگی میں جو بے اعتدالی ہوتی ہے اُسے اعتدال پر لانا بڑا کام ہے۔ اب اس وقت یہی مناسب حال ہے کہ خلوت بہت ہو اور ذکر الہٰی سے قلب غافل نہ ہو۔ اگر انسان اس کی مداومت اختیار کرے تو آخر کار قلب متاثر ہو جاتا ہے اور ایک تبدیلی انسان اپنے اندر رکھتا ہے۔

## کشف رؤیا کا اعلیٰ درجہ ہے

کشف کیا ہے یہ رؤیا کا ایک اعلیٰ مقام اور مرتبہ ہے اس کی ابتدائی حالت کہ جس میں غیبت حس ہوتی ہے۔ صرف اس کو خواب (رؤیا) کہتے ہیں جسم بالکل معطل بیکار ہوتا ہے اور حواس کا ظاہری فعل بالکل ساکت ہوتا ہے۔ لیکن کشف میں دوسرے حواس کی غیبت نہیں ہوتی۔ بیداری کے عالم میں انسان وہ کچھ دیکھتا ہے جو کہ وہ نیند کی حالت میں حواس کے معطل ہونے کے عالم میں دیکھتا تھا۔ کشف اسے کہتے ہیں کہ انسان پر بیداری کے عالم میں ایک ایسی ربودگی طاری ہو کہ وہ سب کچھ جانتا بھی ہو۔ اور حواس خمسہ اس کے کام بھی کر رہے ہوں اور ایک ایسی ہوا چلے کہ نئے حواس اُسے مل جاویں جن سے وہ عالم غیب کے نظارے دیکھ لے۔ وہ حواس مختلف طور سے ملتے ہیں۔ کبھی بصر میں، کبھی شامہ سونگھنے میں، کبھی سمع میں، شامہ میں اس طرح جیسے کہ حضرت یوسفؑ کے والد نے کہا انی لاجد ریح یوسف لولا ان تفندون[1] (کہ مجھے یوسف کی خوشبو آتی ہے۔ اگر تم یہ نہ کہو کہ بڈھا بہک گیا) اس سے مراد وہی نئے حواس ہیں جو کہ یعقوبؑ کو اس وقت حاصل ہوئے اور انہوں نے معلوم کیا کہ یوسفؑ

[1] یوسف : ۹۵

تنہ موجود ہے اور ملنے والا ہے۔ اس خوشبو کو دوسرے پاس والے نہ سونگھ سکے کیونکہ ان کو وہ حواس نہ ملے تھے جو کہ یعقوبؑ کو ملے۔ جیسے گڑ سے شکر بنتی ہے اور شکر سے کھانڈ اور کھانڈ سے اور دوسری شیرینیاں لطیف در لطیف بنتی ہیں۔ ایسے ہی رؤیا کی حالت ترقی کرتی کرتی کشف کا رنگ اختیار کرتی ہے اور جب وہ بہت صفائی پر آجاوے تو اس کا نام کشف ہوتا ہے۔

## کشف اور وحی میں فرق

لیکن وحی ایسی شئے ہے جو کہ اس سے بدرجہا بڑھ کر صاف ہے اور اس کے حاصل ہونے کے لئے مسلمان ہونا ضروری ہے۔ کشف تو ایک ہندو کو بھی ہو سکتا ہے۔ بلکہ ایک دہریہ بھی جو خدا تعالیٰ کو نہ مانتا ہو وہ بھی اس میں کچھ نہ کچھ کمال حاصل کر لیتا ہے۔ لیکن وحی سوائے مسلمان کے دوسرے کو نہیں ہو سکتی۔ یہ اسی امت کا حصہ ہے کیونکہ کشف تو ایک فطرتی خاصہ انسان کا ہے اور ریاضت سے یہ حاصل ہو سکتا ہے خواہ کوئی کرے کیونکہ فطرتی امر ہے۔ جیسے جیسے کوئی اس میں مشق اور محنت کرے گا ویسے ویسے اس پر اس کی حالتیں طاری ہوں گی اور ہر ایک نیک و بد کو رؤیا کا ہونا اس امر پر دلیل ہے۔ دیکھا ہوگا کہ سچی خوابیں بعض فاسق و فاجر لوگوں کو بھی آجاتی ہیں۔ پس جیسے ان کو سچی خوابیں آتی ہیں ویسے ہی زیادہ مشق سے کشف بھی ان کو ہو سکتے ہیں حتیٰ کہ حیوان بھی صاحبِ کشف ہو سکتا ہے لیکن الہام یعنی وحی الٰہی ایسی شئے ہے کہ جب تک خدا تعالیٰ سے پوری صلح نہ ہو اور اس کی اطاعت کے لئے اس نے گردن نہ رکھ دی ہو تب تک وہ کسی کو حاصل نہیں ہو سکتی۔ خدا تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ[1]۔ یہ اسی امر کی طرف اشارہ ہے۔ نزول وحی کا صرف ان کے ساتھ وابستہ ہے جو کہ خدا تعالیٰ کی راہ میں مستقیم ہیں اور وہ صرف مسلمان ہی ہیں۔ وحی ہی وہ شئے ہے کہ جس سے اَنَا الْمَوْجُوْد کی آواز کان میں آکر ہر ایک شک و شبہ سے ایمان کو نجات دیتی ہے

[1] حٰمٓ السجدۃ : ۳۱

اور بغیر جس کے مرتبہ یقین کامل کا انسان کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ لیکن کشف میں یہ آواز کبھی نہیں سُنائی دیتی اور یہی وجہ ہے کہ صاحبِ کشف ایک دہریہ بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن صاحبِ وحی کبھی دہریہ نہیں ہوگا۔

اس مقام پر حضرت نورالدین صاحب حکیم الامتہ نے عرض کی کہ حضور سائل کا منشا یہ ہے کہ یہ خواہش کسی طرح دل سے دور ہو جاوے۔

خدا تعالیٰ کے برگزیدہ اور محبوب نے فرمایا کہ

اُن کے دل میں کشف کی جو عظمت بیٹھی ہوئی ہے جب تک وہ دُور نہ ہو گی تو علاج کیسے ہوگا۔ اسی لئے تو میں فرق بیان کر رہا ہوں۔ ہمارے ہاں ایک چوڑھی (خاکروبہ) آتی ہے وہ بھی سچی خوابوں کا ایک سلسلہ بیان کیا کرتی ہے لیکن اس سے اس کا عنداللہ مقرب ہونا یا صاحبِ کرامت ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ایک مسلمان کا کشف جس قدر صاف ہوگا اس قدر غیر مسلم کا ہرگز صاف نہ ہوگا کیونکہ خدا تعالیٰ ایک مسلم اور غیر مسلم میں تمیز رکھتا ہے اور فرماتا ہے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا[1] لیکن وحی کو کشف نہیں پا سکتا۔ یہ وحی کی ہی قلم ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے ارادہ سے اس کے لئے ایک شخص کو انتخاب کرتا ہے اور شرفِ مکالمہ بخشتا ہے اور ہر میدان میں اس کا حافظ و ناصر ہوتا ہے اور صاحبِ وحی کے تعلقات دن بدن خدا تعالیٰ سے قائم ہوتے اور بڑھتے جاتے ہیں اور ایمان میں غیر معمولی ترقی روز مشاہدہ کرتا ہے۔

(البدر جلد ۱ نمبر ۸ صفحہ ۲ مورخہ ۱۳؍مارچ ۱۹۰۵ء)

نیز (الحکم جلد ۹ نمبر ۹ صفحہ ۹ مورخہ ۱۷ مارچ ۱۹۰۵ء)

---

## ۲۵ مارچ ۱۹۰۵ء — (قبل نمازِ عصر)

عصر کی نماز سے پیشتر حضرت حجۃ اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور صاحبزادہ سراج الحق

[1] الشمس : ۱۰

صاحب نعمانی نے اپنے بڑے بھائی خلیل الرحمٰن صاحب سجادہ نشین سرساوہ کا خط سُنایا جس میں انہوں نے حضرت حجۃ اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت بطور پیشگوئی لکھا تھا کہ وہ جلد فوت ہو جائیں گے اور ان کے سلسلہ کا خاتمہ ہو جائے گا اور یہ بھی لکھا تھا کہ میں کشف قبور کر سکتا ہوں اور کرا سکتا ہوں۔ اگر مرزا صاحب سچے ہیں تو وہ بھی مجھے کشف قبور کر کے دکھائیں وغیرہ ملخصاً۔

حضرت اقدس نے سرسری طور پر اس کارڈ کو سُن لیا۔ پھر نماز عصر ادا فرمائی۔ بعد نماز عصر کوئی ایسی تحریک آپ کو ہوئی کہ آپ نے صاحبزادہ سراج الحق صاحب کو وہیں مسجد ہی میں بلایا اور فرمایا جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے :-

آپ ان کو اپنی طرف سے ایک خط لکھ دیں کہ یہ پیشگوئی جو آپ نے کی ہے اس سے میری تو برسوں کی مراد برآئی۔ میں بھی چاہتا تھا کیونکہ اس سے سچائی کا فیصلہ ہو جاتا ہے لیکن مہربانی کر کے اتنی تصریح کر دو کہ کیا وہ (مرزا صاحب) آپ سے پہلے فوت ہونگے یا پیچھے تاکہ پھر اس پیشگوئی کو آپ کی کرامت قرار دے کر شائع کر دیا جاوے جب پیشگوئی پوری ہوگی اس وقت دنیا دیکھ لے گی۔

پس آپ ہرگز دیر نہ کریں۔ بہت جلد اس امر کو لکھ بھیجیں۔ اور کشف قبور کا معاملہ تو بالکل بیہودہ امر ہے۔ جو شخص زندہ خدا سے کلام کرتا ہے اور اس کی تازہ بتازہ وحی اس پر آتی ہے اور اس کے ہزاروں نہیں لاکھوں ثبوت بھی موجود ہیں۔ اس کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ وہ مُردوں سے کلام کرے اور مُردوں کی تلاش کرے اور اس امر کا ثبوت ہی کیا ہے کہ فلاں مُردے سے کلام کیا ہے۔ یہاں تو لاکھوں ثبوت موجود ہیں۔ ایک ایک کارڈ اور ایک ایک آدمی اور ایک ایک روپیہ جو اب آتا ہے وہ خدا تعالیٰ کا ایک زبردست نشان ہے کیونکہ ایک عرصہ دراز پیشتر خدا تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ

یَأْتُونَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْق۔ وَیَأْتِیْکَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْق

اور ایسے وقت فرمایا تھا کہ کوئی شخص بھی مجھے نہ جانتا تھا۔ اب یہ پیشگوئی کیسے زور شور سے پوری ہو رہی ہے۔ کیا اس کی کوئی نظیر بھی ہے؟ غرض ہمیں ضرورت کیا پڑی ہے کہ ہم زندہ خدا کو چھوڑ کر مُردوں کو تلاش کریں۔

(الحکم جلد ۹ نمبر ۱۱ صفحہ ۱۱ مورخہ ۳۱ر مارچ ۱۹۰۵ء)

---

## ۲۷ر مارچ ۱۹۰۵ء

### بوقت ظہر

ظہر کی اذان ہو چکنے کے بعد اعلیحضرت تشریف لائے۔ باہر سے آئے ہوئے مہمانوں نے شرف زیارت پایا۔ بعد ازاں بعد حضرت مخدوم الملت مولوی عبدالکریم صاحب نے بابو عطا الٰہی صاحب سٹیشن ماسٹر کی طرف سے حصولِ اجازت کے لئے عرض کیا۔ آپ نے بابو عطا الٰہی صاحب کو بُلا کر فرمایا کہ

مئی، جُون، جولائی وغیرہ مہینوں میں کوئی موقعہ یہاں رہنے کے لئے نکالنا چاہیئے آئندہ جب رخصت لو تو ان مہینوں کو مدّنظر رکھ لینا۔

اس کے بعد حضرت مخدوم الملت نے عرض کیا کہ میں نے حضور کا وہ خط[1] اخبار میں

---

[1] جس خط کا حضرت مولوی عبدالکریم صاحب نے ذکر کیا۔ یہ خط الحکم جلد ۹ نمبر ۱۱ صفحہ ۸ پر حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کے تشریحی مضمون کے ساتھ شائع ہوا ہے جو یہ ہے:-

"محبی اخویم[2]۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ میں ایک مدت سے بیماریوں میں رہا اور اب بھی ان کا بقیہ باقی ہے۔ میں چاہتا تھا کہ اپنے ہاتھ سے جواب لکھوں مگر بباعث بیماری کے لکھ نہ سکا۔ آپ کے پہلے خط کا ماحصل جس قدر مجھ کو یاد ہے یہ ہے کہ میری نسبت ...... کی جماعت کی طرف سے یہ پیغام پہنچایا تھا کہ روپیہ کے خرچ میں بہت اسراف ہوتا ہے آپ اپنے پاس روپیہ جمع نہ رکھیں اور یہ روپیہ ایک کمیٹی کے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

[2] کس شخص کے نام یہ خط تھا اس کا اظہار نہیں کیا گیا۔ (مرتب)

شائع کرنے کو دیدیا ہے اور اس پر ایک مضمون بھی لکھ دیا ہے۔

فرمایا۔ بہت اچھا کیا ہے

سپرد ہو جو حسب ضرورت خرچ کیا کریں اور یہ بھی ذکر تھا کہ اس روپیہ میں سے باغ کے چند خدمتگار بھی روٹیاں کھاتے ہیں۔ اور ایسا ہی اور کئی قسم کے اسراف کی طرف اشارہ تھا جن کو میں سمجھتا ہوں آپ نے اپنی نیک نیتی سے جو کچھ لکھا بہتر لکھا میں ضروری نہیں سمجھتا کہ اس کا رد لکھوں میں آپ کو خدا تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں جس کی قسم کو پورا کرنا مومن کا فرض ہے اور اس کی خلاف ورزی معصیت ہے کہ آپ . . . کی تمام جماعت کو اور خصوصاً ایسے صاحبوں کو جن کے دلوں میں یہ اعتراض پیدا ہوا ہے بہت صفائی سے اور کھول کر سمجھا دیں کہ اس کے بعد ہم . . . کا چندہ بکلی بند کرتے ہیں اور ان پر حرام ہے اور قطعاً حرام ہے اور مثل گوشت خنزیر ہے کہ ہمارے کسی سلسلہ کی مدد کے لئے اپنی تمام زندگی تک ایک حبہ بھی بھیجیں۔ ایسا ہی ہر شخص جو ایسے اعتراض دل میں مخفی رکھتا ہے اس کو بھی ہم یہی قسم دیتے ہیں۔

یہ کام خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جس طرح وہ میرے دل میں ڈالتا ہے خواہ وہ کام لوگوں کی نظر میں صحیح ہے یا غیر صحیح، درست ہے یا غلط، میں اسی طرح کرتا ہوں۔ پس جو شخص کچھ مدد دے کر مجھے اسراف کا طعنہ دیتا ہے وہ میرے پر حملہ کرتا ہے۔ ایسا حملہ قابلِ برداشت نہیں۔ اصل تو یہ ہے کہ مجھے کسی کی بھی پروا نہیں۔ اگر تمام جماعت کے لوگ متفق ہو کر چندہ بند کر دیں یا مجھ سے منحرف ہو جائیں تو وہ جس نے مجھ سے وعدہ کیا ہوا ہے وہ اور جماعت ان سے بہتر پیدا کر دے گا جو صدق اور اخلاص رکھتی ہو گی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ مجھے مخاطب کر کے فرماتا ہے ینصرک اللّٰہ من عندہٖ۔ ینصرک رجالٌ نوحی الیھم من السّماء۔ یعنی خدا تیری اپنے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ایک شخص نے اپنی مشکلات کے لئے عرض کی۔ فرمایا۔

استغفار کثرت سے پڑھا کرو۔ اور نمازوں میں یا حیُّ یا قیومُ استغیث برحمتک

پاس سے مدد کرے گا۔ تیری وہ مدد کریں گے جن کے دلوں میں ہم آپ وحی کریں گے اور الہام کریں گے۔ پس اس کے بعد میں ایسے لوگوں کو ایک مرے ہوئے کیڑے کی طرح بھی نہیں سمجھتا جن کے دلوں میں بدگمانیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اور کیا وجہ ہے کہ انھیں جبکہ میں ایسے خشک دل لوگوں کو چندہ کے لئے مجبور نہیں کرتا جن کا ایمان ہنوز ناتمام ہے۔ مجھے وہ لوگ چندہ دے سکتے ہیں جو اپنے سچے دل سے مجھے خلیفۃ اللہ سمجھتے ہیں۔ اور میرے تمام کاروبار خواہ اُن کو سمجھیں یا نہ سمجھیں ان پر ایمان لاتے اور اُن پر اعتراض کرنا موجب سلب ایمان سمجھتے ہیں۔ میں تاجر نہیں کہ کوئی حساب رکھوں۔ میں کسی کمیٹی کا خزانچی نہیں کہ کسی کو حساب دوں۔ میں بلند آواز سے کہتا ہوں کہ ہر ایک شخص جو ایک ذرہ بھی میری نسبت اور میرے مصارف کی نسبت اعتراض دل میں رکھتا ہے اس پر حرام ہے کہ ایک کوڑی میری طرف بھیجے۔ مجھے کسی کی پروا نہیں جبکہ خدا مجھے بکثرت کہتا ہے گویا ہر روز کہتا ہے کہ میں ہی بھیجتا ہوں جو آتا ہے اور کبھی میرے مصارف پر وہ اعتراض نہیں کرتا تو دوسرا کون ہے۔ جو مجھ پر اعتراض کرے۔ ایسا اعتراض آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر بھی تقسیم اموال غنیمت کے وقت کیا گیا تھا۔ سو میں آپ کو دوبارہ لکھتا ہوں کہ آئندہ سب کو کہدیں کہ تم کو اس خدا کی قسم ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور ایسا ہی ہر ایک جو اس خیال میں شریک ہے کہ ایک حبہ بھی میری طرف کسی سلسلہ کے لئے کبھی اپنی عمر بھر ارسال نہ کریں۔ پھر دیکھیں۔ کہ ہمارا کیا حرج ہوا؟ اب قسم کے بعد میرے پاس نہیں کہ اور لکھوں۔

خاکسار مرزا غلام احمد

(الحکم جلد ۹ نمبر ۱۱ صفحہ ۸-۹ مورخہ ۳۱ مارچ ۱۹۰۵ء)

یا ارحم الراحمین پڑھو۔

پھر اس نے عرض کی کہ استغفار کتنی مرتبہ پڑھوں؟ فرمایا

کوئی تعداد نہیں۔ کثرت سے پڑھو یہانتک کہ ذوق پیدا ہو جائے اور استغفار کو منتر کی طرح نہ پڑھو بلکہ سمجھ کر پڑھو۔ خواہ اپنی زبان میں ہی ہو۔ اس کے یہ معنے ہیں کہ اے اللہ! مجھے گناہوں کے بُرے نتیجوں سے محفوظ رکھ اور آئندہ گناہوں سے بچا۔

بعد ازاں خاکسار ایڈیٹر الحکم نے مولوی مشرف الدین احمد صاحب کے صاحبزادہ کے لئے دعا کے واسطے عرض کیا۔ فرمایا

اُن کا خط بھی آیا ہے۔ اُن کو لکھ دو کہ یاد دلاتے رہیں۔

---

مولانا مولوی عبد الکریم صاحب نے بیان کیا کہ کل جب میں اُٹھا تو میری زبان پر یہ جاری تھا جو حضور کا الہام ہے۔ آگ سے ہمیں مت ڈرا۔ آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے۔

اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ کل مجھے الہام ہوا تھا

چوہدری رستم علی

اس کے ساتھ اور کچھ نہیں تھا

(الحکم جلد ۹ نمبر ۱۳ صفحہ ۹ مورخہ ۱۷؍اپریل ۱۹۰۵ء)

---

۳۰؍مارچ ۱۹۰۵ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

## اطلاع

میں بڑی خوشی سے یہ چند سطریں تحریر کرتا ہوں کہ اگرچہ منشی محمد افضل مرحوم ایڈیٹر اخبار

البدر قضائے الٰہی سے فوت ہو گئے ہیں مگر خدا تعالیٰ کے شکر اور فضل سے ان کا نعم البدل اخبار کو ہاتھ آگیا ہے۔ یعنی ہمارے سلسلہ کے ایک برگزیدہ رکن، جوان، صالح اور ہر ایک طور سے لائق جن کی خوبیوں کے بیان کرنے کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں یعنی مفتی محمد صادق بھیروی قائمقام منشی محمد افضل مرحوم ہو گئے ہیں۔

میری دانست میں خدا تعالیٰ کے فضل اور رحم سے اس اخبار کی قسمت جاگ اٹھی ہے کہ اس کو ایسا لائق اور صالح ایڈیٹر ہاتھ آیا۔ خدا تعالیٰ یہ کام ان کے لئے مبارک کرے اور ان کے کاروبار میں برکت ڈالے۔ آمین۔ ثم آمین۔

خاکسار میرزا غلام احمد۔ ۲۳ محرم الحرام ۱۳۲۳ھ علی صاحبہا التحیۃ والسلام

۳۰ مارچ ۱۹۰۵ء

(البدر جلد ۱ نمبر ۱ صفحہ ۱ مورخہ ۷ اپریل ۱۹۰۵ء)[۱]

---

## یکم اپریل ۱۹۰۵ء

## قبل ظہر

اعلیٰ حضرت حجۃ اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ظہر سے پیشتر تھوڑی دیر مجلس فرمائی۔ فرمایا

عصر کے بعد میری طبیعت خراب ہو جاتی ہے میں اس لئے شام کو آ نہیں سکتا۔

---

مولانا مولوی عبدالکریم صاحب سلمہ ربہ کو کثرت پیشاب کی دو تین دن سے پھر شکایت ہو گئی ہے اور آج اعلیحضرت نے ان کا قارورہ منگوا کر دیکھا تھا جو کثیر مقدار میں تھا۔ اس کے متعلق مولوی عبدالکریم صاحب کو مخاطب کر کے جو کچھ فرمایا اس سے آپ کی کمال شفقت اور ہمدردی کا ثبوت ملتا ہے اس لئے میں خلاصۃً اسے اپنے الفاظ

---

[۱] حاشیہ۔ البدر کے نئے دور کی ابتدا جلد اول نمبر اول سے ہوئی (مرتب)

میں درج کرتا ہوں۔ فرمایا

میں آپ کا پیشاب دیکھ کر بہت حیران ہو گیا۔ میں نے تو اس کے بعد دعا ہی شروع کر دی اور انشاء اللہ بہت دعا کرونگا[۱]

مجھے خود چونکہ کثرت پیشاب کی شکایت ہے میں جانتا ہوں کہ کس قدر تکلیف ہوتی دل گھٹتا ہے۔ اور پنڈلیوں میں درد ہونے لگتا ہے۔ بہت بے چینی اور گھبراہٹ ہو جاتی ہے۔ میں نے ارادہ کیا ہے کہ اسی رسالہ[۲] کو ختم کر لینے کے بعد کچھ دنوں تک صرف دعا ہی میں لگا رہوں گا۔

میں نے جو گولی آپ کو بنا کر دی تھی وہ مفید ثابت ہوئی تھی۔ آپ اس کا استعمال کریں میں بھیجدوں گا اور ختم ہونے پر اور دوا تیار ہو سکتی ہے۔ آپ دودھ کثرت سے پئیں۔ وہ اس مرض میں بہت مفید ہے اور میں انشاء اللہ بہت دعا کروں گا۔ آپ کے پیشاب کو دیکھ کر مجھے تو حیرت ہی ہوئی کہ آپ کس طرح التزام کے ساتھ نمازوں میں آتے ہیں اور آپ کی آواز سے بھی معلوم نہیں ہوتا کہ آپ کو شکایت ہے۔

اس پر حضرت مولانا عبدالکریم صاحب نے عرض کیا کہ حضور کی دعا ہی ہے جو اس ہمت اور استقلال سے میں حاضر ہوتا ہوں ورنہ بعض اوقات قریب بہ غش ہو جاتا ہوں

پھر حضرت اقدس نے فرمایا کہ

میں بہت دعا کروں گا

مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضور کی عافیت چاہیئے۔ فرمایا:۔

عافیت ہو ہی جاتی ہے۔ جب میں آپ کے لئے دعا کروں گا۔ حدیث میں آیا

---

[۱] البدر سے :۔ "اگرچہ اپنی طبیعت بھی چنداں درست نہ تھی۔ تاہم آپ کے واسطے بہت دعا کی ہے۔" (البدر جلد ۱ نمبر ۱ صفحہ ۶ مورخہ ۱۷ اپریل ۱۹۰۵ء)*

* البدر کا نیا دور

[۲] نصرۃ الحق یعنی براہین احمدیہ حصہ پنجم مراد ہے (مرتب)

ہے۔ من کان فی عون اخیہ کان اللہ فی عونہ جو اپنے بھائی کی مدد کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا مددگار ہو جاتا ہے۔[1]

اس کے بعد فرمایا

کل الہام ہوا تھا۔ محونا نار جہنم[2]

اللہ تعالیٰ کے کلام میں یہ عجیب بات ہوتی ہے کہ بعض اوقات صرفی نحوی ایسی ترکیب پر اعتراض کر اٹھتے ہیں مگر اللہ تعالےٰ ان کے ماتحت تو نہیں ہے[3]۔

طاعون کو بھی نار جہنم کہا ہے۔ پہلے بھی ایک الہام ہوا تھا۔

یاتی علی جہنم زمانٌ لیس فیھا احدٌ

اس کے بعد آپ نے نماز ظہر جماعت کے ساتھ معمول کے موافق ادا کی اور تشریف

---

[1] البدر میں ہے:۔ "فرمایا۔ جب دوستوں کی تکلیف سُنکر دعا میں لگ جاتا ہوں تو اس میں خود عافیت ہے۔ جیساکہ حدیث شریف میں آچکا ہے۔ من کان فی عون اخیہ کان اللہ فی عونہ۔ یعنی جو شخص اپنے بھائی کی اعانت میں مصروف ہوتا ہے خدا تعالےٰ خود اس کی اعانت کرتا ہے۔" (البدر جلد ۱ نمبر ۱ صفحہ ۶ مورخہ ۶ ر اپریل ۱۹۰۵ء)

[2] البدر سے:۔ "محونا نار جہنم۔ ہم نے جہنم کی آگ کو محو کیا۔ فرمایا۔ اجتہادی طور پر ایسا خیال آتا ہے کہ شاید اللہ تعالیٰ اب قریباً طاعون کو دنیا سے اُٹھانے والا ہے۔ واللہ اعلم۔ یا یہ کہ اس گاؤں سے اُٹھانے والا ہے۔" (البدر (سلسلہ جدید) جلد ۱ نمبر ۱ صفحہ ۳ مورخہ ۶ ر اپریل ۱۹۰۵ء)

[3] البدر سے:۔ "اللہ تعالیٰ لوگوں کے محاورات اور صرف و نحو کے قواعد کے ماتحت نہیں ہے۔ اس کی مثالیں کتب الہامیہ اور انبیاء اور اولیاء کے الہامات میں بہت ہیں کہ ایجاد کردہ قواعد زبان کے برخلاف کئی عبارتیں اور فقرات نازل ہوتے رہے ہیں۔" (البدر حوالہ مذکور)

لے گئے۔

(الحکم جلد ۹ نمبر ۱۳ صفحہ ۶ مورخہ ۱۷ ار اپریل ۱۹۰۵ء)

۱۳ر اپریل ۱۹۰۵ء

سید حامد شاہ صاحب سیالکوٹی کے تقررِ مستقل بر عہدہ سپرنٹنڈنٹ دفتر صاحب ضلع کی خبر حضرت کی خدمت میں سُنائی گئی۔ آپ بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ

**شاہ صاحب ایک درویش مزاج آدمی ہیں اور خدا تعالیٰ ایسے ہی لوگوں کو پسند کرتا ہے۔**

مولوی عبدالکریم صاحب کی علالت طبع کا ذکر تھا۔ حضرت نے اُن کو مخاطب کر کے فرمایا کہ

**میں نے آپ کے واسطے اس قدر دعا کی ہے جس کی حد نہیں۔**

(البدر جلد ۱ نمبر ۱ صفحہ ۶ مورخہ ۶ر اپریل ۱۹۰۵ء)

۱۴ر اپریل ۱۹۰۵ء

## زلزلہ

صبح ۶½ بجے یک دفعہ نہایت زور آور حملہ زلزلہ کا ہوا۔ تمام مکانات اور اشیاء ہلنے اور ڈولنے لگ پڑیں۔ لوگ حیران اور سراسیمہ ہو کر گھبرانے لگے۔ ایسے وقت میں خدا کے مسیح کا حال دیکھنے کے لائق تھا۔ کیونکہ احادیث میں تو ہم پڑھا ہی کرتے تھے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے آسمانی اور زمینی واقعات پر خشیت اللہ کا بڑا اثر اپنے چہرے پر ظاہر فرماتے تھے۔ ذرا سے بادل کے نمودار ہونے پر آپ بے آرام سے ہو جاتے کبھی باہر نکلتے اور کبھی اندر جاتے۔ غرض اس وقت بھی نبی اللہ نے ہر کہ عارف تراست ترساں تر والے مقولہ کو عملی رنگ میں بالکل سچا کر کے دکھایا۔ زلزلہ کے شروع ہوتے ہی آپ بمعہ اہل بیت اور بال بچہ کے اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعا کرنے میں شروع ہو گئے اور اپنے رب کے آگے سربسجود ہوئے۔ بہت دیر تک قیام رکوع اور سجدہ میں سارا کنبہ کا کنبہ

بمعہ خدام کے گزارا اور اللہ تعالیٰ کی بے نیازی سے لرزاں و ترساں رہا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے تمام مکانات اور جانوں کو گرنے اور تلف ہونے سے محفوظ رکھا اور کوئی ایسا واقعہ پیش نہیں آیا جیسا کہ دوسرے شہروں سے تباہی اور ہلاکت کی خبریں آرہی ہیں۔ بلکہ ایسے مکانات جن کے پردے صرف ایک ایک اینٹ کے تھے اور کچھ پھٹے ہوئے بھی تھے اور بعض اینٹیں اکھڑی ہوئی یونہی پڑی تھیں ان میں سے ایک اینٹ بھی نہیں گری چونکہ ہر دس منٹ کے بعد بار بار زلزلہ کا احساس ہوتا تھا اور تمام روز کچھ کچھ زلزلہ محسوس ہوتا رہا۔ اس واسطے حضور اقدس نے برعایت اسباب مناسب سمجھا کہ سہ منزلہ مکان میں رہنے کی بجائے اپنے باغ والے مکان میں ایک دو روز کے واسطے رہائش اختیار کریں۔ اگرچہ اس موقعہ پر کچھ خوف ہم سب کو دیکھنا پڑا ہے تاہم دراصل اس پاک مسیح کے قدموں کے طفیل کوئی امر ہمارے واسطے فائدہ سے خالی نہیں۔ اول تو ۲ر اپریل کی رؤیا اس سے پوری ہوئی جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دیکھی تھی۔[1] اور کئی ایک کو سنائی تھی۔

---

[1] یہ رؤیا البدر کے اسی پرچہ میں صفحہ ۲ پر درج ہے جو یہ ہے:۔

## رؤیا

"۲ر اپریل ۱۹۰۵ء۔ رؤیا۔ دیکھا کہ مرزا نظام الدین کے مکان پر مرزا سلطان احمد کھڑا ہے اور سب لباس سرتاپا سیاہ ہے۔ ایسی گاڑھی سیاہی کہ دیکھی نہیں جاتی۔ اسی وقت معلوم ہوا کہ یہ ایک فرشتہ ہے جو سلطان احمد کا لباس پہن کر کھڑا ہے۔ اس وقت میں نے گھر میں مخاطب ہو کر کہا کہ یہ میرا بیٹا ہے۔ تب دو فرشتے اور ظاہر ہو گئے اور تین کرسیاں معلوم ہوئیں اور تینوں پر وہ تین فرشتے بیٹھ گئے اور بہت تیز قلم سے کچھ لکھنا شروع کیا جس کی تیز آواز سنائی دیتی تھی۔ ان کے اس طرز کے لکھنے میں ایک رعب تھا۔ میں پاس کھڑا ہوں کہ بیداری ہو گئی۔

اسی وقت حضرت اقدس نے یہ خواب سنایا اور فرمایا کہ

کوئی ہیبت ناک نشان ہونے والا ہے۔ اس کی تعبیر یوں ہے کہ سلطان احمد سے مراد ایسے

دوم اشتہار الوصیت میں جو ایک عظیم الشان پیشگوئی حضرت امام نے ابھی چند روز ہوئے شائع کی تھی کہ ایک شور قیامت برپا ہے اور موتا موتی لگی ہوئی ہے اور لوگ چیخ رہے ہیں۔ وہ پوری ہوئی یہ اشتہار الوصیت اخبار الحکم مورخہ ۲۸ فروری ۱۹۰۵ء اور اخبار البدر مورخہ ۵ مارچ ۱۹۰۵ء اور ریویو آف ریلیجنز بابت ماہ مارچ ۱۹۰۵ء میں شائع ہو گیا تھا۔ اس زلزلہ کی خبر براہین احمدیہ میں بھی دی گئی تھی۔ غرض یہ ایک بڑا نشان ہے جو خدا تعالیٰ نے ظاہر فرمایا: اسی زلزلہ کا ذکر تھا۔ حضرت نے فرمایا کہ

"یہ ایک قیامت ہے جو لوگ قیامت کے منکر ہیں وہ اب دیکھ لیں کہ کس طرح ایک ہی سیکنڈ میں ساری دنیا فنا ہو سکتی ہے۔ جب لوگوں کو بہت امن اور آسودگی حاصل ہو جاتی ہے تو وہ خدا تعالیٰ سے اعراض کرتے ہیں۔ یہانتک کہ خدا تعالےٰ کا انکار کر دیتے ہیں۔ اس قسم کا امن ایک خباثت کا پھوڑا ہے۔ یہ قیامت لوگوں کے واسطے عذاب مگر ہمارے واسطے مفید ہے۔"

پھر آپ نے سلطان احمد کو دیکھنے والا رؤیا بیان کیا جو الہامات کے ذیل میں درج کیا گیا ہے۔ اور میاں بشیر احمد اور شریف احمد کے خوابوں کا پھر ذکر کیا۔ اور براہین احمدیہ حصہ پنجم کے چھپنے کا ذکر کیا جس کا نام نصرت الحق ہے اور فرمایا

"یہ قیامت ہمارے لئے نصرت الحق ہے۔ ہم صبح یہی مضمون لکھ رہے تھے اور اس الہام پر پہنچے تھے جو براہین احمدیہ میں درج تھا کہ دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی کو ظاہر کر دے گا

---

بقیہ حاشیہ

دلائل اور براہین ہیں جو دلوں پر تسلط کرتے اور دلوں کو پکڑ لیتے ہیں اور نظام الدین سے مراد ایسا نشان ہے جس سے دین اسلام کی صلاحیت ہوگی اور اس کا نظام درست ہو جائے گا۔ سیاہ کپڑے سے ظاہر کرتے ہیں کہ اب کوئی ڈرانے والا نشان ظاہر ہونیوالا ہے اور یہ جو کہا کہ یہ میرا بیٹا ہے اس سے یہ مراد ہے کہ یہ ہماری دعاؤں کا نتیجہ ہے کیونکہ نتیجہ بچے کو بھی کہتے ہیں۔"

(البدر سلسلہ جدید جلد ۱ نمبر ۱ صفحہ ۲ مورخہ ۶ اپریل ۱۹۰۵ء)

ہم یہ الفاظ لکھ ہی رہے تھے اور اس کے پورا ہونے کے ثبوت آگے درج کرنے کو تھے کہ یک دفعہ زلزلہ ہوا۔ یہ ایک زور آور حملہ ہے اور پیشگوئی میں حملوں کا لفظ جمع ہے جو عربی میں تین پر اطلاق پاتا ہے اس واسطے خوف ہے کہ طاعون اور زلزلہ کے سوائے خدا جانے تیسرا حملہ کونسا ہے جو ہماری سچائی کے ثبوت کیواسطے خدا تعالیٰ نے ظاہر فرمانا ہے اور ابھی خدا جانے کیا ہے باہر سے خبریں آئیں گی تو معلوم ہوگا کہ کس قدر تباہی ہوئی ہے۔ ہم نے کل ہی کہا تھا کہ خواب سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہیبتناک نشان ہونے والا ہے۔ یہ ایک ہلاکت کا نشان ہے جماعت کے سب لوگوں کو چاہیئے کہ اپنی حالتوں کو درست کریں۔ توبہ و استغفار کریں اور تمام شکوک و شبہات کو دور کرکے اور اپنے دلوں کو پاک و صاف کرکے دعاؤں میں لگ جائیں اور ایسی دعا کریں کہ گویا مر ہی جائیں تاکہ خدا تعالیٰ ان کو اپنے غضب کی ہلاکت کی موت سے بچائے۔ بنی اسرائیل جب گناہ کرتے تھے تو حکم ہوتا تھا کہ اپنے تئیں قتل کرو۔ اب اس امت مرحومہ سے وہ حکم تو اٹھایا گیا ہے مگر یہ اس کی بجائے ہے کہ دعا ایسی کرو کہ گویا اپنے آپ کو قتل ہی کردو۔

یہ الہامات جو پہلے سے شائع ہو چکے ہیں کہ مکذبوں کو ایک نشان دکھایا جائے گا۔ اور یہ کہ ایک چونکا دینے والی خبر۔ یہ سب اب پورے ہو گئے ہیں اور دیکھنے والوں کے واسطے کافی سے زیادہ سامان ایمان لانے کے پیدا ہو چکے ہیں۔"

(البدر سلسلہ جدید جلد ۱ نمبر ۱ صفحہ ۶ مورخہ ۶ اپریل ۱۹۰۵ء)

---

**۵ اپریل ۱۹۰۵ء**

سید امیر علی شاہ صاحب ڈپٹی انسپکٹر کو مخاطب کرکے نہایت لطف و مہربانی کے ساتھ حضرت نے فرمایا کہ

"آپ کو کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی"

انہوں نے عرض کیا کہ حضور کے قدموں میں حاضری نصیب ہو تو پھر تکلیف کس بات کی

یہاں تو جو ہو سب راحت ہی راحت ہے۔ حضرت نے فرمایا۔

ہاں رحمت الٰہی کے دن ہیں گو دوسروں کے واسطے عذاب کے دن ہیں مگر ہمارے

واسطے نصرۃ الحق کے ایام ہیں۔

(البدر سلسلہ جدید جلد ۱ نمبر ۱ صفحہ ۶ مورخہ ۱۳ اپریل ۱۹۰۵ء)

---

۷ اپریل ۱۹۰۵ء

مختلف مقامات سے نہایت سخت تباہی اور سینکڑوں آدمیوں کے دب جانے اور مر جانے اور ہزاروں مکانات کے گر جانے اور زمینوں کے دھنس جانے کا ذکر ہو رہا تھا بالمقابل اس کے قادیان میں جو امن رہا اس کے متعلق حضرت نے فرمایا کہ

اس میں وہ وحی الٰہی بھی پوری ہوئی جو مدت ہوئی اخباروں میں شائع ہوئی تھی کہ

امن است در مقام محبت سرائے ما

ان تباہیوں اور شہروں کے دبنے سے وہ پیشگوئی بھی پوری ہوئی جس کو گیارہ ماہ ہوئے کہ شائع ہوئی تھی اور گورداسپور میں نازل ہوئی تھی کہ

عفت الدیار محلها ومقامها

یعنی سرائیں بھی تباہ ہو گئیں اور اصلی مقامات بود و باش بھی مٹ گئے اور ان کے نشان بھی مٹ گئے

---

قادیان کے گاؤں سے بعض آدمیوں کے طاعون میں مبتلا ہونے اور بعض کے مرنے کا ذکر ہوا۔ حضرت نے فرمایا

خدا جانے ہمارے باہر آ جانے میں کیا کیا حکمتیں ہیں اگر قادیان میں سو آدمی روز طاعون سے مرتے تب بھی ہم نے قادیان سے نہیں نکلنا تھا مگر اس میں خدا تعالےٰ کی کوئی حکمت

معلوم ہوتی ہے کہ ایسی نئی بات پیدا ہو گئی یعنی سخت زلزلہ کے سبب سہ منزلہ مکانات کے گرنے کا اندیشہ ہوتا ہے اس واسطے بموجب پابندی شریعت اپنے آپ کو خطرناک جگہ سے محفوظ کرنے کے واسطے ہم باہر آ گئے اور زلزلہ کی کیفیت ایسی ہے کہ اب تک محسوس ہوتا ہے خدا تعالیٰ نے دل میں پختہ طور سے یہی بات ڈال دی کہ اب باہر جانا چاہیئے۔ طاعون کے لحاظ سے باہر نکلا تو گناہ تھا مگر زلزلہ کے سبب خدا تعالیٰ نے یہ بات دل میں ڈال دی اور اس سے ہم کو بہت فائدہ اور آرام ہوا۔ کیونکہ باغ میں عمدہ ہوا اور خوشبودار پھولوں کے سبب مضامین کے لکھنے اور فکر اور تدابیر کے واسطے عمدہ موقعہ ملتا ہے اور صحت میں بہت ترقی محسوس ہوتی ہے اور درختوں کی چھاؤں کے نیچے دعا کے واسطے عمدہ خلوت گاہ مل جاتی ہے جس کے سبب ہم باغ کے مکان میں آ گئے۔

---

فرمایا

اب تو اس قدر نشانات ظاہر ہو رہے ہیں کہ گویا خدا اپنے آپ کو برہنہ کر کے دکھانا چاہتا ہے۔

---

فرمایا

پہلے انبیاء کے معجزات تو خاص زمینوں اور خاص شہروں تک عموماً محدود ہوتے تھے مگر اب تو خدا تعالیٰ ایسے نشان اس سلسلہ کی تائید میں ظاہر کرتا ہے جو دنیا بھر پر اپنا اثر ڈالتے ہیں۔

(البدر سلسلہ جدید جلد ۱ نمبر ۲ صفحہ ۱ مورخہ ۱۳ اپریل ۱۹۰۵ء)

---

۸؍اپریل ۱۹۰۵ء

فرمایا۔

"جب دنیا مدّنظر ہو تو تطہیر مشکل ہے۔"

(البدر سلسلہ جدید جلد ۱ نمبر ۲ صفحہ ۲ مورخہ ۱۳؍اپریل ۱۹۰۵ء)

---

۹؍اپریل ۱۹۰۵ء

پرچہ اہلحدیث امرتسر کا ذکر ہوا جس نے بہت سے بیجا حملے خدا تعالیٰ کے سلسلہ پر کئے۔ حضرت اقدس نے فرمایا۔

کم علم آدمی تو معذور ہوتا ہے معاف بھی کیا جاتا ہے مگر تعجب ہے ان لوگوں پر جو علم رکھتے ہیں اور پھر بھی تقویٰ اختیار نہیں کرتے ۔ کسی کو کیا معلوم کہ اندر ہی اندر کیا تیاری ہو رہی ہے اور ابھی زمین پر کیا ہونے والا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ ایسی تباہی لائے گا جس کی خبر وحی الٰہی میں ہے تو پھر توبہ اور رجوع بھی فائدہ نہ دے گا۔ مبارک ہیں وہ جو پہلے ایمان لائے اور پھر وہ جو اُن کے بعد آئے۔ ایسا ہی درجہ بدرجہ سب کا حصہ ہے۔ دیکھو کس قدر قیامت کا نمونہ ہے مگر پھر بھی یہ لوگ باز نہیں آتے اور ناجائز باتیں کہتے ہیں لیکن ہماری جماعت کو چاہیئے کہ ان کی باتوں کے سبب غمگین نہ ہو دیں۔ یہ لوگ جیسے اہلحدیث وغیرہ ہیں۔ یہ ہمارے سلسلہ کی رونق ہیں۔ اگر اس قسم کے شور مچانے والے نہ ہوں تو رونق کم ہو جاتی ہے کیونکہ جس نے مان لیا ہے وہ تو اپنے آپ کو فروخت کر چکا ہے۔ اور مثل مُردہ کے ہے وہ کیا بولے گا۔ وہ تو زبان کھول ہی نہیں سکتا۔ اگر سارے ابوبکر ہی بن جاتے تو پھر ایسی بڑی بڑی نصرتوں کی کیا ضرورت پڑتی۔ جو حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر ظاہر ہوئی تھیں۔ دیکھو سُنّت اللہ یہی ہے کہ پہلے سخت گرمی پڑے پھر برسات ہو پس تم خوش ہو کہ ایسے آدمی دنیا میں موجود ہیں جو اس نصرت اور فتح کو جو کروڑوں کوس دُور

ہوتی ہے ایک دو کوس کے قریب کھینچ لاتے ہیں۔ اب ان معاملات کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔ آج کے الہامات پر غور کرو۔ اب بحث مباحثہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہماری طرف سے خدا تعالیٰ آپ جواب دینے لگا ہے تو خلافِ ادب ہے کہ ہم دخل دیں اور سبقت کریں جس کام کو خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔ وہ اس کو ناقص نہ چھوڑے گا۔ کیونکہ اب اگر امن ہو جائے اور کوئی نشان نہ دکھایا جائے تو قریب ہے کہ ساری دنیا دہریہ بن جائے اور کوئی نہ جانے کہ خدا ہے لیکن خدا تعالیٰ اب اپنا چہرہ دکھائے گا۔

---

میرے لڑکے[1] محمد منظور کا رؤیا حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں عرض کیا گیا۔ فرمایا

مومن کبھی رؤیا دیکھتا ہے اور کبھی اس کی خاطر کسی اور کو دکھاتا ہے۔ ہم نے اس کی تعمیل میں چودہ[14] بکرے ذبح کرنے کا حکم دیا ہے۔ سب جماعت کو کہدو کہ جس جس کو استطاعت ہے قربانی کر دے۔

---

## ایک پُرانا الہام

فرمایا کہ

ہمیں اس وقت اپنا پُرانا الہام یاد آیا ہے کہ

**وتجلّی ربّہ للجبل فجعلہٗ دکًّا وخرّ موسٰی صعقًا**

جو براہین احمدیہ میں درج ہے اور تجلی کی اس کے رب نے پہاڑ پر یعنی مشکلات کے پہاڑ پر اور کر دیا اس کو پاش پاش اور گرا موسیٰ بیہوش ہو کر۔ یعنی ایسی تجلی ہیبت ناک

---

[1] حاشیہ۔ حضرت مفتی محمد صادق صاحب کے لڑکے (مرتب)

تھی کہ اس کی ہیبت کا اثر مولوی پر بھی پڑا۔

زلزلے کے پہلے دھکا کے وقت ہم دعا کرتے ہوئے سجدے میں گر پڑے تھے۔ ایک ہیبت ناک صورت پیش نظر تھی جس کا ایک قوی اثر دل پر تھا۔ ایسا اثر تھا کہ گویا ایک صعق کی قسم تھی۔

آج کے الہام میں جو آئندہ زلزلہ کا خوف ہے معلوم نہیں کہ کب پورا ہو اور معلوم نہیں کہ زلزلہ سے مراد کس قسم کا عذاب ہے۔ عفت الدیار محلھا ومقامھا والا الہام کیسا پورا ہوا کہ شہر اور چھاؤنیوں کے نشان مٹ گئے۔ نہ خانہ رہا اور نہ صاحب خانہ

---

آریوں کے اخبار ڈیلی ٹائمز اور آریہ پترکا اور اہلحدیث نے جو مخالفانہ ریمارکس کئے ہیں۔ ان کا ذکر آیا۔ حضرت نے فرمایا کہ

ان سب کو یہی جواب دے دو کہ ہم آسمانی فیصلہ کے منتظر ہیں۔ تمہارا جواب دینا پسند نہیں کرتے۔ تمہارا جو جی چاہے کہتے جاؤ۔

---

## تربیتِ انبیاء آہستہ آہستہ ہوتی ہے

فرمایا۔

تربیت انبیاء کی اسی طرح آہستہ آہستہ ہوتی چلی آئی ہے ابتدا میں جب مخالف دکھ دیتے ہیں تو صبر کا حکم ہوتا ہے اور نبی صبر کرتا ہے یہانتک کہ دکھ حد سے بڑھ جاتا ہے۔ تب خدا تعالےٰ کہتا ہے کہ اب میں خود تیرے دشمنوں کا مقابلہ کروں گا۔ اب یقیناً جانو کہ وقت بہت قریب ہے اس وقت ہمیں وہ وحی الٰہی یاد آتی ہے جو عرصہ ہوا کہ ہم پر نازل ہوئی تھی کہ

قرب اجلك المقدر۔ ولا نبقي لك من المخزيات ذكرًا

ان مخالفوں کی مخالف باتوں کا کوئی نشان اور ذکر باقی نہ رہے گا۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس جماعت کو اپنی قدرتوں پر ایمان دلا دے۔ لیکن دیسار میں نشانات ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس جماعت کو حفاظت میں رکھے۔

(البدر سلسلہ جدید جلد ا نمبر ۲ صفحہ ۲ مورخہ ۱۳ اپریل ۱۹۰۵ء)

---

۱۰ اپریل ۱۹۰۵ء

کثرت زلازل اور تباہیوں کا ذکر تھا۔ فرمایا

ہم تو یہ دعا کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ جماعت کو محفوظ رکھے اور دنیا پر یہ ظاہر ہو جائے۔ کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) برحق رسول تھے اور خدا تعالیٰ کی ہستی پر لوگوں کو ایمان پیدا ہو جائے۔ خواہ کیسے ہی زلزلے پڑیں۔ پر خدا تعالیٰ کا چہرہ لوگوں کو ایک دفعہ نظر آجائے اور اس ہستی پر ایمان قائم ہو جائے۔

---

آج رات کے الہام اِنَّ فرعون . . . الخ کا ذکر تھا۔ فرمایا

فرعون اور اس کے ساتھی تو یہ یقین کرتے تھے کہ بنی اسرائیل ایک تباہ ہو جانے والی قوم ہے اور اس کو ہم جلد فنا کر دیں گے۔ پر خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ ایسا خیال کرنے میں خطا کار تھے۔ ایسے ہی اس جماعت کے متعلق مخالفین و معاندین کہتے ہیں کہ یہ جماعت تباہ ہو جائے گی۔ مگر خدا تعالیٰ کا منشا کچھ اور ہے۔

---

## فحش عذاب کا موجب ہے

کانگڑہ کے متعلق بہت تباہی کا ذکر تھا۔ مولوی نورالدین صاحب نے عرض کی کہ اس جگہ فحش بہت تھا۔ فرمایا

اسی واسطے وہاں عذاب بھی بہت ہوا

(البدر سلسلہ جدید جلد ۱ نمبر ۲ صفحہ ۲ مورخہ ۱۳ اپریل ۱۹۰۵ء)

---

## ۱۱ اپریل ۱۹۰۵ء

وحی الٰہی عفت الدیار کا ذکر تھا۔ حضرت مولوی نورالدین صاحب نے عرض کی کہ الدیار سے مراد کانگڑہ ویلی ہی معلوم ہوتی ہے کیونکہ شرک کا بڑا مکان ان دنوں میں وہی ہے۔ دو بڑی دیویوں کے مندر اس جگہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر دو کو تباہ کیا اور بڑے پُرانے شرک کو دنیا سے مٹا دیا۔ حضرت نے فرمایا

لوگ کہا کرتے تھے کہ خدا نے کس طرح پہاڑ کو بنی اسرائیل کے اوپر کر دیا تھا یہ قصہ صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ اب کانگڑہ، دھرمسالہ مقامات کے لوگوں نے خوب سمجھ لیا ہوگا کہ رفعنا فوقکم الطور[1] کس طرح سے ہو سکتا ہے۔ ذرا سے زلزلے میں ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ گویا پہاڑ اُوپر آ گرا۔ پھر خدا چاہے اس کو پیچھے ہٹا دے یا اُوپر گرا دے۔ یہ نیچریت زمانہ کے جہلا کا جواب ہے جو خدا تعالیٰ نے زلزلہ کے ذریعہ سے دیا ہے امید ہے کہ اس قدر نظارے دیکھ کر بعض خوش قسمت لوگ سمجھ جائیں گے کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے احاطہ قدرت میں ہے اور وہ جو چاہتا ہے کر دیتا ہے۔

---

ایک اخبار والے کا ذکر آیا کہ وہ لکھتا ہے زلزلے تو آیا ہی کرتے ہیں۔ اس میں مرزا صاحب کا کیا نشان ہوا۔ فرمایا۔

یہ لوگ نابینا ہیں۔ نشان تو اس بات میں ہے کہ عین موقعہ پر ایک شخص نے قبل از وقت پیشگوئی کی اور دکھایا کہ یہی وقت ہے۔ خیر سب اندھے نہیں ہیں۔ سمجھنے والے سمجھ لیں گے کہ یہ کس قسم کا نشان ہے۔ ہزاروں برسوں کے جو معبد اور بُت چلے آتے تھے وہ اب سرنگوں

[1] البقرۃ : ۶۴

ہو گئے ہیں۔ یہ نشان نہیں تو اور کیا ہے؟

فرمایا۔

ان بُتوں کا ٹوٹنا خدا تعالیٰ کی اس توحید کے قائم ہونے کے واسطے جس کے لئے ہم رات دن دعائیں کرتے ہیں۔ ایک تفاؤل ہے۔

فرمایا

اس الہام سے بھی جو ہم کو ہوا تھا کہ جاء الحق و زھق الباطل ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی بُت ٹوٹنے والے ہیں کیونکہ قرآن شریف میں بھی یہ آیت بتوں کے ٹوٹنے اور اسلام کے غلبہ کے واسطے آئی ہے۔

فرمایا

براہین احمدیہ بڑی کام آئی۔ وہ سب پہلوؤں کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ کوئی نیا الزام اور ظن ایسا نہیں جس کا جواب پہلے سے اس کے اندر نہ دیا گیا ہو۔

بیماری کا ذکر تھا۔ فرمایا

میں تو سب کے لئے دعا کرتا ہوں۔ آگے اپنے اپنے اعمال ہیں۔

(بدر[1] جلد ۱ نمبر ۳ صفحہ ۲ مورخہ ۲۰ اپریل ۱۹۰۵ء)

---

[1] اس نمبر سے اخبار کا نام "البدر" کی جگہ "بدر" رکھا گیا۔ (مرتب)

۱۴ اپریل ۱۹۰۵ء

نواب محمد علی خاں صاحب کا خط آیا جس میں انہوں نے الحاح کے ساتھ لکھا ہوا تھا کہ میں اب لاہور میں ہرگز نہیں رہ سکتا۔ مجھے باغ کے کسی گوشہ میں جگہ دے دیں۔ عاجز راقم کو حکم دیا کہ

ان کو تحریر کر دو کہ آ جائیں اور باغ کے کسی حصہ میں جہاں چاہیں جگہ کر لیں۔

---

دھرمسالہ سے خبر آئی کہ اس جگہ اپنی جماعت کے جتنے آدمی تھے سب بچ گئے۔ فرمایا

کففت عن بنی اسرائیل والی وحی ان کے معاملہ میں تو پوری ہو گئی۔ خدا تعالیٰ نے اس غریب جماعت کا نام اس وقت بنی اسرائیل رکھا ہے۔

(بدر جلد ۱ نمبر ۳ صفحہ ۲ مورخہ ۲۰ اپریل ۱۹۰۵ء)

---

۱۵ اپریل ۱۹۰۵ء

فرمایا

لوگ کچھ ہی کریں اور کچھ ہی لکھیں مگر جیسی آفت کی خبر خدا تعالیٰ نے اب دی ہے یہ جب ظاہر ہوگی تو بہر حال اُن کو ماننا ہی پڑے گا۔ کسی جگہ سے دس ہزار کے مرنے کی اور کسی جگہ سے تین ہزار کے مرنے کی خبر آ رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی وحی نے پہلے سے ہی خبر دی تھی کہ یہ سب کچھ تیرے لئے ہے۔ لك نری اٰیاتٍ۔ اور ایسا ہی براہین احمدیہ میں درج ہیں قوۃ الرحمٰن لعبید اللّٰہ الصمد۔ اس جگہ ہمارا نام عبید اللہ اس لحاظ سے رکھا گیا ہے کہ ہم مخالفوں کی دکھ دہی اور مصائب سے بہت ستائے گئے ہیں۔

---

کسی نے خبر سنائی کہ بھاگسو میں کئی سو مر گئے اور جو باقی ہیں وہ بھوکے مر رہے ہیں

اور سجان پور میں بڑی تباہی آئی لیکن احمدی جماعت کا آدمی وزیرالدین ہیڈ ماسٹر بچ گیا۔ فالحمدللہ۔ فرمایا

یہ نشان تو صرف ایک بیج بویا گیا ہے اور تخم ریزی ہے اور دوسرا نشان اس سے بڑھ کر ہوگا۔ کفار میں بھی سعید فطرت ہوتے ہیں۔ آخر ہنود بھی اس طرف توجہ کریں گے۔

(بدر جلد ۱ نمبر ۳ صفحہ ۲ مورخہ ۲۰؍اپریل ۱۹۰۵ء)

---

۱۶؍اپریل ۱۹۰۵ء

کسی شخص نے ذکر کیا کہ فلاں دوست نماز پڑھانے کے وقت بہت لمبی سورتیں پڑھتے ہیں۔ فرمایا

امام کو چاہیئے کہ نماز میں ضعفاء کی رعایت رکھے۔

---

ایک انگریزی اخبار کا مضمون حضرت اقدس کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ محققین حیران ہیں کہ ان پہاڑوں سے یہ امید نہ تھی۔ فرمایا:۔

عقلمندوں کو کس طرح خدا حیران کرتا ہے۔ ان ملکوں میں آتش فشانی کی کبھی امید نہ تھی بلکہ یہ پہاڑ امن کا سلسلہ سمجھا جاتا تھا۔

(بدر جلد ۱ نمبر ۳ صفحہ ۲ مورخہ ۲۰؍اپریل ۱۹۰۵ء)

---

۱۷؍اپریل ۱۹۰۵ء

فرمایا:۔

براہین احمدیہ میں ایک الہام یہ بھی درج ہے۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنَّ اَصْحٰبَ الْکَھْفِ وَالرَّقِیْمِ کَانُوْا مِنْ اٰیٰتِنَا عَجَبًا

اس میں اس زمانہ کے لوگوں کو کہا گیا ہے کہ تم اصحاب کہف کے قصہ پر کیا تعجب کرتے ہو۔ وہ تو تین سو سال تک سوئے رہے تھے اور تم کو تو سوئے ہوئے ۱۳ سو سال گذر گئے ہیں۔ اور اب بھی تم جاگنا نہیں چاہتے۔ اسی طرح غفلت میں سوئے ہوئے ہو اور کوئی جگانا چاہتا ہے تو اس کو بُرا کہتے ہو۔

---

مولوی عبدالکریم صاحب کی علالت طبع کا ذکر تھا۔ فرمایا:۔

میں بہت دعا کرتا ہوں۔ دعا ایسی شئے ہے کہ جن امراض کو اطبّاء اور ڈاکٹر لاعلاج کہہ دیتے ہیں۔ ان کا علاج بھی دعا کے ذریعہ سے ہو سکتا ہے۔

---

فرمایا:۔

پیشگوئیوں کا صحیح مفسّر خود زمانہ ہے۔ دیکھو اس زمانہ میں یاجُوج ماجُوج، دجّال، نزول مسیح وغیرہ کے متعلق تمام پیشگوئیاں صاف سمجھ میں آگئی ہیں۔

---

فرمایا:۔

رات کو ہم نے دیکھا کہ سخت زلزلہ آیا ہے۔ وہ زمانہ اصل میں قریب ہے۔ اچانک آئے گا۔ معلوم نہیں کہ کس وقت آجائے۔

---

ایک شخص کا خط آیا جس میں لکھا تھا کہ میں نے خواب میں مرزا صاحب کو اچھی صورت میں نہیں دیکھا۔ فرمایا کہ

انسان کو اپنے اندرونی حالات کے نقشے دکھائے جاتے ہیں۔ اپنے ہی حجب درمیان میں آجاتے ہیں۔

حضرت مولوی نورالدین صاحب نے ذکر کیا کہ ہمارے اُستاد صاحب نے ایک شہر میں ایک دفعہ خواب میں اللہ تعالیٰ کو ایک بدصورت عورت کی شکل میں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس شہر کے لوگوں نے میری ایسی بے عزتی کی ہے۔

(بدر جلد ۱ نمبر ۳ صفحہ ۲ مورخہ ۲۰ اپریل ۱۹۰۵ء)

---

۱۹ اپریل ۱۹۰۵ء

فرمایا۔

آتھم نے نرم دلی اختیار کی اس کے معاملہ میں تاخیر کی گئی۔ لیکھرام نے شوخی دکھائی اس کے معاملہ میں تقدیم کی گئی۔ یعنی مدت پیشگوئی ہنوز گذرنے نہ پائی تھی کہ وہ ہلاک ہو گیا۔ (بدر جلد ۱ نمبر ۳ صفحہ ۲ مورخہ ۲۰ اپریل ۱۹۰۵ء)

---

قبل نماز ظہر عاجز راقم[۱] سے دریافت کیا کہ آیا شیخ یعقوب علی صاحب اشتہار الندا کے انطباع کے انتظام کے واسطے لاہور چلے گئے ہیں۔ میں نے عرض کی۔ کہ صبح چلے گئے ہیں فرمایا:۔

ہمارا جی چاہتا ہے کہ آپ بھی جائیں اور پروف کو بغور پڑھ کر درست کر دیں۔

چنانچہ حسب الحکم یہ عاجز شام کو لاہور چلا گیا اور چار روز کے بعد واپس دارالامان حاضر ہوا۔

(بدر جلد ۱ نمبر ۴ صفحہ ۸ مورخہ ۲۷ اپریل ۱۹۰۵ء)

---

۲۴ اپریل ۱۹۰۵ء

ایک شخص نے عرض کی کہ میرا دل آج کل ایسا ہو رہا ہے کہ نماز میں لذت اور رقت پیدا نہیں

---

[۱] یعنی حضرت مفتی محمد صادق صاحب رضی اللہ عنہ (مرتب)

ہوتی اور نہایت سخت تکلیف میں رہتا ہوں بخواہ مخواہ شبہات پیدا ہوتے رہتے ہیں اگرچہ ان کو بہت رد کرتا ہوں تاہم وساوس پیچھا نہیں چھوڑتے۔ فرمایا:۔

یہ بھی خدا تعالےٰ کا فضل اور احسان ہے کہ انسان ایسے وساوس کا مغلوب نہیں ہوتا۔ یہ بھی ثواب کی حالت ہے۔ نفس کی تین حالتیں ہیں۔ ایک تو نفس امارہ ہے۔ نفس امارہ والے کو تو خبر ہی نہیں کہ بدی کیا شئے ہے۔ دوسرا نفس لوّامہ ہے جو بدی کرتا ہے پر بدی پر ہمیشہ گھبراتا ہے اور شرمندہ ہوتا ہے اور توبہ کرتا رہتا ہے۔ ایسا شخص نفس کا غلام نہیں ہے اور اس حالت میں ہوتا ایک حد تک ضروری بھی ہے اس سے دل برداشتہ نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ اس میں بڑے بڑے ثواب ہیں یہانتک کہ اللہ تعالےٰ خود بخود نور اور سکینت نازل کرتا ہے۔ خدا کی رحمت کا وقت آتا ہے اور ایک ٹھنڈ پڑ جاتی ہے اور وہ بات ہوا ہو جاتی ہے۔ انسان کو چاہیئے کہ تھک نہ جاوے۔ سجدہ میں یا حیُّ یا قیّومُ برحمتك استغیث بہت پڑھا کرو۔ لیکن یاد رکھو کہ جلد بازی خوفناک ہے۔ اسلام میں انسان کو بہادر بننا چاہیئے۔ برسوں کی محنت و مشقت کے بعد آخر شیطان کے حملے کمزور ہو جاتے ہیں اور وہ بھاگ جاتا ہے۔

(بدر جلد ۱ نمبر ۴ صفحہ ۸ مورخہ ۲۷ر اپریل ۱۹۰۵ء)

---

## ۲۵ر اپریل ۱۹۰۵ء

اس الہام کا تذکرہ تھا کہ بھونچال آیا اور شدید آیا۔ فرمایا کہ

بار بار زلزلہ کے متعلق جو الہامات ہوتے ہیں اور خوابیں آتی ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان پر کچھ ایسی تیاری ہو رہی ہے کہ یہ امر جلد ہونے والا ہے۔ بہت سی باتیں ہوتی ہیں کہ انسان ان کو دُور سمجھتا ہے مگر خدا تعالیٰ کے علم میں وہ بہت قریب ہوتی ہے۔ یَرَوْنَہٗ بَعِیْدًا وَّ نَرٰىہُ قَرِیْبًا۔ تم اسے دُور دیکھتے ہو اور ہم قریب دیکھتے ہیں۔

مرزا ظفر اللہ خاں صاحب ای۔اے۔سی گورداسپور کے ایک رشتہ دار کا ایک خط بنام سید امیر علی شاہ صاحب ڈپٹی انسپکٹر تھا وہ پڑھا گیا۔ اس میں نہایت دردناک الفاظ میں زلزلہ سے گھر کے آدمیوں کی تباہی کا تذکرہ تھا اور لکھا تھا کہ میرے بیس رشتہ دار ایک دم میں فوت ہو گئے ہیں۔ جن میں عزیز بھائی اور پیاری بیوی بھی شامل تھی۔ حضرت نے فرمایا:۔

ابھی آگے آنے والا اس سے بھی سخت نظر آتا ہے مگر لوگوں کی حالت یہ ہے۔ کہ ابھی تک ہنسی ٹھٹھے سے باز نہیں آتے۔ خدا کا دن اچانک آنے والا ہے۔

مولوی نورالدین صاحب نے عرض کی کہ انجیل میں لکھا ہے کہ وہ چور کی طرح آئے گا فرمایا کہ

ٹھیک ہے مگر چور کا لفظ کچھ زیب نہیں دیتا۔ قرآن شریف میں بہت مناسب لفظ ہے کہ بغتۃً یعنی اچانک آئے گا پہلے کچھ خبر نہ ہوگی۔

فرمایا:۔

شاید اس میں کچھ دیر ہو جائے تا کہ لوگ پوری طرح شوخیاں کر لیں اور اپنے واسطے عذاب کے سامان اچھی طرح جمع کر لیں پھر اچانک یہ آفت اُن پر پڑے گی۔

(بدر جلد ۱ نمبر ۴ صفحہ ۸ مورخہ ۲۷ر اپریل ۱۹۰۵ء)

---

۲۸ر اپریل ۱۹۰۵ء

بعد نماز جمعہ

# تقریر

اعلیحضرت حجۃ اللہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مندرجہ ذیل تقریر باہم ہمدردی اور حقوق اخوت پر فرمائی۔

میں صرف اس قدر بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ ہماری اس جماعت کو ایک قسم کا دھوکا لگا ہوا ہے۔ شاید اچھی طرح میری باتوں پر غور نہیں کی۔ اور وہ غلطی اور دھوکا یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ہماری جماعت میں سے طاعون سے فوت ہو جاوے تو اس قدر بے رحمی اور سرد مہری سے پیش آتے ہیں کہ جنازہ اُٹھانے والا بھی نہیں ملتا۔ درحقیقت جیسا کہ قاضی امیر حسین صاحب نے لکھا ہے یہ معصیت تو ماتم سے بھی بڑھ کر ہے۔ یاد رکھو۔ تم میں اس وقت دو اخوتیں جمع ہو چکی ہیں۔ ایک تو اسلامی اخوت اور دوسری اس سلسلہ کی اخوت ہے۔ پھر ان دو اخوتوں کے ہوتے ہوئے گریز اور سرد مہری ہو تو یہ سخت قابل اعتراض امر ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر ایسے مسافر اپنے گھروں میں ہوتے تو وہ جو خارج از مذہب سمجھتے ہیں اور کافر کہتے ہیں اُن میں بھی اس قسم کی سرد مہری نہ ہوتی۔ لیکن یہ سرد مہری کیوں ہوتی ہے؟ دو باتوں کا لحاظ نہیں رکھا جاتا۔ افراط اور تفریط کا۔ اگر افراط اور تفریط کو چھوڑ کر اعتدال سے کام لیا جاوے تو ایسی شکایت پیدا نہ ہو۔ جبکہ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ[1] ※ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ[2] کا حکم ہے تو پھر ایسے مُردوں سے گریز کیوں کیا جاوے؟ اگر کسی کے مکان کو آگ لگ جاوے اور وہ پکار فریاد کرے تو جیسے یہ گناہ ہے کہ محض اس خیال سے کہ میں نہ جل جاؤں اس مکان کو اور اس میں رہنے والوں کو جلنے دے اور جا کر آگ بجھانے میں مدد نہ دے ویسے ہی یہ بھی معصیت ہے کہ ایسی بے احتیاطی سے اس میں کود پڑے کہ خود جل جاوے۔ ایسے موقعہ پر احتیاط مناسب کے ساتھ ضروری ہے کہ آگ بجھانے میں اس کی مدد کرے۔

※ یہ ایک جگہ کی آیت نہیں بلکہ دو مختلف سورتوں کی آیات کا ایک ایک حصہ ہے جن کا حضور علیہ السلام نے مضمون کے لحاظ سے ذکر فرمایا ہے پہلا حصہ یعنی تواصوا بالحق سورۃ العصر کی آیت کا ہے اور دوسرا حصہ یعنی وتواصوا بالمرحمۃ سورۃ البلد کی آیت کا حصہ ہے۔ غالباً حضور نے یوں فرمایا ہوگا "جبکہ تواصوا بالحق اور وتواصوا بالمرحمۃ کا حکم ہے۔" (خاکسار مرتب)

[1] العصر: ۴ [2] البلد: ۱۸

پس اس طریق پر یہاں بھی سلوک ہونا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ نے جا بجا رحم کی تعلیم دی ہے۔ یہی اخوت اسلامی کا منشاء ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر فرمایا ہے کہ تمام مسلمان مومن آپس میں بھائی ہیں۔ ایسی صورت میں کہ تم میں اسلامی اخوت قائم ہو اور پھر اس سلسلہ میں ہونے کی وجہ سے دوسری اخوت بھی ساتھ ہو۔ یہ بڑی غلطی ہوگی کہ کوئی شخص مصیبت میں گرفتار ہو اور قضاو قدر سے اُسے ماتم پیش آجاوے تو دوسرا تجہیز و تکفین میں بھی اُس کا شریک نہ ہو۔ ہرگز ہرگز اللہ تعالیٰ کا یہ منشا نہیں ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ جنگ میں شہید ہوتے یا مجروح ہو جاتے تو میں یقین نہیں رکھتا کہ صحابہ انہیں چھوڑ کر چلے جاتے ہوں یا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اس بات پر راضی ہو جاتے کہ وہ انکو چھوڑ کر چلے جاویں۔

میں سمجھتا ہوں کہ ایسی وارداتوں کے وقت ہمدردی بھی ہو سکتی ہے اور احتیاط معاً بھی عمل میں لائی جا سکتی ہے۔ اوّل تو کتاب اللہ سے یہ مسئلہ ملتا ہی نہیں کہ کوئی مرض لازمی طور پر دوسرے کو لگ بھی جاتی ہے۔ ہاں جس قدر تجارب سے معلوم ہوتا ہے اُس کے لئے بھی نصِ قرآنی سے احتیاط مناسب کا پتہ لگتا ہے۔ جہاں ایسا مرض وبا کا ہو کہ وہ شدت سے پھیلی ہوئی ہو۔ وہاں احتیاط کرے۔ لیکن اس کے بھی یہ معنے نہیں کہ ہمدردی ہی چھوڑ دے۔ خدا تعالیٰ کا ہرگز یہ منشا نہیں ہے کہ انسان ایک میّت سے اس قدر بُعد اختیار کرے کہ میّت کی ذلّت ہو اور پھر اس کے ساتھ ساری جماعت کی ذلّت ہو۔ آئندہ خوب یاد رکھو کہ ہرگز اس بات کو نہیں کرنا چاہیئے۔ جبکہ خدا تعالیٰ نے تمہیں بھائی بنا دیا ہے تو پھر نفرت اور بُعد کیوں ہے؟ اگر وہ بھی مرے گا تو اس کی بھی کوئی خبر نہ لے گا اور اس طرح پر اخوت کے حقوق تلف ہو جائیں گے۔

خدا تعالیٰ نے دو ہی قسم کے حقوق رکھے ہیں حقوق اللہ اور حقوق العباد۔ جو شخص حقوق العباد کی پرواہ نہیں کرتا وہ آخر حقوق اللہ کو بھی چھوڑ دیتا ہے کیونکہ حقوق العباد کا لحاظ رکھنا یہ بھی تو امر الٰہی ہے جو حقوق اللہ کے نیچے ہے۔

یہ خوب یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ پر توکّل بھی کوئی چیز ہے۔ یہ مت سمجھو کہ تم نری پرہیزوں سے بچ سکتے ہو۔ جب تک خدا تعالیٰ کے ساتھ سچا تعلق نہ ہو اور انسان اپنے آپ کو کارآمد انسان نہ بنالے اس وقت تک اللہ تعالیٰ اس کی کچھ پروا نہیں کرتا۔ خواہ وہ ہزار بھاگتا پھرے۔ کیا وہ لوگ جو طاعون میں مبتلا ہوتے ہیں وہ پرہیز نہیں کرتے؟ میں نے سُنا ہے کہ لاہور میں نواب صاحب کے قریب ہی ایک انگریز رہتا تھا وہ مبتلا ہو گیا۔ حالانکہ یہ لوگ تو بڑے پرہیز کرنے والے ہوتے ہیں۔ نرا پرہیز کچھ چیز نہیں جب تک خدا تعالیٰ کے ساتھ سچا تعلق نہ ہو پس آئندہ کے لئے یاد رکھو کہ حقوق اخوت کو ہرگز نہ چھوڑو ورنہ حقوق اللہ بھی نہ رہیں گے۔ خدا تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ طاعون کا سلسلہ جو مرکز پنجاب ہو گیا ہے کب تک جاری رہے لیکن مجھے یہی بتایا گیا ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ[1]۔ اللہ تعالیٰ کسی حالت میں قوم میں تبدیلی نہ کرے گا جب تک لوگ دلوں کی تبدیلی نہ کریں گے۔ ان باتوں کو سُن کر یوں تو ہر شخص جواب دینے کو تیار ہو جاتا ہے کہ ہم نماز پڑھتے ہیں۔ استغفار بھی کرتے ہیں۔ پھر کیوں مصائب اور ابتلا آجاتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی باتوں کو جو سمجھ لے وہی سعید ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا منشا کچھ اور ہوتا ہے۔ سمجھا کچھ اَور جاتا ہے اور پھر اپنی عقل اور عمل کے پیمانہ سے اسے ماپا جاتا ہے یہ ٹھیک نہیں۔ ہر چیز جب اپنے مقررہ وزن سے کم استعمال کی جاوے تو وہ فائدہ نہیں ہوتا جو اس میں رکھا گیا ہے۔ مثلاً ایک دوائی جو تولہ کھانی چاہیئے اگر تولہ کی بجائے ایک بُوند استعمال کی جاوے تو اس سے کیا فائدہ ہوگا اور اگر روٹی کی بجائے کوئی ایک دانہ کھالے تو کیا وہ سیری کا باعث ہو سکے گا؟ اور پانی کے پیالے کی بجائے ایک قطرہ سیراب کر سکے گا؟ ہرگز نہیں۔ یہی حال اعمال کا ہے جب تک وہ اپنے پیمانہ پر نہ ہوں وہ اُوپر نہیں جاتے ہیں۔ یہ سُنّت اللہ ہے جس کو ہم بدل نہیں سکتے۔ پس یہ بالکل غلط ہے کہ کسی ایک امر کو پلّے باندھ لو کہ طاعون والے سے پرہیز کریں تو طاعون نہ ہوگا۔ پرہیز کرو جہاں تک مناسب ہے لیکن اس پرہیز سے باہمی اخوت اور ہمدردی نہ اُٹھ جاوے اور اُس کے

---

[1] الرعد : ۱۲

ساتھ ہی خدا تعالیٰ کے ساتھ سچا تعلق پیدا کرو۔ یاد رکھو کہ مُردہ کی تجہیز و تکفین میں مدد دینا اور اپنے بھائی کی ہمدردی کرنا صدقات خیرات کی طرح ہی ہے۔ یہ بھی ایک قسم کی خیرات ہے اور یہ حق حق العباد کا ہے جو فرض ہے۔ جیسے خدا تعالیٰ نے صوم وصلوٰۃ اپنے لئے فرض کیا ہے اسی طرح اس کو بھی فرض ٹھہرایا ہے کہ حقوق العباد کی حفاظت ہو۔ پس ہمارا کبھی یہ مطلب نہیں ہے کہ احتیاط کرتے کرتے اخوت ہی کو چھوڑ دیا جاوے۔ ایک شخص مسلمان ہو اور پھر سلسلہ میں داخل ہو اور اس کو یُوں چھوڑ دیا جاوے جیسا کُتے کو یہ بڑی غلطی ہے۔ جس زندگی میں اخوت اور ہمدردی ہی نہ ہو وہ کیا زندگی ہے۔

پس ایسے موقعہ پر یاد رکھو کہ اگر کوئی ایسا واقعہ ہو جاوے تو ہمدردی کے حقوق فوت نہ ہونے پاویں۔ ہاں مناسب احتیاط بھی کرو۔ مثلاً ایک شخص طاعون زدہ کا لباس پہن لے یا اس کا پس خوردہ کھالے تو اندیشہ ہے کہ وہ مبتلا ہو جاوے۔ لیکن ہمدردی یہ نہیں بتاتی کہ تم ایسا کرو۔ احتیاط کی رعایت رکھ کر اس کی خبر گیری کرو اور پھر جو زیادہ وہم رکھتا ہو وہ غسل کرکے صاف کپڑے بدل لے۔ جو شخص ہمدردی کو چھوڑتا ہے وہ دین کو چھوڑتا ہے۔ قرآن شریف فرماتا ہے۔ من قتل نفسًا بغیر نفسٍ او فسادٍ[۱] الآیۃ یعنی جو شخص کسی نفس کو بلا وجہ قتل کر دیتا ہے وہ گویا ساری دنیا کو قتل کرتا ہے۔ ایسا ہی میں کہتا ہوں کہ اگر کسی شخص نے اپنے بھائی کے ساتھ ہمدردی نہیں کی تو اس نے ساری دنیا کے ساتھ ہمدردی نہیں کی۔ زندگی سے اس قدر پیار نہ کرو کہ ایمان ہی جاتا رہے۔ حقوقِ اخوت کو کبھی نہ چھوڑو وہ لوگ بھی تو گذرے ہیں جو دین کے لئے شہید ہوئے ہیں۔ کیا تم میں سے کوئی اس بات پر راضی ہے کہ وہ بیمار ہو اور کوئی اُسے پانی تک نہ دینے جاوے۔ خوفناک وہ بات ہوتی ہے جو تجربہ سے صحیح ثابت ہو۔ بعض مُلّاں ایسے ہیں جنہوں نے صدہا طاعون سے مَرے ہوئے مُردوں کو غسل دیا ہے اور انہیں کچھ نہیں ہوا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اسی لئے فرمایا ہے کہ یہ غلط ہے کہ ایک کی بیماری دوسرے کو لگ جاتی ہے۔ وبائی ایام میں اتنا لحاظ کرے کہ ابتدائی

[۱] المائدۃ : ۳۳

حالت ہو تو وہاں سے نکل جاوے لیکن زور شور ہو تو مت بھاگے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو کہا تھا کہ تم ابواب متفرقہ سے داخل ہونا ۳۰-۴-۰۵
اس لحاظ سے کہ مبادا کوئی جاسوس سمجھ کر پکڑ نہ لے۔ احتیاط تو ہوئی لیکن قضا و قدر کے معاملہ کو کوئی روک نہ سکا۔ وہ ابواب متفرقہ سے داخل ہوئے لیکن پکڑے گئے۔ پس یاد رکھو کہ سارے فضل ایمان کے ساتھ ہیں۔ ایمان کو مضبوط کرو۔ قطع حقوق معصیت ہے اور انسان کی زندگی ہمیشہ کے لئے نہیں ہے۔ ایسا پرہیز اور بُعد جو ظاہر ہوا ہے وہ عقل اور انصاف کی رُو سے صحیح نہیں ہے۔ ایسے امور سے اپنے آپ کو بچاؤ جو تجربہ میں مضر ثابت ہوئے ہیں۔

یہ جماعت جس کو خدا تعالیٰ نمونہ بنانا چاہتا ہے اگر اس کا بھی یہی حال ہوا کہ ان میں اخوت اور ہمدردی نہ ہو تو بڑی خرابی ہوگی۔ میں دوسرا پہلو نہ بیان کرتا لیکن مجھے چونکہ سب سے ہمدردی ہے اس لئے اسے بھی میں نے بیان کرنا ضروری سمجھا یعنی جس کے واقعہ ہو جاوے اس کے ساتھ بھی اور جو پیچھے ہوئے ہیں اُن کے ساتھ بھی۔

افسوس ہے میں خود نہیں آسکا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عصر کے بعد مجھے چکر آتا ہے اور مجھے خبر تک نہیں ہوئی جبتک انہوں نے نہیں لکھا۔ بہرحال باہم ہمدردی ہو اور میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہماری جماعت سے اس طاعون کو اُٹھا لے۔ آمین۔

(الحکم جلد ۹ نمبر ۱۵ صفحہ ۲ مورخہ ۳۰؍ اپریل ۱۹۰۵ء)

و (بدر جلد ۱ نمبر ۵ صفحہ ۱ و ۲ مورخہ ۴؍ مئی ۱۹۰۵ء)

---

ذکر آیا[1] کہ ایک اخبار میں لکھا ہے کہ جوتشی نے پیشگوئی کی ہے کہ اب زلزلہ کا کوئی خوف نہیں۔ فرمایا

یہ اَور بھی خوشی کی بات ہے۔ خدا نہیں چاہتا کہ اپنے غیب کی خبر میں دنیاداروں

---

[1] حاشیہ یہ ملفوظات بھی ۲۸؍ اپریل ۱۹۰۵ء کے ہیں جو غالباً اسی دن کسی دیگر وقت بیان ہوئے۔ (مرتب)

کو بھی شامل کرے۔ اب صاف ہو جائے گا کہ جوتشی سچے ہیں یا خدا کا کلام صحیح ہے۔ اگر یہ جوتشی اور علم طبقات الارض کے ماہر انگریز ایسے ہی دانا ہیں کہ وہ زلزلوں کی خبروں سے پہلے ہی واقف ہو جاتے ہیں تو یقیناً انہوں نے گورنمنٹ انگریزی سے بڑی عداوت کی جو اس کے متعلق پہلے سے اطلاع دے کر ہزاروں جانوں کو اور کروڑوں روپے کے مال کو تلف ہونے سے نہ بچالیا۔ کیونکہ انہوں نے چھ ماہ پہلے خبر دا طلاع نہ دی کہ ایسی مصیبت آنے والی ہے۔ ہم نے تو گیارہ ماہ پہلے خبر دے دی تھی کہ ایسی آفت آنے والی ہے۔ جس سے مکانات گر جائیں گے اور مٹ جائیں گے اور وہ ایک زلزلہ کا دھکا ہوگا۔ اس میں لفظ بھی ایک تھا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پہلا دھکا ہی بہت تیز ہونے والا تھا۔ چنانچہ سب مکانات ایک دفعہ ہی گر گئے یہاں تک کہ جو لوگ برآمدوں میں تھے وہ دوڑ کر باہر نہیں آسکے اور جو لیٹے ہوئے تھے وہ بیٹھ نہیں سکے اور جو بیٹھے ہوئے تھے اُن کو کھڑا ہونے کا وقت نہیں ملا۔

(بدر جلد ۱ نمبر ۴ صفحہ ۸ مورخہ ۲۷ راپریل ۱۹۰۵ء)

---

## ۲۹ راپریل ۱۹۰۵ء

آج رات کی رؤیا[1] کا ذکر تھا کہ سخت زلزلہ آیا اور گھر کے آدمیوں کو جگاتے ہیں۔ فرمایا کہ

---

[1] یہ رؤیا بدر جلد ۱ نمبر ۴ مورخہ ۲۷ راپریل کے صفحہ اول پر درج ہے جو یہ ہے:۔
"۲۹ راپریل ۱۹۰۵ء۔ رؤیا۔ گذشتہ رات کو ۲ بجنے میں سات منٹ باقی تھے جبکہ ہم نے یہ رؤیا دیکھا کہ زمین ہلتی ہے۔ پہلے ہم نے خیال کیا کہ شاید ویسے ہی کچھ حرکت ہوئی ہے مگر پھر زور سے ایک دھکا لگا تب یقین ہوا کہ زلزلہ ہے اور میں گھر کے آدمیوں کو جگاتا ہوں اور کہتا ہوں کہ اُٹھو زلزلہ آیا۔ مبارک کو بھی اُٹھا لو۔ اور یہ بھی رؤیا میں کہتا ہوں کہ جوتشی کس قدر جھوٹے ہیں۔ پنڈت نے تو اخبار میں چھپوایا تھا کہ اب زلزلہ نہیں آئے گا۔ اس کے بعد بیداری ہوگئی۔"

آسمان پر ضرور کچھ تیاری معلوم ہوتی ہے۔ ممکن ہے کہ ظاہر پر یہ بات محمول ہو اور ممکن ہے کہ اس سے مراد اور کوئی سخت آفت ہو۔ بعض دفعہ ویسے بھی زمینوں میں خسف ہو جاتا ہے۔ فرمایا

اس میں مبارک کا لفظ ظاہر کرتا ہے کہ یہ امر ہمارے واسطے خیر و برکت کا موجب ہوگا۔ گو دوسروں کے واسطے اس میں مصائب اور شدائد ہوں۔ میں نے مناسب سمجھا ہے کہ اس واسطے ایک اور اشتہار لکھا جاوے۔ بار بار کے سمجھانے سے ممکن ہے کہ کوئی آدمی سمجھ جائے۔

---

ذکر آیا کہ لدھیانہ میں ایک فحش گو نے پھر گالیاں دینے پر کمر باندھی ہے فرمایا کہ

اب ایسے لوگوں سے اعراض ہی اچھا ہے۔ ہم کیا جواب دے سکتے ہیں۔ خدا خود ہی اب تو جواب دینے لگ پڑا ہے۔

---

ذکر ہوا کہ ایک شہر میں ایسا بگولہ آیا ہے کہ شہر کے ایک حصّہ کو بالکل تباہ کر گیا ہے۔ اور دریائے بیاس کا پانی پہاڑ کے گرنے سے رُک گیا ہے اور خوف ہے کہ جب وہ یک دفعہ پھٹے گا تو بڑا سخت طوفان نازل ہوگا۔ فرمایا

ہر طرف سے آفات کا سامنا ہے۔ چاروں عناصر انسان کو تباہ کرنے کے درپے ہیں کیونکہ اس نے خدا کی نافرمانی کی۔

---

فرمایا:۔

صرف باتوں سے کام پورا نہیں ہوتا۔ سنت اللہ ہمیشہ یہی ہے کہ نشانات دکھائے جاتے ہیں۔ الہامات کے الفاظ میں بھی استعارات ہوتے ہیں۔ زلزلہ سے مراد کبھی زلزلہ

ہوتا ہے کبھی آفت شدید۔

آج رات میں اس خیال میں سویا تھا کہ زلزلہ کا خواب اور الہامات ہوئے۔

---

فرمایا:-

ایمان والے مانتے ہیں پر دوسرے لوگ ہنسی ٹھٹھا کرتے ہیں پیسہ اخبار بہت ہی شوخی کرتا ہے اور لوگوں کو خدا تعالیٰ کے نشانوں سے غافل کرنا چاہتا ہے اور ان کو تھپک تھپک کر سُلاتا ہے۔

(بدر جلد ۱ نمبر ۴ صفحہ ۸ مورخہ ۲۷ ؍اپریل ۱۹۰۵ء)

---

## ۳۰ ؍اپریل ۱۹۰۵ء

آتھم کے متعلق کسی نے سوال کیا۔ فرمایا:-

صدقہ و خیرات سے بَلا دُور ہو جاتی ہے۔ اگر صدقہ سے عذاب میں تاخیر نہیں ہو جاتی تو پھر سارے پیغمبر نعوذ باللہ جھوٹے ٹھہرتے ہیں۔ یُونس اور اس کی قوم کا قصہ پڑھو۔ آتھم تو آخر مَر ہی گیا تھا مگر یُونس کی قوم تو توبہ کرنے سے بالکل بچ گئی۔ اگر وہ باوجود اس قدر گریہ و زاری اور خاموشی کے مَر جاتا تو پھر اس میں اور لیکھرام میں کیا فرق ہوتا؟ خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ شوخ میں اور غیر شوخ میں فرق کر کے دکھا دے۔

(بدر جلد ۱ نمبر ۶ صفحہ ۶ مورخہ ۱۱ ؍مئی ۱۹۰۵ء)

---

## یکم مئی ۱۹۰۵ء

ضلع مظفر گڑھ کا ایک عیسائی آپ کے ہاتھ پر توبہ کر کے مسلمان ہوا۔ اس کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:-

گذشتہ زندگی اور مذہب اور قوم کے طرز و طریق کے مطابق انسان میں بعض خصلتیں اور خواہشیں راسخ ہو جاتی ہیں اور بہت سے نفسانی فریب اندر ہی اندر پوشیدہ ہوتے ہیں۔ سچا مسلمان وہ ہے کہ سب گندوں کی گٹھڑیاں اپنے سر سے پھینک کر اور اپنے آپ کو پاک صاف کر کے خدا تعالےٰ کی فرمانبرداری اختیار کرے۔ کوئی غرض نفسانی درمیان نہ رکھے۔ رازق اللہ تعالیٰ ہے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ بعض ہندو مسلمان ہوتے ہی کسی مُلّا سے ایک کاغذ لکھوا لیتے ہیں اور ان کی ساری عمر بھیک مانگنے میں گذر جاتی ہے۔ ان کو معلوم بھی نہیں ہوتا کہ اسلام کیا شئے ہے۔ مسلمان اس کو کہتے ہیں جو دنیا کے لوگوں سے منہ پھیر کر خدا تعالےٰ کی طرف آجائے۔ مسلمان کو چاہیئے کہ ایسا طریق اختیار کرے جس سے نفس کی ذلّت نہ ہو۔ تھوڑے پر قناعت کرلے۔ اللہ تعالےٰ کو راضی رکھے۔ راستی اور صراطِ مستقیم پر پکا قدم رکھے ورنہ اسلام میں آنا اس کے لئے مفید نہیں۔

(بدر جلد ۱ نمبر ۶ صفحہ ۶ مورخہ ۱۱ر مئی ۱۹۰۵ء)

---

## ۲ر مئی ۱۹۰۵ء

### قبل نماز ظہر

ایک نئی روشنی کے نوجوان جو بمبئی سے کسی تقریب پر لاہور آئے تھے اور وہاں سے حضرت اقدس کے شوق ملاقات میں قادیان تشریف لائے تھے حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت ان کا حال دریافت کرتے رہے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا۔

"زمانہ میں بہت انقلاب ہوتے ہیں لیکن اکثر آجکل لوگوں کا یہ حال ہے کہ ایک طرف ایسے جھکے ہوئے ہیں کہ دوسری طرف نظر اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتے اور اپنے دنیوی کاموں میں یا رسمی معاملات میں ایسے منہمک ہیں کہ دوسری جانب یا تو نظر اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتے یا اس سے قطعاً نفرت رکھتے ہیں۔ لیکن جو بات خدا تعالےٰ کی طرف سے ہونے والی ہے وہ خواہ مخواہ ہو کر

رہتی ہے. دیکھو ایک زور آور سیلاب جو آنے والا ہوتا ہے اس کو کوئی کتنا ہی روکے بہرحال وہ آہی جاتا ہے اور کسی کے روکنے سے رُک نہیں سکتا۔"

حضرت کے اس نوجوان سے دریافت کرنے پر کہ آپ کتنے روز ہمارے پاس قیام کریں گے انہوں نے عرض کی کہ مجھے کل واپس جانا ضروری ہے۔ اس پر فرمایا کہ آپ اخلاص کے ساتھ یہاں آئے ہیں۔ آپ چند روز ٹھہرتے تو خوب ہوتا۔ مگر آپ کا وقت تنگ ہے. دوسرے پہلو کو بھی سمجھ لینا چاہیئے ؎

کارِ دُنیا کسے تمام نہ کرد

جیسا جیسا انسان کسی کام میں بڑھتا ہے ویسا ہی اس کام کے بڑھنے اور زیادہ ہونے کے بھی راہ کھُلتے جاتے ہیں۔ یہانتک کہ دوسری طرف توجہ کرنے کے واسطے انسان کے پاس نہ وقت رہتا ہے اور نہ ہمت مگر رشید آدمی کے واسطے خدا تعالےٰ آپ ہی سامان مہیا کر دیتا ہے اور اس کے دل کے اندر ہی ایک واعظ پیدا کر دیتا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے اذا اراد اللہ خیراً یفقهه فی الدین۔ جب اللہ تعالےٰ کسی کے واسطے بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اُسے دین میں فہم عطا کر دیتا ہے۔ آجکل لوگوں کو انگریزی تعلیم نے فریفتہ کر رکھا ہے اور اکثر لوگ ایسے ہیں کہ ان کو دوسرے گھر کا ایمان ہی نہیں اور اگر کسی کو ہے تو ایسا کہ ہونا نہ ہونا برابر ہے مگر اس وقت اللہ تعالےٰ چاہتا ہے کہ وہ اپنا چہرہ دکھلاوے مخلوق کی قسادت قلبی انتہا تک پہنچ گئی ہے اور لوگوں نے نرمی سے فائدہ نہیں اُٹھایا اس واسطے وہ اب قہری نشان بھی دکھانا چاہتا ہے۔ سعید ہیں وہ لوگ جو قبل ایسے نشانات کے واقع ہو جانے کے ایمان لاویں ورنہ فرعون کی طرح آفت میں پڑ کر ایمان لانا مفید نہیں ہوتا۔ جو لوگ بعد میں ایمان لاتے ہیں وہ برگزیدہ پاک جماعت میں داخل نہیں ہو سکتے۔ آپ کا ہمارے پاس آنا دو نتائج سے خالی نہیں۔ یا تو قبل از وقت آپ پر اثر پڑے یا بعد میں آپ کو حسرت ہو۔

(نوجوان۔ خدا کرے دوسری بات نہ ہو)

جس سلطنت کے نیچے لوگ رہتے ہیں اس کا اثر مخلوق پر ضرور ہی ہوتا ہے۔ لوگ اگرچہ بظاہر ایک مذہب رکھتے ہیں تاہم ان کا سارا رُخ دُنیا کی طرف ہے اور خدا کی طاقتوں پر ایمان نہیں ہے۔ لیکن اب وقت آگیا ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنی سنت قدیمہ کے مطابق پھر جلوہ دکھائے۔ یہ زمانہ نوح کے زمانہ سے بہت ملتا ہے۔ اس وقت بھی لوگ اکثر دہریہ تھے۔ خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔

کُنتُ کَنزاً مخفیًا فاحببتُ اَنْ اُعْرَفَ

میں ایک مخفی خزانہ تھا۔ پھر میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں۔

صرف انگریزی زبان میں کوئی کتنی ہی ترقی کرلے اس کا نتیجہ بجز دنیا کے اور کچھ نہیں ہے۔ یوں دیکھ لینا چاہیئے کہ جو بچے ایسے ہیں کہ ان کے ماں باپ ہر دو انگریز ہیں ان کا انگریزی میں کمال ان کو دین کے لئے کیا فائدہ دے سکتا ہے کیونکہ یہ زبان وہ نہیں جس کے ساتھ فخر کیا جاسکے۔ معاش بے شک انسان پیدا کرسکتا ہے۔ مگر معاش تو ایک مزدور بھی ویسی ہی پیدا کرلیتا ہے بلکہ وہ مزدور اچھا ہے کیونکہ اس کے ساتھ وساوس نہیں ہیں۔ ہمارا منشا یہ نہیں کہ انگریزی نہ پڑھو۔ خود ہماری جماعت میں بہت انگریزی خوان ہیں اور بی۔ اے، ایم۔ اے تک تعلیم یافتہ ہیں اور معزز سرکاری عہدوں پر ملازم ہیں لیکن ہمارا منشا یہ ہے کہ اس سے نیک فائدہ اُٹھاؤ اور اس کے بُرے فلسفہ سے بچو جو انسان کو دہریہ بنا دیتا ہے۔

ہر شئے میں ایک اثر ہوتا ہے۔ چونکہ انگریزی زبان میں بہت سی کتابیں اس قسم کی ہیں جو دہریت یا دہریت کی طرف جُھکے ہوئے خیالات اپنے اندر رکھتی ہیں۔ اس واسطے بغیر کسی زبردست رُشد اور فضل الٰہی کے ہر ایک شخص اس سے کچھ نہ کچھ حصّہ ضرور لے لیتا ہے۔ آجکل دُنیا کے لئے حد سے زیادہ زور لگایا جاتا ہے مگر معاش کے

لئے سب دروازے کھلے ہیں۔ افراط کا نتیجہ اچھا نہیں ہوتا۔ دنیا میں بہت لوگ ایسے ہیں کہ وہ خدا تعالےٰ پر ایمان رکھنے کا جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں۔ کیا آخرت کے لئے وہ اس قدر محنت اور جانفشانی کرتے ہیں جس قدر کہ وہ دنیا کے لئے کر رہے ہیں۔ ان کو معلوم ہی نہیں کہ اس طرف کا معاملہ بھی کبھی پڑے گا۔

نوجوان نے عرض کی کہ میں نے عربی بھی ساتھ ساتھ پڑھی ہے حضرت نے فرمایا۔

ہم تو صرف اتنے پر بھی خوش نہیں ہو سکتے۔ کیا ہزاروں مولوی ایسے نہیں ہیں جو بڑے بڑے علوم عربیہ کی تحصیل کر چکے ہیں۔ مگر پھر بھی وہ اس سلسلہ حقہ کی مخالفت کرتے ہیں اور وہ علوم اُن کے واسطے اور بھی زیادہ حجاب کا موجب ہو رہے ہیں۔ ہزاروں مولوی ہیں جو بجز گالیاں دینے کے اور کچھ کام نہیں رکھتے۔ بیشک معارف قرآنی کا ذخیرہ سب عربی میں ہے تاہم جب ایک مدت گذر جاتی ہے اور خدا کے ایک رسُول کو بہت زمانہ گذر جاتا ہے تب لوگوں کے ہاتھ میں صرف الفاظ ہی رہ جاتے ہیں جن کے معانی اور معارف کسی پر نہیں کھل سکتے جب تک کہ اللہ تعالےٰ اُن کے واسطے کوئی چابی پیدا نہ کر دے۔ جب خدا تعالےٰ کی طرف سے راہ کھلتا ہے تب کوئی منور قلب والا زندہ دل پیدا کیا جاتا ہے۔ وہ صاحب حال ہوتا ہے اس واسطے اس کی تفسیر درست ہوتی ہے۔ زندہ دل کے سوا کچھ نہیں۔ یہ باتیں سیدھی ہیں مگر افسوس ہے کہ ان لوگوں کو سمجھ نہیں آتی

(نوجوان ۔ جہالت ہے)

خدا کہتا ہے کہ حضرت مسیح فوت ہو گئے۔ حدیث نبوی سے بھی یہی ثابت ہے کہ فوت ہو گئے رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کو مردوں میں دیکھا پھر بھی ہمارے مخالف مولوی انکار کئے چلے جاتے ہیں۔ (نوجوان ۔ جہالت اور بدقسمتی)

اللہ تعالےٰ آپ کی اور ہماری ملاقات سے فائدہ دے۔

(بدر جلد ۱ نمبر ۶ صفحہ ۶ مورخہ ۱۱ مئی ۱۹۰۵ء)

۶؍مئی ۱۹۰۵ء

قبل ظہر

فرمایا کہ

ہم تو زلزلہ کے وقت آئے تھے کہ باغ میں چل کر دعا کریں۔ اب محض اس وجہ سے ٹھہرے ہوئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو خبر دی ہے اس کے متعلق کچھ اور معلوم ہو جاوے کہ وہ قریب ہے یا دُور۔ اگر معلوم ہوا کہ دور ہے تو پھر ایک ماہ کے بعد واپس چلے جاویں گے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ زلزلہ ایسے وقت آئے گا کہ کسی کو خبر بھی نہ ہوگی بلکہ لوگ ہماری تکذیب کر چکے ہوں گے کہ وہ پیشگوئی جھوٹی نکلی۔ قرآن شریف سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ۔ یہ عادت اللہ ہے کہ ایسے وقت عذاب آتا ہے جب لوگ اُسے بالکل بھول جاتے ہیں۔ ایسا ہی ان الہامات سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا چھپ کر آؤں گا۔ گویا ہر شخص کا دل یقین کرلے گا کہ ہم نے جھوٹ بولا ہے۔ بغتةً کا یہی منشا ہے۔

طبقات الارض والے اور جوتشی سب مل ملا کر فیصلہ کر دیں کہ کوئی زلزلہ نہیں آئے گا۔ پھر خدا تعالیٰ کی وحی کی اَور بھی عظمت ظاہر ہوگی۔ حقیقت میں اگر وہ بھی یہی رائے دیتے کہ زلزلہ آئے گا تو ہماری بات مشتبہ ہو جاتی اور کمزور سمجھی جاتی۔ لیکن اب تو ان لوگوں نے اقرار کر لیا ہے کہ زلزلہ نہیں آئے گا۔

فرمایا:۔

اب اگر خدا تعالیٰ چُپ رہے تو پھر دہریہ پن کے سوا کوئی اَور مذہب نہ ہوگا۔ اگر اس وقت اس کی چہرہ نمائی کی ضرورت نہیں ہے تو پھر کب ہوگی۔ جیسے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بدر میں دعا کی تھی کہ اے اللہ اگر تو نے آج اس گروہ کو ہلاک کر دیا تو پھر تیری کبھی عبادت نہ ہوگی۔ یہی دعا آج ہمارے دل سے بھی نکلتی ہے۔ پس یقیناً یاد رکھو کہ اب اگر خدا تعالیٰ دستگیری نہ کرے تو سب ہلاک ہو جائیں اور یہ بالکل سچی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد اگر نہ ہو تو قطع یقین

ؔ الاعراف : ۱۶۶

ہوجاتا ہے۔بچہ کو اگر دودھ نہ ملے تو وہ کب تک جئے گا۔ آخر سسک سسک کر مرجائے گا اسی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے انقطاعِ امداد ہو تو انسان چونکہ کمزور اور ضعیف ہے جیسا کہ فرمایا۔ خلق الانسان ضعیفًا[1]۔ پس وہ بھی آخر روحانی طور پر مرجائے گا۔ اس کی طرف اشارہ کر کے براہین احمدیہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اگر خدا تعالےٰ ایسا نہ کرتا تو دنیا میں اندھیر پڑ جاتا۔ اصل یہی ہے کہ خدا تعالےٰ کی تائیدیں اور اس کے تازہ بتازہ نشان ظاہر ہوتے ہیں تو ایمانی حالت درست اور مضبوط رہتی ہے ورنہ شیطانی علوم نے کچھ ایسا دخل کر لیا ہے کہ وہ دلوں سے قہری سیاست کے بغیر جو آسمان سے اُترتی ہے نکل ہی نہیں سکتے ان کے لئے ایسی قہری ضرب چاہیئے کہ شیطان چیخ کر نکل جاوے۔ اللہ تعالےٰ رحیم ہے۔ پس وہ اپنے بندوں پر ان نشانوں کے ذریعہ فضل کر رہا ہے اور اُن کے ایمانوں کو طاقت دے رہا ہے۔

---

فرمایا:۔

۵ مئی کو میں نے ایک جامن کا پتہ توڑا۔ اس پر ہر جگہ غور سے دیکھا تو یہی لکھا ہوا پایا۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔*

(الحکم جلد ۹ نمبر ۱۶ صفحہ ۸ مورخہ ۱۰ مئی ۱۹۰۵ء)

---

۱۵ مئی ۱۹۰۵ء

فرمایا:۔

انبیاء کی زندگی وہی ہوتی ہے جو ابتلا بھی ساتھ ہو۔ چپ چاپ کی زندگی جو امن

---

* ولنعم ما قیل:۔

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار ہر ورق دفتر یست معرفت کردگار

(ایڈیٹر)

[1] النساء : ۲۹

کے ساتھ کھاتے پیتے گذر جائے وہ عمدہ زندگی نہیں ہوتی۔ محنتوں اور مشقتوں کے بعد سرٹیفکیٹ ملا کرتے ہیں۔ یہ سلسلہ جو خدا تعالیٰ نے جاری کیا ہے۔ یہ اب ضرور اپنے مقصد میں کامیاب ہوگا خواہ ہماری محنتوں سے یہ کام پورا ہو خواہ قضا و قدر سے ایسے امور پیدا ہو جائیں جو اس کام کو پورا کردیں۔

---

فرمایا:۔

ہم نے زلزلہ کے متعلق جو اشتہار شائع کیا ہے یہ مخلوق الٰہی کی خیر خواہی کیواسطے ہے اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ کسی کے گھر کو آگ لگے اور کوئی جاکر اسے اطلاع دے۔ ہر ایک خطرناک بات جو آئندہ ہونے والی ہوتی ہے جب اس سے کسی کو اطلاع دی جاوے تو ممکن ہے کہ اس کو تشویش ہو۔ مگر یہ اطلاع اس کی بہتری کے واسطے ہے تاکہ آئندہ تباہی سے وہ بچ جاوے۔

---

بہلول پور علاقہ لائل پور سے ایک خط پڑھا گیا جس میں لکھا تھا کہ ۱۱ر مئی کی رات کو یہاں ایسا زلزلہ آیا کہ پہلے ایسا سخت نہ آیا تھا۔ ذکر آیا کہ اس سے نجومیوں کی بات غلط ہوئی جنہوں نے کہا تھا کہ اب ان تاریخوں میں کوئی زلزلہ نہیں آوے گا۔

---

خدا تعالیٰ کے بندوں پر ابتلا کے آنیکا ذکر تھا فرمایا:۔

ابتلاؤں کا آنا ضروری ہے۔ بعض فتوحات کا مدار ابتلاؤں پر ہوتا ہے۔ کسی کی گریہ و زاری بعض دفعہ راہ کھول دیتی ہے۔ مثنوی میں ایک قصہ لکھا ہے کہ ایک بزرگ کے پاس ایک دفعہ کھانے کو نہ تھا۔ وہ بزرگ اور اس کے ساتھی سب بھوکے تھے۔ اتنے میں ایک لڑکا حلوہ بیچتا ہوا وہاں سے آگذرا۔ اس بزرگ نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ اس سے حلوا چھین لو۔

چنانچہ آدمیوں نے ایسا کیا۔ اور وہ حلوہ بزرگ نے اور اس کے ساتھیوں نے کھا لیا۔ وہ لڑکا بہت رویا۔ اور چلّایا۔ آدمیوں نے سوال کیا کہ اس میں کیا حکمت تھی کہ بچہ کا حلوا چھین لیا۔ فرمایا کہ یہی اس بچہ کی پونجی تھی۔ وہ بہت درد کے ساتھ رویا ہے اور اس کا رونا موجب کشائش اور فتوح کا ہوا ہے جو ہماری دعائیں نہیں ہو سکتی تھیں۔ چنانچہ اس بچہ کو اس کے حق سے بہت زیادہ دے کر راضی کیا گیا۔

اسی طرح بعض ابتلا صرف اس واسطے آتے ہیں کہ انسان اس رُتبہ کو جلد حاصل کرے جو اُس کے واسطے مقدر ہے۔

---

ذکر تھا کہ ۱۴ اپریل گذر گئی ہے جس کے واسطے انگریز نے پیشگوئی زلزلہ کی کی تھی۔ اب لوگوں کو تشفی ہو گئی۔ فرمایا:۔

لوگ منجم پرست ہیں۔ خدا پرست نہیں ہیں

---

ایک شخص نے اپنا خواب سُنایا کہ میں سبحان اللہ پڑھتا ہوں۔ فرمایا:۔

سبحان اللہ کے یہ معنے ہیں کہ اللہ تعالےٰ خلاف وعدہ اور کذب اور دیگر تمام منقصتوں سے پاک ہے وہ اپنے وعدوں کو سچا کرتا اور پیشگوئیوں کو پورا کرتا ہے۔

(بدر جلد ۱ نمبر ۷ صفحہ ۷ مورخہ ۱۸ رمئی ۱۹۰۵ء)

---

**۱۴ رمئی ۱۹۰۵ء**

فرمایا:۔

سورہ اذا زلزلت الارض میں زلزلہ کے واسطے صاف پیشگوئی ہے کہ زمین پر سخت زلزلہ آئے گا اور زمین اندر کی چیزیں باہر نکال پھینکے گی۔

فرمایا:-

قرآن شریف میں آیا ہے کہ پہاڑ زمین کی میخیں ہیں۔ نادان اعتراض کرتے ہیں کہ یہ کیا بات ہے۔ اس زلزلہ نے اس اعتراض کو بھی صاف کیا ہے۔ آتش فشانیوں اور زلزلوں کا موجب یہ پہاڑ ہی ہوا کرتے ہیں۔ جب پہاڑوں پر تباہی پڑتی ہے تو سب پر تباہی پڑتی ہے۔ پہاڑ امن یا بے امنی کا مرکز بنا ہوا ہے۔

(بدر جلد ۱ نمبر ۷ صفحہ ۷ مورخہ ۱۸ر مئی ۱۹۰۵ء)

---

## ۱۷ر مئی ۱۹۰۵ء

ایک ڈاکٹر صاحب کا ذکر آیا کہ انہوں نے ایک بیمار کو خوفناک بتایا تھا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ تندرست ہے۔ فرمایا:-

یہ لوگ ایسی غلطیاں کھاتے ہیں۔ ہمارے مسلمان اطبا میں کیا عمدہ بات ہے کہ لکھا ہے کہ نبض دیکھنے سے پہلے طبیب یہ پڑھا کرے۔ سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ۔[1] تو پاک ہے ہمیں کوئی علم نہیں سوا اس کے جو تو نے ہم کو سکھلایا تحقیق تو علم اور حکمت والا ہے۔

(بدر جلد ۱ نمبر ۷ صفحہ ۷ مورخہ ۱۸ر مئی ۱۹۰۵ء)

---

## ۲۴ر مئی ۱۹۰۵ء

ایک خادم نے عرض کی کہ مخالف حضور کی نسبت جھوٹی خبریں بیماری وغیرہ کی شائع کرتے رہتے ہیں اور ہمیں سُناتے ہیں۔ فرمایا:-

مخالفین خواہ مخواہ ایسی بات کرتے ہیں جس سے تم کو اشتعال پیدا ہو اور لڑائی ہو جائے ایسے فتنوں سے بچنا چاہیئے اور صبر کرنا چاہیئے۔ جو شخص کسی پر تہمت لگاتا ہے وہ مرتا نہیں

[1] البقرۃ: ۳۳

جب تک کہ اس میں گرفتار نہ ہو جائے۔

---

ایک خادم نے عرض کی کہ تمام قسم کے دردوں کے واسطے عمدہ علاج ہے کہ بھرجی کی ریت ہو۔ اس پر الحمد لکھا جائے وغیرہ وغیرہ۔ فرمایا۔
یہ توجہ کی ایک قسم ہے مگر یاد رکھو کہ دعا جیسی پاک صاف شرک سے خالی کوئی توجہ نہیں۔ دوسری قسم کی توجہوں میں انسان کا بھروسہ اشیاء پر ہوتا ہے۔ جب قبلہ حقیقی کی طرف توجہ نہ ہو تو پھر بے فائدہ ہے۔

---

فرمایا:۔
انگریزی میں سونے کو گولڈ کہتے ہیں جس کے لکھنے میں انگریزی حروف ج۔د۔ل استعمال ہوتے ہیں۔ یہ عربی لفظ دجال کا مقلوب ہے۔ عربی میں دجال سونے کو کہتے ہیں۔

---

اس زمانہ کے عجائبات کا تذکرہ تھا کہ ریل تار ڈاک وغیرہ کس قدر سہولتیں پیدا ہو گئی ہیں۔ فرمایا:۔
اسی واسطے ہم کو الہام ہوا۔ الم نجعل لک سھولۃً کیا ہم نے تیرے ہر امر میں سہولت نہیں کر دی حقیقت میں یہ اشیاء کسی کے لئے ایسی مفید نہیں ہوئیں جیسی کہ ہمارے واسطے ہوئی ہیں۔ ہمارا مقابلہ دین کا ہے اور ان اشیاء سے جو نفع ہم اٹھاتے ہیں وہ دائمی رہنے والا ہے۔ لوگ بھی چھاپے خانوں سے فائدے اٹھاتے ہیں لیکن ان کے اغراض دنیوی اور ناپائیدار ہیں۔ برخلاف اس کے ہمارے معاملات دینی ہیں۔ اس واسطے یہ چھاپے خانے جو اس زمانہ کے عجائبات ہیں دراصل ہمارے ہی خادم ہیں۔

---

فرمایا:-

آج رات یہ وحی ہوئی۔

## ارید ما تریدون

میں ارادہ کرتا ہوں جو تم ارادہ کرتے ہو۔ چونکہ ہمارے ارادے دوستوں کے واسطے مشترک ہیں جن کے لئے ہم دعائیں کرتے ہیں اس واسطے اس میں سب کے واسطے بشارت ہے۔ یہ وحی قبولیت دعا کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ یعنی تمہارے ارادے کے موافق ہمارا ارادہ ہے۔

حضرت مولوی نورالدین صاحب نے عرض کی کہ یہ قرآن شریف کی اس وحی کے مطابق ہے کہ اَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ[1]

---

شیخ رحمت اللہ صاحب کو فرمایا کہ

ہم آپ کے واسطے دعا کرتے ہیں۔ آپ بھی اس وقت دعا کیا کریں۔ ایک تو رات کے تین بجے تہجد کے واسطے خوب وقت ہوتا ہے۔ کوئی کیسا ہی ہو تین بجے اُٹھنے میں اس کے لئے ہرج نہیں۔ اور پھر جب اچھی طرح سورج چمک اُٹھے تو اس وقت ہم بیت الدعا میں بیٹھتے ہیں۔ یہ دونو وقت قبولیت کے ہیں۔ نماز میں تکلیف نہیں۔ سادگی کے ساتھ اپنی زبان میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعا کرے۔

فرمایا:-

ایک مرتبہ میں نے خیال کیا کہ صلوٰۃ میں اور دعا میں کیا فرق ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ الصلوٰۃ ھی الدعاء۔ الصلوٰۃ مخ العبادۃ یعنی نماز ہی دُعا ہے۔ نماز عبادت کا مغز ہے۔ جب انسان کی دُعا محض دنیوی امور کے لئے ہو تو اس کا نام صلوٰۃ نہیں لیکن جب انسان خدا کو ملنا چاہتا ہے اور اس کی رضا کو مدنظر رکھتا ہے اور ادب انکسار تواضع اور نہایت محویت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور میں کھڑا ہو کر اس کی رضا کا طالب ہوتا ہے۔

[1] البقرۃ : ۱۱۶

تب وہ صلوٰۃ میں ہوتا ہے۔ اصل حقیقت دعا کی وہ ہے جس کے ذریعہ سے خدا اور انسان کے درمیان رابطہ تعلق بڑھے یہی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا ذریعہ ہوتی ہے اور انسان کو نامعقول باتوں سے ہٹاتی ہے۔ اصل بات یہی ہے کہ انسان رضائے الٰہی کو حاصل کرے۔ اس کے بعد روا ہے کہ انسان اپنی دنیوی ضروریات کے واسطے بھی دعا کرے۔ یہ اس واسطے روا رکھا گیا ہے کہ دنیوی مشکلات بعض دفعہ دینی معاملات میں حارج ہو جاتے ہیں۔ خصوصاً خامی اور کچے پنے کے زمانہ میں یہ امور ٹھوکر کا موجب بن جاتے ہیں۔ صلوٰۃ کا لفظ پُرسوز معنے پر دلالت کرتا ہے جیسے آگ سے سوزش پیدا ہوتی ہے۔ ویسی ہی گدازش دُعا میں پیدا ہونی چاہیئے جب ایسی حالت کو پہنچ جائے جیسے موت کی حالت ہوتی ہے تب اس کا نام صلوٰۃ ہوتا ہے۔

---

ایک شخص نے سوال کیا کہ مجھے نماز میں وساوس اور ادھر ادھر کے خیالات بہت پیدا ہوتے ہیں۔ فرمایا:۔

اس کی اصل جڑ امن اور غفلت ہے۔ جب انسان خدا تعالیٰ کے عذاب سے غافل ہو کر امن میں ہو جاتا ہے تب وساوس ہوتے ہیں۔ دیکھو زلزلے کے وقت اور کشتی میں بیٹھ کر جب کشتی خوفناک مقام پر پہنچتی ہے۔ سب اللہ اللہ کرتے ہیں اور کسی کے دل میں وساوس پیدا نہیں ہوتے۔

---

ذکر آیا کہ بعض جگہ مخالفین ہماری جماعت کے لوگوں کو بہت دُکھ دیتے ہیں اور بڑی بڑی ایذا رسانی کرتے ہیں۔ فرمایا:۔

خدا تعالیٰ کے آگے کسی کا نابود کرنا کچھ مشکل نہیں۔ لیکن جس کی طاقتیں بڑی ہوتی ہیں اس کا حوصلہ بھی بڑا ہوتا ہے۔ لیکن ایسے آدمیوں کا وجود بھی ضروری ہے۔ اعداء کا وجود انبیاء کے واسطے بہت مفید ہوتا ہے۔ قرآن شریف کے جو تیس سیپارے ہیں۔ اس کے اکثر حصہ نزول

کا سبب اعداء ہی ہوئے۔ اگر سب ابوبکرؓ کی طرح آمنّا و صدقنا کہنے والے ہوتے تو چند
آیتوں پر سلسلہ ختم ہو جاتا۔ درخت کے واسطے جیسے صاف پانی کی ضرورت ہے ویسے ہی
کچھ کھاد کے لئے گند کی بھی ضرورت ہے۔ بہت سی آسمانی سرگرمی انہی لوگوں کی شرارتوں
پر منحصر ہے۔ کوئی بھی نبی نہیں جس کے اعداء نہیں ہوئے۔ نبی کے نفس کے واسطے یہ امر بہتر
ہے کیونکہ اس طرح اس کی توجہ بڑھتی ہے اور معجزات تائید و نصرت زیادہ ہوتے ہیں اور
جماعت کے واسطے بھی مفید ہے کہ وہ پکے ہو جاتے ہیں۔ خدا کو دیر نہیں لگتی کہ لاکھوں
کروڑوں کو ایک آن میں تباہ کر دے لیکن ضرورت کے سبب مخالفین کا وجود قائم رکھا جاتا
ہے۔ جس شہر میں خاموشی سی ہو اس جگہ جماعت ترقی نہیں پکڑتی۔ خدا کی حکمتوں کو ہر ایک
شخص نہیں پہچان سکتا۔

(بدر جلد ۱ نمبر ۸ صفحہ ۴ مورخہ ۲۵ مئی ۱۹۰۵ء)

---

## ۲۶ مئی ۱۹۰۵ء

فرمایا:-

گھر میں طبیعت علیل تھی۔ بہت سر درد۔ بخار اور کھانسی بھی تھی۔ لوگوں کے لئے ابتلاء
کا خوف ہوتا ہے۔ میں نے رات بہت دعا کی۔ (شیخ رحمت اللہ صاحب کو مخاطب کر کے) آپ
کے لئے بھی دعا کی تھی۔ پہلے تو ایک مشتبہ سا الہام ہوا۔ معلوم نہیں کس کے متعلق ہے اور
وہ یہ ہے:- (۱) شرّ الذین انعمت علیھم (ترجمہ) شرارت ان لوگوں کی جن پر
تو نے انعام کیا۔ (۲) میں اُن کو سزا دوں گا (۳) میں اس عورت کو سزا دوں گا۔ معلوم
نہیں یہ کس کے متعلق ہے۔ اس کے بعد گھر والوں کے متعلق یہ الہام ہوا۔

رُدَّ الیھا رَوحھا و رَیحَانُھا۔ اِنّی رددت الیھا رَوحھا و رَیحَانُھا

رؤیا۔ اسی وقت جبکہ مذکورہ بالا الہام ہوا۔ دیکھا کہ کسی نے کہا کہ آنے والے زلزلہ کی یہ

نشانی ہے۔ جب میں نے نظر اُٹھائی تو دیکھا کہ اس ہمارے خیمہ کے سر پر سے جو باغ کے قریب نصب کیا ہوا ہے ایک چیز گری ہے۔ خیمہ کی چوب کا اُوپر کا سرا وہ چیز ہے※۔ جب میں نے اُٹھایا تو وہ ایک لَونگ ہے جو عورتوں کے ناک میں ڈالنے کا ایک زیور ہے۔ اور ایک کاغذ کے اندر لپٹا ہوا ہے۔ میرے دل میں خیال گذرا کہ یہ ہمارے ہی گھر کا مدت سے کھویا ہوا تھا اور اب ملا ہے اور زمین کی بلندی سے ملا ہے اور یہی نشانی زلزلہ کی ہے ☒

---

آج کی تازہ وحی ردّ الیھا روحہا و ریحانہا کا ذکر تھا۔ فرمایا:۔

اس میں بھی اللہ تعالیٰ نے ماضی کا صیغہ استعمال کیا ہے۔ تمام سماوی کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی امر کے ضرور آئندہ پورا ہو جانے کے متعلق کسی پیشگوئی کو ظاہر فرماتے وقت ماضی کا صیغہ استعمال کرتا ہے مثلاً قرآن شریف میں آیا ہے تبّت یدا ابی لہب و تبّ[1]۔ ابولہب کے دونوں ہاتھ ہلاک ہو گئے اور وہ خود بھی ہلاک ہو گیا۔ یہ وحی الٰہی بطور پیشگوئی کے ایسے وقت میں نازل ہوئی تھی جبکہ ابولہب چنگا بھلا پھرتا تھا۔ لیکن آسمان پر اس کے لئے ہلاکت کا حکم ہو چکا تھا۔ اس واسطے یہ بات ایسے طور پر بیان کی گئی کہ یہ کام ہو چکا ہے۔ پہلے ایک معاملہ آسمان پر ہو جاتا ہے اور پھر زمین پر اس کا ظہور ہوتا ہے۔ ایسا ہی ہمارا الہام عفت الدیار والا تھا یعنی مٹ گئے گھر۔ اگرچہ گیارہ ماہ پہلے یہ زلزلہ کی پیشگوئی تھی۔ تاہم چونکہ آسمان پر یہ فیصلہ ہو چکا تھا کہ زلزلہ ضرور آئے گا اس واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مکانات عارضی اور مستقل سب گر گئے اور نشان مٹ گئے۔ جو لوگ مثلاً پیسہ اخبار کے نامہ نگار وغیرہ اعتراض کرتے ہیں وہ اس محاورہ سے ناواقف اور جاہل

---

※ حاشیہ۔ غالباً یہ فقرہ یوں ہوگا "خیمہ کی چوب کے اُوپر کے سرے سے وہ چیز گری ہے"۔ واللہ اعلم بالصواب (مرتب)

☒ ۲۶ مئی کی یہاں تک کی ڈائری جو صبح کے وقت کی معلوم ہوتی ہے بدر جلد نمبر ۱۸ صفحہ ۲ پر درج ہے اس کے بعد کی ڈائری جو صفحہ ۴ پر درج ہے شام کی معلوم ہوتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب (مرتب)

[1] اللھب: ۲

ہیں یا جان بوجھ کر تعصب کے ساتھ ضد کرتے ہیں ورنہ یہ محاورہ سب زبانوں میں پایا جاتا ہے۔ آتھم کے متعلق جب ہم نے پیشگوئی کی تھی تو اس نے اسی مجلس میں کہا تھا کہ میں تو مر گیا۔ باوجود عیسائی ہونے کے وہ ادب کا بہت لحاظ رکھتا تھا اور یہی سبب تھا کہ وہ ڈرتا رہا اور میعاد کے اندر مرنے سے بچ گیا۔ ابولہب کے متعلق صاف پیشگوئی مکہ میں کی گئی تھی کہ وہ ہلاک ہو گیا۔ حالانکہ وہ جنگ بدر کے بعد طاعون سے مرا تھا۔

فرمایا:۔

روح و ریحان سے مراد ہر قسم کی آسائش اور آسودگی ہوتی ہے۔

※

(بدر جلد ۱ نمبر ۱۰ صفحہ ۴ مورخہ ۲۵ مئی ۱۹۰۵ء)

## مبارک منہ کے مبارک الفاظ معناً

(مرقومہ شیخ عبدالرحیم صاحب)

⊠

بوقت ۹ بجے آپ باہر تشریف لائے۔ شیخ رحمت اللہ صاحب نووارد اور مولوی صاحبان اور دیگر احباب محفل موجود تھے۔ ادھر ادھر کی باتوں میں آپ نے فرمایا کہ

ہم خدا کے مرسلین اور مامورین کبھی بزدل نہیں ہوا کرتے بلکہ سچے مومن بھی بزدل نہیں ہوتے بزدلی ایمان کی کمزوری کی نشانی ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم پر مصیبتوں نے بار بار حملے کئے مگر انہوں نے کبھی بزدلی نہیں دکھائی۔ خدا تعالیٰ اُن کی نسبت فرماتا ہے منھم من قضٰی نحبہ و منھم من ینتظر وما بدلوا تبدیلاً۔[1] یعنی جس ایمان پر انہوں نے کمر ہمت باندھی تھی اس کو بعض نے تو نبھا دیا اور بعض منتظر ہیں کہ کب موقعہ ملے اور سرخرو ہوں اور انہوں نے کبھی

※ معلوم ہوتا ہے یہ پرچہ ۲۸ مئی کے بعد شائع ہوا ہے یہی وجہ ہے کہ ۲۶ تا ۲۸ مئی کی ڈائری اس میں آ پہنچی ہے (مرتب)

⊠ اس ڈائری پر تاریخ نہیں لکھی۔ اندازاً ۲۴ تا ۲۶ مئی ۱۹۰۵ء کی معلوم ہوتی ہے۔ ان دنوں میں شیخ رحمت اللہ صاحب قادیان میں موجود تھے۔ (مرتب)

[1] الاحزاب: ۲۴

کم ہمتی اور بزدلی نہیں دکھائی۔

---

دعا کے متعلق آپ نے فرمایا کہ

ادھر کی جاتی ہے اور اُدھر جواب ملتا ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا راحت ہو سکتی ہے اور یہی مابہ الامتیاز امر ہوتا ہے جو مامورین اور دوسروں میں رکھ دیا جاتا ہے۔

---

فرمایا:-

شیخ صاحب میں آپ کے لئے پانچ وقت دعا کرتا ہوں لیکن استجابت کا ایک وقت ہوتا ہے۔ انسان کو بعض وقت ایک ہی سمت مقصود ہوتی ہے مگر خدا تعالےٰ مومن کیلئے دنیا اور آخرت میں سنوار چاہتا ہے۔ اس لئے بعض وقت ابتلا آ جاتے ہیں جو بالآخر بابرکت ہوتے ہیں۔ بعض انسانی کمزوریوں کا علاج یہ مصائب ہوتے ہیں۔ انسان میں بیشک بعض کمزوریاں ایسی ہوتی ہیں جن کو یہ سمجھ نہیں سکتا لیکن میری دعائیں ایسی ہوتی ہیں کہ محل قبولیت تک پہنچتی ہیں وقت شرط ہے۔

---

پھر ایک طرف مخاطب ہو کر

میں آپ کے لئے دعا کرتا ہوں لیکن کل کے امر میں میں نے خیال کیا تو میں نے سمجھا کہ شاید یہی امور میری دعا کی استجابت میں مانع ہوں مگر آپ کے لکھنے پر مجھے اصل واقعہ کی حقیقت معلوم ہوئی۔ دعا کی قبولیت میں تاخیر ڈالنے والے یا دعا کے ثمرات سے محروم کرنے والے بعض مکروہات ہوتے ہیں جن سے انسان کو بچنا لازم ہے۔

مصائب دنیا میں آ کر آخرت میں موجب مدارج ہوتے ہیں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے ثواب ملتا دیکھ کر بعض لوگ کہیں گے کہ کاش ہمارے وجود بھی قینچیوں سے کاٹے جاتے اور ہم

بھی یہ معاوضے حاصل کرتے سب سے بڑھ کر مصائب انبیاء پر آتے ہیں۔ ہمارے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لو۔ زندگی میں کیا کیا تکلیفیں اٹھانی پڑیں۔ غرضیکہ گھبرانا نہیں چاہیئے۔

---

ہمیں زلزلے کے متعلق پورا اطمینان ہے۔ مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی[1] ہمارے اشتہارات کے شائع ہونے کے بعد الہام ہوا ہے۔ جس سے خدا تعالیٰ کا ارادہ قطعی ثابت ہوتا ہے۔ ہم نے جو کچھ اخراجات ہزاروں تک خیمے وغیرہ منگوا کر کئے ہیں۔ وہ دھوکے کی بنا پر نہیں کئے۔ ہمیں خدا کی باتوں پر ایمان ہے۔ تاریخ کا مقرر نہ ہونا یا وقت کی کمی بیشی پیشگوئی کے ظاہر ہونے کی وقعت میں کچھ کمی نہیں ڈال سکتے۔ قرآن شریف میں اِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ اَمْ بَعِیْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ[2] (میں نہیں جانتا کہ عذاب کے نزول کا وقت قریب ہے یا بعید) صاف بتاتا ہے کہ ہر ایک عذاب کی مقررہ تاریخ نہیں بتائی جاتی۔

(بدر جلد ۱ نمبر ۱۸ صفحہ ۲ مورخہ ۲۵ مئی ۱۹۰۵ء)

---

## ۲۷ مئی ۱۹۰۵ء

عبدالقادر رضی اللہ عنہ۔ ارٰی رضوانہ۔ اللہ اکبر

پہلی وحی کے متعلق فرمایا کہ

خدا اپنی کچھ قدرتیں میرے واسطے ظاہر کرنے والا ہے۔ اس واسطے میرا نام عبدالقادر رکھا۔ رضوان کا لفظ دلالت کرتا ہے کہ کوئی فعل دنیا میں خدا کی طرف سے ایسا ظاہر ہونے والا ہے جس سے ثابت ہو جائے اور دنیا پر روشن ہو جائے کہ خدا مجھ پر راضی ہے۔ دنیا میں بھی جب بادشاہ کسی پر راضی ہوتا ہے تو فعلی رنگ میں بھی اس رضامندی کا کچھ اظہار ہوتا ہے اس کے معنے یہ ہیں کہ اس کی رضا پر دلالت کرنے والے افعال دیکھتا ہوں۔ مومن کو اللہ تعالیٰ کی رضا بہت پیاری ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ مومنین جب بہشت میں داخل کئے جائیں گے تو ان

[1] الانفال: ۱۸ [2] الانبیاء: ۱۱۰

سے کہا جائے گا کہ اب مانگو جو کچھ مانگنا چاہتے ہو تو وہ عرض کریں گے کہ اے رب تو ہم پر راضی ہو جا۔ جواب ملے گا۔ اگر میں راضی نہ ہوتا تو تم کو بہشت میں کس طرح داخل کرتا۔

(بدر جلد ۱ نمبر ۱۸ صفحہ ۲ مورخہ ۲۵ مئی ۱۹۰۵ء)

---

۲۸ مئی ۱۹۰۵ء

## رؤیا

شیخ رحمت اللہ صاحب کی ایک گھڑی میرے پاس ہے اور ایک ایسی چیز جیسے ترازو کے دو پلڑے ہوتے ہیں مثل جھیوروں کی بہنگی کے۔ میں ایک ڈولی میں بیٹھا ہوا ہوں۔ پھر کسی نے میاں شریف احمد کو اس میں بٹھا دیا اور اس کو چکر دینا شروع کیا۔ اتنے میں گھڑی گر گئی اور اس جگہ قریب ہی گری ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس کو تلاش کرو۔ ایسا نہ ہو کہ محمد حسین نالش کر دے۔

فرمایا کہ

خیال گذرتا ہے کہ شاید گھڑی سے مراد وہ ساعت ہے جو زلزلہ کی ساعت ہے جو معلوم نہیں۔ واللہ اعلم۔ اور وہ رحمت کی ساعت ہے یعنی یہ ساعت ہمارے واسطے رحمت الٰہی کا موجب ہوگی۔

(بدر جلد ۱ نمبر ۱۸ صفحہ ۲ مورخہ ۲۵ مئی ۱۹۰۵ء)

---

بلا تاریخ[1]

## القول الطیب

حضرت مولوی عبد الکریم صاحب کی والدہ یہاں آئی ہوئی ہیں۔ انہوں نے اپنی والدہ کی پیری کا

---

[1] القول الطیب کے زیر عنوان ڈائری پر گو کوئی تاریخ درج نہیں لیکن قرائن بتاتے ہیں کہ یہ مئی کے آخری ایام یعنی ۲۷ تا ۳۱ مئی ۱۹۰۵ء تک کے ملفوظات ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب (خاکسار مرتب)

اور ضعف کا ، اور اُن کی خدمت کا جو وہ کرتے ہیں ذکر کیا۔ حضرت نے فرمایا۔

والدین کی خدمت ایک بڑا بھاری عمل ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ دو آدمی بڑے بد قسمت ہیں۔ ایک وہ جس نے رمضان پایا اور رمضان گذر گیا پر اس کے گناہ نہ بخشے گئے اور دوسرا وہ جس نے والدین کو پایا اور والدین گذر گئے اور اس کے گناہ بخشے نہ گئے۔ والدین کے سایہ میں جب بچہ ہوتا ہے تو اس کے تمام ہم و غم والدین اُٹھاتے ہیں۔ جب انسان خود دنیوی امور میں پڑتا ہے۔ تب انسان کو والدین کی قدر معلوم ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں والدہ کو مقدم رکھا ہے کیونکہ والدہ بچہ کے واسطے بہت دُکھ اُٹھاتی ہے۔ کیسی ہی متعدی بیماری بچہ کو ہو چیچک ہو، ہیضہ ہو، طاعون ہو۔ ماں اس کو چھوڑ نہیں سکتی۔

ہماری لڑکی کو ایک دفعہ ہیضہ ہو گیا تھا ہمارے گھر سے اس کی تمام قے وغیرہ اپنے ہاتھ پر لیتی تھیں۔ ماں سب تکالیف میں بچہ کی شریک ہوتی ہے۔ یہ طبعی محبت ہے۔ جس کے ساتھ کوئی دوسری محبت مقابلہ نہیں کر سکتی۔ خدا تعالیٰ نے اسی کی طرف قرآن شریف میں اشارہ کیا ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی [1]

ادنیٰ درجہ عدل کا ہوتا ہے۔ جتنا لے اتنا دے۔ اس سے ترقی کرے تو احسان کا درجہ ہے۔ جتنا لے وہ بھی دے اور اس سے بڑھ کر بھی دے۔ پھر اس سے بڑھ کر ایتاء ذی القربیٰ کا درجہ ہے یعنی دوسروں کے ساتھ اس طرح نیکی کرے جس طرح ماں بچہ کے ساتھ بغیر نیت کسی معاوضہ کے طبعی طور پر محبت کرتی ہے۔ قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل اللہ ترقی کرکے ایسی محبت کو حاصل کر سکتے ہیں۔ انسان کا ظرف چھوٹا نہیں۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے یہ باتیں حاصل ہو جاتی ہیں۔ بلکہ یہ وسعت اخلاق کے لوازمات میں سے ہے۔ میں تو قائل ہوں کہ اہل اللہ یہاں تک ترقی کرتے ہیں کہ مادری محبت کے اندازہ سے بھی بڑھ کر انسان کے ساتھ محبت کرتے ہیں۔

ایک بُڑھیا کا ذکر ہے کہ حضرت ابوبکر کی وفات کے روز بغیر اس کے کہ اس کو کسی

[1] النحل : ۹۱

نے خبر دی ہو خود بخود کہنے لگی کہ آج ابوبکر مر گیا ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ تجھ کو کس طرح سے معلوم ہوا۔ اس نے کہا کہ ہر روز مجھ کو آپ حلوا کھلایا کرتے تھے اور وہ وعدہ میں تخلف کرنے والے ہرگز نہ تھے چونکہ آج وہ حلوہ کھلانے نہیں آئے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فوت ہو گئے ہیں ورنہ وہ ضرور مجھے حلوہ کھلانے آج بھی آتے۔ دیکھو اخلاقی حالت کہاں تک وسعت کر سکتی ہے یہ بھی ایک معجزہ ہے۔ ان اخلاق پر دوسرے لوگ قادر نہیں ہو سکتے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مجرم پکڑا ہوا آیا تو وہ آپ ہی رُعب سے کانپتا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ تو کیوں اتنا ڈرتا ہے میں تو ایک بڑھیا کا بیٹا ہوں معمولی انسانوں کے یہ اخلاق نہیں ہوتے۔ عرب کی قوم کئی پُشتوں تک کینہ رکھنے والی تھی۔ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جب اُن پر غلبہ پایا تو باوجود اس قدر دُکھوں کے جو اُن سے اُٹھائے تھے سب کو معاف کر دیا۔ دنیوی حکومت رحم نہیں کر سکتی۔ انگریزوں نے باغیوں کو کس طرح پھانسی دیا اور قتل کیا تھا مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے سب باغیوں کو یکدفعہ معاف کر دیا۔ کسی نبی کو ایسی پوری کامیابی نہیں ہوئی جیسی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ہوئی۔ حضرت موسیٰ اپنے وعدہ کی زمین تک نہ پہنچ سکے اور راستہ میں ہی فوت ہو گئے اور ان کے ساتھیوں نے کہا کہ اے موسیٰ تو اور تیرا خدا جا کر مخالفوں سے جا کر لڑو ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔ مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے کہا کہ ہم تیرے ساتھ چلیں گے اگرچہ سمندر میں گریں اور قتل کئے جائیں۔

قاعدہ ہے کہ نبی کا پرتو اُمت پر بھی پڑتا ہے۔ جب اُستاد کامل ہوتا ہے ایسے ہی شاگرد بھی بنتے ہیں۔ جیسے حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی شجاعت، افعال و اعمال اور کامیابی کی نظیر نہیں ویسے ہی صحابہؓ کی بھی نظیر نہیں۔ صحابہؓ باوجود قلیل ہونے کے جدھر جاتے فتح پاتے صحابہ ایسے تھے جیسے کسی برتن کو دھو کر بالکل صاف ستھرا کر دیا جاتا ہے اور اس میں کسی قسم کی آلائش کا شائبہ نہیں رہتا۔ اُن کی ایسی محنت اور اخلاص تھا تو خدا تعالیٰ نے پھر بدلہ بھی ایسا دیا۔ حضرت ابوبکرؓ کو آنحضرت کا خلیفہ بنایا۔

اس جگہ شیعوں نے بڑی غلطی کھائی ہے کہ خلافت کا حق حضرت علیؓ کو تھا۔ بدقسمت نہیں دیکھتے کہ خدا تعالیٰ نے کیا فیصلہ کیا جو وقت وعدوں کے پورا ہونے کا تھا۔ اس وقت خدا نے ایک منافق اور اہل بیت کے دشمن کو کیوں گدی پر بٹھا دیا۔ میں جانتا ہوں کہ اس قوم نے بھی عیسائیوں کی طرح ایک غلو کیا ہے اور اس غلو کا باعث اصلی نامرادی ہے جو ابتدا میں حاصل ہوئی۔ جو لوگ یہ خیال کرتے تھے کہ یسوع کو ظاہری بادشاہت حاصل ہو گی ان کو جب اس معاملہ میں ناکامی حاصل ہوئی تو انہوں نے یسوع کی صفت میں غلو کر کے یسوع کو خدا ہی بنا دیا ایسا ہی قوم شیعہ بھی حضرت علیؓ کو وہ درجہ دیتی ہے جو خدا نے نہ چاہا کہ اُن کو دے۔ خدا تعالیٰ کا معاملہ ہر ایک کے ساتھ اس کے دل کی حالت کے مطابق ہوتا ہے۔ اگر اُن کے پاس نورِ ایمان ہوتا تو ایسی بات نہ بولتے۔ کیا اس وقت خدا کمزور تھا اور وہ بدلہ نہ لے سکتا تھا یا خدا پالیسی باز تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کو طاقتور دیکھ کر خاموش رہا۔

(بدر جلد ۱ نمبر ۹ صفحہ ۲ مورخہ یکم جون ۱۹۰۵ء)

---

## ۳؍جون ۱۹۰۵ء

عاجز راقم[1] کی لڑکی سعیدہ بیگم بعمر تین سال آٹھ ماہ بعارضہ ام الصبیان فوت ہوئی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بمع جماعت باغ میں جنازہ پڑھا اور مجھے مخاطب کر کے فرمایا:۔

اولاد جو پہلے مرتی ہے وہ فرط ہوتی ہے۔ حضرت عائشہؓ نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کی تھی کہ جس کی کوئی اولاد نہیں مرتی وہ کیا کرے گا؟ فرمایا میں اپنی امت کا فرط ہوں۔

فرمایا:۔

آپ صبر کریں۔ اللہ تعالیٰ نے چاہے گا تو اس کے عوض میں لڑکا دے گا۔ صبر تو خواہ مخواہ

---

[1] حضرت مفتی محمد صادق صاحب رضی اللہ عنہ (مرتب)

ہی کرنا پڑتا ہے۔ لڑکیوں کے معاملات بھی مشکل ہوتے ہیں۔ اَلخَیرُ فی ما وقع۔

---

فرمایا:-

لفظ انشاء اللہ تعالیٰ کہنے میں انسان اپنی کمزوری کا اظہار کرتا ہے کہ میں تو چاہتا ہوں کہ یہ کام کروں لیکن خدا تعالیٰ نے توفیق دی تو امید ہے کہ کر سکوں گا۔

---

فرمایا:-

جس طرح بہت دھوپ کے ساتھ آسمان پر بادل جمع ہو جاتے ہیں اور بارش کا وقت آجاتا ہے۔ ایسا ہی انسان کی دعائیں ایک حرارت ایمانی پیدا کرتی ہیں اور پھر کام بن جاتا ہے۔ نماز وہ ہے جس میں سوزش اور گدازش کے ساتھ اور آداب کے ساتھ انسان خدا تعالیٰ کے حضور میں کھڑا ہوتا ہے۔ جب انسان بندہ ہو کر لاپرواہی کرتا ہے تو خدا کی ذات بھی غنی ہے۔ ہر ایک اُمت اس وقت تک قائم رہتی ہے جب تک اس میں توجہ الی اللہ قائم رہتی ہے۔ ایمان کی جڑ بھی نماز ہے۔ بعض بیوقوف کہتے ہیں کہ خدا کو ہماری نمازوں کی کیا حاجت ہے۔ اے نادانو۔ خدا کو حاجت نہیں مگر تم کو تو حاجت ہے کہ خدا تعالیٰ تمہاری طرف توجہ کرے۔ خدا کی توجہ سے بگڑے ہوئے کام سب درست ہو جاتے ہیں۔ نماز ہزاروں خطاؤں کو دور کر دیتی ہے اور ذریعہ حصول قرب الٰہی ہے۔

---

فرمایا:-

یہ اخبار (الحکم و بدر) ہمارے دو بازو ہیں۔ الہامات کو فوراً ملکوں میں شائع کرتے ہیں اور گواہ بنتے ہیں۔

---

فرمایا:-

روزہ اور نماز ہر دو عبادتیں ہیں۔ روزے کا زور جسم پر ہے اور نماز کا زور رُوح پر ہے نماز سے ایک سوز و گداز پیدا ہوتا ہے۔ اس واسطے وہ افضل ہے۔ روزے سے کشوف پیدا ہوتے ہیں مگر یہ کیفیت بعض دفعہ جوگیوں میں بھی پیدا ہو سکتی ہے لیکن روحانی گدازش جو دعاؤں سے پیدا ہوتی ہے۔ اس میں کوئی شامل نہیں۔

(بدر جلد ۱ نمبر ۱۰ صفحہ ۲ مورخہ ۸ جون ۱۹۰۵ء)

---

## ۱۱ جون ۱۹۰۵ء

فرمایا۔

ایک شخص نے اعتراض کیا ہے کہ زلزلے کے واسطے جب تک تاریخ نہ ہو تب تک یہ پیشگوئی کچھ نہیں۔ فرمایا

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق فرمایا ہے کہ بغتۃً یعنی یہ واقعہ اچانک ہونے والا ہے جبکہ کسی کو بھی خبر نہ ہوگی۔ اس واسطے اب تاریخ کا سوال بے فائدہ ہے اللہ تعالےٰ اگر تاریخ بتلا دے تو یہ امر پہلے الہام کے مخالف ہوگا۔

علاوہ اس کے خدا تعالےٰ چاہتا ہے کہ نیکوں کو بچائے اور بدوں کو ہلاک کرے اگر وقت اور تاریخ بتلائی جائے تو ہر ایک شریر سے شریر اپنے واسطے بچاؤ کا سامان کر سکتا ہے اگر وقت کے نہ بتلانے سے پیشگوئی قابل اعتراض ہو جاتی ہے تو پھر تو قرآن شریف کی پیشگوئیوں کا بھی یہی حال ہے۔ وہاں بھی اس قسم کے لوگوں نے اعتراض کیا تھا کہ متیٰ ھٰذا الوعد یہ وعدہ کب پورا ہوگا۔ ہمیں وقت اور تاریخ بتلاؤ۔ مگر بات یہ ہے کہ وعید کی پیشگوئیوں میں تعین نہیں ہوتا ورنہ کافر بھی بھاگ کر بچ جائے۔

فرمایا:۔

ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ حوادث اور زلزلے تو آیا ہی کرتے ہیں پھر یہ پیشگوئی کیا

ہوئی۔ قیامت تک زلزلہ اور حادثہ تو کوئی نہ کوئی آتے ہی گا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس پیشگوئی میں صریح الفاظ ہیں کہ یہ امر ہماری تائید میں اور ہماری زندگی میں ہونے والا ہے جس کو اس زمانہ کے لوگ دیکھیں گے اور پھر تخصیص یہ ہے کہ یہ حادثہ ایسا سخت ہو گا جس کو نہ کسی نے پہلے دیکھا نہ سُنا۔

فرمایا:-

ایک اور اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ عَفَتِ الدّیارُ محلّھا و مقامھا ایک کافر کا شعر ہے جو آپ کو الہام ہُوا۔ تو پھر یہ معجزہ کس طرح ہُوا؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اوّل تو خود قرآن شریف کی آیات مثلاً فتبارک اللہ احسن الخالقین[1] قبل وحی قرآن کے دوسروں کے منہ پر یہ الفاظ جاری تھے۔ چنانچہ یہی بات اُن بدبختوں کے واسطے موجب ارتداد ہوئی۔ دوم یہ الفاظ جس شاعر کے ہیں وہ کافر نہ تھا بلکہ مسلمان ہو گیا تھا۔ سوم۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ الفاظ جب تک ایک شاعر کے شعر کے طور پر تھے تب تک اُن میں کوئی معجزہ نہ تھا لیکن جب خدا تعالیٰ نے اپنی وحی کے لئے اُن کو استعمال فرمایا تب یہ معجزہ بن گئے۔ پہلے تو یہ ایک گذشتہ قصہ تھا مگر اب کلام الٰہی اور ایک پیشگوئی اور معجزہ بن گیا۔

---

فرمایا:-

کتاب براہین احمدیہ حصہ پنجم میں مَیں کچھ اشعار لکھ رہا تھا اور گھر سے قریب ہی سوئے ہوئے تھے کہ اچانک وہ اُٹھے اور ان کی زبان پر یہ الفاظ جاری تھے ؎

صوفیا سب ہیچ ہے تیری تراہ تیری تراہ

ہم نے اس الہامی مصرعہ کو بھی ان اشعار کے درمیان درج کر دیا ہے۔

---

کسی نے ذکر کیا کہ عیسائیوں نے تثلیث پر چند نئے رسالے لکھے ہیں اور اب تثلیث

[1] المؤمنون : ۱۵

کا نام ثالوث رکھا ہے۔ فرمایا:۔

یہ زمانہ ہی ان کے ثالوث کا فیصلہ کر جائیگا

---

کچھ تبرکات کا ذکر تھا۔ فرمایا:۔

تبرکات کا ہونا مسلمانوں کے آثار میں پایا جاتا ہے۔ رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر کے بال ایک شخص کو دئے تھے۔ ہمیں الہام ہُوا ہے کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔

(بدر جلد ۱ نمبر ۱ صفحہ ۲ مورخہ ۸ جون ۱۹۰۵ء)

---

## ۱۳ جون ۱۹۰۵ء

قاضی غلام حسین صاحب وٹرنری اسسٹنٹ حصار حاضر خدمت ہوئے۔ چند روز ہوئے قاضی صاحب کا لڑکا چند روز کی عمر پا کر فوت ہو چکا ہے۔ اس پر فرمایا:۔

جو بچہ مر جاتا ہے وہ فرط ہے۔ انسان کو عاقبت کے لئے بھی کچھ ذخیرہ چاہیئے۔ میں لوگوں کی خواہش اولاد پر تعجب کیا کرتا ہوں۔ کون جانتا ہے اولاد کیسی ہوگی۔ اگر صالح ہو تو انسان کو دنیا میں کچھ فائدہ دے سکتی ہے اور پھر مستجاب الدعوات ہو تو عاقبت میں بھی فائدہ دے سکتی ہے۔ اکثر لوگ تو سوچتے ہی نہیں کہ اُن کو اولاد کی خواہش کیوں ہے اور جو سوچتے ہیں وہ اپنی خواہش کو یہاں تک محدود رکھتے ہیں کہ ہمارے مال و دولت کا وارث ہو اور دنیا میں بڑا آدمی بن جائے۔ اولاد کی خواہش صرف اس نیت سے درست ہو سکتی ہے کہ کوئی ولد صالح پیدا ہو جو بندگان خدا میں سے ہو لیکن جو لوگ آپ ہی دنیا میں غرق ہوں وہ ایسی نیت کہاں سے پیدا کر سکتے ہیں۔ انسان کو چاہیئے کہ خدا سے فضل مانگتا رہے تو اللہ تعالیٰ رحیم و کریم ہے۔ نیت صحیح پیدا کرنی چاہیئے ورنہ اولاد ہی عبث ہے۔ دنیا میں ایک بے معنی رسم چلی آتی ہے کہ لوگ اولاد

مانگتے ہیں اور پھر اولاد سے دکھ اٹھاتے ہیں۔ دیکھو حضرت نوح کا لڑکا تھا کس کام آیا۔ اصل بات یہ ہے کہ انسان جو اس قدر مرادیں مدنظر رکھتا ہے اگر اس کی حالت اللہ تعالیٰ کی مرضی کے موافق ہو تو خدا اس کی مرادوں کو خود پوری کر دیتا ہے اور جو کام مرضی الٰہی کے مطابق نہ ہوں ان میں انسان کو چاہیئے کہ خود خدا تعالیٰ کے ساتھ موافقت کرے۔

---

ایک بیمار اور اس کے علاج کا ذکر تھا۔ فرمایا :-

ہر ایک مرض اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلط ہوتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ مرض ہٹ جاتا ہے۔

---

ایک مد کے متعلق فنڈ کا تذکرہ تھا۔ فرمایا :-

خدا تعالیٰ سمیع و علیم ہے۔ اس سے دعا کرتے رہو۔ خدا تعالیٰ برکت دے گا۔ اس رمز کا سمجھنا ایمانداری ہے۔

(بدر جلد ۱ نمبر ۱۱ صفحہ ۲ مورخہ ۱۵ جون ۱۹۰۵ء)

---

## ۱۴ جون ۱۹۰۵ء

ایک شخص بیمار ملنے کے واسطے آیا اس کے معالجہ کا ذکر تھا۔ فرمایا :-

خدا تعالیٰ کے نزدیک کوئی بات انہونی نہیں ہے۔ میر صاحب کا لڑکا محمد اسحاق سخت بیمار ہوا۔ ڈاکٹر نے مایوسی ظاہر کی۔ ہم نے دعا کی۔ الہام ہوا

سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ

پر خدا کا رحم ہے کوئی بھی اُسے ڈر نہیں۔ دنیا سرائے فانی ہے اور معمولی موت فوت لگی ہوئی ہے۔ خدا تعالیٰ اس کی پروا نہیں کرتا لیکن جہاں کوئی پیچ پڑ جاتا ہے اور دین پر اعتراض وارد ہوتا

ہے وہاں تو خدا تعالیٰ اپنا قانون بھی بدل دیتا ہے اور معجزہ نمائی کرتا ہے۔ یوں تو مرنا کوئی حرج یا دُکھ کی بات نہیں جن کو ہم کہتے ہیں کہ مرگیا ہے وہ دوسرے جہان میں چلا جاتا ہے۔ اور وہ جہان نیک آدمیوں کے لئے بہت عمدہ ہے مگر جہاں کوئی اعتراض دین کے لئے مزاحم ہوتا ہے وہاں خدا تعالیٰ عجائبات ظاہر کرتا ہے۔ دنیوی حکام بھی ایسا کرتے ہیں کہ کسی اہم ملکی ضرورت کے وقت قانون کی بھی پروا نہیں کرتے۔ خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں سب کچھ ہے۔ اس نے دو گھر بنائے ہیں۔ ادھر سے اُٹھا کر اُدھر آباد کر دیتا ہے۔

---

طب اور معالجات کا تذکرہ تھا۔ فرمایا :-

## طب ماتحت حکم خدا

یہ سب ظنّی باتیں ہیں۔ علاج وہی ہے جو خدا تعالیٰ نے اندر ہی اندر کر دیتا ہے جو ڈاکٹر کہتا ہے کہ یہ علاج یقینی ہے وہ اپنے مرتبہ اور حیثیت سے آگے بڑھ کر قدم رکھتا ہے۔ بقراط نے لکھا ہے کہ میرے پاس ایک دفعہ ایک بیمار آیا۔ میں نے بعد دیکھنے حالات کے حکم لگایا کہ یہ ایک ہفتہ کے بعد مر جائے گا۔ تیس سال کے بعد میں نے اس کو زندہ پایا۔

بعض ادویہ کو بعض طبائع کے ساتھ مناسبت ہوتی ہے۔ اسی بیماری میں ایک کے واسطے ایک دوا مفید پڑتی ہے اور دوسرے کے واسطے ضرر رساں ہوتی ہے۔ جب بُرے دن ہوں تو مرض سمجھ میں نہیں آتا۔ اور اگر مرض سمجھ میں آجائے تو پھر علاج نہیں سوجھتا۔ اسی واسطے مسلمان جب ان علوم کے وارث ہوئے تو اُنہوں نے ہر امر میں ایک بات بڑھائی۔ نبض دیکھنے کے وقت سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا[1] کہنا شروع کیا اور نسخہ لکھنے کے وقت ھو الشافی لکھنا شروع کیا۔

---

حضرت کی خدمت میں مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے نے پالم پور کے ایک انگریز

[1] البقرۃ: ۳۳

کا خط پڑھ کر سُنایا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ مجھے اسلام کے ساتھ دلچسپی ہے اور آپ کے رسالہ میں جیسی اسلام کی تائید ہے ایسی میں نے کہیں نہیں دیکھی۔

(بدر جلد ۱ نمبر ۱۱ صفحہ ۲ مورخہ ۱۵ جون ۱۹۰۵ء)

---

## ۱۷ جون ۱۹۰۵ء

ذکر آیا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ میں بھی تابعین میں سے ہوں کیونکہ ایک جس نے زمانہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا پایا تھا۔ میں نے اس سے ملاقات کی۔ فرمایا اس سے بہتر کشفِ صحیح ہے جو بیداری کا حکم رکھتا ہے جو لوگ بذریعہ کشف صحیح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل کرتے ہیں وہ اصحاب میں سے ہیں۔

(بدر جلد ۱ نمبر ۱۱ صفحہ ۲ مورخہ ۱۵[1] جون ۱۹۰۵ء)

---

## ۲۶ جون ۱۹۰۵ء

ایک دوست[2] نے تحریک کی کہ جاپان میں تہذیب کی بہت ترقی ہوئی ہے اور عیسائی لوگ اس بات کی کوشش کر رہے ہیں کہ تمام جاپانی عیسائی ہو جائیں۔ آریوں نے بھی لاہور میں جاپانی زبان سیکھنے کے واسطے ایک مدرسہ قائم کیا ہے اور جاپان میں کئی آدمی بھیجے ہیں۔ اگر مناسب ہو تو سلسلہ حقہ کی اس ملک میں اشاعت کے واسطے تجویز کی جائے۔ اس پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:-

ہر نبی اور رسُول کا آخری زمانہ اس کے سلسلہ کی نصرت کا وقت ہوتا ہے۔ آنحضرت

---

[1] معلوم ہوتا ہے بدر کا یہ نمبر جس پر ۱۵ جون ۱۹۰۵ء کی تاریخ درج ہے، ۱۷ جون ۱۹۰۵ء کے بعد شائع ہوا ہے کیونکہ ۱۷ جون کی ڈائری اس میں درج ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (مرتب)

[2] الحکم نے لکھا ہے کہ خواجہ کمال الدین صاحب وکیل نے یہ ذکر کیا تھا (الحکم جلد ۹ نمبر ۲۲ صفحہ ۱۰) (مرتب)

صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ نبوت کا پہلا بہت سا حصہ مصائب اور تکالیف میں گذرا تھا اور فتوحات اور نصرت کا زمانہ آپ کی عمر کا آخری حصہ ہی تھا۔ ہم بھی اپنی عمر کا بہت سا حصہ طے کر چکے ہیں۔ ۱۹۰۵ء
اور زندگی کا کوئی اعتبار نہیں۔ اب خدا کے وعدوں کے پورا ہونے کے دن ہیں۔ ہماری حالت وہ ہے کہ عدالت میں مدت سے کسی کا مقدمہ پیش ہے اور اب فیصلہ کے دن قریب ہیں۔ ہمیں مناسب نہیں کہ اور طرف توجہ کر کے اس فیصلہ میں گڑبڑ ڈال دیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ اب اس فیصلہ کو دیکھ لیں۔ اس ملک میں جو جماعت تیار ہوئی ہے ابھی تک وہ بھی بہت کمزور ہے۔ بعض ذرا سے ابتلا سے ڈر جاتے ہیں اور لوگوں کے سامنے انکار کر دیتے ہیں اور پھر بعد میں ہم کو خط لکھتے ہیں کہ ہمارا انکار دلی نہیں ہے۔ گو ایسے لوگ اس آیت کی ذیل میں آجاتے ہیں۔ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ[۱]۔ تاہم جن کے دلوں میں حلاوتِ ایمانی پورے طور سے بیٹھ جائے وہ ایسا فعل نہیں کر سکتے۔ فی الحال موجودہ معاملات میں ہی توجہ اور دعا کی بہت ضرورت ہے اور ہم خدا پر بھروسہ رکھتے ہیں کہ اب معاملہ دور جانے والا نہیں۔ ایسے معاملات میں آریوں کے ساتھ ہماری کوئی مناسبت نہیں ہو سکتی۔ وہ قوم کو بڑھانا چاہتے ہیں اور ہم دنیا میں تقویٰ اور نیکی کو قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اگر ہم آریوں کی نقل کرنا چاہیں تو ان کی پیروی ہمارے لئے منحوس ہوگی۔ اور ہم کو وحی کرنے والے گویا وہی ٹھہریں گے۔ اگر خدا تعالےٰ جاپانی قوم میں کسی تحریک کی ضرورت سمجھے گا تو خود ہم کو اطلاع دے گا۔ عوام کے واسطے امور پیش آمدہ میں استخارہ ہوتا ہے اور ہمارے واسطے استخارہ نہیں۔ جب تک پہلے سے خدا تعالےٰ کا منشا رنہ ہو ہم کسی امر کی طرف توجہ کر ہی نہیں سکتے۔ ہمارا دار و مدار خدا تعالیٰ کے حکم پر ہے۔ انسان کی اپنی کی ہوئی بات میں اکثر ناکامی ہی حاصل ہوتی ہے۔ اگر خدا تعالےٰ چاہے گا تو اس ملک میں طالبِ اسلام پیدا کر دے گا جو خود ہماری طرف توجہ کرے گا۔ اب آخری زمانہ ہے۔ ہم فیصلہ سننے کے انتظار میں ہیں۔ ہاں سب سے زیادہ ضروری بات یہ ہے کہ میں اپنی جماعت کے سب لوگوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ یہ دن بہت نازک ہیں۔ خدا سے ہراساں و ترساں

[۱] النحل : ۱۰۷

رہو۔ایسا نہ ہو کہ سب کیا ہوا برباد ہو جاوے۔ اگر تم دوسرے لوگوں کی طرح بنو گے تو خدا تعالیٰ تم میں اور ان میں کچھ فرق نہ کرے گا۔ اور اگر تم خود اپنے اندر نمایاں فرق پیدا نہ کرو گے تو پھر خدا تعالیٰ بھی تمہارے لئے کچھ فرق نہ رکھے گا۔ عمدہ انسان وہ ہے جو خدا تعالیٰ کی مرضی کے مطابق چلے۔ ایسا انسان ایک بھی ہو تو اس کی خاطر ضرورت پڑنے پر خدا تعالیٰ ساری دنیا کو بھی غرق کر دیتا ہے لیکن اگر ظاہر کچھ اَور ہو اور باطن کچھ اَور تو ایسا انسان منافق ہے اور منافق کافر سے بدتر ہے سب سے پہلے دلوں کی تطہیر کرو۔ مجھے سب سے زیادہ اس بات کا خوف ہے۔ ہم نہ تلوار سے بیعت سکتے ہیں اور نہ کسی اَور قوت سے۔ ہمارا ہتھیار صرف دعا ہے اور دلوں کی پاکیزگی۔ اگر ہم اپنے آپ کو درست نہ کریں گے تو ہم سب سے پہلے ہلاک ہوں گے۔ اگر خدا نہ چاہے تو جاپان میں کیا رکھا ہے؟ ہاں زبان سیکھنے میں کوئی حرج نہیں، داشتہ آید بکار۔ اگر ہمیں خدا کا حکم ہو تو بغیر زبان سیکھنے کے آج ہی چل پڑیں۔ ہم ایسے معاملات میں کسی مشورہ پر نہیں چل سکتے۔ خدا کے منشا کے قدم بقدم چلنا ہمارا کام ہے۔

(بدر جلد ۱ نمبر ۱۳ صفحہ ۲ مورخہ ۲۹ جون ۱۹۰۵ء)

## یکم جولائی ۱۹۰۵ء

کچھ بیماریوں کا ذکر تھا۔ فرمایا:-

میرا مذہب بیماریوں کے دعا کے ذریعہ سے شفا کے متعلق ایسا ہے کہ جتنا میرے دل میں ہے اتنا میں ظاہر نہیں کر سکتا۔ طبیب ایک حد تک چل کر ٹھہر جاتا ہے اور مایوس ہو جاتا ہے مگر اس کے آگے خدا تعالیٰ نے دعا کے ذریعہ سے راہ کھول دیتا ہے۔[1] خداشناسی اور

[1] بدر میں ہے "ہمارا تو اصل مذہب یہی ہے کہ اگر تمام دُنیا کے طبیب نا امید ہو جائیں اور موت کا فتویٰ لگائیں پھر بھی رُوحانی اسباب کے میسّر آنے پر اور کافی توجہ کے پیدا ہونے پر دعا قبول ہو کر شفا ہو جاتی ہے۔" (بدر جلد ۱ نمبر ۱۴ صفحہ ۲ مورخہ ۶ جولائی ۱۹۰۵ء)

خدا تعالیٰ پر توکل اسی کا نام ہے کہ جو حدیں لوگوں نے مقرر کی ہوئی ہیں اُن سے آگے بڑھ کر رجا پیدا ہو ورنہ اس میں تو آدمی زندہ ہی مر جاتا ہے۔ اس جگہ سے اللہ تعالیٰ کی شناخت شروع ہو جاتی ہے۔ مجھے ایسے معاملات میں مولوی رُومی کا یہ شعر بہت پسند آیا ہے ؎

اے کہ خواندی حکمتِ یونانیاں

حکمتِ ایمانیاں را ہم بخواں

عام لوگوں کے نزدیک جب کوئی معاملہ یاس کی حالت تک پہنچ جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ اندر ہی اندر تصرفات شروع کرتا ہے اور معاملہ صاف ہو جاتا ہے۔

دُعا کے واسطے بہت لوگوں کے خطوط آتے ہیں۔ ہر ایک کے لئے جو دعا کے واسطے لکھتا ہے دُعا کرتا ہوں۔ لیکن اکثر لوگ دعا کی فلاسفی سے ناواقف ہیں اور نہیں جانتے کہ دُعا کے ٹھیک ٹھکانہ پر پہنچنے کے واسطے کس قدر توجہ اور محنت درکار ہے۔[۱] در اصل دعا کرنا ایک قسم کی موت کا اختیار کرنا ہوتا ہے۔

(الحکم جلد ۹ نمبر ۲۴ صفحہ ۱۰ مورخہ ۱۰ جولائی ۱۹۰۵ء)

---

## ۴ جولائی ۱۹۰۵ء

عاجز[۲] نے ایک اخبار ولایت کا پیش کیا جس میں عیسویت پر کچھ لے دے کی ہوئی تھی فرمایا

---

[۱] بدر سے:۔ "مگر ہم اس معاملہ میں لاچار ہیں کہ ایسی توجہ پیدا ہو جائے یہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ توفیق سے ہو سکتا ہے۔ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی دعائیں قبول ہوتی تھیں۔ لیکن اصحاب میں سے ایک نوجوان تازہ شادی کردہ جب سانپ سے ڈسا جا کر مر گیا۔ اور دوسروں نے عرض بھی کی کہ اس کے واسطے دعا کی جائے تو آپ نے فرمایا کہ جاؤ۔ اپنے بھائی کو دفن کر دو۔ لوگ دعا کے اصل راز کو نہیں سمجھتے۔" (بدر جلد [illegible] نمبر [illegible] صفحہ ۱۰ جولائی ۱۹۰۵ء)

[۲] حاشیہ۔ حضرت مفتی محمد صادق صاحب رضی اللہ عنہ (مرتب)

عیسائیت تو خود بخود مٹتی جاتی ہے لیکن بڑا فتنہ اس زمانہ کا دہریت والی سائنس ہے خدانخواستہ اگر اس کو دیر پا مہلت مل گئی تو پھر ساری دنیا دہریہ ہونے کو آمادہ ہو جائے گی۔ سائنس کا اور مذہب کا اس وقت مقابلہ ہے۔ عیسویت ایک کمزور مذہب ہے اس واسطے سائنس کے آگے فوراً گر گیا ہے لیکن اسلام بڑا قتور ہے۔ یہ اس پر غالب آئے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ

(بدر جلد ۱ نمبر ۱۴ صفحہ ۲ مورخہ ۶ر جولائی ۱۹۰۵ء)

---

۶ر جولائی ۱۹۰۵ء

فرمایا:۔

جب خدا تعالیٰ کے ساتھ انسان اپنا معاملہ درست کرتا ہے تو خدا تعالیٰ اس پر نعمت وارد کرتا ہے ورنہ جھوٹے پر لعنت کی مار پڑتی ہے۔ جھوٹا فلسفہ اور طبعی علوم ہمیشہ سے چلے آتے ہیں مگر ان سے خدا نہیں پہچانا جا سکتا۔

---

ایک آریہ مخاطب تھا۔ فرمایا:۔

خدا تعالیٰ سب کا خالق ہے اور وہ ہمیشہ سے خالق ہے۔ قرآن شریف سے بھی ثابت ہوتا ہے اور اسلام کا یہی مذہب ہے کہ "لم یزل خالقاً" مگر اس کا خلق ہمیشہ ایک قسم کا نہیں کہ ہم کہیں کہ انسان ہی پیدا ہوتے رہے یا بندر ہی پیدا ہوتے رہے بلکہ وہ ہمیشہ سے گوناگوں خلقت کا خالق ہے جس کی حد ہم نہیں پا سکتے۔ جس طرح خالق ازلی ہے اس کی پیدائش بھی ازلی ہے۔

آریہ نے سوال کیا کہ اسلام کے مطابق تو دنیا آدم سے شروع ہوئی یعنی چھ ہزار سال سے

حضرت نے فرمایا:۔

یہ غلط ہے۔ اسلام اور قرآن شریف کا یہ مذہب نہیں کہ دُنیا چھ ہزار سال سے ہے

یہ تو عیسائی لوگوں کا عقیدہ ہے مگر قرآن شریف میں تو خدا تعالیٰ نے آدم کے متعلق فرمایا ہے اِنّی جاعلٌ فی الارض خلیفۃً۔[1] اب ظاہر ہے کہ خلیفہ اس کو کہتے ہیں کہ جو کسی کے پیچھے آوے اور اس کا جانشین ہو جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آدم سے پہلے بھی مخلوق تھی۔ آدم اس اس کا قائمقام اور جانشین ہوا۔

میں یہ نہیں قبول کر سکتا کہ انسان بار بار کُتے۔ بلے اور سُور بنتا رہتا ہے نہ میں یہ قبول کر سکتا ہوں کہ کوئی انسان ہمیشہ کے لئے دوزخ میں رہے گا۔ خدا تعالےٰ رحیم و کریم ہے۔ میں اس خدا کو جانتا ہوں کہ جب انسان اس کے سامنے پاک دل کے ساتھ سچی صلح کے واسطے آتا ہے تو وہ اس کے گناہوں کو بخش دیتا ہے اور اس پر رحم کرتا ہے۔ جو پوری قربانی دیتا ہے اور اپنی زندگی خدا تعالےٰ کے ہاتھ میں دے دیتا ہے خدا تعالیٰ ضرور اُسے قبول کر لیتا ہے۔ بندر اور سؤر بننے کا عقیدہ تو انسان کی کمر توڑ دیتا ہے۔ مسلمان ہونے کے یہ معنے ہیں کہ انسان اپنی تمام عملی اور اعتقادی غلطیوں سے دست بردار ہو جائے۔

(بدر جلد ۱ نمبر ۱۴ صفحہ ۲ مورخہ ۶ جولائی ۱۹۰۵ء)

---

## ۲۰ جولائی ۱۹۰۵ء

مولوی عبدالکریم صاحب نے اپنا ایک خواب عرض کیا کہ میرے کپڑے کو ایسا معلوم ہوا کہ گویا آگ لگ گئی ہے پانی ڈالا تو کپڑا بالکل صاف نکل آیا گویا اس کو کچھ آنچ نہ پہنچی تھی۔ فقط۔ مولوی صاحب کے والد صاحب بیمار ہیں۔

حضرت نے فرمایا:۔

ان کی صحت کی طرف اشارہ ہے

(بدر جلد ۱ نمبر ۱۶ صفحہ ۳ مورخہ ۲۰ جولائی ۱۹۰۵ء)

---

[1] البقرۃ : ۳۱

## ۲۲ جولائی ۱۹۰۵ء

خانصاحب ذوالفقار علی خان کی زوجہ کلاں کی وفات کا ذکر آیا۔ عاجز* کو حکم دیا کہ ہماری طرف سے اُن کو تعزیت نامہ لکھ دیں کہ

صبر کریں۔ موت فوت کا سلسلہ دنیا میں لگا ہوا ہے۔ صبر کے ساتھ اجر ہے۔

فرمایا:-

قبولیت دعا حق ہے لیکن دعا نے کبھی سلسلہ موت فوت کو بند نہیں کر دیا۔ تمام انبیاء کے زمانہ میں یہی حال ہوتا رہا ہے۔ وہ لوگ بڑے نادان ہیں جو اپنے ایمان کو اس شرط سے مشروط کرتے ہیں کہ ہماری دعا قبول ہو اور ہماری خواہش پوری ہو۔ ایسے لوگوں کے متعلق قرآن شریف میں آیا ہے وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ِۨاطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ِۨانْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ[1]۔ بعض لوگ ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت ایک کنارے پر کھڑے ہو کر کرتے ہیں۔ اگر اس کو بھلائی پہنچے تو اس کو اطمینان ہو جاتا ہے اور اگر کوئی فتنہ پہنچے تو منہ پھیر لیتا ہے۔ ایسے لوگوں کو دنیا اور آخرت کا نقصان ہے اور یہ نقصان ظاہر ہے۔

فرمایا۔ صحابہ بھی بیوی بچوں والے تھے اور سلسلہ بیماری اور موت فوت کا بھی ان کے درمیان جاری تھا۔ لیکن ان میں ہم کوئی ایسی شکایت نہیں سُنتے جیسے کہ اس زمانہ کے بعض نادان شکایت کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صحابہ دنیا کی محبت کو طلاق دے چکے تھے۔ وہ ہر وقت مرنے کے لئے تیار تھے تو پھر بیوی بچوں کی ان کو کیا پروا تھی۔ وہ ایسے امور کے واسطے کبھی دعائیں نہ کرواتے تھے اور اسی واسطے ان میں کبھی ایسی شکائتیں بھی نہ پیدا ہوتی تھیں۔ وہ دین کی راہ میں اپنے آپ کو قربان کر چکے ہوئے تھے۔

(بدر جلد ۱ نمبر ۱۶ صفحہ ۳ مورخہ ۲۰ جولائی ۱۹۰۵ء)

* حاشیہ:- حضرت مفتی محمد صادق صاحب رضی اللہ عنہ (مرتب)

[1] الحج: ۱۲

## ۲۴؍جولائی ۱۹۰۵ء

پشاور کے دو دوست پیش ہوئے۔ ان کے متعلق ذکر ہوا کہ مخالفین نے ان کو بہت ہی دُکھ دیا ہے۔ فرمایا:۔

صبر کرنا چاہیئے۔ ایسے موقعہ پر صبر کرنے سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے۔

(بدر جلد ۱ نمبر ۱۶ صفحہ ۳ مورخہ ۲۰؍جولائی ۱۹۰۵ء)[1]

---

## حضرت خلیفۃ اللہ علیہ السلام کی پُردرد بات

پرسوں[2] میں نے ایک دوست کی نسبت عرض کیا کہ بعض ابتلاؤں کا اندیشہ زیادہ ہوگیا ہے اور غم و ہم کے اُن کے دل پر غالب آنے کا خوف ہے۔ فرمایا:۔

میں نے دعا تو بہت کی ہے اور التزاماً کرتا ہوں لیکن مجھے بھی یہ فکر رہتی ہے کہ ہر شخص دنیا کے غم و ہم میں گرفتار ہے۔ دین کے غم و ہم کا موقعہ انہیں کب ملے گا۔ اس زندگی میں مصائب کا آنا ضروری ہے اور انسان کی زندگی کے محدود اوقات میں کوئی نہ کوئی وقت کسی حادثہ اور رنج کا نشانہ ہوتا ہے۔ اگر اسی طرح ایک شخص کی رُوح دنیا کے بگڑے ہوئے معاملات کی فکر میں پیچ و تاب کھاتی رہے تو وہ وقت صافی اسے کب میسّر آئے گا جبکہ اس کا سارا غم و ہم دین ہوگا۔ وہ جماعت جس نے بیعت میں اقرار کیا ہے کہ وہ دین کو دنیا پر مقدم رکھیں گے وہ بھی اگر اسی دلدل میں دن رات پھنسے ہیں تو بتائیں وہ اس نازک عہد کے ایفار کی طرف

---

[1] نوٹ:۔ معلوم ہوتا ہے ۲۰؍جولائی کا پرچہ ۲۴؍جولائی کے بعد شائع ہوا ہے کیونکہ اس پرچہ میں ۲۲؍اور ۲۴؍جولائی کی ڈائری شائع ہوئی ہے (مرتب)

[2] نوٹ:۔ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے یہ ملفوظات ۲۶؍جولائی ۱۹۰۵ء کو لکھے جو ۲۷؍جولائی ۱۹۰۵ء کے بدر میں "حضرت خلیفۃ اللہ علیہ السلام کی پُردرد بات" کے عنوان سے شائع ہوئے اس لحاظ سے یہ ۲۴؍جولائی کے بیان فرمودہ ہیں کیونکہ ۲۶ تاریخ کو اگر پرسوں کا حوالہ دیا جائے تو ۲۴ ہی بنتا ہے۔ (مرتب)

کب توجہ فرمائیں گے۔

فرمایا:-

میں تو حلفاً کہہ سکتا ہوں کہ جب سے مجھے ہوش ہے میں دنیا کے ہمّ وغم میں کبھی مبتلا نہیں ہوا۔

فرمایا۔

جب میری عمر غالباً پندرہ برس کی ہوگی ایک کھتری سے میں نے کہا جو حضرت والد صاحب کے حضور میں بیٹھا ہوا اپنی تلخ کامیاں اور نامرادیاں بیان کرتا اور سخت کُڑھ رہا تھا۔ میں نے کہا۔ لوگ دنیا کے لئے کیوں اس قدر دکھ اُٹھاتے اور اس کے غم وہمّ میں گرفتار ہیں۔ اس نے کہا تم ابھی بچّہ ہو جب گرہستی ہوگے تب تمہیں ان باتوں کا پتہ لگے گا۔ فرمایا۔ ایک عرصہ کے بعد جب غالباً میری عمر چالیس کے قریب ہوگی کسی تقریب سے پھر اسی کھتری سے گفتگو کا اتفاق ہوا۔ میں نے کہا۔ اب بتاؤ اب تو میں گرہستی ہوں۔ اس نے کہا تم تو ویسے ہی ہو۔

فرمایا:-

ہر شخص اپنے دل میں جھانک کر دیکھے کہ دین و دنیا میں سے کس کا زیادہ غم اس کے دل پر غالب ہے۔ اگر ہر وقت دل کا رُخ دنیا کے امور کی طرف رہتا ہے تو اُسے بہت فکر کرنی چاہیئے۔ اس لئے کہ کلمات الٰہیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے شخص کی نماز بھی قبول نہیں ہوتی۔

فرمایا۔ کاش لوگوں کی سمجھ میں یہ بات آجاتی کہ جس شخص کا تمام ہمّ وغم دین کے لئے ہوتا ہے اس کے دنیا کے ہمّ وغم کا اللہ تعالیٰ متکفل و متولی ہو جاتا ہے۔ فرمایا۔ میں نے کبھی نہیں سُنا اور نہ کوئی کتاب گواہی دیتی ہے کہ کبھی کوئی نبی بھوکا مرا ہو یا اس کی اولاد دروازوں پر بھیک مانگتی پھرتی ہو۔ ہاں دنیا کے ملوک اور امراء اور اغنیاء کا یہ بُرا حال اکثر سُنا گیا ہے کہ اُن کی اولاد نے دربدر ٹکڑے مانگے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی سنت مستمرہ ہے کہ کبھی کوئی کامل مومن بستر نرم سے خاکستر گرم پر نہیں بیٹھا اور نہ اس کی اولاد کو روزِ بد دیکھنا نصیب ہوا۔ اگر لوگ ان باتوں پر پختہ ایمان لے آئیں اور سچا اور پاک بھروسہ اللہ تعالیٰ پر کرلیں تو ہر قسم کی روحانی خودکشی اور دلی جلن سے رہائی پا جائیں

فرمایا:۔ اکثر لوگوں کو اولاد کی آرزو بھی اس خیال سے لگی رہتی ہے کہ کوئی اُن کی مردار دنیا کا وارث پیدا ہو جائے۔نہیں جانتے کہ اگر وہ بدکار و ناہنجار نکلے تو اُن کا کمایا ہوا روپیہ اور اندوختہ فسق وفجور میں ان کا معاون ہو گا اور ان کی سیاہ کاریوں کا ثواب[1] اُن کے نامہ اعمال میں ثبت ہوتا رہے گا۔ فرمایا۔ اولاد کی آرزو کے لئے حضرت زکریا علیہ السلام کا سا دل درکار ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قرآن کریم میں اس کا ذکر کرنا اس لئے ہے کہ حضرت زکریا کی دُعا ولد صالح کیلئے مومنوں کیلئے اُسوہ ٹھہر جائے۔ فرمایا:۔ زندگی ناقابل اعتبار ہے۔ فرصت بہت کم ہے۔ ہر ایک کو چاہیئے کہ دین کی فکر میں لگ جائے۔ اس سے بہتر نسخہ عمر بڑھانے اور برکت کا نہیں۔

(بدر جلد ۱ نمبر ۱۷ صفحہ ۲ مورخہ ۲۷ جولائی ۱۹۰۵ء)

---

## ۲۶ جولائی ۱۹۰۵ء

### بوقت نماز فجر

آج صبح تین بجے کے قریب زلزلہ کا سخت دھکا لگا۔ صبح کی نماز میں حضرت اقدس تشریف لائے۔ فرمایا:۔

کل میں دُعا کر رہا تھا کہ ایسے لوگ شرارتوں میں بڑھ رہے ہیں اور غفلت نے اُن کے قلوب موٹے کر دیئے ہیں کہ اگر یونہی سکون و قرار رہا تو ان کا استہزاء ترقی کر جائے گا۔ اس سلسلہ کو جاری رہنا چاہیئے۔ فرمایا

اب ان مادہ پرست منکران قدرت الٰہی کا مقابلہ اللہ تعالیٰ سے آپڑا ہے۔ یہ حکم لگاتے ہیں کہ کوئی آفت آنیوالی نہیں۔ آخر میں فرمایا کہ

ہماری جماعت کے لئے اب عمدہ وقت ہے کہ ایک تبدیلی اپنے اندر پیدا کر لیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ بھی اُن کے لئے تبدیلی کرے۔

---

[1] حاشیہ۔ بمعنی اجر۔ بدلہ (مرتب)

فرمایا:-

خدا تعالےٰ کا معاملہ انسان کے ساتھ اس کے گمان اور تبدیلی کے اندازہ پر ہوتا ہے سو خدا تعالےٰ پر نیک گمان رکھو اور دُعا اور امید میں کبھی نہ تھکو اور نہ مایوس ہو۔

---

## كُنْتُ كَنْزاً مَخْفِيًّا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ

ترجمہ۔ میں ایک مخفی خزانہ تھا۔ پھر میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں

فرمایا:-

یہ صفاتِ الٰہیہ کا ظہور ہے کسی زمانہ میں کوئی ایک صفت ظاہر ہوتی ہے اور کسی زمانہ پوشیدہ رہتی ہے جب ایک اصلاح کا زمانہ دُور پڑ جاتا ہے اور لوگوں میں خداشناسی نہیں رہتی تو اللہ تعالےٰ پھر اپنی معرفت کو ظاہر کرنے کے واسطے ایک ایسا آدمی پیدا کرتا ہے۔ جس کے ذریعہ سے اس کی معرفت دنیا میں پھیلتی ہے لیکن جس زمانہ میں وہ مخفی ہوتا ہے اس زمانہ میں عابدوں کی عبادت اور زاہدوں کے زُہد بھی ادھورے اور نکمّے رہ جاتے ہیں۔ یہ الہام براہین احمدیہ میں بھی درج ہے۔ لیکن اب پھر اس کے خاص ظہور کا وقت معلوم ہوتا ہے اس واسطے دوبارہ یہ الہام ہوا ہے۔

---

فرمایا:-

دعا اور توجہ میں ایک رُوحانی اثر ہے جس کو طبعی لوگ جو صرف مادی نظر رکھنے والے ہیں نہیں سمجھ سکتے۔ سُنّت اللہ میں دقیق در دقیق اسباب کا ذخیرہ ہے جو دُعا کے بعد اپنا کام کرتا ہے۔ نیند کے واسطے طبعی اسباب رطوبات کے بیان کئے جاتے ہیں مگر بہت دفعہ آزمائش کی گئی ہے کہ بغیر رطوبات کے اسباب کے ایک نیند سی آجاتی ہے اور ایک حالت طاری ہوتی ہے جس میں سلسلہ الہامات کا وارد ہوتا ہے اور وہ بعض اوقات ایسا لمبا سلسلہ ہوتا ہے

کہ انسان بار بار اپنے رب سے سوال کرتا ہے اور رب جواب دیتا ہے۔ ایسا ہی بعض مادی لوگوں نے چند ظاہر اسباب کو دیکھ کر فتویٰ لگایا گیا ہے کہ اب زلازل کا خاتمہ ہے اور دو سو سال تک یہاں کوئی زلزلہ نہیں آئے گا۔ لیکن یہ لوگ دراصل اللہ تعالیٰ کے باریک رازوں اور اسباب سے بے خبر ہیں۔ وہ ظاہر عالم اسباب کو جانتے ہیں لیکن اس کا ایک باطنی عالم اسباب بھی ہے۔ ؎

فلسفی کو منکر حنانہ است

از حواس اولیاء بیگانہ است

اس جہان کے لوگ جب فتنہ فساد کی کثرت کو دیکھ کر اس کی اصلاح سے عاجز آ جاتے ہیں تب اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو ایسے قویٰ عطا کرتے ہیں جن کی توجہ سے سب کام درست ہو جاتے ہیں یہانتک کہ دعا کے ذریعہ سے عمریں بڑھ جاتی ہیں۔

انبیا خلقت کی ہدایت کے واسطے بہت توجہ کرتے ہیں۔ اسی کی طرف قرآن شریف میں اشارہ ہے کہ لعلك باخعٌ نفسكَ۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مخلوق کی ہدایت کا اس قدر غم تھا کہ قریب تھا کہ اسی میں اپنے آپ کو ہلاک کر دیں۔

ظاہری قیل و قال سے کچھ نہیں ہوتا۔ اندرونی صفائی اور رُوحانیت کی ضرورت ہے۔

(بدر جلد ۱ نمبر ۱۷ صفحہ ۲ مورخہ ۲۷ جولائی ۱۹۰۵ء)

---

## ۲۸ جولائی ۱۹۰۵ء

حضرت مولوی نورالدین صاحب کی زوجہ کلاں جن کا نام فاطمہ تھا۔ بتاریخ ۲۸ جولائی ۱۹۰۵ء بروز جمعہ بعد نماز جمعہ اس دار فانی سے رحلت فرما گئیں۔ . . . مرحومہ کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ سچا اخلاص اور ایمان تھا۔ کہا کرتی تھیں کہ یہ مولوی صاحب کا احسان ہے کہ ہم نے خدا تعالیٰ کے مسیح کو شناخت کر لیا۔ لیکن

اب تو میرے دل میں خدا کے رسول کی اس قدر محبت ہے کہ اگر کوئی بھی اس سے پھر جائے میں اس سے منہ نہیں پھیر سکتی۔

بعد از عصر مرحومہ کا جنازہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بمعہ جماعت کثیر باہر میدان میں پڑھا۔ نماز جنازہ میں دعا کو بہت ہی لمبا کیا۔

قبل از عشاء حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مجلس میں حضرت نے خود ہی مرحومہ کا ذکر کیا۔ فرمایا:۔

"وہ ہمیشہ مجھے کہا کرتی تھیں کہ میرا جنازہ آپ پڑھائیں اور میں نے دل میں پختہ وعدہ کیا ہوا تھا کہ کیسا ہی بارش یا آندھی وغیرہ کا بھی وقت ہو میں ان کا جنازہ پڑھاؤں گا۔ آج اللہ تعالیٰ نے ایسا عمدہ موقعہ دیا کہ طبیعت بھی درست تھی اور وقت بھی صاف میسر آیا اور میں نے خود جنازہ پڑھایا۔"

عاجز[1] نے عرض کی ان کی یہ بھی خواہش تھی کہ میری وفات جمعہ کے دن ہو۔ فرمایا:۔

"ہاں وہ ایسا کہا کرتی تھیں۔ خدا تعالیٰ نے یہ خواہش بھی ان کی پوری کر دی۔ چند روز ہوئے ابھی ہم باغ میں تھے کہ وہ ایک دن سخت بیمار ہو گئیں اور قریب موت کے حالت پہنچ گئی تو کہنے لگیں کہ آج تو منگل ہے اور ہنوز جمعہ دور ہے اور ابھی عبدالحی کی آمین بھی نہیں ہوئی۔ قدرت خدا اُس وقت طبیعت بحال ہو گئی اور پھر خواہش کے مطابق عبدالحی کی آمین کی خوشی بھی دیکھی اور آخر جمعہ کا دن بھی پایا۔

فرمایا:۔ یہ تو وہی بات ہوئی کہ ایک بزرگ کسی شہر میں بہت بیمار ہو گئے اور موت تک حالت پہنچ گئی۔ تب اپنے ساتھیوں کو وصیت کی کہ مجھے یہودیوں کے قبرستان میں دفن کرنا۔ دوست حیران ہوئے کہ یہ عابد زاہد آدمی ہیں۔ یہودیوں کے قبرستان میں دفن ہونے کی کیوں خواہش کرتے ہیں شاید اس وقت حواس درست نہیں رہے۔ انہوں نے پھر پوچھا کہ یہ آپ کیا فرماتے

[1] حاشیہ: حضرت مفتی محمد صادق صاحب رضی اللہ عنہ (مرتب)

ہیں۔ بزرگ نے کہا کہ تم میرے فقرہ پر تعجب نہ کرو۔ میں ہوش سے بات کرتا ہوں اور اصل واقعہ یہ ہے کہ تیس سال سے میں دعا کرتا ہوں کہ مجھے موت طوس کے شہر میں آوے پس اگر آج مَیں یہاں مَر جاؤں تو جس شخص کی تیس سال کی مانگی ہوئی دُعا قبول نہیں ہوئی وہ مسلمان نہیں ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ اس صورت میں مسلمانوں کے قبرستان میں دفن ہو کر اہل اسلام کو دھوکا دوں اور لوگ مجھے مسلمان جان کر میری قبر پہ فاتحہ پڑھیں۔ قدرت خداوندی وہ اس وقت تندرست ہوگیا اور پھر دس پندرہ سال کے بعد شہر طوس میں بیمار ہو کر فوت ہوگیا۔

فرمایا:۔ مرحومہ نے اپنی عمر میں بہت شدائد اور مصائب اُٹھائے۔ کتنی اولاد مَر گئی۔ یہ مصائب جو قضاء و قدر سے انسان پر پڑتے ہیں اس کی کمی پوری کر دیتے ہیں جو انسان سے اعمال حسنہ میں رہ جاتی ہے۔

جب حضرت کے ہاں صاحبزادہ میاں بشیر احمد تولد ہوئے تھے تو حضرت نے مرحومہ کو فرمایا تھا کہ یہ تمہارا بیٹا ہے۔ اسواسطے بشیر احمد کے ساتھ مرحومہ کو خاص محبت تھی صاحبزادہ بشیر احمد جنازہ کے ساتھ اور دفن کے وقت اس طرح موجود رہے کہ اُن کا چہرہ اس اندرونی محبت کو ظاہر کرتا تھا۔

(بدر جلد ۱ نمبر ۱۷ صفحہ ۷ مورخہ ۲۷ جولائی ۱۹۰۵ء)

## ۲۹ جولائی ۱۹۰۵ء

### قبل از عشاء

بعد نماز مغرب حضرت حجۃ اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لے گئے اور عشاء کی نماز کی اذان ہوتے ہی تشریف لاکر شہ نشین پر اجلاس فرما ہوئے۔ شیخ مظہر الدین صاحب انسپکٹر پولیس پشاور چند روز سے اپنی محترمہ ہمشیرہ صاحبہ کو لیکر آئے ہوئے تھے۔ شیخ صاحب کی ہمشیرہ ایک صدمہ رسیدہ خاتون ہے اور متواتر موت کے صدموں نے انہیں سخت

شکستہ خاطر بنادیا ہے۔ وہ اپنے معزز بھائی کے ہمراہ اس غرض سے دارالامان آئی تھیں کہ حضرت اقدس سے دُعا کرائیں تاکہ درد رسیدہ دل پر سکینت کا نزول ہو اور آپ کی پُر اثر نصائح سے اطمینان خاطر ہو۔ حضرت مخدوم الملت نے حضرت حکیم الامۃ کے اشارہ سے شیخ صاحب کے لئے اجازت چاہی کہ وہ ایک ضروری کام اور تفکر کی وجہ سے جلد جانا چاہتے ہیں۔ فرمایا:-

میں نے آپ کی ہمشیرہ صاحبہ کو بہت کچھ سمجھایا ہے اور اُن کے لئے دعا بھی کی ہے۔ اور وعدہ بھی کیا ہے کہ دعا کروں گا۔ ہاں اتنی بات ہے کہ آپ یاد دلاتے رہیں۔ میں نے اُن کو کہدیا تھا کہ مولویانہ وعظ ونصیحت سے آپ کے دل کو تسلی نہیں ہوگی۔ یہ تسلی تو خدا تعالیٰ کی ہی طرف سے آئے گی کیونکہ جس نے دل بنایا ہے وہ دل پر اثر ڈال سکتا ہے اور یہ سب کچھ دعاؤں سے ہی ممکن ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ انہیں بہت فائدہ ہوا ہے۔

فرمایا:- دعاؤں میں جو رُو بخدا ہو کر توجہ کی جاوے تو پھر ان میں خارق عادت اثر ہوتا ہے۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ دعاؤں میں قبولیت خدا تعالےٰ ہی کی طرف سے آتی ہے اور دعاؤں کے لئے بھی ایک وقت جیسے صبح کا ایک خاص وقت ہے اس وقت میں خصوصیت ہے وہ دوسرے اوقات میں نہیں۔ اسی طرح پر دعا کے لئے بھی بعض اوقات ہوتے ہیں جبکہ ان میں قبولیت اور اثر پیدا ہوتا ہے۔

فرمایا:- عام انسان صدموں کو برداشت نہیں کر سکتے۔ یہ انبیاء علیہم السلام ہی کے قلوب ہوتے ہیں کہ وہ ہر قسم کے صدمات اور مشکلات کو برداشت کرتے ہیں اور ذرہ بھی نہیں گھبراتے۔

فرمایا:- بعض مقام ایسے ہوتے ہیں کہ تقریر سے دل تسلی پکڑتا ہے لیکن بعض مقام ایسے ہوتے ہیں کہ محض اللہ تعالےٰ کی رحمت ہی کام کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کام میں صدہا مخفی اسرار ہوتے ہیں جن کو انسان کبھی سمجھ لیتا ہے اور کبھی نہیں۔ انسان کو چونکہ آخرت

کے ذخیرہ کی ضرورت ہے اور بعض اوقات انسان کے افعال ایسے نہیں ہوتے جو آخرت میں کام دیں اس لئے اللہ تعالیٰ قضا و قدر سے اس کا تدارک کر دیتا ہے۔ جس طرح پر انسان روزہ رکھتا ہے تو اس روزہ کے ساتھ سحری بھی ہے اور اس میں اس کو اجازت ہے کہ جو چاہے سو کھائے لیکن قضا و قدر کا جو روزہ ہے اس کے لئے کونسی سحری ہے؟

## ایک الہام

فرمایا :-

آج اللہ تعالیٰ نے میرا ایک اَور نام رکھا ہے جو پہلے کبھی سُنا بھی نہیں۔ تھوڑی سی غنودگی ہوئی اور الہام ہوا۔

### محمد مفلح

زلزلہ کے متعلق مختلف ذکر ہوتے رہے۔ فرمایا :-

اموری کا پتہ رکھنا چاہیئے تاکہ جب پیشگوئی پوری ہو تو اس کو بھی اشتہار بھیجا جاوے

فرمایا :-

عام لوگوں کا علم یہیں تک محدود ہے کہ عام اسباب مادیہ کے ماتحت تحریکات ہوتی ہیں لیکن اسی حد تک ختم کر دینا یہ سخت غلطی ہے۔ قضا و قدر کے اسباب بعض اوقات وراء الورا ہوتے ہیں اور ان کا تعلق محض کُن فیکون سے ہی ہوتا ہے جسے دوسرے لوگ سمجھ بھی نہیں سکتے۔ اگر یہ اسباب اسی حد تک ہوتے جہانتک یہ لوگ سمجھے بیٹھے ہیں تو پھر تو گویا خدائی ہی کو اپنے قبضہ میں لے آتے۔ پہلی امتوں پر جو جو عذاب آئے ہیں۔ اگر ان کے حکمار کو اُن کے اسباب کی خبر ہوتی تو وہ اُن کو بچا کیوں نہ لیتے۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ اسباب وراء الورا رہتے۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ اس خارق عادت نشان سے بہت

سے لوگ سیدھے ہو جائیں گے۔

(الحکم جلد ۹ نمبر ۲۷ صفحہ ۳ مورخہ ۳۱ جولائی ۱۹۰۵ء)

## ۳۰ جولائی ۱۹۰۵ء

### قبل از عشاء

حسب معمول جب اعلیحضرت قبل عشاء تشریف لائے تو سب سے اول لودھی ننگل کے متصل آئے ہوئے چار آدمیوں نے بیعت کی۔ بعد بیعت تذکرہ ہوا کہ موضع تیجہ متصل لودھی ننگل میں مولوی ثناء اللہ امرتسری گیا تھا۔ وہاں اس نے مجمع عام میں اثنائے وعظ میں کہا کہ مرزا صاحب کے مرید لا الٰہ الّا اللہ مرزا غلام احمد رسول اللہ یہ کلمہ پڑھتے ہیں۔ اس پر ایک مخالف مگر انصاف پسند شخص نے کھڑے ہو کر کہا کہ مولوی صاحب اگر یہ کلمہ مرزا صاحب کی کسی تصنیف سے نکال دیں تو میں پانچسو روپیہ ابھی آپ کو نقد انعام دیتا ہوں۔ یہ تحدی سُنکر مولوی صاحب چکرائے اور اکثر لوگ بیزار ہو کر حلقۂ وعظ سے اُٹھ گئے۔ مولوی صاحب اپنا سا مُنہ لے کر واپس آئے۔

حضرت حجۃ اللہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:۔

ہمارے اور ہمارے مخالفوں کے درمیان یہ فرق ہے کہ وہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کو لا کر اُمّت بناتے ہیں اور ہم امت کو مسیح بناتے ہیں۔

(الحکم جلد ۹ نمبر ۲۷ صفحہ ۳ مورخہ ۳۱ جولائی ۱۹۰۵ء)

## بلا تاریخ*

قوت ذوق شوق علم سے پیدا ہوتی ہے۔ جب تک علم اور معرفت نہ ہو کیا ہو سکتا ہے۔ ربّ زدنی علمًا[1] کی دعا میں یہ بھی ایک سِرّ ہے کیونکہ جس قدر آپ کا علم وسیع ہوتا

* حاشیہ۔ الحکم میں یہ ملفوظات "پرانی نوٹ بک میں سے کچھ" کے زیر عنوان درج ہیں۔ (مرتب)
[1] طٰہٰ : ۱۱۵

گیا اسی قدر آپ کی معرفت اور آپ کا ذوق شوق ترقی کرتا گیا پس اگر کوئی شخص چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت میں اسے ذوق شوق پیدا ہو تو اس کو اللہ تعالیٰ کی نسبت صحیح علم حاصل کرنا چاہیئے اور یہ علم کبھی حاصل نہیں ہوتا جب تک انسان صادق کی صحبت میں نہ رہے اور اللہ تعالیٰ کی تازہ بہ تازہ تجلیات کا ظہور مشاہدہ نہ کرے۔

---

اللہ تعالیٰ کے ساتھ صحیح اور سچا تعلق اس وقت پیدا ہوتا ہے جب انسان پورا وفادار اور مخلص ہو۔ جو شخص وفادار نہیں اگر وہ ہر روز اس قدر روتا رہے کہ اس کے آنسوؤں کا ایک چھپڑ[1] لگ جاوے تو بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی کوئی قدر نہیں ہے اس لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ تمہارا تعلق خدا تعالیٰ کے ساتھ کامل وفاداری کا نمونہ ہو۔

---

انسان کی عجیب حالت ہے کہ اگر کہیں سانپ نکلے تو اس سے دہشت کھاتا ہے اور جس اندر کی بابت اُسے گمان ہو کہ یہاں سانپ ہے وہاں جاتے ہوئے ڈرتا ہے۔ لیکن ہزاروں تجارب موت فوت کے اس کے سامنے ہیں اور پھر بھی نصیحت نہیں پکڑتا۔ ورنہ ایک موت ہی کا واعظ اس کی اصلاح کے لئے کافی تھا۔

---

جھوٹے قصوں سے جھوٹا بھروسہ پیدا ہوتا ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آخر اصلیت سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ جیسے کیمیا کی وہمی باتوں کے بھروسہ میں انسان اگلی دولت بھی کھو بیٹھتا ہے۔ جھوٹے خیالات اور خیالی قصوں کا بھی اثر ایمان پر ہوتا ہے۔ جو لوگ قرآن شریف کو جو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے چھوڑتے ہیں وہ آخر اسی مرض میں گرفتار ہو کر اپنے ایمان کو ضائع کر لیتے ہیں۔ قرآن شریف میں کوئی بات ایسی نہیں ہے جو انسان کو دھوکا دے۔

---

[1] جوہڑ (مرتب)

اصل میں انسان کے ایمان کی تازگی اسی وقت شروع ہوتی ہے جب وہ اللہ تعالےٰ ہی پر ایمان لاتا ہے۔ اسی وقت اس کے گناہ دُور ہونے لگتے ہیں۔ حقیقی ایمان جب تک پیدا نہیں ہوتا گناہ کی زہر سے انسان بچ نہیں سکتا۔ میرے نزدیک ایمان کی شناخت کا یہی بڑا معیار ہے اور ہر شخص اپنے ایمان کو اس پر آزما سکتا ہے۔ اس لئے دلیل ظاہر ہے کہ جو لوگ سم الفار کو زہر سمجھتے ہیں وہ اُسے نہیں کھاتے اس لئے کہ وہ جانتے ہیں کہ اس کو کھا کر ہلاک ہو جائیں گے۔ اسی طرح پر گناہ بھی ایک زہریلا پھل ہے جسے کھاتے ہی انسان مر جاتا ہے۔ لیکن اگر اللہ تعالےٰ پر ایمان ہو تو انسان اس پھل کے نزدیک جانے سے ڈرتا ہے اس پر اس کی ہلاکت کی تاثیروں کا دروازہ کھُل جاتا ہے۔ مَیں یقیناً جانتا ہوں کہ یہ بے حیائی اور کھُلی بدکاری کی بیماری جو دنیا میں پھیل رہی ہے یہ دہریت کے روگ سے شروع ہوئی ہے اور اس کی جڑ کفارہ کے جھوٹے فسانے ہیں۔

---

دنیا پرستی کی حد ہو گئی ہے۔ ہر شخص دنیا ہی کا شیدائی نظر آتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ جدھر آنکھ اُٹھاتا ہے ابنائے دنیا ہی کو دیکھتا ہے۔ چُونکہ ایسے مخلصوں کی نظیریں بہت ہی کم ہیں جو خدا تعالیٰ کے ساتھ کامل تعلقات کا نمونہ ہوں اس لئے اس طرف توجہ ہی نہیں۔ برخلاف اس کے دنیا پرستوں کی نظیریں نظر آتی ہیں اس لئے ہر شخص اس طرف کو جھکتا جاتا ہے اور خدا تعالےٰ کی طرف بہت ہی کم لوگ آتے ہیں کیونکہ خدا کی راہ اختیار کرنا دنیا سے باہر ہو جاتا ہے جب تک انسان ایک موت اختیار نہیں کر لیتا اس راہ سے داخل نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے فرمایا ہے۔ موتوا قبل ان تموتوا۔

(الحکم جلد ۹ نمبر ۲۷ صفحہ ۳ مورخہ ۳۱ جولائی ۱۹۰۵ء)

## یکم اگست ۱۹۰۵ء

### دربار شام

سٹروعہ ضلع ہوشیارپور سے آئے ہوئے دو بھائی داخل بیعت ہوئے۔ فرمایا:۔

بیعت میں داخل ہونیوالوں کے اسماء کو باقاعدہ لکھا جاوے۔ اگر یہ سب نام لکھے جائیں تو ان مشکلات کا سامنا نہ ہو جو بعض وقت پیش آتی ہیں۔

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے ایک خط کا ذکر ہوا جو انہوں نے منشی حسین بخش صاحب تحصیلدار پنڈی گھیپ حال رخصتی قادیان کے نام لکھا۔ فرمایا:۔

معلوم نہیں وہ کونسی بدی تھی جس نے اس کو سلسلہ کی شناخت سے محروم رکھا۔ تاہم جب تک وہ زندہ ہے ہم اس پیشگوئی کی کوئی تاویل نہیں کرتے جو اس کے متعلق ہے کہ وہ آخر رجوع کرے گا میں جانتا ہوں کہ اوائل میں وہ بڑا اخلاص ظاہر کیا کرتا تھا۔ بٹالہ کے سٹیشن پر خود اس نے حامد علی سے لوٹا لے کر مجھے وضو کرایا اور جب میں اُٹھتا تو میرا جوتا اُٹھا کر آگے رکھ دیتا تھا اس میں دوسرے مولویوں کی نسبت ایک بات تو ہے وہ یہ کہ جب کسی بات کو مان لے تو دلیری کے ساتھ اس کا اعلان کر سکتا ہے۔

فرمایا۔ میں حیران ہوں کہ میرا معاملہ تو بالکل صاف تھا تین باتیں تھیں۔ ان لوگوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مثیل موسٰی بھی تسلیم کر لیا اور امت کے مثل یہود ہو جانے کا بھی اقرار کر لیا۔ اور علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل بھی تسلیم کیا۔ ان ساری باتوں کو تو مثیل کے طور پر مانا لیکن مسیح کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ وہی آئے گا۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے؟

یہ تو ایسی ہی مثال ہے کہ جیسے دو بھائی ہیں۔ جب ان میں کوئی تقسیم ہو تو ہر ایک قسم کی چیزیں انہیں دی جاتی ہیں۔ جبکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں یہودیوں کے مثیل مانتے ہیں تو اس میں کیوں موت پڑتی ہے کہ ایک **مسیح** بھی تسلیم کر لیں۔

فرمایا:۔ میں دیکھتا ہوں۔ براہین میں میرا نام اصحاب الکہف بھی رکھا ہے۔ اس میں یہ سر ہے کہ جیسے وہ مخفی تھے اسی طرح پر تیرہ سو برس سے یہ راز مخفی رہا اور کسی پر نہ کھلا۔ اور ساتھ اس کے جو رقیم کا لفظ ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ باوجود مخفی ہونے اس کے ساتھ ایک کتبہ بھی ہے۔ اور وہ کتبہ یہی ہے کہ تمام نبی اس کے متعلق پیشگوئی کرتے چلے آئے ہین۔

(الحکم جلد ۹ نمبر ۲۸ صفحہ ۲ مورخہ ۱۰ اگست ۱۹۰۵ء)

## ۳ اگست ۱۹۰۵ء

# خدا تعالیٰ کی تازہ وحی

رؤیا میں دیکھا کہ ایک لفافہ ہے جس میں کچھ پیسے ہیں۔ کچھ پیسے اس میں سے نکل کر باہر سامنے بھی پڑے ہیں۔ اس کے بعد الہام ہوا۔

"تیرے لئے میرا نام چمکا"

فرمایا۔ اس الہام سے پہلے اگرچہ خواب میں پیسے دیکھے گئے جو کسی جھگڑے یا غم پر دلالت کرتے ہیں مگر وحی الٰہی صریح لفظوں میں دلالت کرتی ہے کہ اس کے بعد کوئی نشان ظاہر ہوگا جس کے واقعہ سے خدا تعالیٰ اپنے نام اور اپنی ہستی کو لوگوں پر ظاہر کرے گا۔

(بدر جلد ۱ نمبر ۱۸ صفحہ ۲ مورخہ ۳ اگست ۱۹۰۵ء)

نیز (الحکم جلد ۹ نمبر ۲۸ صفحہ مورخہ ۱۰ اگست ۱۹۰۵ء)

---

فرمایا۔ جیسا ہمارے علماء کا عقیدہ ہے کہ اب الہام کا دروازہ بند ہو گیا ہے۔ اگر یہ سچ ہوتا تو ایک عارف طالب تو زندہ ہی مر جاتا۔ خدا تعالیٰ بخیل نہیں ہے۔ اس نے خود صراط الذین انعمت علیھم کی دعا سکھائی ہے جس میں ظاہر کیا گیا ہے کہ ان نعمتوں کا دروازہ کھلا ہے۔ افسوس ہے کہ مولوی عبد اللہ صاحب غزنوی کا بھی یہی مذہب تھا کہ ہم نہیں جانتے کہ ہمیں جو الہام ہوتا ہے وہ شیطانی ہے یا الہامی[1] ہے۔ ہمیں تعجب آتا ہے کہ ان لوگوں کا ایسے الہام اور اس عقیدہ کے بعد کیا حال ہوتا ہے۔ اگر اس پر عمل کریں تو ممکن ہے شیطان کے فرمان کی پیروی کرتے ہیں۔ اگر نہ کریں تو یہ شبہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو ناراض کرتے ہیں۔ یہی حال

---

[1] حاشیہ۔ غالباً یہ لفظ "الٰہی" ہے جو کاتب کی غلطی سے "الہامی" لکھا گیا ہے۔ (مرتب)

الٰہی بخش اکونٹنٹ کے الہامات کا ہے۔ اُن سے تو موسیٰ کی ماں ہی اچھی رہی جس نے خدا تعالیٰ کے کلام پر ایمان قائم کر کے اپنے بچے کو دریا میں رکھ دیا۔

(بدر جلد ۱ نمبر ۱۸ صفحہ ۲ مورخہ ۳ اگست ۱۹۰۵ء)

---

## دربار شام

نوٹ از ایڈیٹر:۔ شام کی تاریکی قلمبند کرنے کی اجازت نہ دیتی تھی اس لئے میں نے خداداد قوت حافظہ کی مدد سے اپنے الفاظ میں اس روئداد کو لکھا ہے جو بزرگ اس اجلاس میں موجود تھے وہ اسے پڑھ کر انشاء اللہ سمجھ لیں گے کہ میں اس کے لکھنے میں بہت بڑی حد تک کامیاب ہوا ہوں۔ والحمد للہ علیٰ ذالک۔ (ایڈیٹر الحکم)

سلسلہ کلام اس امر سے شروع ہوا کہ تمام نبیوں اور راستبازوں کے کلام میں عجز و انکسار کے الفاظ اور اپنی کمزوری کا اظہار پایا جاتا ہے اس پر اعتراض نہیں کرنا چاہیئے حضرت حجۃ اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو اشتہار متعلقہ زلزلہ میں اس قسم کے الفاظ استعمال کئے ہیں ان پر مولوی محمد حسین بٹالوی نے اعتراض کیا ہے۔ اعلیحضرت نے میرے معزز بھائی مفتی محمد صادق صاحب کو غالباً بائیبل میں ایسے مقامات دیکھنے کے لئے ارشاد فرمایا تھا۔ اس کا ذکر مفتی صاحب نے کیا۔ اس پر اعلیحضرت نے فرمایا۔

اس قسم کے الفاظ تمام نبیوں کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں چونکہ ان کی معرفت بہت بڑھی ہوئی ہوتی ہے اور وہ اللہ تعالےٰ کی عظمت اور جبروت کے مقام کو شناخت کرتے ہیں۔ اس لئے نہایت انکسار اور عاجزی کا اظہار کرتے ہیں۔ نادان جن کو اس مقام کی خبر نہیں ہے۔ وہ اس پر اعتراض کرتے ہیں حالانکہ یہ ان کی کمال معرفت کا نشان ہوتا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا[1] آیا ہے۔ اس میں

[1] النصر: ۲ تا ۴

صاف فرمایا ہے تو استغفار کر۔ اس سے کیا مراد ہے؟ اس سے یہی مراد ہے کہ تبلیغ کا جو عظیم الشان کام تیرے سپرد تھا۔ دقائق تبلیغ کا پورا پورا علم تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہے اس لئے اگر اس میں کوئی کمی رہی ہو تو اللہ تعالیٰ اُسے معاف کر دے۔ یہ استغفار تو نبیوں اور راستبازوں کی جان بخش اور عزیز چیز ہے۔ اب اس پر نادان اور کوتاہ اندیش عیسائی اعتراض کرتے ہیں۔ جہاں استغفار کا لفظ انہوں نے سُن لیا۔ جھٹ اعتراض کر دیا۔ حالانکہ اپنے گھر میں دیکھیں تو مسیح کہتا ہے کہ مجھے نیک مت کہہ۔ اس کی تاویل عیسائی یہ کرتے ہیں کہ مسیح کا منشا یہ تھا کہ مجھے خدا کہہ۔ یہ کیسے تعجب کی بات ہے۔ کیا مسیح کو ان کی والدہ مریم یا اُن کے بھائی خدا کہتے تھے جو وہ یہی آرزو اس شخص سے رکھتے تھے کہ وہ بھی خدا کہے۔ انہوں نے یہ لفظ تو اپنے عزیزوں اور شاگردوں سے بھی نہیں سُنا تھا۔ وہ بھی اُستاد۔ اُستاد ہی کہا کرتے تھے۔ پھر یہ آرزو اس غریب سے کیونکر ان کو ہوئی۔ کیا وہ خوش ہوتے تھے کہ کوئی انہیں خدا کہے۔ یہ بالکل غلط ہے۔ اُن کو نہ کسی نے اُستاد[1] کہا اور نہ انہوں نے کہلوایا۔

پھر ایک اور توجیہہ کرتے ہیں کہ دراصل وہ شخص منافق تھا۔ اس لئے حضرت مسیح گویا خفا ہوئے کہ تو نیک کیوں کہتا ہے کیونکہ تو مجھے نیک نہیں جانتا۔ یہ بھی بالکل غلط بات ہے کہاں سے معلوم ہوا کہ وہ منافق تھا۔

غرض اصل بات یہی ہے کہ خدا تعالیٰ کے برگزیدہ بندے اپنی عبودیت کا اعتراف کرتے رہتے ہیں اور دعاؤں میں لگے رہتے ہیں۔ احمق ان باتوں کو عیب سمجھتے ہیں۔ اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کو دیکھا جاوے تو پھر ایسے احمق اعتراض کرنے والے تو خدا جانے کیا کیا کہیں۔ جیسے[2] اللھم باعد بینی و بین خطایای کما باعدت بین المشرق والمغرب۔

---

[1] حاشیہ۔ کاتب کی غلطی ہے۔ یہ لفظ "خدا" ہونا چاہیئے۔ (مرتب)

[2] ترجمہ۔ اے اللہ میرے اور میری خطاؤں کے درمیان اسی طرح بُعد اور دُوری پیدا فرما دے جس طرح مشرق اور مغرب کے درمیان تو نے بُعد پیدا فرمایا ہے۔ (مرتب)

ایک مخلص نے پہاڑ پر جانے کے لئے اجازت چاہی۔ اس کے متعلق تذکرہ آنے پر فرمایا:۔

اللہ تعالیٰ کے وعدے بالکل سچے ہیں جبکہ یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ کوئی عذاب شدید آنے والا ہے تو اس کا کوئی وقت تو ہمیں معلوم نہیں ہے اس لئے بڑی احتیاط کرنی چاہیئے۔ پہاڑوں پر کیا ہے۔ ہم تو گرمیاں یہاں ہی بسر کرتے ہیں کوئی ایسی تکلیف نہیں ہوتی۔ بلکہ میں ایک مرتبہ ڈلہوزی گیا کسی مقدمہ کی تقریب تھی جب میں وہاں پہنچا تو خلاف عادت دیکھا نہ گرمی ہے نہ پسینہ آتا ہے۔ بارش ہوتی ہے اور بادل گھروں میں اندر گھس آتے۔ ہر وقت اندر بیٹھے رہنا نہ چلنے پھرنے کے لئے موقعہ ہے۔ اگر ہر روز چائے نہ پئیں تو اسہال آجائیں۔ ایک دو دن میں نے گذارے پھر سخت تکلیف محسوس ہونے لگی اور میں جب تک پٹھانکوٹ نہ پہنچ گیا طبیعت میں نشاط اور انشراح پیدا نہ ہوا۔ ان کو لکھ دو کہ وہ یہاں آجائیں۔ اگر بارش ہوتی رہی تو یہاں بھی موسم اچھا ہے اور ۱۵ ستمبر تک تو امید ہے موسم میں بڑی تبدیلی ہو جائے گی۔

فرمایا:۔ میں دیکھتا ہوں کہ گرمیوں کو بھی روحانی ترقی کے ساتھ خاص مناسبت ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھو کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے مکہ جیسے شہر میں پیدا کیا اور پھر آپ ان گرمیوں میں تنہا غار حرا میں جا کر اللہ تعالےٰ کی عبادت کیا کرتے تھے وہ کیسا عجیب زمانہ ہوگا۔ آپ ہی ایک پانی کا مشکیزہ اُٹھا کر لے جاتے ہوں گے۔

اصل بات یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے ساتھ اُنس اور ذوق پیدا ہو جاتا ہے تو پھر دنیا اور اہلِ دنیا سے ایک نفرت اور کراہت پیدا ہو جاتی ہے۔ بالطبع تنہائی اور خلوت پسند آتی ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بھی یہی حالت تھی۔ اللہ تعالےٰ کی محبت میں آپ اس قدر فنا ہو چکے تھے کہ آپ اس تنہائی میں ہی پُوری لذت اور ذوق پاتے تھے۔ ایسی جگہ میں جہاں کوئی آرام کا اور راحت کا سامان نہ تھا اور جہاں جاتے ہوئے بھی ڈر لگتا ہو آپ وہاں کئی کئی راتیں تنہا گذارتے تھے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کیسے بہادر اور شجاع تھے۔ جب

خدا تعالیٰ سے تعلق شدید ہو تو پھر شجاعت بھی آجاتی ہے اس لئے مومن کبھی بُزدل نہیں ہوتا اہلِ دُنیا بُزدل ہوتے ہیں۔ اُن میں حقیقی شجاعت نہیں ہوتی ہے

اس بات کو سُنکر خدا تعالیٰ سے جس قدر تعلقات شدید ہوتے ہیں اور ایسے لوگ تنہائی اور خلوت کو پسند کرتے ہیں بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ پھر ان نبیوں اور رسولوں کے بیوی بچے کیوں ہوتے ہیں؟ وہ بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں اور کھاتے پیتے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ ایسا اعتراض کرنیوالے نہیں سوچتے کہ ان لوگوں کی تو ایسی مثال ہے جیسے ایک شخص تو کسی کے دروازے پر بھیک مانگنے جاوے اور ایک اس کا دوست ہو اور وہ محض اس سے ملنے ہی کے لئے گیا ہو۔ اب اگر وہ دوست اپنے دوست کے سامنے پلاؤ وغیرہ لاکر رکھدیتا ہے تو اس میں اس کا کیا قصور ہے؟ اس دوست کو تو اس کے کھانے میں لذت آتی ہے اور وہ گدا جو ہے اس کو خشک روٹی کا ٹکڑا دے دیا جاتا ہے۔ اگر زیادہ ٹھہرے تو پھر دھکے دے کر باہر کیا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ معاملہ دوست سے نہیں ہوتا بلکہ اس کے زیادہ قیام اور اس کے کھانے پینے سے خود اُسے ایک لذت آتی ہے۔

یہی حال ان نبیوں اور ماموروں کا ہوتا ہے۔ ان کے سامنے جو کچھ آتا ہے وہ اُن کی نفسانی خواہشوں کا نتیجہ نہیں ہوتا۔ وہ تو ساری لذت اور راحت اللہ تعالیٰ ہی کے ذکر اور شغل میں پاتے ہیں اور فی الحقیقت تنہائی ہی کو پسند کرتے ہیں جہاں وہ اپنے محبوب سے اپنے دل کی آرزوئیں اور تمنائیں پیش کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس حالت میں کوئی اُن کو دیکھ نہ لے۔ علاوہ بریں یہ تعلقات ان کی تکمیل کے لئے ہوتے ہیں۔ میں نے بارہا بیان کیا ہے کہ اخلاق کے سارے پہلو پورے نہیں ہوتے جب تک ہر قسم کی حالتیں پیش نہ آئیں۔ نبیوں اور رسولوں کے لئے شدائد اور مشکلات بھی آتے ہیں اور یہ مشکلات بھی ان کے اخلاق کی تکمیل کے لئے ہوتی ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے جیسے تمام اخلاق کا اظہار ہوا ہے کسی دوسرے کو یہ موقع نہیں ملا۔ مکہ معظمہ میں جبتک آپ رہے تو ہر قسم کی تکالیف اور مشکلات

کا سامنا رہا جس میں آپ کے کمال صبر اور رضا بالقضا کے پہلو کا ظہور ہوا۔ پھر جب آپ فاتح ہو کر ایک بادشاہ کی حیثیت سے داخل ہوئے تو حالانکہ آپ ان سب کو قتل کر سکتے تھے اور اس قتل میں حق پر بھی تھے لیکن باوجود مقدرت کے ان سب کو معاف کر دیا جس سے آپ کے کمال ایثار سخاوت، عفو اور درگذر کا ثبوت مل گیا۔ حضرت مسیح کو یہ موقعہ نصیب نہیں ہوا۔ اور وہ ان دونوں پہلوؤں کو ظاہر نہیں کر سکے۔

(الحکم جلد ۹ نمبر ۲۸ صفحہ ۲، ۳ مورخہ ۱۰ر اگست ۱۹۰۵ء)

---

## ۵ر اگست ۱۹۰۵ء

دربار شام

حضرت حجۃ اللہ کے تشریف فرما ہوتے ہی ایک حاجی صاحب درد نے پیش ہو کر بیعت کی درخواست کی جس پر اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ ایک دو دن کے بعد کر لینا۔ اس کے بعد سلسلہ کلام یوں شروع ہوا کہ

کثرت کے ساتھ لوگ اس سلسلہ میں داخل ہو رہے ہیں بظاہر اس کے وجوہ اور اسباب کا ہمیں علم نہیں۔ ہماری طرف سے کون سے واعظ مقرر ہیں جو لوگوں کو جا کر اس طرف بلاتے ہیں یہ محض خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک کشش لگی ہوئی ہوتی ہے جس کے ساتھ لوگ کھچے چلے آتے ہیں۔ یہی حال یہاں بھی ہے کہ اس نے ایک کشش رکھ دی ہے۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ اس سلسلہ کو پہنچانا چاہتا ہے اس حد تک اس نے کشش رکھ دی ہے۔

پھر ذکر آیا کہ بعض لوگ بیعت کے خطوط بھیجتے ہیں تو اُن میں درج ہوتا ہے کہ ہمارا فلاں کام ہو جاوے یا اس قدر روپیہ مل جاوے تو بیعت کریں گے۔ اس پر فرمایا:۔

ایسی شرائط والے ہمیشہ محروم رہتے ہیں۔ صدیقی فطرت والے تو کسی نشان یا معجزہ کا طلب کرنا اپنی ہتک شان سمجھتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق نے کون سے نشانات دیکھے تھے۔ وہ جانتے تھے

کہ عرب کی موجودہ حالت اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ کوئی مصلح آوے۔ اور جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے دعویٰ کیا تو آپ کے اخلاق اور آپ کی راستبازی ہی ایک عظیم الشان معجزہ ان کیواسطے ہوگئی اور انہوں نے دعویٰ کے سنتے ہی قبول کر لیا۔ ایسے لوگوں کے لئے کسی نشان کی حاجت نہیں ہوئی جو لوگ اس قسم کے شرائط پیش کرتے ہیں کہ اس قدر آمدنی ہو جاوے تو ایمان لائیں گے وہ گویا یہ سمجھتے ہیں کہ ایمان لا کر اللہ تعالےٰ پر یا اس کے رسول پر احسان کرتے ہیں۔ وہ احمق نہیں جانتے کہ اللہ تعالےٰ کو اُن کی پرواہ کیا ہے۔ یہ تو اللہ تعالےٰ کا احسان ہے کہ اس نے ہدایت کی راہ ان کو بتائی۔ اور اپنے مامور کو ہدایت کے واسطے بھیجا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا صاف احسان ہے۔ وہ الٹا خدا تعالیٰ پر احسان رکھنا چاہتے ہیں۔ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نشان اللہ کے پاس ہیں۔ اور دوسری جگہ فرماتا ہے۔ زمین و آسمان میں نشان . . . . ہیں۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ لوگ کیسے بیوقوف ہیں جو اتنا نہیں سمجھتے کہ کیا یہ وقت کسی نبی کی ضرورت کا ہے یا نہیں حالت زمانہ خود اس پر شہادت دیتی ہے۔ پھر اس سے بڑھ کر اور وہ

**کیا نشان چاہتے ہیں!**

ہر شخص اس امر کا محتاج ہے کہ اس کا خاتمہ ایمان پر ہو اور وہ اطمینان کے ساتھ اس دنیا سے جاوے۔ جب اس امر کی ضرورت ہے تو یہ شرط کیسی بیہودہ اور فضول ہے کہ وہ کام ہو یا اس قدر آمدنی ہو تو بیعت کروں گا۔ ضرورت جو ہر وقت مدنظر ہونی چاہیئے وہ تو حسن انجام کی ضرورت ہے میں دیکھتا ہوں کہ یہ باتیں کیوں ہوتی ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالےٰ کی عظمت دل پر نہیں ہے اگر اللہ تعالیٰ کے جلال و جبروت کا دل پر اثر ہو اور اس کی ہستی پر ایمان ہو تو دل ڈر جاوے اور یہ فسق و فجور اور شرور نفسانی جس میں دنیا مبتلا ہے اس سے نجات پا جائیں اور اس کی طرف آنے میں ایسی شرطیں نہ لگائیں۔

کیسی حیرانی کی بات ہے۔ کیا بیمار طبیب کے پاس جا کر اُسے کچھ نذرانہ دیتا ہے یا اس سے یہ شرط کرتا ہے کہ اگر میں اچھا ہو جاؤں تو مجھے اس قدر نذرانہ دینا؟

جو لوگ اس قسم کی باتیں کرتے ہیں وہ خدا تعالےٰ کی طرف آتے ہی نہیں۔ ان کا مقصد اور غرض تو وہ کمبخت دنیا ہوتی ہے جس کو وہ پیش کرتے ہیں۔ اُن کے دل میں یہ سوز و گداز اور جلن نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق ہو اور اس کی طرف دلی رجُوع اور توجہ ہو جاوے اگر یہ قلق اور کرب پیدا ہو تو ایسی باتیں نہ کریں کیونکہ بیمار خواہ جسمانی ہو یا رُوحانی جب وہ اپنی مرضی کو محسوس کر لیتا ہے تو وہ بے اختیار ہو کر تڑپتا پھرتا ہے اور طبیب کے کہنے پر اس قدر ایمان لاتا ہے۔ کہ جو کچھ وہ دیدے۔ اسے اپنی بہتری کے لئے کھا لیتا ہے یہ عجیب بات ہے کہ آنا تو دین کی طرف اور اس کے لئے دنیا کی شرط لگانا !!!

بعض لوگ اس قسم کے بھی ہوتے ہیں کہ ذرا دنیا کا کوئی ابتلا پیش آ جاوے تو سارا جوش ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ اگر ایسے ہی لوگ ہماری جماعت میں داخل ہوں تو اُن سے کیا فائدہ اور صحابہ سے کیا مقابلہ۔ صحابہ کی عجیب حالت تھی۔ اُن کے بیوی بچے بھی تھے۔ پھر بھی ہزاروں خدا تعالےٰ کی راہ میں مارے گئے۔ اگر وہ دین کو دنیا پر مقدم نہ کر لیتے تو کیونکر ممکن تھا کہ وہ اپنی جانوں کو اس طرح پر خدا کی راہ میں دیدیتے۔ لکھا ہے کہ ایک صحابی کے ہاتھ میں کچھ کھجوریں تھیں اور وہ کھا رہا تھا۔ اسے معلوم ہوا کہ دوسرا شہید ہو گیا ہے۔ اس نے اپنے نفس کو سخت ملامت کی کہ تیرا بھائی شہید ہو گیا ہے اور تو ابھی باقی ہے۔ یہ تھی ان لوگوں کی ایمانی حالت۔

میں سچ سچ کہتا ہوں کہ دین کے ساتھ دنیا جمع نہیں ہو سکتی۔ ہاں خدمتگار کے طور پر تو بیشک ہو سکتی ہے لیکن بطور شریک کے ہرگز نہیں ہو سکتی۔ یہ کبھی نہیں سُنا گیا کہ جس کا تعلق صافی اللہ تعالیٰ سے ہو وہ ٹکڑے مانگتا پھرے۔ اللہ تعالےٰ تو اس کی اولاد پر بھی رحم کرتا ہے۔ جب یہ حالت ہے تو پھر کیوں ایسی شرطیں لگا کر ضدیں جمع کرتے ہیں۔ ہماری جماعت میں وہی شریک سمجھنے چاہئیں جو بیعت کے موافق دین کو دنیا پر مقدم کرتے ہیں۔ جب کوئی شخص اس عہد کی رعایت رکھ کر اللہ تعالےٰ کی طرف حرکت کرتا ہے تو اللہ تعالےٰ اس کو طاقت دے دیتا ہے۔

صحابہ کی حالت کو دیکھ کر خوشی ہوتی ہے کہ کیسے اللہ تعالیٰ نے ان کو پاک صاف کر دیا حضرت

عمرؓ کو دیکھو کہ آخر وہ اسلام میں آکر کیسے تبدیل ہوئے۔ اسی طرح پر ہمیں کیا خبر ہے کہ ہماری جماعت میں وہ کونسے لوگ ہیں جن کے ایمانی قویٰ ویسے ہی نشوونما پائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہی عالم الغیب ہے۔ اگر ایسے لوگ نہ ہوں جن کے قویٰ نشوونما پا کر ایک جماعت قائم کرنے والے ہوں تو پھر سلسلہ چل کیسے سکتا ہے۔ مگر یہ خوب یاد رکھو کہ جس جماعت کا قدم خدا کیلئے نہیں اس سے کیا فائدہ؟ خدا کے لئے قدم رکھنا امر سہل بھی ہے جبکہ خدا تعالیٰ اس پر راضی ہو جاوے اور رُوح القدس سے اس کی تائید کرے۔ یہ باتیں پیدا نہیں ہوتی ہیں جبتک اپنے نفس کی قربانی نہ کرے اور نہ اس پر عمل ہو۔ بتامی خاف مقام ربّہ ونہی النفس عن الھوٰی فان الجنّۃ ھی المأوٰی[1] سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بہشتی زندگی اسی دنیا سے شروع ہو جاتی ہے۔ اگر ہوائے نفس کو روک دیں۔ صوفیوں نے جو فنا وغیرہ الفاظ سے جس مقام کو تعبیر کیا ہے وہ یہی ہے کہ نہی النفس عن الھوٰی کے نیچے ہو۔

(الحکم جلد ۹ نمبر ۲۸ صفحہ ۳ مورخہ ۱۰ اگست ۱۹۰۵ء)

---

## ۶ اگست ۱۹۰۵ء

فرمایا:۔

ہر شخص اس امر کا بڑا محتاج ہے کہ اس دُنیا سے تسلّی کے ساتھ جائے اور اس شوق و ذوق کو عبادت میں حاصل کرے جو خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا کرنے سے ملتا ہے۔ برخلاف اس کے آجکل لوگوں کا یہ حال ہے کہ اپنے ایمان کو شروط سے مشروط کرتے ہیں اور ہم کو خط لکھتے ہیں کہ ہم آپ کی بیعت کرتے ہیں مگر ہم کو یہ دنیوی باتیں حاصل ہو جائیں۔ ان لوگوں کی معرفتِ الٰہی میں بڑا قصور ہے۔ یہ خدا تعالیٰ پر احسان کرنا چاہتے ہیں۔ میں ایسے خطوں کو پھاڑ کر پھینک دیا کرتا ہوں۔ انسان کو اگر کوئی جسمانی مرض لاحق ہوتا ہے تو طبیب کے پاس جاتا ہے اور ساتھ ہی اس کے اپنی طرف سے نذرانہ بھی پیش کرتے ہیں لیکن برخلاف اس کے رُوحانی طبیب کی طرف

[1] النازعات: ۴۱-۴۲

جاتے ہیں تو اُلٹا اس پر اپنا احسان کرنا چاہتے ہیں۔ ان لوگوں کے دل میں سوز و گداز نہیں ہے کہ اس جہالت کے پردے سے نکلنے کے واسطے اُن میں تپش پیدا ہو۔ ہم تو ایسے لوگ چاہتے ہیں جن کے دل میں یہ خواہش ہو اور شوق ہو کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا ہو جائے۔ بعض لوگ ایسے ہیں کہ بیعت تو کرتے ہیں مگر پھر ذرا سی تکلیف پر پھسل جاتے ہیں۔ اصل صدق اور وفا کا نمونہ صحابہ نے ہی دکھایا تھا۔ ذکر ہے کہ اصحاب میں سے ایک میدان جنگ میں چند کھجوریں اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے کھا رہا تھا کہ ایک دوسرا صحابی اُس کے سامنے شہید ہوا۔ اُس نے کھجوروں کو فوراً پھینک دیا اور کہا کہ افسوس ہے کہ میرا بھائی بہشت میں پہنچ گیا اور میں ہنوز کھجوروں میں مشغول ہوں۔ یہ کہہ کر میدان میں گھس گیا اور شہید ہو کر اپنے مقصد کو پہنچ گیا۔ ٭

فرمایا:- دنیا کے ساتھ دین جمع نہیں ہو سکتا۔ دنیا خدمتگار ہو کر آجائے تو آجائے لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ دنیا دین کی شریک بن کر رہے۔ جس کا تعلق خدا تعالیٰ کے ساتھ صافی ہو خدا تعالیٰ اس کو کبھی ذلیل ہونے نہیں دیتا۔ ہماری جماعت میں وہی لوگ شامل ہیں جو اپنے اقرار کے مطابق دین کو مقدم رکھتے ہیں۔ ہاں انسان کا یہ کام نہیں کہ اتنی بڑی تبدیلی اپنی محنت سے پیدا کر سکے۔ لیکن خدا تعالیٰ ایسا کر سکتا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جس قوم کے لئے آئے تھے وہ اسفل السافلین میں گری ہوئی تھی۔ پھر آپ کی توجہ اور محبت سے وہ کہاں تک ترقی کر گئی۔ جس کا قدم خدا تعالیٰ کے منشا کے برخلاف ہو اس پر کوئی خوش نہیں۔ نہ خدا تعالیٰ اور نہ اس کے ملائکہ۔ امر سہل ہے۔ قرآن شریف نے اس کا نسخہ بتلایا ہے۔ اما من خاف مقام ربہ ونہی النفس عن الھوٰی فان الجنۃ ھی الماوٰی[1]۔ جو کوئی اپنے رب

٭ یہ جنگ احد کا واقعہ ہے جس میں ابتدا میں مسلمانوں کو فتح ہوئی لیکن بعد میں اپنی غلطی کی وجہ سے مسلمانوں کو نقصان اُٹھانا پڑا۔ یہانتک کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بھی زخمی ہو کر گر پڑے اور یہ مشہور ہو گیا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں۔ ایک صحابی پہلی فتح کے بعد لشکر سے الگ جا کر کھجوریں کھا رہا تھا۔ کچھ دیر کے بعد جب اس صحابی کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ خبر پہنچی تو اس نے کھجوریں پھینک دیں اور کفار سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ غالباً حضرت مسیح موعودؑ نے اس واقعہ کا ذکر فرمایا ہوگا جس کو ڈائری نویس صاحب صحیح طور پر درج نہیں کر سکے۔ واللہ اعلم بالصواب
(از مرتب)

[1] النازعات : ۴۱، ۴۲

کے آگے کھڑا ہونے سے ڈرتا ہے اور اپنے نفس کی خواہشوں کو روکتا ہے تو جنت اس کا مقام ہے۔ ہوائے نفس کو روکنا یہی فنا فی اللہ ہونا ہے اور اس سے انسان خدا تعالےٰ کی رضا کو حاصل کر کے اسی جہان میں مقام جنت کو پہنچ سکتا ہے۔

فرمایا۔ بیوقوف لوگ استغفار پر اعتراض کرتے ہیں۔ تمام انبیاء اور خدا تعالیٰ کے نیک بندوں کا کام رہا ہے کہ وہ انکسار کے طور پر اللہ تعالیٰ کے آگے اپنے آپ کو گنہگار بیان کرتے ہیں یہ ایک خوبی کی بات ہے اور نادان دشمن اس میں عیب گیری کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے مقام عظمت پر نگاہ کر کے اس کے نیک بندے کہا کرتے ہیں کہ ہم سے تیری عبادت کا حق ادا نہیں ہو سکا۔ اسی طرح یسوع مسیح نے بھی پسند نہ کیا کہ اس کو نیک کہا جاتا۔ عیسائی لوگ کہتے ہیں کہ وہ شخص مسیح کو خدا نہ کہتا تھا اس واسطے اس کو نیک کہنے سے منع کیا۔ حالانکہ یہ بات غلط ہے کیونکہ مسیح کو تو خدا کوئی بھی نہ کہتا تھا اور نہ مانتا تھا۔ حواری کب اس کو خدا خدا کر کے پکارتے یا مانتے تھے؟ وہ بھی تو اُستاد ہی کہا کرتے تھے۔ اُس نے صرف نیک کا لفظ بڑھایا تھا۔ اس پر مسیح ناراض ہو گیا۔

فرمایا:۔ ولایت، خرق عادت اور معجزات سب ترک ہوائے نفس پر منحصر ہے جب خدا تعالےٰ کی خاطر انسان ترکِ خواہشات کرتا ہے۔ اس کو سب باتیں حاصل ہو جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے آگے ایسا جُھکنا چاہیئے کہ اپنا وجود باقی نہ رہے تب خدا تعالےٰ اپنے بندے کی خاطر سب کچھ کر دیتا ہے۔

(بدر جلد ۱ نمبر ۱۸ صفحہ ۲ مورخہ ۳ر اگست ۱۹۰۵ء[۱])

---

[۱] معلوم ہوتا ہے ۳ر اگست کا پرچہ ۱۰ر اگست کے بعد چھپا اور اس وجہ سے ۱۰ر اگست کی ڈائری اس میں شائع ہوئی۔ (مرتب)

۷؍اگست ۱۹۰۵ء

قبل از عشاء

ایک شخص کا سوال پیش ہوا کہ ایک جگہ مبارکٌ و مبارکٌ وکل امرٍ مبارکٍ یجعل فیہ والا الہام چھوٹی مسجد کے متعلق ظاہر کیا گیا ہے اور دوسری جگہ وہی الہام بڑی مسجد کے متعلق ظاہر کیا گیا ہے۔ حضرت نے فرمایا:۔

بعض الہام بار بار کئی دفعہ ہوتے ہیں اور ہر دفعہ وہ جدا شان رکھتے ہیں۔ اِنّی مھین من اراد اھانتک والا الہام بہت دفعہ ہوا ہے اور ہر دفعہ اس کا ظہور کسی نئے رنگ میں ہوا ہے۔ ہر دفعہ اہانت کنندہ اور اہانت یافتہ کوئی نیا وجود ہوتا رہا ہے۔ ایسا ہی الہام اِنّی مع الافواج اٰتیک بغتۃً بہت کثرت سے ہوا ہے اور ہمیشہ خدائی فوجوں کی نصرت سے ایک نیا معجزہ پیدا ہوا ہے۔ اسی طرح اکثر الہامات بار بار ہوتے ہیں اور ہر دفعہ کوئی نیا رنگ رکھتے ہیں۔ اسی طرح قرآن شریف میں بھی بہت سی آیات ہیں جو اپنے اپنے موقعہ پر جدا مطابقت رکھتی ہیں۔ اگرچہ ظاہر الفاظ ایک ہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ کُلَّ یومٍ ھو فی شانٍ[1] لیکن وہ مقامات کتب مجھے دکھانے چاہئیں جن پر یہ سوال پیدا ہوا ہے۔

## حقیقتِ رُوح القدس

کسی شخص کا سوال پیش ہوا کہ آپ نے جبرائیل کے متعلق جو تحریر کی ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کا خیال بھی سید احمد کی طرح ہے کہ روح الامین انسان کے اندر ہی ہے اور اس کے سوائے کوئی اَور روح القدس اور جبرائیل نہیں۔ فرمایا:۔

یہ بالکل غلط ہے۔ سید احمد کے ساتھ اس معاملہ میں ہمارے خیال کو کوئی مطابقت نہیں۔ ہمارا منشا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رُوح الامین کا نزول انسان پر اس وقت ہوتا ہے جبکہ انسان خود تقدس اور تطہر کے درجہ کو حاصل کرکے اپنے اندر بھی ایک حالت پیدا کرتا ہے جو نزول رُوح الامین کے قابل ہوتی ہے۔ اس وقت گویا ایک رُوح الامین ادھر ہوتا

[1] الرحمٰن : ۳۰

ہے تب ایک اُدھر سے آتا ہے۔ یہ بات ہم اپنے حال اور اپنے تجربہ سے کہتے ہیں نہ کہ صرف قال ہی قال ہے۔ اس کی بجلی کے ساتھ خوب مثال مطابق آسکتی ہے۔ جب کسی جسم میں خود بھی بجلی ہوتی ہے تو آسمانی بجلی اُس پر اثر کرتی ہے۔ تدبر سے دیکھا جائے تو قرآن شریف سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔

---

## عبادت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

آجکل سخت گرمی پڑنے اور برسات کے نہ ہونے کا ذکر تھا۔ فرمایا:-

ایسے موقعہ پر نماز استسقار کا پڑھنا سُنّت ہے۔ میں جماعت کے ساتھ بھی سنّت ادا کروں گا۔ مگر میرا ارادہ ہے کہ باہر جاکر علیحدگی میں نماز پڑھوں اور دُعا کروں۔ خلوت میں اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی کرنے اور دعا مانگنے کا جو لطف ہے وہ لوگوں میں بیٹھ کر نہیں ہے۔ اور بھی دعاؤں کا ذخیرہ ہے۔ اسی مطلب کے واسطے میں نے باغ میں ایک چھوٹی سی مسجد بنائی ہے جس کو مسجد البیت کہنا چاہیئے۔

فرمایا:- پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے حالات دو رنگ کے تھے۔ ایک ظاہر اور ایک مخفی۔ آپ کی پہلی عبادت وہی تھی جو آپ نے غار حرا میں کی۔ جہاں کئی کئی دن ویرانہ پہاڑی کی غار میں جہاں ہر طرح کے جنگلی جانور اور سانپ چیتے وغیرہ کا خوف ہے دن رات اللہ تعالیٰ کے حضور میں عبادت کرتے تھے اور دعائیں مانگتے تھے۔

قاعدہ ہے کہ جب ایک طرف کی کشش بہت بڑھ جاتی ہے تو دوسری طرف کا خوف دل سے دُور ہو جاتا ہے۔ بعض عورتوں کو جو بہت ہی ڈرنے والی طبیعت کی ہیں۔ دیکھا گیا ہے۔ کہ کسی بچے کی بیماری کے وقت اندھیری راتوں میں ضرورتاً ایسی جگہ جاتی ہیں جہاں دن کو نکلنا ان کے واسطے دشوار ہے۔ ایک مرتبہ ایک شخص کو دیکھا کہ وہ زلزلہ کے وقت خوف سے اُونچے مکان سے نیچے کودنے لگا۔ لوگوں نے پکڑ لیا۔

جب خوفِ الٰہی اور محبت غالب آتی ہے تو باقی تمام خوف اور محبتیں زائل ہو جاتی ہیں ایسی دعا کے واسطے علیحدگی بھی ضروری ہے۔ اسی پورے تعلق کے ساتھ انوار ظاہر ہوتے ہیں اور ہر ایک تعلق ایک ستر کو چاہتا ہے۔

فرمایا:۔

آجکل حبس اور گرمی اور برسات کی کمی کسی امر کی تمہید ہے جو آگے ظاہر ہوگا۔ معلوم نہیں کہ کیا ہونے والا ہے۔ ہم تو چاہتے ہیں کہ ہر چہ بادا باد۔ مگر خدا تعالیٰ کی ہستی دنیا پہ ثابت ہو جائے اور دین اسلام کی حقیقت ظاہر ہو جائے خواہ کسی طرح سے ہو۔

## وفاتِ مسیح اجماعی مسئلہ ہے

ایک شخص نے سوال کیا کہ اسلامی کتب میں حیاتِ مسیح کی بات کہاں سے آگئی؟

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ

کہ یہ بات ایسی ہی ہے جیسا کہ ہند کے مسلمان رسوم شادی و مرگ اب تک پُرانے ہندوؤں کی طرح ادا کرتے ہیں۔ جب بہت سے عیسائی اور یہودی مسلمان ہوئے تو کچھ پرانے خیالات کا بقیہ ساتھ لائے۔ وہی خیالات مسلمانوں میں منتقل ہو کر اور احادیث کی غلط فہمی بھی ساتھ مل کر یہ فاسد عقیدہ پیدا ہو گیا اور کتابوں میں درج ہو گیا۔ ورنہ صدر اسلام میں اس کا نام ونشان نہ تھا۔ بلکہ تمام نبیوں کی موت پر اجماع تھا لیکن ان لوگوں میں بھی بہتیرے ایسے ہیں کہ حضرت عیلیٰؑ کی موت کے قائل ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ وہ تین دن تک مرے رہے۔ کوئی کہتا ہے کہ سات دن تک مرے رہے اور کوئی ہمیشہ کے لئے ان کا مرجانا مانتا ہے۔ بہرحال اصل اجماع اسلامی وہ ہے جو صحابہ کے درمیان ہوا۔ صحابہ میں سب سے پہلا اجماع اسی مسئلہ پر ہوا کہ تمام انبیاء فوت ہو چکے ہیں۔ بغیر اس کے صحابہؓ کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مرنے کے بعد کبھی صبر نہیں آسکتا تھا۔ یہ مبارک اجماع حضرت ابوبکرؓ کے ذریعہ سے ہوا۔ اور اگر کسی کو

یہ وہم تھا بھی کہ کوئی نبی زندہ ہے تو وہ بھی دُور ہو گیا اور اس طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی موت کا صدمہ صحابہؓ کے دل سے اُٹھا کہ نبی تو سب مرا ہی کرتے ہیں۔ اگر کسی فردِ واحد کو قصورِ روایت کے سبب کچھ غلطی لگی ہوئی تھی تو وہ بھی دُور ہو گئی۔ خود خدا تعالیٰ کے کلام میں اس امر کا فیصلہ کیا کیا گیا ہے کہ کوئی آسمان پر نہیں جاتا۔ جہاں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے کفار نے آسمان پر چڑھنے کا معجزہ طلب کیا تو فرمایا۔ قل سبحان ربی ھل کنتُ الّا بشراً رسولاً۔[1] یعنی بشر رسول کبھی کوئی آسمان پر نہیں چڑھا۔ اور فرمایا۔ وما محمّدٌ الّا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افأین مات او قتل۔[2] یعنی کوئی نبی نہیں جو فوت نہیں ہو چکا پس اگر یہ نبی مر جائے یا قتل کیا جائے تو کیا تم دین سے پھر جاؤ گے۔ کتب سماوی اور تاریخ زمانہ بھی یہی شہادت دیتی ہیں۔ کوئی نظیر ایسی نہیں کہ پہلے کوئی دو چار نبی آسمان پر گئے ہوں خود مسیح نے بھی یہی فیصلہ کیا کہ یوحنا ہی الیاس ہے۔ ہاں جس طرح آدم۔ موسیٰ۔ نوح اور دوسرے نبی آسمان پر گئے اسی طرح بیشک حضرت عیسیٰ بھی گئے چنانچہ شب معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو آسمان پر دیکھا حضرت عیسیٰ کی کوئی خصوصیت نہ تھی۔ افسوس ہے کہ ان لوگوں کی قوت شامہ ہی ماری گئی ہے خود زمانہ کی حالت سے بُو آتی ہے کہ ایسا عقیدہ رکھنا عیسائیت کی پہلی اینٹ ہے۔ بعض لوگ میری نسبت اعتراض کر کے کہتے ہیں کہ میں نے بھی براہین میں ایسا ہی لکھا تھا مگر وہ نہیں سمجھتے کہ یہی بات ہماری صداقت کی گواہ ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہم کوئی منصوبہ بازی نہیں کرتے۔ خود اسی کتاب براہین میں ہمارا نام مسیح رکھا گیا اور خدا تعالیٰ کے تمام وعدے اسی کے اندر ہیں۔ اگر یہ غلطی مجھ سے براہین احمدیہ میں صادر نہ ہوتی تو ایک بناوٹ معلوم ہو سکتی تھی۔

(بدر جلد ۱ نمبر ۱۹ صفحہ ۲ مورخہ ۱۰ اگست ۱۹۰۵ء)

[1] بنی اسرائیل: ۹۴ [2] آل عمران: ۱۴۵

## ۸ اگست ۱۹۰۵ء

دربارِ شام

فرمایا:۔

آج میں نے بارش کے لئے دعا کی تھی۔ دعا کے ساتھ ہی دل میں یہ خیال گذرا کہ یہ حبس اور امساکِ باراں اللہ تعالیٰ کے قضا و قدر کے موافق ہے اور اس میں دخل دینا مناسب نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے۔ "دُنیا میں ایک نذیر آیا لیکن دنیا نے اُسے قبول نہ کیا۔ پر خدا اُسے قبول کرے گا اور بڑے زورآور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دے گا۔"

ہر قسم کے مصائب شدائد اس کے زورآور حملوں میں آتے ہیں اور یہ سب ایک قسم کی پیشگوئیاں ہیں اور جو کچھ ہو رہا ہے بہرحال ہمارے لئے مفید ہے۔ کیا عجب کہ قحط کے رنگ میں بھی کوئی حملہ ظاہر ہونے والا ہو۔

فرمایا:۔ دنیا کی حالت اور رنگ دیکھا جاوے تو وہ بہت کچھ بدلا ہوا ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ ایسی حالت ہو گئی ہے کہ گویا حسنِ ظن کا موقعہ ہی نہیں رہا۔ کیونکہ اگر ہر پہلو سے بدظنی ہی ظاہر ہو تو انسان کہانتک اس پر حُسنِ ظن کرے گا۔ میں حیران ہوتا ہوں جب دیکھتا ہوں کہ دنیا میں سوائے دہریت، مکر و فریب کے اور کوئی بات نظر نہیں آتی۔ بالکل طبیعتیں دنیا ہی پر مائل ہو گئی ہیں یہاں تک کہ دین کا کام بھی اگر کوئی اپنے ہاتھ میں لیتا ہے تو اس میں بھی ان باتوں کا دخل ہے۔ یا تو وہ محض دنیا کا لالچ ہے یا دنیا کی طرفی ہے۔ ایسی حالت میں میں نے سوچا کہ اگر کوئی مرتا ہے تو پھر مرے۔

میں حیران ہوتا ہوں کہ لوگ تو اور اور باتوں کے لئے روتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اور باتوں کو چھوڑو مجھے تو اس کا فکر ہو رہا ہے کہ خدا کی ہستی ہی پر ان کو یقین نہیں رہا۔

اس مقام پر حضرت حکیم الامت نے عرض کی کہ کل میں نے اپنے درس میں ایک موقعہ پر اپنی جماعت کو خطاب کر کے کہا کہ سنو۔ تم نے اس سلسلہ میں داخل ہو کر کیا لیا؟ دنیا تو تم پر

لعنت بھیجتی ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کے ساتھ ہی تمہارا معاملہ صاف نہ ہوا اور باہم بغض، کینہ،
اور دشمنی رہی تو پھر خدا سے کیا لیا؟

حضرت اقدس نے فرمایا:-

خدا سے کیا لینا تھا۔ کچھ بھی نہیں۔ بالکل سچ ہے

---

منشی احمد جان صاحب مرحوم و مغفور مشہور صوفی لودھیانوی کے ذکر خیر میں حضرت حکیم الامت نے عرض کیا کہ انہوں نے طب رُوحانی کے سلسلہ میں اور بھی دو تین جلدیں لکھنے کا ارادہ کیا تھا۔ لیکن حضور کے دعویٰ کو سُنکر اُنہوں نے اس طریق کو چھوڑ دیا اور اسے محض کھیل تماشہ قرار دیا جس سے مجھے ان کے ساتھ بڑی محبت ہوگئی۔

حضرت حجۃ اللہ نے فرمایا:-

مجھے بھی انہوں نے ایسا ہی خط لکھا تھا

غرض آپ کا ذکر خیر ہوتا رہا۔ ان کے اخلاص کے ذکر میں توجہ اور سلب امراض کے علم کا ذکر ہوا۔ اس پر فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے اسلام میں جو طریق شفا کا رکھا ہے وہ تو دعا ہی کا طریق ہے اپنے نفس اور توجہ پر بھروسہ کرنا یہ بھی ایک قسم کا شرک ہے۔ لیکن جب انسان خدا سے دُعا کرتا ہے تو یہ سب باتیں فنا ہو جاتی ہیں۔ اور انسان پھر اصل پناہ کی طرف دوڑتا ہے۔ پس یاد رکھو کہ دعا ہی اصلیت ہے۔ باقی جو کچھ ہے وہ نرا خبط ہے۔

دعا کی عجیب عجیب تاثیریں میں نے تجربہ کی ہیں۔ ایک بار میں درد دانت سے سخت تکلیف میں تھا۔ عمر دراز نام ایک گرد آور ہمارے ہاں آیا ہوا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ دانت کے درد کا علاج بھی آپ کو معلوم ہے۔ اس نے کہا۔ علاجِ دنداں اخراجِ دنداں۔ میں نے جب یہ بات سُنی تو خیال کیا کہ دانت کا نکلوانا بھی ایک عذاب ہی ہے۔ میں اس وقت ایک چٹائی پر بیٹھا ہوا تھا

اور درد کی بیقراری کی وجہ سے سر چارپائی کی پاٹی پر رکھا ہوا تھا۔ اس وقت مجھے ذرا سی غنودگی ہوئی اور الہام ہوا۔ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِى۔ اور اس کے ساتھ ہی معاً درد جاتا رہا۔

میں یقیناً جانتا ہوں کہ دعا کے سلسلہ میں ہزارہا خزائن معارف کے مخفی ہیں۔ جو شخص دوسری طرف توجہ کرے گا وہ ان خزائن سے محروم رہ جائے گا کیونکہ جب انسان اس راہ کو جس پر سایہ دار درخت ہوں اور پانی کا سامان ہو چھوڑ دے تو وہ ان تمام آرام کے سامانوں سے محروم رہے گا یا نہیں۔ کسی کے پہلو میں دو دل تو نہیں ہو سکتے ایک ہی طرف توجہ کرے گا۔

فرق ضالہ نے اسی وجہ سے نقصان اُٹھایا کہ حقیقی راہ کو انہوں نے چھوڑ دیا۔ شیعہ وغیرہ جو حُسین حُسین پکارتے رہے اسی سبب سے محروم رہے کہ انہوں نے انسان کو بُت بنا لیا۔ اور ان کے سینہ میں وہ نورِ عرفان کا نہ رہا۔

اس کے بعد حضور اپنے زمانہ طالب علمی اور شیعہ اُستاد کے بعض حالات بیان فرماتے رہے جس سے معلوم ہوا کہ یہ قوم کہاں تک حقائق و معارف سے محروم رہ گئی۔

(الحکم جلد ۹ نمبر ۲۸ صفحہ ۱۱ مورخہ ۱۰ راگست ۱۹۰۵ء)

---

## ۹ راگست ۱۹۰۵ء

### دربارِ شام

پشاور سے ایک نوجوان ہندو حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کے واسطے آیا ہوا تھا۔ اس نے مختصراً اپنے حالات بیان کئے کہ کس طرح پر الحکم کے پڑھنے اور ایک احمدی کی صحبت نے اُسے مشتاقِ زیارت بنایا۔ اس تحریک پر حضرت حجۃ اللہ نے ذیل کی تقریر فرمائی:۔

سب سے بڑی بات تو دین ہے جس کو حاصل کر کے انسان حقیقی خوشحالی اور راحت کو حاصل کرتا ہے۔ دُنیا کی زندگی تو بہرحال گذر ہی جاتی ہے ؎

## شب تنور گذشت و شب سمور گذشت

یعنی راحت اور رنج دونو گذر جاتے ہیں لیکن دین ایک ایسی چیز ہے کہ اس پر چل کر انسان خدا تعالےٰ کو راضی کر لیتا ہے۔ یقیناً جانو کہ اللہ تعالیٰ اس وقت تک راضی نہیں ہوتا اور نہ کوئی شخص اس تک پہنچ سکتا ہے جب تک صراط مستقیم پر نہ چلے۔ وہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب اللہ تعالےٰ کی ذات صفات کو شناخت کرے اور ان راہوں اور ہدایتوں پر عملدرآمد کرے جو اس کی مرضی اور منشا کے موافق ہیں جب یہ ضروری بات ہے تو انسان کو چاہیئے کہ دین کو دنیا پر مقدم کرے اور یہ کچھ مشکل امر نہیں۔ دیکھو انسان پانچ سات روپیہ کی خاطر جو دنیا کی ادنیٰ ترین خواہش ہے اپنا سر کٹا لیتا ہے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا خیال ہو اور اسے راضی کرنا چاہے تو کیا مشکل ہے۔

انسان حقیقی دین سے کیوں محروم رہ جاتا ہے اس کا بڑا باعث قوم ہے۔ خویش و اقارب دوستوں اور قوم کے تعلقات کو ایسا مضبوط کر لیتا ہے کہ وہ ان کو چھوڑنا نہیں چاہتا۔ ایسی صورت میں ناممکن ہے کہ یہ نجات کا دروازہ اس پر کھل سکے۔ یہ ایک قسم کی نامردی اور کمزوری ہے لیکن یہ شہیدوں اور مردوں کا کام ہے کہ ان تعلقات کی ذرا بھی پروا نہ کرے اور خدا تعالیٰ کی طرف قدم اٹھائے۔

بعض کمزور فطرت لوگوں کا خیال ہوتا ہے کہ خدا تعالےٰ کی عبادت ہی کرنی ہے خواہ کسی مذہب میں ہوں۔ مگر وہ نہیں جانتے کہ آج جس قدر مذاہب موجود ہیں ان میں کوئی بھی مذہب بجز اسلام کے ایسا نہیں جو اعتقادی اور عملی غلطیوں سے مبرّا ہو۔ وہ سچّا اور زندہ خدا جس کی طرف رجوع کر کے انسان کو حقیقی راحت اور روشنی ملتی ہے۔ جس کے ساتھ تعلق پیدا کر کے انسان اپنی گناہ آلودہ زندگی سے نجات پاتا ہے۔ وہ اسلام کے سوا نہیں مل سکتا۔ یہی پہلا زینہ ہر قسم کی روحانی ترقیوں کا ہے۔ اگر اس کی توفیق مل جاوے تو پھر خدا اس کا اور وہ خدا کا ہو جاتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ جب ایک شخص محض اللہ تعالےٰ کی رضا کے لئے کسی قسم کی

نفسانی اغراض کے بغیر ایک قوم سے قطع تعلق کرتا ہے اور خدا ہی کو راضی کرنے کے لئے دوسری قوم میں داخل ہوتا ہے تو ان تعلقات قومی کے توڑنے میں سخت تکلیف اور دکھ ہوتا ہے مگر یہ بات خدا تعالیٰ کے نزدیک بڑی قابل قدر ہے اور یہ ایک **شہادت** ہے جس کا بڑا اجر اللہ تعالیٰ کے حضور ملتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ[1] یعنی جو شخص ایک ذرہ برابر بھی نیکی کرتا ہے اُسے بھی ضائع نہیں کرتا بلکہ اجر دیتا ہے تو پھر جو شخص اتنی بڑی نیکی کرتا ہے اور خدا تعالیٰ کی رضا کے لئے ایک **موت** اپنے لئے روا رکھتا ہے اسے اجر کیوں نہ ملے؟ جو شخص خدا تعالیٰ کے لئے اپنے تعلقات کو توڑتا ہے وہ فی الحقیقت ایک موت اختیار کرتا ہے کیونکہ اصل موت بھی ایک قسم کا قطع تعلق ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے لئے ان تعلقات کو توڑنا جو اپنی قوم اور خویش و اقارب سے ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑی بات ہے۔ بسا اوقات یہ روک بڑی زبردست روک انسان کو خدا کی طرف آنے کے لئے ہو جاتی ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ دوستوں کا ایک گروہ ہے۔ ماں باپ، بہن بھائی اور دوسرے رشتہ دار ہیں ان کی محبت اور تعلقات نے اس کے رگ و ریشہ میں سرایت کی ہوئی ہے کہ وہ **اسلام** کی صداقت اور سچائی کو تسلیم کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ بجز اس کے نجات نہیں۔ لیکن ان تعلقات کی بنا پر اقرار کرتا ہے کہ یہ راہ جس پر میں چلتا ہوں خطرناک اور گندی راہ ہے مگر کیا کریں جہنم میں پڑنا منظور ان قومی تعلقات کو کیونکر چھوڑ دیں۔ ایسے لوگ نہیں جانتے کہ یہ صرف زبان سے کہنا تو آسان ہے کہ جہنم میں پڑنا منظور۔ اگر انہیں اس دکھ درد کی کیفیت معلوم ہو تو پتہ لگے۔ ایک آنکھ میں ذرا درد ہو تو معلوم ہو جاتا ہے کہ کس قدر تکلیف ہے۔ پھر جہنم تو وہ جہنم ہے جس کی بابت قرآن شریف میں آیا ہے۔ لا یموت فیھا و لا یحییٰ۔[2] ایسے لوگ سخت غلطی پر ہیں۔ اس کا تو فیصلہ آسان ہے۔ دنیا میں دیکھ لے کہ کیا وہ دنیا کی بلاؤں پر صبر کر سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں تو پھر یہ کیونکر سمجھ لیا کہ عذاب جہنم کو برداشت کر لیں گے۔

بعض لوگ تو دوسروں کو دھوکہ دیتے ہیں مگر یہ لوگ اپنے آپ کو دھوکہ دیتے ہیں یقیناً

[1] الزلزال : ۸  [2] طٰہٰ : ۷۵

سمجھو کہ جہنم کا عذاب بہت ہی خطرناک ہے اور یہ بھی یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر فرما دیا ہے ومن یبتغ غیر الاسلام دیناً فلن یقبل منہ[1] یعنی جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کا خواستگار ہو وہ آخرکار ٹوٹے میں رہے گا۔

جس طرح پر انسان کا ایک حلیہ ہوتا ہے اور وہ اسی سے شناخت کیا جاتا ہے اسی طرح پر اللہ تعالےٰ کی ذات اور اس کے صفات بھی ایک طرح پر واقع ہوئے ہیں۔ یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ مختلف مذاہب والے خدا تعالےٰ کی جو شکل اور صفات پیش کرتے ہیں وہ سب کی سب درست ہوں۔ عیسائی، ہندو، چینی ہر ایک جدا جدا صفات پیش کرتا ہے پھر کون عقلمند یہ مان لے گا کہ ہر ایک اپنے بیان میں سچا ہے۔

ماسوا اس کے سچائی کے خود انوار و برکات ہوتے ہیں۔ یہ بھی تو دیکھنا چاہیئے کہ وہ نشانات اور انوار و برکات کس خدا کو مان کر ملتے ہیں اور کس دین میں وہ پائے جاتے ہیں۔ ایک شخص ایک نسخہ کو استعمال کرتا ہے اگر اُس نسخہ میں کوئی خوبی اور اثر ہے تو صاف ظاہر ہے کہ چند روز کے استعمال کے بعد ہی اس کی مفید تاثیریں معلوم ہونے لگیں گی لیکن اگر اس میں کوئی خوبی اور تاثیر نہیں ہے تو خواہ ساری عمر اسے استعمال کرتے جاؤ کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔ اس معیار پر **اسلام** اور دوسرے مذاہب کی سچائی اور حقیقت کا بہت جلد پتہ لگ جاتا ہے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو اپنی تاثیر اور انوار و برکات کے لئے کسی گذشتہ قصہ کا حوالہ نہیں دیتا اور نہ صرف آئندہ کے وعدہ ہی پر رکھتا ہے بلکہ اس کے پھل اور آثار ہر وقت اور ہر زمانہ میں پائے جاتے ہیں اور اسی دنیا میں ایک سچا مسلمان اُن ثمرات کو کھا لیتا ہے۔

بتلاؤ ایسے مذاہب انسان کو کیا امید دلا سکتے ہیں جن میں توبہ تک منظور نہیں۔ ایک گناہ کر کے جب تک کروڑوں جونیں نصیب نہ ہو لیں خدا تعالیٰ سے صلح ہی نہیں ہو سکتی وہاں کیا پائے گا۔ اس کی رُوح کو راحت اور تسلی کیونکر مل سکے گی۔ مذہب کی سچائی کی بڑی علامت

[1] آل عمران: ۸۶

یہ ہے کہ اس راہ سے دُور افتادہ خدا تعالیٰ کے نزدیک آجاتا ہے۔ جیسے جیسے وہ نیک عمل کرتا جاوے اسی اسی قدر تاریکی دُور ہو کر معرفت اور روشنی آتی جاوے اور انسان خود محسوس کرلے کہ وہ نجات کی ایک یقینی راہ پر جارہا ہے۔ اس کی ہدایتیں ایسی صاف اور واضح ہوں کہ انسان ان کے ماننے اور اس پر عمل کرنے میں اٹکے نہیں۔

بھلا یہ بھی کوئی تعلیم اور اصول ہے کہ ذرّہ ذرّہ کو خدا قرار دے دیا جاوے جیسے خدا ازلی ابدی ہے۔ اسی طرح پر ذرات عالم اور ارواح کو بھی ازلی ابدی تسلیم کیا جاوے۔ اگر ایسا کوئی خدا ہے کہ جس نے ایک ذرہ بھی کسی قسم کا پیدا نہیں کیا تو اس پر بھروسہ کیسا؟ اور اس کا ہم پر حق کیا ہے جو عبادت کریں کیونکہ عبادت کے لئے حق بھی تو ہونا چاہیئے جب کوئی حق ہی نہ ہو تو ایک ذرّہ ذرّہ اُسے کہہ سکتا ہے کہ تیرا ہم پر کیا حق ہے اس عقیدہ کو رکھ کر انسان کس طرح پر خدا پرست ہو سکتا ہے بلکہ میرے نزدیک خدا تعالےٰ کی ہستی پر دلیل ہی قائم نہیں ہو سکتی۔ اگر آریوں سے کوئی دہریہ پوچھے کہ پرمیشر کی ہستی کا کیا ثبوت ہے تو اس کا جواب وہ کیا دے سکتے ہیں کیونکہ صانع کو مصنوعات سے شناخت کرتے ہیں جبکہ مصنوعات ہی کا وجود نہیں تو صانع کا وجود کہاں سے آیا۔ جیو اور پرکرتی کو جو خود بخود تسلیم کرتے ہیں تو پھر اُن کے جوڑنے جاڑنے کے لئے کیا حاجت ہو سکتی ہے۔ اس طرح پر کوئی دلیل اللہ تعالےٰ کی ہستی پر اُن کے ہاتھ میں نہیں اور جبتک اس کی ہستی پر کوئی دلیل نہ ہو کس طرح کوئی مان لے کہ وہ ہے

ماسوا اس کے ان لوگوں کا یہ بھی اصول نہیں کہ خدا رحم کرنیوالا ہے۔ ہر شخص کی اس ہستی پر توجہ ہوتی ہے جسے رحیم۔ کریم۔ فیاض تسلیم کرے لیکن انہوں نے یہ مانا ہوا ہے کہ بغیر کرموں کے پھل کے اور کچھ عطا ہی نہیں کر سکتا۔ اگر کرموں پر ہی سارا مدار ہے تو اس خدا پر کیا بھروسہ اور کیا امید جس کا ذرہ بھر بھی احسان نہیں ہے۔

یہ تمام امور ہیں جب انسان ان کو بنظر غور دیکھتا ہے تو اُسے معلوم ہو جاتا ہے کہ سوائے اسلام کے دوسروں میں سچی ہدایتیں نہیں ملتی ہیں۔

ماسوا اس کے ایک اور بڑی بات قابل غور ہے کہ اسلام میں بہت بڑی خاصیت یہ ہے کہ انسان جس مطلب کے لئے بنایا گیا ہے وہ اسلام کے سوا حاصل نہیں ہو سکتا۔ وہ کیا ہے؟ یہ کہ خدا تعالےٰ کی محبت بڑھے اور اس کی معرفت ترقی کرے جس سے وہ ایک کامل شوق ذوق کے ساتھ اس کی عبادت کرے۔ لیکن یہ مطلب کبھی پورا نہیں ہو سکتا جب تک تعلیم اور ہدایت کامل نہ ہو اور پھر اس تعلیم اور ہدایت پر عمل کرنے کے جو نتائج اور ثمرات ہیں ان کا نمونہ موجود نہ ہو جس کو دیکھ کر معلوم ہو کہ خدا قادر خدا ہے۔

یہ ساری باتیں اس وقت سمجھ میں آتی ہیں جب انسان پُرغور مطالعہ کرتا ہے عقلمند اور سعید کے دل میں تو اللہ تعالیٰ خود ہی ایک واعظ پیدا کر دیتا ہے اور وہ اسلام اور دوسرے مذاہب میں اسی طرح امتیاز کر لیتا ہے جس طرح پر تاریکی اور نور میں کر لیتا ہے لیکن بعض شخص ایسے ہوتے ہیں کہ اُن کے دل پر ایک مُہر ہوتی ہے وہ حقیقت تک پہنچنے کی سعی نہیں کرتے بلکہ بیہودہ اعتراض کرتے ہیں۔ سعادت خدا تعالےٰ کی عطا اور بخشش ہے کوئی شخص جب تک رُوحِ حق اور راستی سے مناسبت نہیں رکھتا ہے اس طرف آ ہی نہیں سکتا اور یہ خدا تعالیٰ کے فضل پر موقوف ہے۔

اگر کوئی کہے کہ اعمال سے شناخت ہو سکتا ہے کہ کونسا مذہب سچا ہے تو وہ لوگ جو راہزنی اور قزاقی کرتے ہیں اُن سے پُوچھا جاوے تو وہ اُسے مکروہ خیال نہیں کرتے بلکہ ایک شکار سمجھتے ہیں۔ اسی طرح اور لوگ جو فسق و فجور میں مبتلا ہیں وہ بُرا نہیں سمجھتے۔ یہ کوئی بات نہیں ہے۔ اصل یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور فیض کے برکات اور انوار ساتھ ہوں۔

غرض اول یہ ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے متعلق غور کرے اور سمجھے۔ سب سے اول اسی کا فرض ہے اور یہ سمجھ ملنا اس کے فضل پر موقوف ہے۔ پھر دعا کرے اور نیک صحبت میں رہے اور یہ بھی خیال کرے کہ عمر کا کوئی اعتبار نہیں۔ بعض لوگ اس انتظار میں رہتے ہیں کہ فلاں وقت اس نیکی کو کر لیں گے مگر وہ اس انتظار ہی میں رہتے ہیں اور موت آجاتی ہے۔ اس لئے نیکی کے

اختیار کرنے میں دیر نہیں چاہیئے۔

(الحکم جلد ۹ نمبر ۲۹ صفحہ ۲، ۳ مورخہ ۱۷ اگست ۱۹۰۵ء)

## ۱۰ اگست ۱۹۰۵ء

قبل از عشاء

ذکر آیا کہ ایک انگریزی اخبار میں مضمون نکلا ہے کہ اسلام ہند میں نہیں پھیلا کیونکہ ہندو خود مہذب تھے اور کسی مہذب قوم میں اسلام پھیل نہیں سکتا۔ فرمایا:۔

یہ جھوٹ ہے ہندوستان میں سوائے چند ایک قوموں کے جو باہر سے آئی ہیں (قریش۔ مُغل۔ پٹھان) باقی سب ہند کے باشندے ہیں جنہوں نے اسلام قبول کیا مثلاً شیخ۔ خواجگان۔ زمینداروں کی سب اقوام وغیرہ۔ یہ سب پہلے ہندو تھے۔

فرمایا۔ عیسائیوں کا عجیب طریقہ ہے۔ اگر کثرت دکھائی جاوے تو کہتے ہیں جبراً مسلمان ہوئے اور اگر کثرت نہ دکھائی جاوے تو کہتے ہیں اسلام کا کچھ اثر نہ ہوا۔

## تہذیب

فرمایا۔ تہذیب بھی ان کا اپنا بنایا ہوا ایک لفظ ہے جس کے معنے ان کی اصطلاح میں سوائے اس کے نہیں کہ انسان خدا تعالےٰ کی مقرر کردہ رسموں کو توہین سے دیکھے اور دُنیا پرستی اور دہریہ پن کی طرف جُھک جائے۔ سچی تہذیب وہ ہے جو قرآن شریف نے سکھلائی[1]۔ جس کے ذریعہ سے رُوحانی زندگی حاصل ہوتی ہے اور انسان اور حیوان میں فرق معلوم ہوتا ہے۔

---

[1] الحکم سے:۔ "آسمانی تہذیب تو اور ہے جس میں ایمان۔ تقویٰ۔ دیانت صلاحیت اور نیک کرداری شامل ہے۔ مگر اُن کے نزدیک دنیا کے جوڑ توڑ، ہر قسم کے مکر و فریب کا نام تہذیب ہے۔ یہ تہذیب اُن کے ہی نصیب رہے ہم اس کو لینا نہیں چاہتے چند بے ہودہ رسوم و عادات کا نام جو اخلاق سے گری ہوئی ہیں تہذیب نام رکھتے ہیں اور خدائی رُسوم و آداب

اور جس کے ذریعہ سے رُوحانی زندگی حاصل ہوتی ہے اور انسان اور حیوان میں فرق معلوم ہوتا ہے اور جس کے ذریعے سے سچّے اور جھوٹے مذہب میں ایک امتیاز پیدا ہوتا ہے اور انسان کو سفلی زندگی سے دل سرد ہو کر عالم جاودانی کی طرف رغبت پیدا ہوتی ہے۔ ان لوگوں کے نزدیک تہذیب اس کا نام ہے کہ انسان دُنیا کا کیڑا بن جاوے۔ خدا تعالیٰ کو بھول جاوے اور ظاہری اسباب کی پرستش میں لگ جائے[۱]۔ مگر خُدا تعالیٰ کے نزدیک تہذیب یہ ہے کہ خُدا تعالیٰ پر پورا بھروسہ ہو جائے اور اس کی عظمت اور ہیبت دل میں بیٹھ جائے اور دل کو سچی پاکیزگی حاصل ہو جائے۔

یورپ میں جب عیسائیت پھیلی تھی تو اس وقت یورپ کس قدر تاریکی اور سخت بُت پرستی میں مبتلا تھا۔ پھر ان وحشی قوموں پر عیسائیت کا کیا اثر ہوا۔ صرف یہ کہ ایک بُت پرستی کی جگہ دوسری بُت پرستی قائم ہو گئی۔

بقیہ حاشیہ: کی توہین اور استخفاف کرتے ہیں حالانکہ ان رسوم وعادات کے نتائج اعلیٰ درجہ کے ہوتے ہیں جن سے سوسائٹی میں امن، اخلاق اور نیک اعمالی پیدا ہوتی ہے۔ اپنی رسُوم وعادات کو جن کے نتائج بد ہیں پسندیدہ سمجھتے ہیں۔"

(الحکم جلد ۹ نمبر ۲۹ صفحہ ۲ مورخہ ۱۷ اگست ۱۹۰۵ء)

---

[۱] الحکم سے۔ "مکرمی مفتی محمد صادق صاحب نے بیان کیا کہ مسٹر بیک نے ایک مرتبہ علیگڈھ کالج کے طلبار کے سامنے تہذیب پر لیکچر دیا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ اگر تم راستہ میں چلو تو لیڈی تمہارے دائیں طرف ہو اور اگر کوئی تار وغیرہ آجاوے تو اس کو پاؤں سے دبا کر لیڈی کو آرام سے گذرنے دو۔ کھانا کھاؤ تو اپنی بیوی کے ساتھ نہیں بلکہ تمہاری بیوی کسی اَور کے ساتھ کھائے اور تم کسی غیر کی بیوی سے۔ فرمایا:۔

یہ تہذیب ان کو ہی مبارک ہو۔ قرآن شریف نے ہی سچی تہذیب دنیا کو سکھائی ہے یہ تہذیب وہ ہے جس سے انسانیت آتی ہے اور انسان اور حیوان کے درمیان مابہ الامتیاز حاصل ہوتا ہے اور پھر سچے اور جھوٹے مذاہب کے درمیان مابہ الامتیاز عطا ہوتا ہے۔ اگر یہ تہذیب کسی کو نہیں ملی تو اسے تہذیب سے کوئی حصہ ہی نہیں ملا یہ دنیا کے کیڑے ہیں۔ اباحت

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

**ارادہ الٰہی**

اسلام نے وحشیوں کو حقیقی انسانیت تک پہنچایا۔ اُن کے اندر توحید کی رُوح پھُونک دی مگر انجیل کی تعلیم نے صرف یہ سکھایا کہ ایک انسان کو خدا بنانے کے لئے رغبت دی اور شراب اور سؤر کھلایا اور خدا تعالےٰ کی سچی عبادت سے آزاد کر کے اباحت کا دروازہ کھولا۔ پس چونکہ عیسائی مخلوق پرستی اور آزادی کے عادی ہوگئے ہیں۔ اس لئے نہیں چاہتے کہ سچا دین زمین پر پھیلے مگر خدا تعالیٰ کے ارادہ کو کون پلٹ سکتا ہے۔ ان لوگوں کی لڑائی ارادہ الٰہی کے ساتھ ہے۔ انسانی کوششوں سے اب یہ جنگ فتح نہیں ہوسکتی۔ مگر خدا تعالےٰ سب پر قادر و توانا ہے جس نے زمین و آسمان بنایا۔ وہ قادر ہے کہ نیا زمین و آسمان بنادے عرب کی پہلی حالت کہ وہ کس گند میں پڑے ہوئے تھے۔ ایک دوسرے کے ساتھ لڑتے تھے دیکھ کر اور پھر ان کی پچھلی حالت اسلامی دیکھ کر تسلّی ہوتی ہے کہ خدا تعالےٰ سب کچھ کرسکتا ہے ساری دنیا پر اثر ڈالنا اور اُن کو اباحت کے گندے خیالات سے نکال کر اسلام کا پاک جامہ پہنانا انسانی کام نہیں ہے۔

---

سے ملی ہوئی باتوں کا نام تہذیب قرار دیتے ہیں۔

خدا تعالیٰ نے جس تہذیب کے پھیلنے کا ارادہ فرمایا ہے اسے اب کوئی روک نہیں سکتا۔ جیسے جب کوئی بڑا بھاری سیلاب آتا ہے تو اس کے آگے کوئی بند نہیں لگا سکتا۔ اسی طرح پر اللہ تعالےٰ کا ارادہ اس سیلاب سے بھی بڑھ کر زبردست ہے۔ کون ہے جو اُس کے آگے بند لگائے۔ خدا تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے کہ دنیا میں سچی تہذیب اور رُوحانیت پھیلے اور یہ اس کے بالمقابل عیسائیت کے گندے خیالات پھیلانا چاہتے ہیں۔ اب خدا تعالےٰ سے اُن کی لڑائی ہے۔ معلوم ہو جائے گا کہ اس کا انجام کیا ہے۔ خدا تعالیٰ نے جو ارادہ فرمایا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ وہی خدا ہے جس نے زمین و آسمان بنایا ہے۔ وہ چاہے تو نئے سرے سے اس زمین و آسمان کو بنا سکتا ہے۔ اب اسی کا کام ہے کہ وہ دنیا پر اثر ڈال دے۔ (الحکم جلد ۹ نمبر ۲۹ صفحہ ۳ مورخہ ۱۷ اگست ۱۹۰۵ء)

# دنیا کی اصلاح کس طرح ہو

ہماری کوششیں تو بچوں کا کھیل ہے نہ لوگوں کے دلوں سے ہم وہ گند نکال سکتے ہیں جو آجکل دنیا بھر میں پھیلا ہوا ہے نہ کمال محبتِ الٰہی کا ان کے اندر بھر سکتے ہیں۔ نہ اُن کے درمیان باہمی کمال اُلفت پیدا کر سکتے ہیں جس سے وہ سب مثل ایک وجود کے ہو جائیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ چنانچہ قرآن شریف میں صحابہؓ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کیا ہے۔ هُوَ الَّذِيٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ۚ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۚ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۔[1] وہ خدا جس نے اپنی نصرت سے اور مومنوں سے تیری تائید کی اور اُن کے دلوں میں ایسی اُلفت ڈالی کہ اگر تو ساری زمین کے ذخیرے خرچ کرتا تو بھی ایسی الفت پیدا نہ کر سکتا لیکن خدا تعالیٰ نے ان میں یہ اُلفت پیدا کر دی۔ وہ غالب اور حکمتوں والا خدا ہے۔ جس خدا نے پہلے یہ کام کیا وہ اب بھی کر سکتا ہے۔ آئندہ بھی اسی پر توکل ہے جو کام ہونے والا ہوتا ہے اس میں خدا تعالیٰ کے فضل کی رُوح پھونکی جاتی ہے جیسا کہ باغبان اپنے باغ کی آبپاشی کرتا ہے تو وہ تر و تازہ ہوتا ہے۔ ایسا ہی خدا تعالیٰ اپنے مرسلین کے سلسلہ کو ترقی اور تازگی عطا فرماتا ہے۔ جو فرقے صرف اپنی تدبیر سے بنتے ہیں ان کے درمیان چند روز میں ہی تفرقے پیدا ہو جاتے ہیں جیسا کہ برہمو تھوڑے دن تک ترقی کرتے کرتے آخر رُک گئے اور دن بدن نابود ہوتے جاتے ہیں کیونکہ ان کی بنا صرف انسانی خیال پر ہے۔

ہماری جماعت کے متعلق خدا تعالیٰ کے بڑے بڑے وعدے ہیں کوئی انسانی عقل یا دور اندیشی یا دنیوی اسباب ان وعدوں تک ہم کو نہیں پہنچا سکتے۔※ اللہ تعالیٰ خود ہی سب

※ الحکم سے ۔ "یہ لوگ جو ہمارے مخالف ہیں۔ اسی قیاس پر ہماری جماعت کو سمجھتے ہیں جیسے برہمو وغیرہ فرقوں کو سمجھتے ہیں۔ اسی طرح اس فرقہ اور قوم کو سمجھتے ہیں کہ یہ بھی کسی شخص کی خیالی تجویزوں کا نتیجہ ہے مگر میں جانتا ہوں کہ خدا نے اس سلسلہ کو

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

[1] الانفال: ۶۳، ۶۴

اسباب مہیا کر دے گا۔ تب یہ کام انجام کو پہنچے گا۔ اگر بالفرض ہماری جماعت کی تعداد بیس پچیس لاکھ تک پہنچ کر ٹھہر جائے تو پھر بھی کیا ہے۔ کچھ بھی نہیں۔ اتنی تعداد تو سکھوں کی بھی ہے۔ ہم تو چاہتے ہیں کہ ساری دنیا اس جماعت سے بھر جائے۔ اور یہ انسان کا کام نہیں۔ انسان کی زندگی کا تو ایک دم کا اعتبار نہیں۔ وہ کیا کر سکتا ہے۔

## بڑا معجزہ

لیکن خدا تعالےٰ سب کچھ کر سکتا ہے۔ دراصل بڑا معجزہ یہی ہے کہ فرستادہ کی علتِ غائی باطل نہ ہو جائے۔ حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے صدہا معجزات ہیں لیکن سب سے بڑا یہی ہے کہ جس بات کا دعویٰ کیا تھا اس کو پورا کر دکھایا۔ طبیب حاذق اسی طرح پہچانا جاتا ہے کہ بڑے بڑے بیمار اس سے شفا پائیں تب ہی اس کا دعویٰ سچا ثابت ہوگا۔[۱]

حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت قوم عرب کے تمدن اور اخلاق اور رُوحانیت کا کیا حال تھا۔ گھر گھر میں جنگ اور شراب نوشی اور زنا اور لوٹ مار۔ غرض ہر ایک بدی موجود تھی۔ کوئی نسبت اور تعلق خدا تعالیٰ کے ساتھ اور اخلاق فاضلہ کے ساتھ کسی کو حاصل نہ تھا۔ ہر ایک فرعون بنا پھرتا تھا۔

**نمونہ صحابہؓ** | لیکن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے آنے سے جب اسلام میں داخل ہوئے

---

قائم کیا ہے اور اسی کے فضل سے اس کا نشو و نما ہو رہا ہے۔ اصل یہ ہے کہ جب تک خدا تعالےٰ کا ارادہ نہ ہو کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی اور نہ اس کا نشو و نما ہو سکتا ہے لیکن جب اللہ تعالےٰ کسی کے لئے چاہتا ہے تو وہ قوم بیج کی طرح ہوتی ہے جیسے قبل از وقت بیج کے نشو و نما اور اس کے آثار کوئی نہیں سمجھ سکتا اس قوم کی ترقیوں کو بھی محال اور ناممکن سمجھتے ہیں۔" (الحکم جلد ۹ نمبر ۲۹ صفحہ ۳ مورخہ ۱۷ اگست ۱۹۰۵ء)

[۱] الحکم ہے۔ "آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ اپنے دعویٰ کے موافق کر دکھایا۔ اس کی تو کوئی نظیر ہی نہیں ملتی۔" (الحکم حوالہ مذکور)

تو ایسی محبتِ الٰہی اور وحدت کی رُوح اُن میں پیدا ہو گئی کہ ہر ایک خدا تعالیٰ کی راہ میں مرنے کے لئے تیار ہو گیا۔[1] انہوں نے بیعت کی حقیقت کو ظاہر کر دیا اور اپنے عمل سے اس کا نمونہ دکھا دیا۔ اب تو بعض لوگ بیعت میں داخل ہوتے ہیں تو ذرا سے ابتلار سے گھبرا جاتے ہیں۔ مال اور جسمانی آرام سے بڑھ کر جان پیاری ہوتی ہے۔ صحابہؓ نے سب سے پہلے اپنی عزیز جان کو فدا کیا۔[2] برخلاف اس کے یسُوع کے شاگردوں میں کوئی بات نہیں دیکھتے جس سے یسُوع کی کی کامیابی پر دلیل پکڑی جائے۔ پطرس نے انکار کیا۔[3] بلکہ لعنت کی۔ یہودا نے گرفتار کرایا۔ باقی بھاگ گئے معلوم ہوتا ہے اُن کے ہادی میں کچھ کشش نہ تھی کہ اُن کو بُرائی اور منتشر ہونے سے روک سکتی۔ یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے جس پر چاہے کرے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات میں ایک کشش اور جذب ہے وہ جذب خدا تعالیٰ اپنے کامل نبی میں رکھ دیتا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ نے کس قدر وفاداری کا نمونہ دکھایا جس کی نظیر نہ پہلے تھی نہ آگے دکھائی دیتی ہے لیکن خدا تعالیٰ چاہے تو وہ پھر بھی ویسا ہی کر سکتا ہے۔ ان نمونوں سے دوسروں کے لئے فائدہ ہے۔

---

[1] الحکم سے:- "کیا کوئی اس قوم کی نسبت خیال کر سکتا تھا کہ یہ قوم باہم متحد ہو گی اور خدا تعالیٰ سے ایسا قوی تعلق پیدا کریں گے کہ باوجودیکہ یہ فرعون سیرت ہیں لیکن اس کی اطاعت میں ایسے محو اور فنا ہوں گے کہ جان عزیز کو بھی اس کی راہ میں دیدیں گے۔ غور کرو کہ کیا یہ آسان امر تھا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ عظیم الشان کامیابی ہے۔ ایک ایسی قوم میں ایسی محبت الٰہی کا پیدا کر دینا کہ وہ مرنے کو تیار ہو جائیں خود آپ کے اعلیٰ درجہ کی قوت قدسی کو ظاہر کرتا ہے۔" (الحکم جلد ۹ نمبر ۲۹ صفحہ ۲ مورخہ ۱۷ اگست ۱۹۰۵ء)

[2] الحکم سے:- "اگر کوئی کشش نہ تھی تو اس درجہ تک وہ کیونکر پہنچے۔" (الحکم حوالہ مذکور)

[3] الحکم سے:- "پطرس نے آخری وقت پر جو مدد کا وقت تھا انکار کر دیا" (الحکم حوالہ مذکور)

اس جماعت میں خدا تعالیٰ ایسے نمونے پیدا کر سکتا ہے۔ [ا]

خدا تعالیٰ نے صحابہؓ کی تعریف میں کیا خوب فرمایا ہے۔ من المؤمنین رجالٌ صدقوا ما عاھدوا اللّٰہ علیہ فمنھم من قضیٰ نحبہ ومنھم من ینتظر* (پارہ ۲۱ رکوع ۱۹) مومنوں میں ایسے مرد ہیں جنہوں نے اس وعدہ کو سچا کر دکھایا جو انہوں نے خدا تعالیٰ کے ساتھ کیا تھا۔ سو اُن میں سے بعض اپنی جانیں دے چکے اور بعض جانیں دینے کو تیار بیٹھے ہیں۔ صحابہ کی تعریف میں قرآن شریف سے آیات اکٹھی کی جائیں تو اس سے بڑھ کر کوئی اُسوہ حسنہ نہیں۔ [۲]

---

ا۔ الحکم سے "اللہ تعالیٰ چاہے تو ہر ایک وقت میں ایسا ہو سکتا ہے۔ مولوی عبداللطیف (رضی اللہ عنہ) نے بھی ایسا کامل نمونہ دکھایا۔"
(الحکم جلد ۹ نمبر ۲۹ صفحہ ۲ مورخہ ۱۷ اگست ۱۹۰۵ء)

۲۔ الحکم سے:۔ "جس سلسلہ میں کوئی نمونہ نہ ہو وہ سلسلہ قابلِ تعریف نہیں ہو سکتا۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ایسا نمونہ دکھایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی بڑی تعریف کی ہے۔ . . . . . . . بنی اسرائیل میں شہرت یافتہ دو ہی نبی تھے ایک حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دوسرے حضرت مسیح علیہ السلام اور ان دونوں میں سے کسی کے نمونہ کا ذکر کر کے طبیعت خوش نہیں ہوتی۔ حضرت موسیٰؑ کی قوم ان کو ہی سنگسار کرنے کو آمادہ ہو جاتی تھی اور اکثر ان کے ساتھ جھگڑتے اور انکار کر دیتے تھے۔ وہ سرکش اور کج طبع قوم تھی۔ اور حضرت عیسیٰؑ کے صحابہ کا وہ حال تھا جو میں نے ابھی بیان کیا کہ آخری وقت انکار کر دیا۔ اس تقریر کے بعد صحابہ کرامؓ کی اس محبت و اخلاص کا ذکر فرماتے رہے جو وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے رکھتے تھے۔ اسی ضمن میں یہ ذکر آ گیا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات پر وہ کس قدر بیقرار ہو گئے تھے۔ انہیں قرار نہیں آیا جب تک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خطبہ پڑھ کر سب انبیاء علیہم السلام کی وفات پر اجماع نہ کرا لیا۔ فرمایا۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

* الاحزاب : ۲۴

# غیر معمولی موسم

آسمان پر گرد و غبار سے بارش نہ ہونے اور موسم میں ایک غیر معمولی رنگ رہنے کا ذکر تھا۔ فرمایا:۔

ایک دن سخت گرمی اور لوگوں کی گھبراہٹ کو دیکھ کر میں دعا کرنے لگا تھا مگر پھر مجھے خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ یہ جو کچھ کر رہا ہے ہماری ہی تائید میں کر رہا ہے۔ آج اگر طاعون اُٹھ جائے۔ زلزلوں سے امن ہو جائے اور فصلیں خوب پک جائیں تو پھر لوگوں کا یہی کام ہوگا کہ امن پا کر ہم کو گالیاں دینے میں مصروف ہو جائیں۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں زور آور حملوں سے تیری سچائی کو ظاہر کر دوں گا۔ یہی اس کے حملے ہیں۔ پس ہم ان حملوں کو رد کرنے کے واسطے کیوں دعا کریں؟ دنیا کے آرام میں ہمارا آرام نہیں۔ جو کچھ ہو رہا ہے وہ ہمارے لئے ہی ہو رہا ہے اور ہمیشہ سے عادت اللہ اسی طرح جاری ہے۔ جب ہمارے ہر امر کا متولی خدا تعالیٰ ہے تو ہمیں کیا غم ہے

بقیہ حاشیہ: یہ کیا ہی مبارک اجماع تھا۔ اگر یہ اجماع نہ ہوتا تو بڑا بھاری فتنہ اسلام میں پیدا ہوتا۔ اسلام میں سب سے پہلا اجماع ما محمدٌ الّا رسول قد خلت من قبله الرسل[1] ہی پر ہوا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا منشا تو اس صدمہ ہی کو دُور کرنا تھا اور وہ مرگِ یاراں جشنے دارد ہی سے دُور ہوتا تھا۔ اگر اس آیت کے استدلال میں حضرت مسیح کو مستثنیٰ کیا جاتا تو صحابہؓ کے درد کا کیا علاج ہوتا۔ پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مسیح سے کم درجہ پر تھے جو زندہ نہ رہتے۔ قد خلت کے معنے تو خود اس آیت میں افائن مات او قتل نے کر دیئے ہیں۔ کیا اس میں رفع بجسدہ العنصری بھی کہیں لکھا ہے؟ غرض جس طرح پر کسی کی قوت شامہ ماری جاوے تو اُسے خوشبو کا حاسہ نہیں رہتا۔ اسی طرح پر ان لوگوں کی ایمانی قوت شامہ مرگئی ہے جو مسیح کو زندہ آسمان پر لے جاتے ہیں۔ اگر یہ عقیدہ صحیح ہے تو پھر حالت بہت خطرناک ہے۔ یہی عقیدہ ان کی خدائی کی پہلی اینٹ قرار دیا گیا ہے۔"

(الحکم جلد ۹ نمبر ۲۹ صفحہ ۲ و ۳ مؤرخہ ۱۷؍ اگست ۱۹۰۵ء)

[1] آل عمران: ۱۴۵

جو ہوگا کوئی نشان ہی ہوگا۔

(بدر جلد ۱ نمبر ۲۰ صفحہ ۲ و ۳ مورخہ ۱۷؍اگست ۱۹۰۵ء)

---

**۱۱؍اگست ۱۹۰۵ء** دربار شام

حضرت حکیم الامت کا بچہ عبدالقیوم بیمار تھا۔ گذشتہ شب کو اُسے تکلیف تھی حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کا حال پوچھ رہے تھے۔ اسی ذکر میں حضرت حکیم الامت نے کہا کہ میں اس سوال پر سوچتا رہا کہ آریہ جو اعتراض کرتے ہیں کہ بچوں کو جو دکھ یا تکالیف پہنچتی ہیں یہ ان کے پچھلے جنم کا نتیجہ ہے۔ اس تحریک پر حضرت اقدس نے ذیل کی تقریر فرمائی:۔

**تناسخ** یہ تو بالکل بیہودہ عقیدہ ہے[۱]۔ اول تو یہ بھی قابل غور امر ہے کہ آیا بچے اس قدر تکلیف محسوس بھی کرتے ہیں یا نہیں جس قدر ماں باپ محسوس کرتے ہیں کیونکہ حس بھی عقل ہی کے ساتھ بڑھتی ہے۔ اور علاوہ بریں بچہ بھی جو بہشت میں داخل ہوگا تو کسی حق ہی سے ہوگا اس لئے اس قسم کی تکالیف اُٹھاتا ہے۔[۲]

---

[۱] بدر سے:۔ "بچوں کی تکلیف سے تناسخ نکالنا بڑی نادانی کی بات ہے"

(بدر جلد ۱ نمبر ۲۰ صفحہ ۲ مورخہ ۱۷؍اگست ۱۹۰۵ء)

[۲] بدر سے:۔ " یہ مانا گیا ہے کہ جن باتوں میں حیوانات انسانوں سے مشترک ہیں ان میں حیوان وہ لذت نہیں اُٹھا سکتا۔ ایسا ہی بچے کے واسطے اس قدر احساس نہیں ہے جس قدر بڑے کے واسطے ہے لیکن اگر ہم مان لیں کہ اس کو درحقیقت تکلیف ہے اور اس کے ماں باپ وغیرہ بھی کوئی نہیں ہیں جن کی طرف وہ تکلیف منسوب ہو سکے۔ تب بھی اس سے تناسخ نہیں نکل سکتا کیونکہ نرا پاک ہونا اور معصوم ہونا کسی کو فضل کا مستحق نہیں بنا سکتا۔ تکالیف بنی آدم کیواسطے اجر کا موجب ہیں اور دوسرا عالم ساتھ ہی موجود ہے جو کہ جاودانی امن اور آرام کا عالم ہے اور وہ اس عالم سے صرف ایک انتقال سے پیدا ہوتا ہے۔ ادھر آدمی آنکھ بند کرتا ہے ادھر کھول دیتا ہے۔ بچوں کے لئے دوسرے عالم میں اجر ہے۔" (بدر حوالہ مذکور)

# تکالیف اور شدائد کا فلسفہ

اصل بات یہ ہے کہ انسانی فطرت ایسی واقع ہوئی ہے کہ وہ زدو کوب ہی سے درست ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ربوبیت انسان کی تکمیل چاہتی ہے اور خود عبودیت کا بھی تقاضا ہے کہ کسی نہ کسی طرح تکمیل کرے۔ اس لئے منجملہ تکمیل کی صورتوں کے ایک شدائد اور مصائب بھی ہیں۔

انبیاء علیہم السلام جو بالکل معصوم اور مقدس وجود ہوتے ہیں وہ بھی تکالیف اور شدائد کا نشانہ بنتے ہیں[1]۔ اور ایسے مصائب ان پر آتے ہیں کہ اگر کسی اور پر آئیں تو وہ برداشت ہی نہ کر سکے۔ ہر طرف سے ان کے دشمن اُٹھتے ہیں۔ کوئی باتوں سے دُکھ دیتا ہے۔ کوئی حکام وقت کے ذریعہ تکلیف دینے کا منصوبہ کرتا ہے کوئی قوم کو اس کے برخلاف اکساتا ہے۔ غرض ہر پہلو سے اس کو تکلیف دی جاتی ہے اور ہر طرح کی بے آرامی اور حُزن وغم اُن پر آتا ہے۔ باوجود اس کے ان ساری باتوں کا کچھ بھی اثر اُن پر نہیں ہوتا اور وہ پہاڑ کی طرح جنبش نہیں کرتے۔ کیا اس سے یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ وہ سب سے زیادہ گنہگار ہیں؟ ہرگز نہیں۔ اگر کوئی ایسا خیال کرے تو اس سے بڑھ کر بیہودگی اور کیا ہوگی؟ بچوں کی تکالیف کا مسئلہ انبیاء علیہم السلام کے مسئلہ سے خوب حل ہوتا ہے۔ معصومیت کے لحاظ سے بچہ سمجھ لو یہ مصائب عبودیت کی تکمیل کے لئے ہیں[2] اور عالم آخرت کے لئے مفید ہیں۔ اگر ایسی حالت ہوتی کہ مرنے کے بعد بچہ کی رُوح مفقود ہو جاتی تو بھی اعتراض کا موقعہ ہوتا لیکن جب جاودانی عالم اور ابدی راحت موجود ہے تو پھر یہ سوال ہی کیوں ہے؟ اگر یہ سوال ہے کہ بغیر تکلیف کے اس ابدی راحت میں داخل کر دے تو پھر کہیں گے کہ معاصی کا بکھیڑا کیوں ہے اس کے ساتھ ہی داخل کر سکتا تھا[3]۔ اس کا جواب یہی ہے کہ اللہ

---

[1] بدر سے:۔ "صرف خدا کی ایک ذات ہے جو تکمیل کے لئے کسی ذریعہ کی محتاج نہیں۔"

(بدر جلد ۱ نمبر ۲۰ صفحہ ۳ مورخہ ۱۰ اگست ۱۹۰۵ء)

[2] بدر سے:۔ "مثنوی میں لکھا ہے کہ ایک بیماری ایسی ہوتی ہے کہ جب آدمی کو کوئی مارتا ہے تب تک آرام رہتا ہے جب چھوڑ دیا جائے تو تب اعضاء شکنی شروع ہو جاتی ہے۔ ایسے ہی انسان کو روحانی طور پر مار کھانے کی بیماری ہے۔" (بدر حوالہ مذکور) [3] حاشیہ (اگلے صفحہ پر)

تعالیٰ اپنی ذات میں غنی ۔ بے نیاز ہے۔ انسان کو نجات اور ابدی آسائش کے حصول کے لئے کچھ نہ کچھ تو کرنا چاہیئے جب تک وہ تکالیف اور شدائد نہیں اُٹھاتا۔ راحت اور آسائش نہیں پا سکتا۔

یہ شدائد دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ ہیں جو انسان خود مجاہدات کرتا ہے اپنے نفس کے ساتھ جنگ کرتا ہے اور اس طرح پر اکثر تکالیف میں سے ہو کر گذرتا ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ قضا و قدر خود اس پر کچھ تکالیف نازل کر دیتی ہے اور اس ذریعہ سے اسے صاف کرتی ہے اس طریق میں بچے اور انبیاء علیہم السلام کے نفوس قدسیہ ہوتے ہیں۔ وہ بیگناہ اور معصوم ہوتے ہیں اس پر بھی مصائب اور شدائد ان پر آتے ہیں وہ محض ان کی تکمیل اور ان کے اخلاق اور صدق وفا کے اظہار کیلئے

انسان کے لئے سعی اور مجاہدہ ضروری چیز ہے اور اس کے ساتھ مصائب اور مشکلات بھی ضروری ہیں۔ لیس للانسان الا ماسعٰی[1] جو لوگ سعی کرتے ہیں وہ اس کے ثمرات سے فائدہ اُٹھاتے ہیں اسی طرح پر جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مجاہدہ کرتے ہیں اور نفس کی قربانی کرتے ہیں۔ ان پر الٰہی قرب و انوار و برکات اور قبولیت کے آثار ظاہر ہوتے ہیں اور بہشت کا نقشہ ان پر کھولا جاتا ہے۔

یہ لوگ※ اس راہ سے بے خبر ہیں اور ان انعامات سے بے بہرہ۔ اس لئے ایسے گندے اور بیہودہ اعتراض کرتے ہیں۔ ان کے ہاں تو نجات کسی کو ملتی ہی نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ وہ تناسخ مان بیٹھے ہیں ہم یقین رکھتے ہیں اور یہ بالکل سچی بات ہے کہ اس عالم کی تکالیف کا اجر دوسرے عالم میں ملتا ہے

بدر میں ہے۔ "اگر کوئی سوال کرے کہ خدا تعالیٰ نے یہ مصائب کا سلسلہ کیوں رکھ دیا وہ بغیر اس کے کسی کو بہشت میں داخل کر سکتا تھا تو یہ فضول سوال ہے ہم خدا تعالیٰ کی ایک سُنّت کو دیکھتے ہیں کہ وہ اس طرح سے جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں غنی ہے اور انسان کمزور ہے۔ اُس نے انسان کے واسطے یہی رکھا ہے کہ یا تو وہ خود مجاہدات اور ریاضات سے ترقی کرتا ہے یا آسمانی قضا و قدر اس سے یہ تکمیل کرا دیتی ہے۔" (بدر جلد ۱ نمبر ۲۰ صفحہ ۳ مورخہ ۱۷ اگست ۱۹۰۵ء)

※ بدر میں ہے۔ "آریہ کمبخت اندھے ہی چلے آئے۔ وہ یہ نہیں دیکھتے کہ دوسرا عالم بھی موجود ہے انسان خدا نہیں اس میں کمزوریاں ہیں اور یہ کمزوریاں اس واسطے ہیں کہ وہ خدا کے برابر نہ کہلائے۔" (بدر حوالہ مذکور)

[1] النجم: ۴۰

جس طرح پر انبیاء و رسل کو ملتا ہے اسی طرح پر دوسرے لوگوں کو ملتا ہے۔ سنت اللہ یہی ہے۔ اور انسانی کمزوری ضروری تھی تاکہ وہ خدا کا ہمسر نہ ہو۔ اِس اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر کے مظہر تجلیات الٰہیہ ہوتا ہے اور اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ مصائب اور شدائد اُٹھائے اور بہت سی ماریں کھائے۔[1] یہ ایک ایسا واقعہ ہے کہ اس کی سچائی تجربہ سے ثابت ہو رہی ہے۔ پس جب ایک واقعہ تجربہ سے ثابت ہو جاوے تو اس پر بحث فضول ہے۔

فرمایا:۔ تناسخ کی دلیل میں جو امیر اور مفلس کا تفاوت پیش کیا جاتا ہے۔ یہ بھی ایک بیہودہ بات ہے اس لئے کہ غنی کے لئے زکوٰۃ اور صدقات رکھے ہیں کہ وہ ادا کرے اور مفلس کیلئے صبر رکھا ہے اور دونو کے لئے اجر ہے۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے کسی نے دو چار کوس کا راستہ طے کرنا ہو۔ ایک شخص کے پاس تو عمدہ عمدہ کھانے ہوں اور دوسرے کے پاس ستو ہی ہوں۔ دونو ہی اس راستہ کو طے کر لیں گے اور منزل مقصود پر جا کر اپنے اعمال کے موافق فائدہ اُٹھائیں گے۔[2]

تناسخ پر تو اس قدر اعتراض ہوتے ہیں کہ آدمی حیران ہو جاتا ہے مثلاً ایک طرف تو یہ لوگ ناطہ رشتہ میں دور دراز کی گوتوں اور ذاتوں کا لحاظ کرتے ہیں۔[3] دوسری طرف اگر بچہ کی ماں یا بہن اس کی چھوٹی عمر میں مرجاوے اور کسی دوسری جگہ جنم لیکر اس کے ساتھ بیاہی جاوے تو اس کے روکنے کا کیا انتظام ہے؟[4]

---

[1] بدر میں ہے:۔ "جو لوگ مجاہدات کرتے ہیں۔ تکالیف پر صبر کرتے ہیں۔ ان کو بڑے درجات ملتے ہیں۔ اُن میں اور ان کے غیر میں ایک امتیاز اور فرقان رکھا جاتا ہے۔ وہ قضا و قدر کا نشانہ بنتے ہیں اور ماریں کھاتے ہیں۔ پھر بڑا فضل الٰہی ان کے شامل حال ہوتا ہے۔" (بدر جلد ۱ نمبر ۲ صفحہ ۱۵ مورخہ ۱۰ اپریل ۱۹۰۵ء)

[2] حاشیہ: بدر میں ہے:۔ "آگے جا کر وہ دونو برابر ہیں" (بدر بحوالہ مذکور)

[3] حاشیہ: بدر میں ہے:۔ "دُور سے اپنے لئے بیوی تلاش کرتے ہیں جہاں قرابت کا کوئی شائبہ نہ پایا جاتا ہو" (بدر بحوالہ مذکور)

[4] بدر میں ہے:۔ "اس صورت میں یہ ضرور تھا کہ پرمیشر ایسا کرتا کہ ہر ایک شخص کے پیدا ہونے کے وقت اس کے گلے میں ایک لمبی فہرست لٹکی ہوئی ہوتی کہ فلاں فلاں مرد اور عورت کے ساتھ اس کا یہ رشتہ ہے" (بدر جلد ۱ نمبر ۲ صفحہ ۶)

اور پھر تناسخ کے لئے یہ بھی ضروری ہوگا کہ جرائم کے انواع بھی تجویز کریں۔ کیونکہ جس کثرت سے کیڑے مکوڑے پیدا ہوتے ہیں۔ یہ سب جرائم ہی کی وجہ سے ہوں گے؟ اور پھر ہر جُون کا گناہ الگ چاہیئے۔ اس قسم کے بہت سے اعتراض اس مسئلہ پر وارد ہوتے ہیں۔[1]

(الحکم جلد ۹ نمبر ۲۹ صفحہ ۴ مورخہ ۱۷ اگست ۱۹۰۵ء)

## ۱۳ اگست ۱۹۰۵ء

### دربار شام

ایک نومسلم صاحب رحیم آباد سے آئے ہوئے تھے[2] حضرت حکیم الامت نے ان کی زبانی بیان کیا کہ وہ پنڈت دیانند صاحب کے ساتھ سات سال تک رہے ہیں پھر خود نومسلم صاحب نے بیان کیا کہ میں نے ویدوں کو ایشور انند سے پڑھا ہے۔

حضرت حجۃ اللہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا کہ آپ کے قبول اسلام کی کیا تقریب ہوئی۔ جواباً کہا کہ اصل تو آپ کی پیشگوئیوں پر میری نظر تھی اور اس کے بعد دیوریا کے

---

[1] بدر میں ہے:۔ ”ایک نہیں ایسے ہزاروں اعتراض تناسخ پر وارد ہوتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ایسا عقیدہ رکھنا بھی ایک کم بختی ہے۔ برسات میں تھوڑی دیر میں لاکھوں کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں تو کیا برسات میں گناہ بہت کیا جاتا ہے؟ پھر جس قدر کیڑے مکوڑے اور حشرات الارض دنیا میں موجود ہیں زمین کے اندر اور زمین کے اوپر ہوا میں اور درختوں پر اور سمندر میں غرض جس قدر اقسام جانوروں کے ہیں چاہیئے کہ اسی قدر اقسام گناہوں کے شمار کئے جاویں مثلاً گائے بہ نسبت کُتے کے آرام میں ہے۔ گائے کی ہندو پُوجا بھی کرتے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ گائے بنانے والا گناہ ایسا سخت نہیں جیسا وہ گناہ ہے جس کے ارتکاب سے انسان کُتے کی جُون میں ڈالا جاتا ہے۔ پس آریوں کے ذمہ ہے کہ جس قدر انواع جانداروں کے ہیں اسی قدر انواع گناہ کے ثابت کریں۔“ (بدر جلد ۱ نمبر ۲۰ صفحہ ۶ مورخہ ۱۷ اگست ۱۹۰۵ء)

[2] بدر میں ہے:۔ ”گیا سے ایک نومسلم آئے ہیں“ (بدر جلد ۱ نمبر ۲۱ صفحہ ۳ مورخہ ۲۴ اگست ۱۹۰۵ء)

مباحثہ میں مجھ پر اسلام کی سچائی واضح ہو گئی اور میں مسلمان ہو گیا۔

اس کے بعد انہوں نے سوال کیا کہ معراج کے متعلق حضور کی کیا رائے ہے؟ کیا وہ جسمانی تھا یا رُوحانی؟ اس کے جواب میں حضرت اقدس نے ذیل کی تقریر فرمائی:۔

فرمایا:۔ جبتک انسان بیخبر ہوتا ہے اس کی باتیں نری اٹکلیں ہی ہوتی ہیں۔ ایسا ہی معراج کے متعلق لوگوں کا حال ہے۔ وہ اس کی حقیقت اور اصلیت سے بیخبر ہیں۔ ہم تو معراج کو بالکل بیداری تسلیم کرتے ہیں۔ ہاں ایک بیداری دنیاداروں کی ہے اور ایک بیداری عارفوں، صادقوں، نبیوں اور خدا رسیدہ لوگوں کی بیداری ہوتی ہے اور ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم چونکہ تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل اور تمام صادقوں اور عارفوں کے سردار ہیں اس لحاظ سے یہ مرتبہ بھی آپ کا سب سے بڑھا ہوا ہے۔ معراج ایک کشفی معاملہ تھا یہ بھی یاد رہے کہ کشف دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک کشف ایسا ہوتا ہے کہ اس میں غیبتِ حس زیادہ ہوتی ہے۔ دوسرا کشف ایسا ہوتا ہے کہ وہ بالکل بیداری کے رنگ میں ہوتا ہے اور دراصل ہوتی ہی بیداری ہے۔ اس قسم کے کشف کو خواب کبھی کہہ ہی نہیں سکتے بلکہ ایسے کشف کو خواب کہنا ایسی ہی غلطی ہے جیسے کوئی دن کو رات کہدے۔ اس حالت کشف میں صاحبِ کشف وہ دیکھتا ہے جو دوسرے نہیں دیکھ سکتے اور وہ اسرار مشاہدہ کرتا ہے جو دوسروں کو نصیب نہیں ہوتے۔ اس بیداری میں (جو عام لوگوں کی حالت ہوتی ہے) اس بیداری کے مقابلہ میں صدہا پردے اور حجاب ہیں۔ اگر اس کو اندھا کہیں تو زیادہ مناسب ہے اور اگر بہرہ کہیں تو زیادہ موزوں ہے لیکن اس کشفی بیداری میں اعلیٰ درجہ کی بینائی اور شنوائی عطا ہوتی ہے جس میں صاحب کشف وہ حالات دیکھتا ہے جو کسی نے نہ دیکھے ہوں اور وہ باتیں سنتا ہے جو کبھی نہ سُنی ہوں۔ پس اس قسم کی بیداری کے ساتھ وہ معراج تھا اور ایک لطیف اور رُوحانی جسم کے ساتھ تھا۔

انسان کے جسم دو ہیں۔ ایک زمینی اور دوسرا آسمانی جسم ہے۔ زمینی جسم کے متعلق قرآن شریف میں آیا ہے۔ الم نجعل الارض کفاتاً[1] پس آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا معراج جس جسم کے

[1] المرسلات ۲۶

کے ساتھ ہوا وہ آسمانی جسم تھا۔ وہ معراج قابل تعریف نہیں جو عوام مانتے ہیں چونکہ ہر شخص اپنی حد تک بات کرتا ہے بچہ اس حد تک ہی کہتا ہے جو کھیل تک محدود ہو۔ کم علم اپنی حد تک۔ اسی طرح یہ لوگ چونکہ اس حقیقت سے محض ناواقف ہیں اس لئے اعتراض کرتے ہیں۔ اصل بات یہی ہے کہ ایسا کشفی رنگ تھا کہ اس کو ہرگز خواب نہیں کہہ سکتے۔ یہ سچی بیداری تھی جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو وہ کمال حاصل ہوا۔ اور یہ حاصل نہیں ہو سکتا جبتک کامل درجہ کا تقدس اور تطہر نہ ہو۔

اس تقریر کو سُنکر شیخ عبدالحق صاحب (جو اس نومسلم کا نام ہے) نے کہا۔ یہ تو بالکل سچ ہے افسوس یہ مخالف مولوی منبروں پر چڑھ کر کہتے ہیں کہ وہ معراج جسے ہی منکر ہیں۔ اس پر پھر حضرت اقدس نے سلسلہ تقریر شروع کیا۔ فرمایا:۔

جو کچھ اسلام کا زیور تھا جس پر اسلام کو ہمیشہ ناز تھا اور جو اسلام اور دوسرے مذاہب میں مابہ الامتیاز تھا اس سے یہ لوگ بالکل بیخبر ہیں۔ اسلام کے سوا جس قدر مذاہب دنیا میں موجود ہیں۔ اُن کی یہ حالت ہے کہ جیسے کوئی شخص اپنے محبوب کی بڑی تعریف کرے لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہدے کہ ہاں ایک آنکھ اس کی نہیں اور دوسرا ساری تعریفیں کرنے کے بعد کہدے کہ اس کی شنوائی نہیں یا ایک ٹانگ نہیں۔ غرض کوئی نہ کوئی نقص ضرور مانتے ہیں۔ پورے طور پر کامل محبوب تسلیم نہیں کرتے اسلام میں یہ خوبی ہے کہ اس نے احسن طور پر خدا تعالےٰ کو دکھایا ہے اور کبھی انسان شرمندہ نہیں ہو سکتا۔ جس قسم کا خدا انسانی فطرت تقاضا کرتی ہے وہ ایسا ہی اسلام میں پائے گی۔ کوئی نقص اور کمزوری اس میں نہیں ہے۔ اسلام ایسا مذہب ہے جو ایک ہی زندہ اور ابدی مذہب ہے۔ کیونکہ اس کی تاثیرات اور پھل ہمیشہ تازہ بتازہ موجود رہتے ہیں۔ لیکن ہمارے مخالف علماء اسلام کی عام خوبیاں تو بیان کرتے ہیں کہ وہ توحید کی تعلیم دیتا ہے لیکن ایک اعلیٰ درجہ کی خوبی انکار کرتے ہیں۔ ایسا تو ایک برہمو بھی کر سکتا ہے فرض کرو کہ اگر ایک برہمو کہے کہ بیشک لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی تعلیم عمدہ ہے اور میں بھی مانتا ہوں۔ خدا تعالےٰ کی صفات بھی مانتا ہوں اور اللہ تعالےٰ کی قدرتوں پر ایمان لاتا ہوں اور تمہاری طرح ہم بھی تناسخ کے نقص بیان کرتے ہیں اور اس کی

تردید کرتے ہیں۔ باوجود ان باتوں کے وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے انکار کرتا ہے تو کیا اس کی اتنی باتیں قابلِ قدر ہو سکتی ہیں؟ ہرگز نہیں۔ اس لئے کہ اسلام کی جو اعلیٰ درجہ کی خوبی تھی وہ تو اس نے فروگذاشت کر دی۔ اللہ تعالےٰ کی ہستی کا یقینی ثبوت اور زندہ ثبوت تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت ہی تھی جب اسے وہ نہیں مانتے تو معلوم ہوا کہ باقی جو کچھ ہے وہ بھی محض خیالی امر ہے۔ اسی طرح پر ہمارے مخالف علماء کی حالت ہو رہی ہے۔ وہ چیز جو میں دنیا کو دینی چاہتا ہوں وہ ان کے پاس نہیں اور اس سے وہ غفلت کر رہے ہیں وہ یہ ہے کہ انسان جب تک اللہ تعالےٰ کی ہستی کو سمجھ نہیں لیتا اور **انا الموجود** ہونے کی آواز نہیں سُن لیتا نفسِ امارہ پر غالب نہیں آتا۔ اسلام کی اصل غرض یہی تھی جواب مفقود ہو چکی تھی۔ اسی کے احیاء کے لئے مجھے بھیجا گیا ہے۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ دنیا میں جس قدر کوئی کسی سے خوف کرتا ہے یا کسی کی طرف رغبت کرتا ہے وہ **معرفت کا ثمرہ** ہوتا ہے۔ دیکھو اگر کسی کو یہ معلوم ہو کہ اس سوراخ میں سانپ ہے تو وہ کبھی اس میں ہاتھ نہیں ڈالتا بلکہ رات کے وقت اس مکان میں بھی داخل نہ ہوگا۔ ایسا ہی اگر معلوم ہو کہ یہاں **ایک خزانہ مخفی** ہے تو اس کی طرف التفات پیدا ہو گی۔ اندھیرے میں اگر ایک چیز کو بکرا سمجھتا ہے تو جبتک اُسے بکرا سمجھتا ہے پاس کھڑا رہے گا۔ لیکن یونہی جب یہ خیال ہوگا کہ وہ شیر ہے پھر وہاں نہیں رہ سکتا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کسی چیز کی محبت اور خوف معرفت سے پیدا ہوتی ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ کوئی آدمی دانستہ زہر نہیں کھا سکتا سنکھیا خواہ شہد میں بھی ملا ہوا ہو پھر بھی کوئی اسے نہیں کھائے گا کیونکہ جانتا ہے کہ اس کو ہلاک کرنیوالی زہر ہے لیکن اسی طرح پر گناہ بھی **ایک زہر** ہے جو انسان کی رُوح کو ہلاک کرتا ہے۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر خدا تعالےٰ کی ہستی پر ایمان رکھتا ہے تو پھر بڑی دلیری اور جُرأت سے گناہ کیوں کرتا ہے۔ اگر اسے یہ معرفت ہو کہ کوئی محاسب بھی ہے تو اس قدر دلیری نہ کرے۔ یہ دلیری اور جرأت عدمِ معرفت کا نتیجہ اور ثمرہ ہے۔

غرض اسلام اور دوسرے مذاہب میں جو امتیاز ہے وہ یہی ہے کہ اسلام حقیقی معرفت عطا کرتا ہے جس سے انسان کی گناہ آلود زندگی پر موت آجاتی ہے اور پھر اُسے ایک نئی زندگی عطا کی جاتی ہے جو بہشتی زندگی ہوتی ہے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ اگر قرآن شریف سے اعراض صوری یا معنوی نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس میں اور اس کے غیروں میں فرقان رکھ دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ پر کامل یقین اور ایمان پیدا ہوتا ہے۔ اس کی قدرتوں کے عجائبات وہ مشاہدہ کرتا ہے۔ اس کی معرفت بڑھتی ہے۔ اس کی دعائیں قبول ہوتی ہیں اور اس کو وہ حواس اور قویٰ دیئے جاتے ہیں کہ وہ ان چیزوں اور اسرار قدرت کو مشاہدہ کرتا ہے جو دوسرے نہیں دیکھتے وہ ان باتوں کو سنتا ہے کہ اوروں کو اُس کی خبر نہیں اسی لئے فرمایا من کان فی ھٰذہٖ اعمٰی فھو فی الاٰخرۃ اعمٰی[1]۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس جہان کے لئے انسان اسی عالم سے حواس لے جاتا ہے۔ اسی جگہ سے وہ بصارت لے جاتا ہے جو وہاں کی اشیاء اور عجائبات کو دیکھے اور یہاں ہی سے وہ شنوائی لے جاتا ہے جو سُنے۔ گویا جو اس جہان میں وہاں کی باتیں دیکھتا اور سُنتا نہیں وہ وہاں بھی نہیں دیکھ سکیگا

یہ تھا مابہ الامتیاز اسلام اور دوسرے مذاہب کے درمیان جس کو میرے مخالف پیش نہیں کرتے اور خدا تعالیٰ نے اسی فرقان کو دے کر مجھے بھیجا ہے۔ اب سوال ہوتا ہے کہ جبکہ یہ مابہ الامتیاز ہے تو کیوں ہر شخص نہیں دیکھ لیتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ سنت اللہ اسی طرح پر واقع ہوئی ہے۔ کہ یہ بات بجز مجاہدہ، توبہ اور تبتّل تام کے نہیں ملتی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سُبُلنا[2]۔ یعنی جو لوگ ہماری راہ میں مجاہدہ کریں گے انہی کو یہ راہ ملے گی۔ پس جو لوگ خدا تعالیٰ کے وصایا اور احکام پر عمل نہ کریں بلکہ ان سے اعراض کریں اُن پر یہ دروازہ کس طرح کھُل جائے۔ یہ نہیں ہوسکتا۔ اگر کوئی شخص کہے کہ یہاں ایک خزانہ مدفون ہے اور دس بارہ دن کی محنت کے بعد نکل سکتا ہے اور کوئی شخص محنت تو کرے نہیں اور یہ کہے کہ خزانہ مل جاوے۔ کیونکر ملے گا؟ اسی طرح پر یہ خزانہ اللہ تعالیٰ نے اسلام میں رکھا ہے لیکن اس خزانہ کی کلید احکام اور ہدایتوں پر عمل ہے۔ اس کی وصیت اور ہدایت پر عمل کرنا اور محض خدا کے

[1] بنی اسرائیل: ۷۳ [2] العنکبوت: ۷۰

لئے نفس کو روک رکھنا یہ کنجی ہے اور اسلام ہی میں یہ ملتی ہے۔ من یبتغ غیر الاسلام دینًا فلن یقبل منہ۔[1] اسلام ایک چشمہ ہے۔ اگر کوئی شخص اس پر جا بیٹھا ہے اور منہ رکھ کر اس سے سیراب ہو کر نہیں پیتا تو اس کا اپنا قصور ہے۔ اس چشمہ کا کیا قصور ہے؟ اگر کوئی شخص آفتاب کی طرف سے اپنے دروازے اور کھڑکیاں بند کر لیتا ہے تو ضرور ہے کہ اس کے کمرہ میں تاریکی آجاوے اس میں آفتاب کا کوئی قصور نہیں۔ اس لئے جب تک انسان سچا مجاہدہ اور محنت نہیں کرتا وہ معرفت کا خزانہ جو اسلام میں رکھا ہوا ہے اور جس کے حاصل ہونے پر گناہ آلود زندگی پر موت وارد ہوتی ہے۔ انسان خدا تعالیٰ کو دیکھتا ہے اور اس کی آوازیں سنتا ہے اُسے نہیں مل سکتا۔ چنانچہ صاف طور پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے واما من خاف مقام ربہ و نھی النفس عن الھوٰی فان الجنۃ ھی الماوٰی۔[2] یہ تو سہل بات ہے کہ ایک شخص متکبرانہ طور پر کہدے کہ میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہوں اور باوجود اس دعویٰ کے اس ایمان کے آثار اور ثمرات کچھ بھی پیدا نہ ہوں یہ نری لاف زنی ہوگی۔ ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کی کچھ پرواہ نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ بھی اُن کی پرواہ نہیں کرتا۔

اصل بات یہی ہے کہ یہ دولت مجاہدہ اور محنت کے بغیر ہاتھ نہیں آتی ہے اور اُن راہوں پر چلنا سب کے لئے ضروری ہے۔ یہانتک کہ انبیاء و رُسل کے لئے بھی یہی راہ ہے۔ اُن کو جو فتوحات دیئے جاتے ہیں وہ اسی راہ سے ملتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام تو اس راہ میں فنا ہو جاتے ہیں اور وہی حالت ہوتی ہے جب ان سے معجزات صادر ہوتے ہیں۔ وہ عام لوگوں سے بالکل نرالی قوم ہوتی ہے۔ ہر شخص تو یہ چاہتا ہے کہ لوگ اس کی تعریف کریں۔ اس کی عزت اور شہرت ہو۔ برخلاف اس کے انبیاء علیہم السلام اپنے نفس کو بالکل بھلا دیتے ہیں اور وہ خدا تعالیٰ ہی کی عزت اور عظمت کے بھوکے پیاسے ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی عظمت اور جبروت کے اظہار کے لئے وہ ہر قسم کی ذلت کے برداشت کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ وہ تمام دکھوں اور مصیبتوں کو برداشت کرتے ہیں مگر ذرا بھی پرواہ نہیں کرتے۔ ان کی ساری خواہشیں اور آرزوئیں اسی ایک بات پر آ کر ختم

[1] آل عمران: ۸۶ [2] النازعات: ۴۱، ۴۲

ہو جاتی ہیں کہ کسی طرح پر اہلِ دنیا خدا تعالیٰ پر ایمان لاویں۔ انہیں سخت تکلیف پہنچتی ہے جب وہ دیکھتے ہیں کہ مُشرک اور خدا تعالیٰ سے دُور لوگ اپنے بتوں اور معبودوں کی ایسی تعریف کرتے ہیں جو خدا تعالیٰ کی ہونی چاہیئے۔ ایسا ہی وہ اس کو بھی برداشت نہیں کر سکتے کہ لوگ ہر قسم کے فسق و فجور اور بد اعمالیوں میں مبتلا ہو کر خدا تعالیٰ کی طرف سے مُنہ موڑیں۔ ایسی صورت میں اُن کے دل پر قلق اور کرب کا استیلا ہوتا ہے۔ پس جب اُن کے دُکھوں اور تکالیف کا اندازہ حد سے گذر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ پھر گوارا نہیں کرتا کہ وہ اس طرح پہ دُکھ اُٹھائیں۔ اس لئے وہ کرامت یا نشان ظاہر کرتا ہے۔

یہ بھی یاد رکھو کہ راستباز دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک تو انبیاء و رسل۔ یہ تو اعلےٰ درجہ کے راستباز اور مقدس وجود ہیں۔ دوسری قسم کے وہ راستباز ہیں جو عام مومن ہوتے ہیں لیکن اُن میں کچھ نہ کچھ بقایا نفس بھی موجود ہوتا ہے۔ ان دوسرے درجہ کے لوگوں کو بھی اللہ تعالیٰ کچھ نہ کچھ خوارق کا حصہ دے دیتا ہے لیکن بڑے نشانوں کے مستحق وہی قوم انبیاء و رسل کی ہے جو کسی صورت میں بھی خدا تعالیٰ کے غیر کا جلال نہیں دیکھ سکتے۔ ان کی مصیبت اور دُکھ اس لئے ہوتے ہیں کہ وہ خدا تعالیٰ کے خلاف نہ دیکھ سکتے ہیں نہ سُن سکتے ہیں۔ میرا ایمان یہی ہے کہ نوح علیہ السلام کا طوفان جو آیا اس طوفان سے پہلے ایک طوفان خود نوحؑ پر بھی آیا۔ تب وہ طوفان آیا جس نے لوگوں کو غرق کیا۔ اسی طرح پر موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں فرعون غرق ہوا مگر اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام نے ایک سخت مصیبت دیکھی جو لوگوں کی نظر سے مستور تھی مگر وہ ایسی مصیبت تھی کہ اُسے اُن کا ہی دل برداشت کر سکتا تھا اور ایسی بھاری مصیبت تھی جس نے یہ نمونہ غرق دکھایا۔ نوح علیہ السلام کا غم خیال کرو کہاں تک پہنچا ہو گا جو خدا تعالیٰ کا غضب اس طرح پر بھڑکا۔

یقیناً سمجھو کہ یہ قوم ایک عجیب قوم ہوتی ہے۔ لوگوں کے ہم و غم اپنے گھر کے دائرہ کے اندر ہوتے ہیں۔ بیوی بچوں کا غم ہوا یا اپنی عزت و دولت کے لئے۔ اور اسی لئے خدا تعالیٰ ان کی پروا نہیں کرتا۔ لیکن اس قوم کے غموں کا دائرہ بہت وسیع ہوتا ہے کیونکہ ایک طرف مخلوق کی ہمدردی

انہیں ہم و غم میں مبتلا کرتی ہے۔ دوسری طرف اللہ تعالیٰ کی عظمت اور شان بلند کرنے کے لئے کڑھتے ہیں اور یہ بات تکلف یا بناوٹ سے پیدا نہیں ہوتی۔ ان کی فطرت ہی اس قسم کی بنی ہوئی ہوتی ہے۔ اس قوم کو اس رنگ میں گویا آگ لگی ہوئی ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ گوارا نہیں کرتا کہ وہ غم میں مر جاویں۔ وہ دیکھتا ہے کہ ان کا غم محض اس کے لئے ہے۔ اُن سے اگر پُوچھا جاوے کہ وہ کیوں اس قدر غم کھاتے ہیں تو بتلا نہیں سکتے کیونکہ ان کے **تعلقات ذاتیہ** ہوتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کی عظمت کے اظہار کے لئے وہ طبعی طور پر بیقرار ہوتے ہیں۔ اور اس میں اُن کے نفس کا کچھ بھی تعلق نہیں ہوتا۔ کامل نفوس کے تعلقات جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتے ہیں وہ اس قسم کے ہیں کہ اگر بہشت دوزخ بھی نہ ہو تب بھی وہ دُور نہیں ہو سکتے۔ غرض انسان اس کی کُنہ تک نہیں پہنچ سکتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و جبروت کے لئے کس کس قسم کے قلق و کرب میں رہتے ہیں۔ جب یہ اضطراب حد سے بڑھ جاتا ہے تو پھر **آسمانی نشان** ظاہر ہوتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ خدا تعالیٰ بے پروا ہے۔ اگر ساری دنیا اس کی حمد و ستائش کرے اور کوئی بھی اس کی خلاف ورزی نہ کرے تو اس کی شان ربوبیت اور اُلوہیت میں کچھ بھی زیادتی نہیں ہو سکتی اور نہ اس سے کوئی کمی واقع ہو سکتی ہے۔ اگر سب کے سب فسق و فجور میں مبتلا ہو جائیں مگر بات یہ ہے کہ جب ایک انسان اس کے لئے ہی کھپتا ہے تو آخر اُسے اپنی **مستور ذات** کو ظاہر کرنا پڑتا ہے۔ یہی سِرّ ہے اس حدیث میں کُنْتُ کَنْزًا مَخْفِیًّا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ۔ اور یہ اسی وقت ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ کے ماموروں اور مرسلوں کا قلق۔ کرب حد سے بڑھتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے مجاہدات کا اتنا ہی نتیجہ نہیں ہوتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھتے اور پہچانتے ہیں بلکہ دنیا پر بھی احسان کرتے جائیں کیونکہ اسے بھی دکھا دیتے ہیں۔

پس نرے چھلکے پر کفایت کر لینا کافی نہیں ہے۔ ایسی متاع چُرائی جا سکتی ہے لیکن جو متاعِ حقیقی اسلام پیش کرتا ہے جو اس میں اور اس کے غیروں میں مابہ الامتیاز ہے اُسے کوئی چُرا نہیں سکتا۔ یہ بات ہے جو ہم پیش کرتے ہیں کہ **خدا تعالیٰ موجود ہے اور اُس کے**

امتیازی نشان ظاہر ہوتے ہیں۔ اسلام کے ثمرات اب بھی ایسے ہی ہیں۔ اگر کوئی ان پھلوں کو نہیں کھاتا تو اسلام کا کیا قصور؟ طبیب اگر ایک نسخہ بتا دے اور کوئی اُسے استعمال نہ کرے تو اس میں طبیب کا تو کوئی قصور نہیں ہے۔ اسلام میں یہ ایسی نعمت ہے جو کسی اَور دین میں نہیں مل سکتی۔ اسی کی طرف اشارہ کر کے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی[1] لیکن یہ نعمت نہیں مل سکتی جب تک اس طرف قدم نہ اُٹھا وے۔ اور افسوس کہ ہمارے مخالف اس نعمت کی طرف متوجہ نہیں۔

(الحکم جلد ۹ نمبر ۲۹ صفحہ ۴ تا ۶ مورخہ ۱۷؍اگست ۱۹۰۵ء)

---

## ۱۴؍اگست ۱۹۰۵ء

دربار شام

شیخ عبدالحق صاحب آریہ نومسلم نے اجازت چاہی۔ اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ

کچھ دن اَور رہو۔ دین کی تپش اور تلاش انسان کو مقدم ہونی چاہیئے۔

اس پر انہوں نے ذیل کا سوال کیا اس کا جو جواب حضرت اقدس نے دیا وہ بھی درج ہے:۔

**سوال**۔ اولوالامر سے کیا مراد ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ہر ایک مولوی اولوالامر ہے اور بعض کہتے ہیں کہ کوئی نہیں

**جواب از حضرت اقدس**۔ اصل بات یہ ہے کہ اسلام میں اس طرح پر چلا آیا ہے کہ اسلام کے بادشاہ جن کے ہاتھ میں عنانِ حکومت ہے ان کی اطاعت کرنی چاہیئے وہ بھی ایک قسم کے اولوالامر ہوتے ہیں لیکن اصل اولوالامر وہی ہوتے ہیں جن کی زندگی پاک ہوتی ہے اور ایک بصیرت اور معرفت جن کو ملتی ہے اور وہ خدا تعالیٰ سے امر پاتے ہیں۔ یعنی ماموراِلٰہی۔

بادشاہوں کے پاس حکومت ہوتی ہے وہ انتظامی امور میں تو پورا دخل رکھتے ہیں لیکن دینی امور کے لئے کیا کر سکتے ہیں۔ سچے اولوالامر وہی ہیں جن کے اتباع سے معرفت کی آنکھ ملتی ہے اور انسان معصیت سے دُور ہوتا ہے۔ ان دونو باتوں کا لحاظ اولوالامر میں رکھو۔ اگر کوئی شخص بادشاہ

[1] المائدۃ: ۴

وقت کی بغاوت کرے تو اس کا نتیجہ اس کے لئے اچھا نہیں ہوگا کیونکہ اس سے فتنہ پیدا ہوگا اور اللہ تعالیٰ فتنہ کو پسند نہیں کرتا۔ اسی طرح پر مامور کی مخالفت کرے تو سلب ایمان ہو جاتا ہے کیونکہ ان کی مخالفت سے لازم آتا ہے کہ مخالفت کرنیوالا خدا تعالےٰ کی مخالفت کرتا ہے۔

سوال۔ پھر اس وقت جو مولوی ہیں کیا اُن کو اولوالامر سمجھیں؟

جواب۔ اوخویشتن گم است کرا رہبری کند۔

اصل بات یہ ہے کہ جبتک اللہ تعالےٰ کسی کی آنکھ نہ کھولے آنکھ کھلتی نہیں۔ ان لوگوں نے دین صرف چند رسوم کا نام سمجھ رکھا ہے حالانکہ دین رسوم کا نام نہیں ہے۔ ایک زمانہ وہ ہوتا ہے جبکہ یہ باتیں محض رسم اور عادت کے طور پر سمجھی جاتی ہیں۔ یہ لوگ اسی قسم کے ہو رہے ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جن کو نماز اور روزہ سکھایا گیا تھا ان کا اور مذاق تھا وہ حقیقت کو لیتے تھے اور اسی لئے جلد مستفیض ہوتے تھے۔ پھر مدت کے بعد وہی نماز اور روزہ جو اعلیٰ درجہ کی طہارت اور خدا رسی کا ذریعہ تھا ایک رسم اور عادت سمجھا گیا۔ پس اس وقت ضرورت اس امر کی ہے کہ انسان اصل امر دین کو جو مغز ہے تلاش کرے۔

یاد رکھو انسان کو اللہ تعالیٰ نے تعبّدِ ابدی کے لئے پیدا کیا ہے۔ اس لئے اس کو چاہیئے کہ اسی میں لگا رہے۔ اس جہان کی جس قدر چیزیں ہیں۔ بیوی، بچے، احباب، رشتہ دار، مال و دولت اور ہر قسم کے املاک ان کا تعلق اسی جہان تک ہے۔ اس جہان کو چھوڑنے کے ساتھ ہی یہ سارے تعلقات قطع ہو جاتے ہیں۔ لیکن خدا تعالیٰ ہے اور اس جہان میں بھی اور اس جہان میں بھی اس کی ضرورت ہے اس لئے سچا تعلق اسی کے ساتھ ہونا چاہیئے کیونکہ نجات ابدی اسی کے ساتھ وابستہ ہے جو خدا تعالےٰ کی معرفت، محبت اور صدق، وفاداری کے تعلق پیدا کرنے سے ملتی ہے۔ یہانتک تو سب مذاہب متفق ہیں وہ نجات کا یہی ذریعہ سمجھتے ہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ یہ باتیں حاصل کیونکر ہوں؟ یہی وہ مقام ہے جہاں سے مذاہب کا تفرقہ شروع ہوتا ہے۔ اب جس مذہب نے حصول نجات کے عمدہ وسائل پیدا کئے ہیں اور جو مذہب تاثیر

اور جذب اور کشش اپنے اندر رکھتا ہے وہ سچا ہے۔ لیکن جس مذہب کے اندر وہ تاثیر اور جذب نہیں جس کی عملی تاثیروں کا کوئی نمونہ پایا نہیں جاتا وہ خواہ خدا تعالیٰ کو واحد ہی کہے لیکن جھوٹا ہے یہ توحید اس کی محض قال کے رنگ میں ہے حالی کیفیت اس میں پائی نہیں جاتی۔ حالی کیفیت تو اس وقت پیدا ہوتی ہے جبکہ غیر کا وجود بالکل نابود ہو جاوے۔ اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کرنے والا ہو۔ اسی سے ہر ایک امید و خوف ہو۔ جب تک یہ بات عملی طور پر پیدا نہ ہو نِرے قال سے کچھ نہیں بنتا۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کو واحد سمجھتا ہے پھر دوسرے سے بھی تعلق رکھتا ہے تو توحید کہاں رہی؟ یا خدا تعالیٰ کو رازق مانتا ہے مگر کسی دوسرے پر بھی بھروسہ کرتا ہے یا دوسرے سے محبت کرتا ہے یا کسی سے امید اور خوف رکھتا ہے تو اس نے واحد کہاں مانا؟ غرض ہر پہلو سے اللہ تعالیٰ کو واحد ماننے سے توحید حقیقی متحقق ہوتی ہے مگر یہ اپنے اختیار میں نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی ہستی پر کامل یقین سے پیدا ہوتی ہے۔

یک طرفہ خیال رفتہ رفتہ ضائع ہو جایا کرتے ہیں مثلاً ایک شخص خیال کرے کہ اس چوبارہ کے اندر آدمی ہے۔ جب وہ بیدار ہوگا تو اس کو کھولے گا لیکن جب اس پر دو دن، چار دن، مہینہ دو مہینے یہاں تک کہ کئی برس گذر جاویں اور کوئی آواز نہ دے نہ کھڑکا ہو تو آخر اُسے اپنا اعتقاد بدلنا پڑے گا اور خیال پیدا ہونے لگے گا کہ اگر اس کے اندر کوئی آدمی ہوتا تو ضرور بولتا۔ معلوم ہوا کہ کوئی آدمی ہے ہی نہیں۔ اسی طرح پر خدا تعالیٰ جو ان آنکھوں سے پوشیدہ ہے اس کی بابت بھی طالبِ حق چاہتا ہے کہ اس کا پورا پتہ لگے تا کہ ایمان ترقی کرے۔ ضرور ہے کہ اس کی قدرتوں کے عجائبات نظر آویں اس کی آواز بھی سنائی دے اور اس کے سُننے کا پتہ لگے لیکن اگر کسی بات کا پتہ ہی نہیں چلتا تو پھر رفتہ رفتہ ایمان کمزور ہو کر انسان دہریہ ہو جائے گا۔

یہ تو سب اہلِ مذاہب مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے اور ہماری دُعائیں سُنتا ہے مگر میں کہتا ہوں کہ وہ جس طرح پر سُنتا ہے کیا یہ ضرور نہیں کہ اسی طرح پر بولتا بھی ہو۔ اگر بولتا نہیں تو پھر اس کا سننا بھی باطل ہوگا اور پھر دوسرے صفات بھی باطل ہو جائیں گے۔ آریہ

بھی اتنا تو مانتے ہیں کہ وہ سُنتا ہے لیکن جب ہم پوچھتے ہیں کہ کیا وہ سُنتا[1] بھی ہے۔ تو یہاں آکر خاموش ہو جاتے ہیں۔ تو پھر یہ کیونکر مان لیا جاوے کہ اس کے کان تو ہیں مگر زبان نہیں۔ یہ تو ادھورا خدا ہوا۔

سچا علم اور مذہب وہی ہو سکتا ہے جو خدا تعالیٰ کی ہستی کا ثبوت دے جو سُننے کا ثبوت دیتا ہے وہ بولنے کا بھی دیتا ہے۔ اس معیار پر آکر صرف اسلام ہی ہے جو سچا ثابت ہوگا آریہ کہتے ہیں کہ کسی قدیم زمانے میں بولتا تھا اب نہیں بولتا۔ مگر ہم کہتے ہیں اس کا کیا ثبوت ہے کہ پہلے بولتا تھا؟ ایسا ہی عیسائیوں کا بھی حال ہے وہ بھی اس بات کا ثبوت نہیں دے سکتے کہ خدا بولتا ہے۔ ہاں ہم کہتے ہیں کہ جس طرح خدا تعالیٰ کو دیکھتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ وہ دیکھتا ہے اور سُنتا ہے اسی طرح ہم یقین رکھتے ہیں اور اپنے تجربہ سے کہتے ہیں کہ وہ بولتا بھی ہے۔

یہ سچ ہے کہ اس کی آواز سُننے کے لئے خود تمہارے کان بھی کھلے ہوئے ہونے چاہئیں اگر تم اپنے کان میں روئی دے دو گے تو ہرگز نہیں سُن سکتے۔ یا آفتاب اور ماہتاب کے نور سے بھاگ کر کسی تہہ خانہ میں چھُپ جاؤ تو روشنی کیونکر آسکے گی؟ ہر چیز کے حصول کیلئے ایک قانون ہوتا ہے اگر کوئی اس قانون کو چھوڑ کر اور اس سے منحرف ہو کر اُسے حاصل کرنا چاہے تو حاصل نہیں کر سکتا۔ مثلاً آنکھ۔ کان میں جو قوتیں ہیں اگر اُن سے کام نہ لے تو اثر نہیں رہتا اسی طرح پر خدا تعالیٰ نے یہ قانون مقرر کیا ہے کہ انسان اول اپنے دل کو پاک کرے اور نفسانی خواہشوں کی مخالفت کرے۔ اس سے درمیانی گرد و غبار اُٹھ جائے گا اور ثابت ہو جائے گا۔ کہ اللہ تعالیٰ سُنتا بھی ہے اور بولتا بھی ہے۔ جو لوگ عارف ہوتے ہیں ان پر یہ باتیں کھُل جاتی ہیں وہ اسی دنیا میں خدا تعالیٰ کے صفات کو مشاہدہ کرتے ہیں۔ جو شخص ان صفات کو

---

[1] کاتب کی غلطی ہے۔ دراصل یہ فقرہ یوں ہونا چاہیئے:۔
"کیا وہ بولتا بھی ہے؟" (مرتب)

کو دیکھتا نہیں وہ صرف طوطے کی طرح رٹتا ہے۔ آریوں نے جو صفائی کی ہے وہ تو پہلے سے بھی گیا گذرا والا معاملہ ہوا ہے۔ اگر انصاف سے دیکھا جاوے تو زبانی لاف و گزاف کچھ نہیں کر سکتی۔ میں یقیناً کہتا ہوں کہ ان لوگوں کے سارے دعوے باطل ہیں اس لئے کہ اُن کو رؤیت کی توفیق نہیں ملی ہے۔ جس پر اس جہان کی کھڑکی نہیں کھلی وہ کیا دیکھے گا؟

پنڈت دیانند نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ نری اٹکل ہے جیسا ایک اندھا کسی کو ہاتھ لگا کر اس کے متعلق بیان کرتا ہے اسی طرح سے انہوں نے کیا ہے۔ محض اپنے مذہب کے تعصب کی جہالت سے کہا جو کچھ کہا۔ اس کی وہ آنکھیں نہیں تھیں جو وہ اس عالم کے عجائبات کو مشاہدہ کرتا۔ اس کو بالکل خبر نہیں کہ خدا کیا ہے اور اس کی صفات کیا ہیں۔

یہ بھی یاد رکھو کہ جس چیز کے صفات دُور ہو جائیں تو وہ چیز بھی جاتی رہتی ہے۔ پھول کی صورت نوعی بھی جاتی رہے گی جب اس کے خواص اور صفات نہ ہوں۔ اسی طرح پر آریوں کے قول کے بموجب پرمیشر ہی کا وجود نہیں رہتا جبکہ یہ مان لیا جاوے کہ اس کے صفات نہیں کیونکہ وہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ کسی سے بولتا بھی ہے جب بولتا نہیں تو سُننے پہ کیا دلیل ہوگی۔ اسی طرح قدرت بھی باطل ہوئی۔ خدا تعالیٰ کے صفات قدیم سے چلے آتے ہیں۔ جب ایک صفت باطل ہوئی تو ممکن ہے کوئی دوسری بھی باطل ہو جاوے۔ سچا مذہب وہی ہے جو زندہ خدا کو پیش کرے اور وہ اسلام ہے۔

ہمارے مخالف اسلام کا اقرار کرتے ہیں مگر افسوس ہے کہ وہ اسلام کی اس قابل قدر خوبی سے انکار کرتے ہیں جب سے اسلام ہوا ہے اس میں ہمیشہ عملی نمونے رہے ہیں لیکن وہ انکار کرتے ہیں کہ اب نہیں۔ افسوس۔

---

فرمایا:۔ ایک اور بڑی خرابی ہوتی ہے کہ انسان میں علم ہو سمجھ ہو۔ پھر دنیا کے خیال اس پر غالب ہو جائیں تو اس طرح پر دینی سرگرمی نہیں رہتی وہ مُردہ یا منافق ہو جاتا ہے اس لئے

اس جماعت میں ملنے والا تو وہ ہوگا جو ہر قسم کے مصائب اور شدائد کا نشانہ بننے کو آمادہ ہو۔ لیکن محبت ہو تو سب کچھ ہو سکتا ہے جیسے ایک مست اونٹ پر جس قدر بوجھ چاہو۔ لاد دو۔

فرمایا:۔

قوی القلب آدمی ہو۔ تو یہی نہیں کہ وہ مخالفوں کے شور و شر سے امن پاتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ اس میں جذب اور کشش رکھ دیتا ہے۔

(الحکم جلد ۹ نمبر ۲۹ صفحہ ۶ و ۷ مورخہ ۱۷؍اگست ۱۹۰۵ء)

## ۲۶؍اگست ۱۹۰۵ء

آج نماز ظہر میں مسجد مبارک میں قبل از نماز ذکر آیا کہ جاپان میں اسلام کی طرف رغبت معلوم ہوتی ہے اور بعض ہندی مسلمانوں نے وہاں جانے کا ارادہ کیا ہے۔ اس پر فرمایا:۔

جن کے اندر خود ہی اسلام کی رُوح نہیں وہ دوسروں کو کیا فائدہ پہنچائیں گے جب یہ قائل ہیں کہ اب اسلام میں کوئی اس قابل نہیں ہو سکتا کہ خدا اس سے کلام کرے اور وحی کا سلسلہ بند ہے تو یہ ایک مُردہ مذہب کے ساتھ دوسرے پر کیا اثر ڈالیں گے۔ یہ لوگ صرف اپنے پر ظلم نہیں کرتے بلکہ دوسروں پر بھی ظلم کرتے ہیں کہ اُن کو اپنے عقائد اور خراب اعمال دکھا کر اسلام میں داخل ہونے سے روکتے ہیں۔ اُن کے پاس کونسا ہتھیار ہے جس سے یہ غیر مذاہب کو فتح کرنا چاہتے ہیں۔ جاپانیوں کو عُمدہ مذہب کی تلاش ہے۔ اُن کی بوسیدہ اور ردی متاع کو کون لے گا چاہیئے کہ اس جماعت میں سے چند آدمی اس کام کے واسطے تیار کئے جائیں جو لیاقت اور جرأت والے ہوں اور تقریر کرنے کا مادہ رکھتے ہوں۔

(بدر جلد ۱ نمبر ۲۱ صفحہ ۲ مورخہ ۲۴؍اگست ۱۹۰۵ء)

۱۹ / اگست ۱۹۰۵ء

ایک شخص نے اپنا خواب عرض کیا کہ فلاں آدمی نے مجھے خواب میں ایسا کہا۔ فرمایا:۔
خواب کا تعین ہمیشہ صحیح نہیں ہوتا۔ بعض دفعہ جس کو خواب میں دیکھا جاتا ہے اُس سے مراد کوئی اور شخص ہوتا ہے۔

---

کسی شخص نے اعتراض کیا کہ قرآن شریف میں حضرت مسیح کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وما قتلوہ وما صلبوہ[۱] نہ قتل کیا اور نہ صلیب دیا۔ اس میں قتل کا ذکر پہلے ہے اور صلیب پیچھے۔ حالانکہ پہلے کسی کو صلیب پر چڑھایا جاتا ہے اور بعد میں صلیب کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ قتل ہو جائے۔ برخلاف اس کے قرآن شریف میں قتل کا ذکر پہلے ہے اور صلیب کا پیچھے ہے۔ فرمایا:۔
اول تو یہود کا اعتراض جو قرآن شریف میں درج ہے وہ یہی ہے کہ انا قتلنا المسیح[۲] یعنی ہم نے مسیح کو قتل کیا۔ چونکہ انہوں نے قتل کا لفظ بولا تھا۔ اس واسطے اللہ تعالیٰ نے پہلے لفظ قتل کی ہی نفی کی۔ دوم یہ کہ یہود میں دو روایتیں تھیں۔ ایک یہ کہ ہم نے یسوع کو تلوار سے قتل کر دیا ہے اور دوسرا یہ ہے کہ اس کو صلیب پر مارا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ہر دو کی جدا جدا نفی کی۔ تیسری بات یہ ہے کہ یہودیوں کی بعض پُرانی کتب میں یہ بھی لکھا ہے کہ یسوع کو پہلے سنگسار کیا گیا تھا اور جب وہ مرگیا تو بعد میں اس کو کاٹھ پر لٹکایا گیا یعنی پہلے قتل ہوا۔ اور پیچھے صلیب۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی نفی کی اور فرمایا کہ یہود جھوٹے ہیں نہ حضرت مسیح اُن کے ہاتھوں قتل ہوئے اور نہ صلیب کے ذریعے سے مارے گئے۔

---

فرمایا:۔
خدا تعالیٰ کے صفات کا جو کامل اکمل نقشہ اسلام نے پیش کیا ہے وہ اسلام کی صداقت

[۱، ۲] النساء: ۱۵۸

پر ایک بڑی بھاری دلیل ہے۔ باقی تمام مذاہب اس معاملہ میں ناقص ہیں کہ وہ خدائی صفات کا سروپا پوری طرح بیان کر سکیں اس کی وجہ یہ ہے کہ باقی تمام مذاہب خدا تعالیٰ کی کمال طاقتوں کے صفات سے منکر ہیں۔ مثلاً آریہ کہتے ہیں کہ وہ کلام نہیں کرتا چُپ ہے۔ عیسائیوں کا بھی یہی مذہب ہے اور وہ کہتے ہیں کہ وہ کسی کو نجات دینے کی طاقت نہیں رکھتا۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص کسی شخص کی تعریف کرے اور کہے کہ وہ ایسا خوبصورت ہے اور ایسا طاقتور ہے مگر بہرہ ہے سُن نہیں سکتا اور گُونگا ہے کچھ بولتا نہیں۔ چڑچڑا ہے ہم کو نجات دینا نہیں چاہتا۔ بہشت میں بھیجتا ہے تو بھی ایک گناہ باقی رکھ لیتا ہے جس سے پھر جلد سانپ، بچھو، کُتے، سؤر کی جُون میں ڈال دیتا ہے۔ ان دینوں میں یہ برکت نہیں کہ انسان پاکیزگی حاصل کر کے خدا سے انا الموجود کی آواز کوئی سُن سکے۔ اسی واسطے یہ لوگ غفلت کی تاریکی میں پڑے ہوئے ہیں۔

فرمایا:-

جو لوگ خدا کی راہ میں مجاہدہ کرتے ہیں۔ سچی توبہ کے ساتھ اس کے آگے جُھک جاتے ہیں اُن کو خدا مل جاتا ہے مگر جو لوگ اس کے بتلائے ہوئے راہ پر نہیں چلتے اور اس میں محنت نہیں کرتے اُن کے واسطے مشکل ہے کہ وہ اس بات کو پا سکیں۔ ایسے لوگوں کی مثال اسطرح ہے کہ ایک باپ نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ فلاں مقام میں ایک خزانہ دفن ہے اور وہ زمین کے اندر اتنے ہاتھ گہرائی پر ہے جبتک اس کو کھودنے کی محنت نہ کی جاوے وہ کس طرح اُن کو مل سکتا۔

(بدر جلد ۱ نمبر ۲۱ صفحہ ۳ مورخہ ۲۴ اگست ۱۹۰۵ء)

## ۳۱ اگست ۱۹۰۵ء

۳۱ اگست کی رات کو میں نے دیکھا کہ عبد اللہ سنوری میرے پاس آیا ہے اور وہ ایک

کاغذ پیش کر کے کہتا ہے کہ اس کاغذ پر میں نے حاکم سے دستخط کرانا ہے اور جلدی جانا ہے میری عورت سخت بیمار ہے اور کوئی مجھے پوچھتا نہیں۔ دستخط نہیں ہوتے۔ اس وقت میں نے عبداللہ کے چہرہ کی طرف دیکھا تو زرد رنگ اور سخت گھبراہٹ اس کے چہرہ پر ٹپک رہی ہے میں نے اس کو کہا کہ یہ لوگ رد کھے ہوتے ہیں نہ کسی کی سفارش مانیں اور نہ کسی کی شفاعت۔ میں تیرا کاغذ لے جاتا ہوں۔ آگے جب کاغذ لے کر گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص مٹھن لال نام جو کسی زمانہ میں بٹالہ میں اکسٹرا اسسٹنٹ تھا کرسی پر بیٹھا ہوا کچھ کام کر رہا ہے اور گرد اس کے عملہ کے لوگ ہیں۔ میں نے جا کر کاغذ اس کو دیا اور کہا کہ یہ ایک میرا دوست ہے اور پرانا دوست ہے اور واقف ہے اس پر دستخط کر دو۔ اُس نے بلا تامل اسی وقت لے کر دستخط کر دیئے۔ پھر میں نے واپس آ کر وہ کاغذ ایک شخص کو دیا اور کہا خبردار ہوش سے پکڑو ابھی دستخط کیلے ہیں اور پوچھا کہ عبداللہ کہاں ہے؟ انہوں نے کہا کہ کہیں باہر گیا ہے۔ بعد اس کے آنکھ کھُل گئی اور ساتھ پھر غنودگی کی حالت ہو گئی تب میں نے دیکھا کہ اس وقت میں کہتا ہوں مقبول کو بلاؤ اس کے کاغذ پر دستخط ہو گئے ہیں۔

یہ جو مٹھن لال دیکھا گیا ہے۔ ملائک طرح طرح کے تمثلات اختیار کر لیا کرتے ہیں۔ مٹھن لال سے مراد ایک فرشتہ تھا۔ سنوری سے یہ مراد ہے۔ سنور عربی میں بلّی کو کہتے ہیں اور تعبیر کی رُو سے بلّی ایک بیماری کا نمونہ ہے عبداللہ سنوری سے مراد ہوئی وہ عبداللہ جو بیمار ہے۔

فرمایا:-

طِب تو ظاہری محکمہ ہے۔ ایک اس کے وراء محکمہ پردہ میں ہے جب تک وہاں دستخط نہ ہو۔ کچھ نہیں ہوتا۔

(بدر جلد ۱ نمبر ۲۲ صفحہ ۲، ۳ مورخہ ۳۱ر اگست ۱۹۰۵ء)